دیوبندی مولوی الیاس گھمن کی کتاب
"حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ" کا جواب

حُسَامُ الحَرَمَین اور مخالفین

مصنف

ابو احمد مولانا محمد انس رضا قادری
تخصص فی الفقہ الاسلامی، الشہادۃ العالمیۃ
ایم اے اسلامیات، ایم اے پنجابی
ایم اے اُردو

مکتبہ فیضانِ شریعت
داتا دربار مارکیٹ لاہور
0334-3298312

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

نام کتاب---------------- حسام الحرمین اور مخالفین

مصنف---------------- ابواحمد محمد انس رضا قادری بن محمد منیر

ناشر---------------- مکتبہ فیضان شریعت، داتا دربار مارکیٹ، لاہور

پروف ریڈنگ ونظر ثانی---------- ابواطہر مولانا محمد اظہر عطاری المدنی

قیمت---------------- 500 روپے

اشاعتِ اول---------------- رمضان المبارک 1435ھ، جولائی 2014ء

مکتبہ فیضان شریعت داتا دربار مارکیٹ، لاہور

0334-3298312

ملنے کے پتے

☆ مکتبہ فیضان مدینہ، فیصل آباد
☆ کرمانوالہ بک شاپ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ شبیر برادرز، اردو بازار لاہور
☆ فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور
☆ رضا ورائٹی، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ مکتبہ علامہ فضل حق، داتا دربار مارکیٹ
☆ مکتبہ قادری اینڈ ورائٹی ہاؤس
☆ منہاج کتب خانہ اینڈ سی ڈی سنٹر، لاہور
☆ دارالعلم داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ نوریہ رضویہ، گنج بخش روڈ، لاہور،
☆ مکتبہ جامعہ نعیمیہ، گڑھی شاہو، لاہور
☆ نعیمیہ بک سٹال، مکہ سنٹر، اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ جمال کرم، دربار مارکیٹ، لاہور
☆ مکتبہ باب الاسلام حیدرآباد، سندھ
☆ مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ، لاہور
☆ نظامیہ کتاب گھر، اردو بازار، لاہور
☆ مسلم کتابوی داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ مکتبہ شمس وقمر، بھاٹی چوک، لاہور
☆ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ کتب خانہ امام احمد رضا خان، داتا دربار، لاہور
☆ والضحیٰ پبلی کیشنز، داتا دربار، مارکیٹ، لاہور
☆ مکتبہ لاثانی اینڈ سی ڈی سنٹر داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ میلاد پبلیشرز، داتا دربار لاہور
☆ دارالنور، داتا دربار مارکیٹ، لاہور
☆ المعارف کتب خانہ، داتا دربار مارکیٹ
☆ مکتبہ فیضان رضا، سرگودھا
☆ قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ، لاہور
☆ مکتبہ برکات المدینہ، بہادرآباد کراچی
☆ مکتبہ اہل سنت، مکہ سنٹر، اردو بازار لاہور

فہرست

انتساب

حُسام الحرمین کے مصنّف، مصدّقین اور ان تمام علمائے کرام کے نام جو **"حسام الحرمین"** کی تائید کرنے والے ہیں۔

مقدمہ

پیش لفظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کفار کی شروع سے ہی یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کے دل سے حرمتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نکال کر انہیں بے حس کر دیا جائے کہ جو مرضی گستاخی رسول کرتا رہے، یہ مسلمان اس پر بے فکر رہیں۔ کفار اس مشن میں ابھی تک کامیاب نہ ہو سکے اور نہ ہی ہوں گے، البتہ کچھ گمراہ مولوی ضرور ان کے ہاتھ چڑھ گئے اور انہوں نے نہ صرف اپنا بیڑہ غرق کیا بلکہ امت مسلمہ کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔

ہندوستان کی تاریخ پر غور کریں تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ بعض گمراہ مولویوں نے اپنے ذاتی مفاد اور ہٹ دھرمی کے سبب امت مسلمہ میں افتراق پیدا کیا اور حرمتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر حملے کئے۔ انگریزوں نے ایسے مولویوں کو خوب استعمال کیا اور مسلمانوں میں صدیوں تک تفرقہ ڈال دیا۔ اب اگر ان گمراہ گستاخِ رسول مولویوں کی شرعی گرفت کی جائے تو بجائے رجوع کرنے اور حق تسلیم کرنے کے ان مولویوں کے پیروکار الٹا علمائے اہل سنت پر برس پڑتے ہیں اور انہیں انگریزوں کا ایجنٹ قرار دیتے ہیں۔ مقولہ مشہور ہے **”الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے“**

تفصیل کچھ یوں ہے کہ برصغیر میں جب سے اسلام آیا تب سے فقہ حنفی رائج تھی، بڑے بڑے علماء، صوفیا اور بادشاہ فقہ حنفی پر عمل پیرا تھے۔ سرکاری طور پر بھی فقہ حنفی رائج تھی۔ یہاں تک کہ انگریزوں نے حنفی مذہب کو اس ملک کے سنّی مسلمانوں کا مذہب مان کر اسی مذہب کی کتابیں ”ہدایہ، قاضی خاں، عالمگیری، درمختار“ انگریزی میں ترجمہ کرائیں اور انہی کتابوں پر مقدمات کے فیصلے ہوتے تھے۔ غیر مقلد کی کوئی کتاب نہ ترجمہ ہوئی اور نہ اس پر فیصلہ ہوا۔

ہندوستان پر جب انگریز قابض ہوئے تو مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے مختلف ہتھکنڈے استعمال کئے جن میں فرقہ واریت بھی ان کا خاص مشن رہا ہے۔ اس میں سرفہرست مرزا غلام احمد قادیانی تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی (التوفی 1904ء) نے 1901ء میں کھل کر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے کہا: ”دنیا میں کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کا نام مجھے نہیں دیا گیا۔ میں آدم ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں یعقوب ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں داؤد ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں

عیسیٰ ابن مریم ہوں، میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔“

(تتمہ حقیقت الوحی، مرزا غلام احمد، صفحہ 84)

مرزا نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شان میں بھی گستاخیاں کی چنانچہ اس نے کہا: ”آپ (حضرت عیسیٰ) کا خاندان بھی نہایت پاک اور مطہر ہے تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زنا کار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ظہور پذیر ہوا۔“

(ضمیمہ انجام آتھم، حاشیہ صفحہ7، مصنفہ غلام احمد قادیانی)

مزید کہا: ”مسیح (علیہ السلام) کا چال چلن کیا تھا، ایک کھاؤ پیو، نہ زاہد، نہ عابد، نہ حق کا پرستار، متکبر، خود بین، خدائی کا دعویٰ کرنے والا۔“

(مکتوبات احمدیہ، جلد 3، صفحہ21 تا 24)

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر بہتان باندھتے ہوئے کہا: ”یورپ کے لوگوں کو جس قدر شراب نے نقصان پہنچایا ہے اس کا سبب تو یہ تھا کہ عیسیٰ (علیہ السلام) شراب پیا کرتے تھے شاید کسی بیماری کی وجہ سے یا پرانی عادت کی وجہ سے۔“

(کشتی نوح، حاشیہ ص75، مصنفہ غلام احمد قادیانی)

اسی طرح انگریزوں نے ایک اور فتنہ سرسید احمد خان (التوفی 1316ھ، 1898ء) کا بھی ایجاد کیا۔ سرسید احمد خان نیچری تھا اور انگریزوں کا دلدادہ تھا۔ اس نے دنیاوی تعلیم کی آڑ میں مسلمانوں میں اپنے گندے عقائد پھیلانے شروع کر دیئے۔ سرسید معجزات، جنت و دوزخ، شیطان وملائکہ کا منکر تھا۔ حضرت آدم (علیہ السلام) کا جنت میں رہنا، فرشتوں کا سجدہ کرنا، حضرت عیسیٰ اور امام مہدی کا ظہور، دجال کا آنا، فرشتے کا صور پھونکنا، روز جزا و سزا، میدان حشر ونشر، پل صراط، حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت، اللہ (عزوجل) کا دیدار، ان سب کا انکار کیا جو کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ اجمعین کے بارے میں کہتا ہے کہ خلافت کا ہر کسی کو استحقاق تھا، جس کی چل گئی وہ خلیفہ ہو گیا۔

(خود نوشت، صفحہ233)

قربانی کے متعلق کہتا ہے کہ حج میں قربانی کی کوئی مذہبی اصل قرآن سے نہیں پائی جاتی۔ آگے چل کر لکھتا ہے کہ اس کا کچھ نشان مذہب اسلام میں نہیں ہے۔ حج کی قربانیاں درحقیقت مذہبی قربانیاں نہیں ہیں۔

(خود نوشت، صفحہ139)

الطاف حسین حالی **”حیاتِ جاوید“** میں لکھتا ہے کہ جب سہارن پور کی جامع مسجد کے لئے ان سے چندہ طلب کیا گیا تو انہوں نے (سرسید احمد خاں نے) چندہ دینے سے انکار کر دیا اور لکھ بھیجا کہ میں خدا کے زندہ گھروں (کالج) کی تعمیر کی فکر میں ہوں اور آپ لوگوں کو اینٹ، مٹی کے گھر کی تعمیر کا خیال ہے۔

(حیاتِ جاوید، صفحہ101، ماخوذ از، ساٹھ زہریلے سانپ، صفحہ92، تنظیم اہل سنت، کراچی)

قادیانی، سرسید احمد خان اور دیگر فتنوں نے مسلمانوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچایا جتنا وہابیوں نے پہنچایا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے نجدی فتنہ کی پیشین گوئی فرمائی تھی چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے "عن نافع عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قال ذکر النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال اللّٰھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا قالوا یارسول اللّٰہ وفی نجدنا قال اللّٰھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا قالوا یارسول اللّٰہ وفی نجدنا فاظنّہ قال فی الثالثة ھناک الزلزال والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان " ترجمہ: حضرت ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے مروی ہے حضور پُرنور سیّدِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دُعا فرمائی الٰہی! ہمارے لئے برکت دے ہمارے شام میں، ہمارے لئے برکت رکھ ہمارے یمن میں۔ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! ہمارے نجد میں۔ حضور نے دوبارہ وہی دُعا کی الٰہی! ہمارے لئے برکت کر ہمارے شام میں، الٰہی! ہمارے لئے برکت عطا کر ہمارے یمن میں۔ صحابہ نے پھر عرض کی یارسول اللہ! ہمارے نجد میں۔ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں میرے گمان میں تیسری دفعہ حضور نے نجد کی نسبت فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

(صحیح بخاری ، کتاب الفتن ،باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الفتنة من قبل المشرق، جلد9، صفحہ 54، دار طوق النجاة، مصر)

حضور (علیہ السلام) کے فرمان کی تصدیق 1111ھ میں ابن عبدالوہاب کی صورت میں ہوئی۔ ابن عبدالوہاب نجدی خارجی وہ فتنہ تھا جو نجد میں ظاہر ہوا۔ ابن عبدالوہاب نجدی گمراہ خارجی عقائد کا حامل تھا۔ ابن عبدالوہاب نجدی کے باطل عقائد کے سبب اسے نجد سے نکالا گیا، لیکن وہ مرتے دم تک اپنے عقائد کی ترویج میں مگن رہا۔ اسی ابن عبدالوہاب کے عقائد ہندوستان میں اسماعیل دہلوی کے سبب آ گئے۔ ہندوستان میں وہابی فرقے کا بانی مولوی اسماعیل بن عبدالغنی بن ولی اللہ دہلوی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) گیارہویں صدی کے آخر میں ہندوستان کے بہت بڑے عالم تھے اور بہت بڑے پیر بھی ،ان کا اثر پورے ہندوستان پر تھا بلکہ ہندوستان کے باہر بھی تھا۔ انہیں کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ہیں جو دہلی کے بہت بڑے مرکزی عالم تھے۔

مولوی اسماعیل دہلوی چونکہ شاہ ولی اللہ کا پوتا اور شاہ عبدالعزیز کا بھتیجا اور شاگرد بھی تھا۔ عوام میں بزرگ کی عقیدت عام ہے جس کے نتیجے میں اپنے استاذ اور پیر کی اولاد کو پیروں کی طرح ماننے کا جذبہ موجود ہے، اس کی وجہ سے مولوی اسماعیل دہلوی کے ماننے والوں کی اچھی خاصی تعداد دہلی اور اس کے علاقوں میں موجود تھی۔ چونکہ ان کے والدین کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا اس لئے ان کی کماحقہ تربیت نہیں ہو سکی۔ ساتھ ہی ساتھ فطری طور پر منچلے، شوخ اور نئی نئی باتوں کے گرویدہ تھے۔ مولوی

اسماعیل کے اندر انفرادیت کا خبط پیدا ہوا اور انہوں نے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرتے ہوئے عقائد اہل سنت اور فقہ حنفی کو چھوڑ کر وہابیت قبول کر لی اور اپنے ماننے والوں میں اسے پھیلانا شروع کر دیا۔ شاہ اسماعیل دہلوی نے جہاں بات بات پر شرک و بدعت کے وظیفے پڑھنا شروع کئے وہاں اللہ (عزوجل) اور رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات پر حملے کئے۔ اسماعیل دہلوی نے یہ عقیدہ اپنایا کہ اللہ (عزوجل) معاذ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے چنانچہ رسالہ یکروزی میں لکھا: "ہم نہیں مانتے کہ خدا کا جھوٹ بولنا محال ہے کیونکہ اس طرح قدرت خداوندی آدمی سے کم ہو جاتی ہے۔" اسی طرح ایک اور نیا عقیدہ ایجاد کیا کہ حضور (علیہ السلام) کی نظیر ممکن ہے یعنی حضور (علیہ السلام) جیسا کوئی اور پیدا ہو سکتا ہے چنانچہ تقویة الایمان میں لکھا: "اس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی اور جن و فرشتہ جبرائیل اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے برابر پیدا کر ڈالے۔"

(تقویة الایمان، صفحہ 35، مطبع مرکنٹائل پرنٹنگ، دہلی)

اس عقیدہ میں حضور (علیہ السلام) کے خاتم النبیین ہونے پر زد پڑتی تھی حالانکہ حضور کی نظیر ممکن نہیں ہے۔ پھر شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنے مرشد سید احمد رائے بریلی کے ساتھ مل کر ایک کتاب "صراطِ مستقیم" لکھی۔ جس میں حضور (علیہ السلام) کی شان میں سخت توہین کی۔ اس میں صاف لکھا: "زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا انہی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی ہوں اپنی ہمت (توجہ) کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ برا ہے۔"

(صراط مستقیم، صفحہ 169، اسلامی اکادمی، لاہور)

مطلب یہ کہ دیوبندیوں اور وہابیوں کا متفقہ پیشوا اسماعیل دہلوی نے نماز میں سرکار اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خیال مبارک آنے کو جانوروں کے خیالات میں ڈوبنے سے بدتر کہا۔

مزید "تقویة الایمان" میں حضور (علیہ السلام) کے متعلق لکھا کہ ان کی تعظیم بڑے بھائی جتنی کرو چنانچہ لکھا: "سو فرمایا بندگی کرو اپنے رب کی اور تعظیم کرو اپنے بھائی کی۔ یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہے وہ بڑا بھائی ہے۔ سو اسکی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔"

(تقویة الایمان، صفحہ 68، مطبع مرکنٹائل پرنٹنگ، دہلی)

انبیاء (علیہم السلام) اور اولیاء کرام کی حیثیت رب تعالیٰ کے حضور کیا ہے، اس کے بارے میں لکھا: "ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں۔" (معاذ اللہ)

(کتاب تقویة الایمان، صفحہ 16، مطبع مرکنٹائل پرنٹنگ، دہلی)

صفحہ 63 پر ہے: "سب انبیاء و اولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے کمتر ہیں۔"

(تقویۃ الایمان،صفحہ63،مطبع مرکنٹائل پرنٹنگ،دہلی)

مولوی اسماعیل دہلوی نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر افتراء باندھا کہ گویا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میں بھی ایک دن مرکرمٹی میں ملنے والا ہوں چنانچہ لکھا:''حضور فرماتے ہیں میں بھی تمہاری طرح ایک دن مرکرمٹی میں ملنے والا ہوں۔''

(تقویۃالایمان،صفحہ69،مطبع مرکنٹائل پرنٹنگ،دہلی)

انبیاءواولیاء کے اختیارات کی نفی کرتے ہوئے لکھتا ہے:''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔''

(تقویۃ الایمان،صفحہ47،مطبع مرکنٹائل پرنٹنگ،دہلی)

صفحہ 31 پر ہے:''جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سو ان کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا۔'' (تقویۃ الایمان،صفحہ31،مطبع مرکنٹائل پرنٹنگ،دہلی)

نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے شہر سے محبت وتعظیم، وہابیوں کے نزدیک شرک ہے چنانچہ اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے:''گردوپیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، یہ کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے بتائے ہیں پھر جو کوئی کسی پیر، پیغمبر یا بھوت وپری کے مکانوں کے گردوپیش کے جنگل کا ادب کرے تو اس پر شرک ثابت ہے۔''

(تقویۃ الایمان،مقدمۃ الکتاب،صفحہ8،مطبع علیمی، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور)

یہی عبارت جب مطبع مرکنٹائل پرنٹنگ نے چھاپی تو آخری جملہ غائب کردیا۔

اسماعیل دہلوی کے نظریات کا رد مجاہد تحریک آزادی مولانا فضل حق خیرآبادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے شدومد سے لکھا جس کا نام "تحقیق الفتویٰ" ہے۔خود اسماعیل دہلوی کے بھتیجے مولانا موسیٰ، مولانا مخصوص اللہ نے "تقویۃ الایمان" کا رد لکھا جس کا نام "معید الایمان" ہے۔اسماعیل دہلوی کی اس کتاب "تقویۃ الایمان" نے پورے برصغیر میں انتشار پیدا کردیا جس کا اعتراف خود اسماعیل دہلوی نے بھی کیا ہے چنانچہ اشرف علی تھانوی صاحب ان کے حوالے سے لکھتے ہیں:''میں نے (یعنی اسماعیل دہلوی نے) یہ کتاب لکھی ہے اور میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہوگیا ہے۔مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔۔۔گو اس سے شورش ہوگی مگر توقع ہے کہ لڑبھڑ کر خود ٹھیک ہوجائیں گے۔''

(ارواح ثلاثہ،صفحہ83،84،مکتبہ رحمانیہ،لاہور)

دیوبندی مولوی بھی اندر سے مانتے ہیں کہ یہ کتاب باعث فتنہ ہے لیکن اپنے مذہب کا بھرم رکھنے کے لئے اسماعیل دہلوی کا دفاع کرتے ہیں۔لیکن پھر بھی بعض دیوبندی مولویوں کے منہ سے حق نکل ہی گیا چنانچہ دیوبندی مولوی انورشاہ کشمیری

کے شاگرد سید احمد رضا بجنوری "تقویۃ الایمان" کے متعلق لکھتے ہیں:''افسوس ہے کہ اس کتاب کی وجہ سے مسلمانان ہندوپاک جن کی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ ہے اور تقریباً نوے فیصدی حنفی المسلک ہیں، دوگروہوں میں بٹ گئے۔ایسے اختلاف کی نظیر دنیائے اسلام کے کسی خطہ میں بھی ایک امام اور ایک مسلک کے ماننے والوں میں موجود نہیں۔''

(انوارالباری،جلد13،صفحہ113،ادارہ تالیفات اشرفیہ،ملتان)

اسی طرح انورشاہ کشمیری، عبدالشکور دیوبندی مرزاپوری، حسین قاسمی وغیرہ دیوبندی علماء نے بھی تقویۃ الایمان پر تنقید کی ہے۔مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی تسلیم کیا:''تقویۃ الایمان کا ملک میں چرچا ہوا تو تمام علماء میں ہلچل پڑگئی۔''

(مولانا آزاد کی کہانی،صفحہ79،ماخوذ از ختم نبوت اور تحذیر الناس،صفحہ31،ادارہ اشاعت العلوم،لاہور)

انگریزوں نے اس کتاب کی خوب تشہیر کی چنانچہ انگریز ہنٹر جس نے برصغیر کی تاریخ پر کتاب بنام Indian Muslims لکھی تھی اس نے اس کتاب کو خوب عام کیا اور مولانا زید فاروقی صاحب نے لکھا:''پروفیسر محمد شجاع الدین صدر شعبہ تاریخ دیال سنگھ کالج لاہور نے جن کی وفات 1965ء میں ہوئی ہے۔اپنے ایک خط میں پروفیسر خالد بزمی لاہور کو لکھا ہے اور اس کا اعتراف کیا ہے کہ انگریزوں نے کتاب تقویۃ الایمان بغیر قیمت کے تقسیم کی ہے۔''

(مولانا اسماعیل اور تقویۃ الایمان،صفحہ15،ماخوذ از ختم نبوت اور تحذیر الناس،صفحہ34،ادارہ اشاعت العلوم،لاہور)

اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" اور "صراط مستقیم" کے فتنے نے مسلمانوں میں تفریق کی ابتدا کردی تھی جگہ جگہ مناظرے شروع ہوچکے تھے۔ایک طرف وہابی جو اسماعیل دہلوی کے نظریے کے حامل تھے اور دوسری طرف اہل سنت فضل حق خیرآبادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے نظریہ کی تائید کرنے والے تھے۔1288ھ۔1871ء میں شیخوپورہ ضلع بدایوں میں مسئلہ امکان وامتناع النظیر پر مولانا عبدالقادر بدایونی اور امیر احمد سہسوانی کا مناظرہ ہوا۔خود شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کے ہم درس مولانا منورالدین (جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے شاگرد تھے) کا "تقویۃ الایمان" کے متعلق مناظرہ ہوا چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:''مولانا محمد اسماعیل شہید، مولانا منورالدین کے ہم درس تھے۔شاہ عبدالعزیز کے انتقال کے بعد جب انہوں نے "تقویۃ الایمان" اور جلاء العینین لکھیں اور ان کے مسلک کا ملک بھر میں چرچا ہوا تو علماء میں ہلچل پڑگئی۔ان کے رد میں سب سے زیادہ سرگرمی بلکہ سربراہی مولانا منورالدین نے دکھائی۔متعدد کتابیں لکھیں اور 1248ھ والا مشہور مباحثہ جامع مسجد (دہلی) کیا۔تمام علمائے ہند سے فتویٰ مرتب کرایا۔پھر حرمین سے فتویٰ منگوایا۔ان کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ابتدا میں مولانا اسماعیل اور ان کے رفیق اور شاہ صاحب کے داماد عبدالحی کو بہت

کچھ فہمائش کی اور ہر طرح سے سمجھایا لیکن جب ناکامی ہوئی تو بحث ورد میں سرگرم ہوئے اور جامع مسجد کا شہرہ آفاق مناظرہ ترتیب دیا۔ جس میں ایک طرف مولانا اسماعیل اور مولانا عبدالحیٔ تھے اور دوسری طرف مولانا منور الدین اور تمام علمائے دہلی۔"

(آزاد کی کہانی، صفحہ 79، چٹان پریس، لاہور)

شاہ اسماعیل دہلوی کے چچازاد بھائی مولانا شاہ مخصوص اللہ محدث دہلوی اور مولانا شاہ محمد موسیٰ بھی اسماعیل دہلوی کے مخالف تھے اور یہ دونوں بھائی بھی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمة الله تعالیٰ علیه) کے شاگرد تھے۔ علامہ عبدالحکیم شاہجہانپوری (رحمة الله تعالیٰ علیه) نے اسماعیل دہلوی کے رد میں لکھنے والے تقریباً اسّی (80) علماء اور ان کی کتب کی ایک طویل فہرست اپنی کتاب ""مشعل راہ" المعروف "برطانوی مظالم کی کہانی"، صفحہ 265 تا 249" میں پیش کی ہے۔ ہم ان میں سے یہاں صرف چند علماء کے اسماء پیش کرتے ہیں:۔

1۔ علامہ فضل حق خیرآبادی 2۔ شاہ مخصوص اللہ دہلوی 3۔ شاہ محمد موسیٰ دہلوی 4۔ مولانا منور الدین دہلوی 5۔ مولانا خیر الدین جالندھری 6۔ مولانا رشید الدین خان صاحب 7۔ مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی 8۔ مولانا فضل رسول بدایونی 9۔ مولانا کرامت علی جونپوری 10۔ مولانا سید جلال الدین برھانپوری 11۔ مولانا تراب علی لکھنوی 12۔ مولانا محمد عبداللہ خراسانی بالگرامی 13۔ مولانا کریم اللہ دہلوی 14۔ مولانا محمد صبغۃ اللہ مدراسی 15۔ مولانا محمد حیدر علی لکھنوی ثم حیدرآبادی 16۔ مولانا سید معین الدین سجادہ نشین احمد آباد نارہ 17۔ مولانا نقی علی خان بریلوی 18۔ مولانا قاضی ارتضاء علی خان گوپاموی 19۔ ہدایت اللہ لکھنوی 20۔ مولانا عبدالسبحان پشاوری مدراسی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

یہ سب علماء اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان (علیه رحمة الرحمن) سے پہلے کے ہیں جس سے واضح ہوا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان (علیه رحمة الرحمن) پر جو الزام لگایا جاتا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے اعلیٰ حضرت نے وہابیوں کو بے دین کہا بالکل غلط ہے وہابی شروع سے ہی غلط تھے اور ان کا رد اعلیٰ حضرت سے پہلے کے علماء کرتے رہے ہیں۔

دہلی میں کچھ لوگوں نے اسماعیل دہلوی کی تحریک کو قبول کرلیا تھا جن میں ایک مشہور عالم نذیر حسین دہلوی غیر مقلد ہیں۔ انہوں نے اپنے طور پر بلا معاوضہ حدیث پڑھانا شروع کی اور اپنے شاگردوں کو وہابیت کی تلقین کی۔ جو عقائد نجدی وہابیوں کے تھے وہی عقائد ان کے بھی تھے۔ بنیادی طور پر انہوں نے اپنے شاگردوں کو یہ سمجھایا کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی وغیرہ نے قرآن واحادیث سے جو مسائل نکال کر فقہ کی کتابوں میں لکھے ہیں وہ اکثر غلط ہیں۔ حدیث کی کتابیں موجود ہیں ہمیں چاہئے

کہ ہم براہ راست قرآن واحادیث سے مسائل نکالیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں اور عرفِ عام میں انہیں غیر مقلد کہا جاتا ہے۔ ان سے اہل سنت کا سینکڑوں مسائل میں اختلاف ہے جس کی تفصیل بہت طویل ہے۔

مولوی اسماعیل ہی سے متاثر ہو کر کچھ لوگ عقیدے میں ان کے ساتھ تھے لیکن عملی طور پر وہ اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے یعنی عملیات میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کے مقلد تھے اور تقلید کو واجب جانتے تھے جنہیں دیوبندی کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں سے نانوتہ ضلع سہارن پور کے مولوی قاسم نانوتوی (المتوفی 1290ھ۔ 1879ء) بانی مدرسہ دیوبند نے تعلیم حاصل کی۔ فراغت کے بعد دیوبند میں ایک مدرسہ کو دارالعلوم بنانے کی تحریک چلی جو وہاں کے مقامی لوگوں نے قائم کیا تھا۔ یہ مدرسہ دیوبند کی ایک مسجد جس کا نام چھتہ کی مسجد ہے قائم ہوا تھا۔ جب مدرسہ جم گیا تو مولوی محمد قاسم دیوبند پہنچ گئے اور مدرسے کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس مدرسے میں مولوی اسماعیل دہلوی اور عبدالوہاب نجدی کے عقائد کی تعلیم دینے لگے۔

ابھی "تقوية الايمان" کا فتنہ ختم نہیں ہوا تھا کہ قاسم نانوتوی نے "تحذير الناس" لکھی جس میں لکھا: "اگر بالفرض زمانہ نبوی (صلی الله علیه وآله وسلم) کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی (صلی الله علیه وآله وسلم) میں کچھ فرق نہیں آئیگا۔"

(تحذير الناس، صفحہ 34، دارالاشاعت، کراچی)

مطلب یہ کہ قاسم نانوتوی نے حضور (صلی الله علیه وآله وسلم) کو خاتم النبیین ماننے سے انکار کیا، اسی کو قادیانیوں نے دلیل بنایا اور کہہ دیا کہ حضور (صلی الله علیه وآله وسلم) کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے۔ جب قاسم نانوتوی کی یہ کتاب منظر عام پر آئی تو مسلمانوں میں مزید انتشار بھرپا ہو گیا اور ہندوستان کے تمام علماء (سوائے عبدالحیٔ) نے اس کی مخالفت کی۔ اشرف علی تھانوی صاحب لکھتے ہیں: "جس وقت مولانا (محمد قاسم نانوتوی) نے تحذير الناس لکھی ہے۔ کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کیساتھ موافقت نہیں کی، بجز مولانا عبدالحیٔ کے۔"

(الافاضات اليوميه، جلد 5، صفحہ 296، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان)

بعد میں مولانا عبدالحیٔ بھی اس کے مخالف ہو گئے تھے جیسا کہ آگے آئے گا۔ بہر حال قاسم نانوتوی پر کفر کے فتوے لگنا شروع ہو گئے چنانچہ اشرف علی تھانوی خود لکھتے ہیں: "مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ منشی حمید الدین صاحب سنبھلی فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی ایک بزرگ سے ملنے کے لئے ریاست رامپور تشریف لے گئے۔ ساتھ مولانا احمد حسن صاحب اور منشی حمید الدین صاحب رحمہما اللہ تھے۔ ریل نہ تھی۔ مراد آباد سے اس طرح چلے کہ خود حضرت (قاسم نانوتوی) پاپیادہ تھے، منشی صاحب کی بندوق اپنے کندھے پر رکھ لی اور بجبر منشی حمید الدین کو سواری پر بٹھا دیا۔ جس نے پوچھا کہ کون ہیں فرمادیتے کہ منشی حمید

الدین صاحب رئیس سنبھل ہیں۔ گویا اپنے کو ایک ملازم کی حیثیت سے ظاہر کیا۔ اس لئے تا کہ خفیہ پہنچیں۔ جب رامپور پہنچے تو ایک وارد و صادر کا نام اور پورا پتہ وغیرہ داخلہ شہر کے وقت لکھا جاتا تھا۔ حضرت (قاسم نانوتوی) نے اپنا نام خورشید حسن (تاریخی نام) بتایا اور لکھا دیا اور ایک نہایت ہی غیر معروف سرائے میں مقیم ہوئے۔ اس میں بھی ایک کمرہ چھت پر لیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ تحذیر الناس کے خلاف اہل بدعت میں ایک شور برپا تھا۔ مولانا کی تکفیریں تک ہو رہی تھیں۔ حضرت کی غرض اس اخفا سے یہی تھی کہ میرے علانیہ پہنچنے سے اس بارے میں جھگڑے اور بحثیں نہ کھڑی ہو جائیں۔" (ارواح ثلاثہ، صفحہ 249، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

تھانوی صاحب کی اس عبارت سے پتہ چلا کہ دیوبندی جو اعلیٰ حضرت پر الزام تراشی کرتے ہیں کہ وہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے انہوں نے تحذیر الناس کی عبارتیں تحریف کی اور غیر کفریہ کو کفریہ ظاہر کیا یہ دیوبندیوں کا تاریخی جھوٹ ہے۔ اعلیٰ حضرت سے پہلے بھی ہندوستان کے تمام جید علماء نے اس کی تکفیر کی تھی، کیا وہ سب بھی انگریزوں کے ایجنٹ تھے؟ دوسرا دیوبندیوں کی یہ پرانی عادت ہے جو انہیں ورثہ میں ملی ہے کہ اپنے کفریات کو نہیں دیکھتے بلکہ علماء اہل سنت کو الٹا اہل بدعت کہتے ہیں دیکھیں تحذیر الناس کی وجہ سے قاسم نانوتوی کو سارہ ہندوستان کافر کہہ رہا تھا اور تھانوی صاحب نے انہیں اہل بدعت کہہ دیا، گویا اس وقت نانوتوی صاحب اور ان کے پیروکار ہی سنی تھے باقی سارا ہندوستان بدعتی تھا معاذ اللہ (عزوجل)۔

ادھر مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی 1323ھ۔1905ء) نے اپنے وطن گنگوہ میں خانقاہ قائم کر لی اور پیری مریدی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ دیوبندی اور غیر مقلدین میں عقیدے کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں، جس کا اعتراف خود گنگوہی نے کیا ہے۔ اختلاف ہے تو صرف یہ کہ غیر مقلد کسی امام کی تقلید کو شرک سمجھتے ہیں اور دیوبندی تقلید کو واجب جانتے ہیں اور اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں۔ غیر مقلد پیری مریدی کو حرام اور بدعت کہتے ہیں اور دیوبندی بہت دھوم سے پیری مریدی کرتے تھے اور اب اگرچہ ان میں بھی پیری مریدی ناپید ہے مگر پھر بھی آٹے میں نمک برابر موجود ہے۔ ان لوگوں کا اہل سنت سے عقیدے کا اختلاف ہے۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے اپنے ایک مہر دستخطی فتویٰ میں اللہ جل شانہ کو کاذب بالفعل ٹھہرا دیا (یعنی اس بات کو تسلیم کیا کہ اللہ عزوجل نے جھوٹ بولا ہے۔) ان کا یہ فتویٰ 1308ھ میں میرٹھ سے شائع ہوا۔ ملک کے گوشے گوشے سے اس کا رد ہوتا رہا۔ گنگوہی نے اس فتویٰ کا نہ انکار کیا نہ جواب دیا۔

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی (المتوفی 1345ھ۔1926ء) کی "براھین قاطعہ" کتاب 1304ھ۔1887ء میں شائع ہوئی۔ جس کی تصدیق گنگوہی نے کی اور بعض علماء کی تحقیق کے مطابق یہ کتاب گنگوہی ہی کی ہے۔ اس کتاب میں یہ کفر

لکھا کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے؟ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

(براھین قاطعہ، صفحہ 51، مطبوعہ بلال ڈھور)

مطلب یہ کہ سرکار اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علم پاک سے شیطان و ملک الموت کے علم کو زیادہ بتایا گیا۔ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے پہلے مولانا غلام دستگیر قصوری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے مولوی خلیل انبیٹھوی اور دوسرے وہابیوں کو ریاست بہاولپور میں امکانِ کذب کے متعلق مناظرے میں شکست فاش دی اور ایسے منہ بند کیا کہ یہ رات کے اندھیرے میں وہاں سے بھاگ نکلے۔ (ضمیمہ اخبار نظام الملک، 25 اگست 1889ء)

اس مناظرے کے بعد حضرت مولانا مولوی مفتی غلام دستگیر قصوری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے براھین قاطعہ کے رد میں ایک رسالہ "تقدیس الوکیل عن اھانۃ الرشید و الخلیل" تحریر فرمایا، جس میں رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی کی تکفیر کی اور علمائے حرمین شریفین نے اس کی تصدیق کی۔ اس تحریر کے مصدقین میں دیوبندیوں کے پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اور استاد مولانا رحمت اللہ کیرانوی مرحوم بھی شامل تھے۔

ابھی یہ سب فتنے ختم نہیں ہوئے تھے کہ مولوی اشرف علی تھانوی (المتوفی 1362ھ۔1943ء) کی کتاب "حفظ الایمان" 1319ھ میں منظر عام پر آئی جس میں اشرف علی تھانوی نے حضور (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں کے علم سے تشبیہ یا برابر ٹھہراتے ہوئے لکھتے ہیں: "پھر یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی (بچہ) مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔" (حفظ الایمان، صفحہ 8، کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی، دیوبند)

دیوبندیوں کے ان کفریات کی ابتداء 1290ھ سے ہوئی جبکہ امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) نے "المتعمد المستند" کے اندر 1320ھ میں ان حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا۔ 30 سال آپ انہیں خوف خدا یاد کرواتے رہے، خط لکھتے رہے، مناظرے کی دعوت دیتے رہے۔ اس دوران علمائے اہل سنت کے کئی مناظرے ہوئے لیکن بجائے رجوع کے، ان کفریہ عبارتوں کو عین ایمان کہا جاتا رہا اور اس کی باطل تاویلیں کی جاتی رہیں۔ پھر ناامید ہو کر 1320ھ میں اعلیٰ حضرت نے

تکفیر کا فریضہ سرانجام دیا تاکہ امت مسلمہ ان گستاخیوں سے بچ سکے۔

حسام الحرمین سے پہلے ہی نانوتوی اور گنگوہی دنیا سے چل بسے تھے اور تھانوی اور انبیٹھوی صاحب کئی سال بعد بھی حیات رہے لیکن انہوں نے کوئی رجوع نہیں کیا اور نہ ہی عبارتوں کی ہیرا پھیری کرنے کا الزام اعلیٰ حضرت کو دیا اور نہ ہی یہ الزام لگایا کہ اعلیٰ حضرت انگریزوں کے ایجنٹ ہیں۔ نہ ہی تھانوی صاحب اور انبیٹھوی صاحب حرمین شریفین کے پاس گئے کہ ہمارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے، اصل عبارتیں یہ تھی تو وہ تھیں۔ بلکہ خلیل احمد انبیٹھوی صاحب جب مکہ گئے اور وہاں کے شیخ صالح کمال سے ملنے آئے۔ شیخ صالح کمال وہ شخصیت تھیں جن کا شمار مکہ مکرمہ کے جید علمائے کرام میں ہوتا تھا اور انہوں نے غلام دستگیر قصوری (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی کتاب "تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل" پر تقریظ لکھی تھی اور ان گنگوہی اور خلیل کی تکفیر کی تھی۔ انبیٹھوی صاحب مولانا شیخ صالح کمال کے پاس کچھ اشرفیاں نذرانہ لے کر پہنچے اور عرض کی کہ حضرت مجھ پر کیوں ناراض ہیں؟ فرمایا: کیا تم خلیل احمد ہو؟ کہا: ہاں! مولانا نے فرمایا: تجھ پر افسوس! تو نے براہینِ قاطعہ میں وہ شَنیع (یعنی بری) باتیں کیسے لکھیں میں تو تجھے زِندِیق (یعنی بے دین وکافر) لکھ چکا ہوں۔

انبیٹھی نے کہا: حضرت جو باتیں میری طرف نسبت کی گئی ہیں اِفتِــرا (یعنی بہتان) ہیں میری کتاب میں نہیں ہیں۔ فرمایا: تمہاری کتاب براہینِ قاطعہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور میرے پاس موجود ہے۔ انبیٹھی نے کہا: حضرت! کیا کفر سے توبہ قبول نہیں ہوتی؟ فرمایا: ہوتی ہے۔ مولانا نے چاہا کسی مُتَرجِم کو بلائیں اور براہینِ قاطعہ انبیٹھی کو دکھا کر اِن کلمات کا اقرار کرا کر توبہ لیں مگر انبیٹھی صاحب رات ہی میں جدّہ کو فرار ہو گئے۔

(ماخوذ از، ملفوظات اعلیٰ حضرت، صفحہ 195، 196، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

آج دیوبندی کہتے ہیں کہ علمائے حرمین شریفین کو اعلیٰ حضرت نے دھوکہ دیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ علمائے حرمین شریفین دیوبندی حضرات کی کفریہ عبارتوں سے بے خبر نہیں تھے کہ انہیں دھوکہ دیا جا سکے۔ 1308ھ میں جب انہوں نے "تقدیس الوکیل" پر تقریظیں لکھیں تو ان حضرات کے زمرے میں گنگوہی صاحب کے استاد مولانا رحمت اللہ کیرانوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) (المتوفی 1308ھ-1890ء) بھی تھے۔ تمام علمائے دیوبند کے پیرو کار مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) (المتوفی 1317ھ-1899ء) اور ان کے سب سے نامور شاگرد مولانا عبدالحق مہاجر الہٰ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) بھی تھے۔ کیا ان حضرات کو بھی دھوکہ دیا جا سکتا تھا؟ آخر یہ استاد اور پیر کیوں اپنے شاگردوں کو زندیق قرار دے رہے ہیں کیوں زندیق قرار دینے والوں کی تائید کر رہے تھے؟

رہے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) تو علمائے حرمین شریفین ان سے بھی ناآشنا نہیں تھے۔ 1317ھ-1899ء میں وہ آپ کے رسالہ "فتاوٰی الحرمین برجف ندوۃ المین" پر دھوم دھام سے تقاریظ لکھ چکے تھے۔ جب 1323ھ میں اعلیٰ حضرت جب ان کے پاس گئے تو انہوں نے آپ کی بے حد تعظیم کی۔ کیا انہوں نے بغیر سوچے سمجھے کفر کے فتوے دے دیئے؟

حسام الحرمین میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے دوسرے خلیفہ مولانا شیخ احمد مکی امدادی کی بھی تقریظ ہے جس میں انہوں نے اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی تعریف کی ہے۔ مولانا عبدالحق الہٰ آبادی مہاجر مکی کے نامور شاگرد یعنی محافظ کتب حرم سید اسماعیل بن خلیل (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے بھی حسام الحرمین میں تقریظ لکھی جس میں غلام احمد قادیانی، رشید احمد گنگوہی، انبیٹھوی، تھانوی کے نام لے کر انہیں کافر کہا اور فرمایا: کہ جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے تو اس کے کفر میں بھی کوئی شبہ نہیں۔

حسام الحرمین کے بعد دیوبندیوں پر قیامت ٹوٹ پڑی، اپنا مذہب بچانے کے لئے خلیل احمد سہارنپوری نے گھر میں بیٹھ کر "المہند" لکھی۔ سوالات میں جن کفریہ عبارتوں کا اصل مسئلہ تھا انہیں ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اہل سنت کے عقائد کے متعلق سوالات بنا کر اس کے جوابات دے دیئے جس کا رد صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) "التحقیقات لدفع التلبیسات" نامی رسالہ میں کیا اور اس کی جعل سازی کا بھانڈا پھوڑا۔

التحقیقات لدفع التلبیسات میں مولانا نعیم الدین مرادآبادی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ان کے فریب کا پردہ چاک کیا جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:۔

المہند میں دیوبندیوں نے اہل سنت کے عقائد ظاہر کیے، میلاد کو مستحب کہا اور خود تسلیم کرتے ہوئے لکھا: "جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم (علیہ السلام) سے اعلم (زیادہ علم والا) ہے، وہ کافر ہے۔ اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں جو یوں کہے کہ شیطان ملعون کا علم نبی (علیہ السلام) سے زیادہ ہے۔"

(المہند علی المفند، صفحہ 46، المیزان، لاہور)

دیوبندی تاریخی جھوٹ بولتے ہوئے کہتے ہیں کہ علمائے حرمین شریفین نے تسلیم کیا کہ ہم سے غلطی ہوئی ہے اسلئے انہوں نے المہند پر تصدیقات کی ہیں۔ جبکہ یہ صریح جھوٹ ہے۔ حق تو یہ تھا کہ دیوبندی وہی کفریہ عبارتیں علمائے حرمین کے سامنے پیش کرتے اور اپنے باطل تاویلات پیش کرتے، پھر اگر وہ کہتے کہ یہ کفر نہیں تو ہم بھی مانتے۔ لیکن دیوبندی مولوی نے و

عبارتیں تو پیش ہی نہیں کیں بلکہ خود ان عبارتوں کو کفر کہہ دیا اور سوالات و جوابات اہل سنت کے عقائد کے مطابق ترتیب دے دیئے۔ باقی جو دیوبندی کہتے ہیں کہ علمائے حرمین شریفین نے المھند پر تصدیقات کی ہیں یہ بھی جھوٹ ہے۔ المھند کی تصدیقات کے ذیل میں صرف مولانا محمد سعید بابصیل کی ایک تحریر ہے۔ اس تحریر میں کہیں ذکر نہیں کہ براہین قاطعہ وحفظ الایمان و تحذیر الناس وفتوائے گنگوہی پر جو حکم حسام الحرمین میں دیا گیا غلط ہے، نہ یہ تحریر ہے کہ ان کتابوں کی کوئی عبارت کفریہ نہیں۔ تصدیق کس بات کی ہے اور اس تحریر سے دیوبندیوں کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ المھند میں خود کو سنی کہا، ابن عبدالوہاب نجدی کو وہابی خارجی کہا، مولود شریف کو جائز کہا۔ اس کی مولانا نے تائید فرمادی تو یہ سنیت کی تائید ہوتی ہے نہ دیوبندیوں کی۔

اس کے بعد ایک تصدیق شیخ احمد رشید کے نام سے لکھی اور اسے علمائے مکہ سے ظاہر کیا حالانکہ وہ غیر عربی تھے کیونکہ ان کا نام تصدیق میں یوں ہے احمد رشید خاں نواب۔ اہل عرب اپنے نام کے ساتھ نواب اور خان نہیں لگاتے۔

تیسری تصدیق شیخ محبّ الدین کی ہے جن کو مہاجر لکھا ہے اور لفظ مہاجر سے ظاہر ہے کہ یہ بھی علمائے مکہ سے نہیں۔

چوتھی تحریر شیخ محمد صدیق افغانی کی ہے اس کو بھی فریب دیتے ہوئے علمائے مکہ میں شمار کیا ہے حالانکہ یہ بھی غیر عربی ہندوستانی تھے۔

پانچویں اور چھٹی تحریریں شیخ محمد عابد صاحب مفتی مالکیہ اور ان کے بھائی شیخ علی بن حسین مدرس حرم شریف کی بھی درج ہیں۔ حضرات بے شک علماء مکہ سے ہیں مگر ان کے نام سے جو تحریریں المھند میں درج ہیں وہ جعلی ہیں۔ چنانچہ المھند صفحہ 97 مطبوعہ المیزان، لاہور میں لکھا ہے: ''جناب مفتی مالکیہ اور ان کے بھائی صاحب نے بعد اس کے کہ تصدیق کردی تھی۔ مخالفین کی سعی کی وجہ سے اپنی تقریظ کو بحیلہ تقویب کلمات لے لیا اور پھر واپس نہ کیا۔ اتفاق سے اس کی نقل کرلی گئی تھی۔ سو ہدیہ ناظرین ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کی تحریر دیوبندیوں کے پاس موجود نہیں۔ ان کے نام سے تحریر چھاپنا کس قدر بیباکی ہے۔ فرض کرو، یہ سچے ہی سہی۔ اگر ان صاحبوں نے اپنی تحریر واپس لے لی اور پھر نہ دی تو وہ تحریر ان کو مقبول نہ ہوئی۔ پھر اس تحریر کو ان کی طرف منسوب کرنا کتنا بڑا مکر ہے۔

علمائے مدینہ کے نام سے ''المھند'' میں عجب چال کھیلی ہے۔ مولانا سید احمد صاحب برزنجی کے کسی رسالہ کے چند مقالوں کی تھوڑی تھوڑی عبارتیں نقل کرکے اس پر جن چوبیس پچیس صاحبوں کے دستخط تھے سب نقل کردیئے۔ وہ دستخط ''المھند'' پر نہ تھے بلکہ برزنجی صاحب کے رسالہ پر تھے، لیکن عوام کو دھوکہ دینے کیلئے وہی نام اٹھا کر المھند میں ڈال دیئے۔

المھند کے صفحہ 100 میں اس کا اقرار بھی کیا ہے۔ برزنجی صاحب کا پورا رسالہ بھی نقل نہ کیا جس کو لوگ دیکھتے کہ وہ کیا فرماتے ہیں۔ تین مقاموں کی کچھ عبارتیں لکھ ڈالیں۔ یہ کہاں کی دیانت ہے۔ اہل عقل سمجھ سکتے ہیں۔

علمائے مدینہ کی تحریرات کے سلسلے میں سب سے آخر مولانا شیخ احمد بن محمد خیر شنقیطی کی تحریر ہے۔ اس تحریر میں مولانا نے یہ تو نہیں فرمایا کہ تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان وغیرہ کی وہ عبارات جس پر حسام الحرمین میں کفر کا حکم دیا گیا ہے درست ہیں یا کفر نہیں ہیں۔

المختصر یہ کہ دیوبندی اپنے مولویوں کی گستاخیاں چھپانے میں سو فیصد ناکام رہے۔ اگر آج بھی کوئی عقل سلیم رکھنے والا مسلمان ان دیوبندی مولویوں کی اصل کتب سے وہ عبارات دیکھے، حسام الحرمین کو پڑھے اور المھند کو پڑھے تو اس پر واضح ہوجائے گا کہ حق کیا ہے؟

موضوع کی ضرورت

اوپر دیوبندیوں کی مختصر تاریخ پیش کی گئی، جس کو پڑھ کر قارئین سمجھ چکے ہوں گے کہ دیوبندیوں سے اہل سنت کے اختلاف کی اصل حقیقت کیا ہے؟ دیوبندیوں نے اپنے مولویوں کو بچانے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا کبھی کتابوں سے وہ عبارتیں نکال دیں، کبھی ان گستاخانہ عبارتوں کی باطل تاویلات کیں، لیکن کہیں بھی دال نہیں گلی۔

پھر دیوبندیوں نے اس کا ایک آسان حل نکالا کہ اعلیٰ حضرت سے پہلے جن علماء نے اسماعیل دہلوی سمیت دیگر دیوبندی مولویوں کا جو رد کیا ہے، اس کا عوام کو کچھ پتہ نہیں ہے۔ عوام میں اعلیٰ حضرت کی حسام الحرمین کتاب ہی مشہور ہے، اس لئے اعلیٰ حضرت کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ جاؤ اور اپنا مذہب بچالو۔ اس لئے دیوبندیوں نے سارے علماء کو چھوڑ کر اعلیٰ حضرت کے خلاف لکھنا اور بولنا شروع کردیا اور ہیرا پھیری کرکے اعلیٰ حضرت کو انگریزوں کا ایجنٹ ثابت کرنا شروع کردیا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ میں بھی جب دیوبندی اعلیٰ حضرت کی شان میں زبان درازی کرتے تھے تو آپ نے اشرف علی تھانوی سمیت دیگر دیوبندیوں کو کئی مرتبہ باور کروایا کہ تمہارے عقائد ونظریات کی تردید کرنا ذاتی مخالفت کی بنا پر نہیں بلکہ غلامی رسول کا حق یہی ہے کہ اپنی ذات پر لگائے الزامات کی پرواہ نہ کی جائے اور ناموس رسالت کا دفاع کرکے مسلمانوں کا ایمان بچایا جائے چنانچہ آپ نے اشرف علی تھانوی کو خط لکھا: ''الحمد للہ! اس فقیر بارگاہ غالب قدیر عز جلالہ کے دل میں کسی شخص سے ذاتی مخالفت، نہ دنیوی خصومت، مجھے میرے سرکار ابد قرار حضور پرنور سید الابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض اپنے کرم سے اس

خدمت پر مامور فرمایا ہے کہ مسلمان بھائیوں کو ایسوں کے حال سے خبر دار رکھوں جو مسلمان کہلا کر اللہ واحد قہار جل جلالہ اور محمد رسول اللہ ماذون مختار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس پر حملہ کریں تا کہ میرے عوام بھائی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھولی بھیڑیں، ان ذیاب فی ثیاب (کپڑوں میں چھپے بھیڑیوں) کے جبّوں، عماموں، مولویت، مشیخت کے مقدس ناموں، قال اللہ، قال الرسول (اللہ عزوجل اور اس کے رسول کے فرمان) کے روغنی کلاموں سے دھوکے میں آ کر شکارِ گرگانِ خونخوار ہو کر معاذ اللہ سقر میں نہ گریں۔

یہ مبارک کام بحمد المنعام اس عاجز کی طاقت سے بدر جہا خوب تر وفزوں تر ہوا اور جب تک وہ چاہے گا ہو گا۔ ذلك من فضل الله علينا و على الناس و الحمد لله رب العلمين۔ اس سے زیادہ نہ کچھ مقصود، نہ کسی کی سب وشتم و بہتان وافتراء کی پرواہ، میرے سرکار نے مجھے پہلے ہی سنا دیا تھا کہ "ولتسمعن من الذين اوتوا الكتاب من قبلكم و من الذين اشركوا اذى كثيرا وان تصبروا و تتقوا فان ذلك من عزم الامور" ترجمہ: بے شک ضرور تم مخالفوں کی طرف سے بہت کچھ برا سنو گے اور اگر صبر و تقویٰ کرو تو وہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

الحمد للہ یہ زبانی ادعا نہیں بلکہ میری کاروائیاں اس پر شاہدِ عدل ہیں۔ موافق و مخالف سب دیکھ رہے ہیں کہ امرِ دین کے علاوہ جتنے ذاتی حملے مجھ پر ہوئے، کسی کی اصلا پرواہ نہ کی، اصحابِ فقیر نے آپ کی طرف کے ہر قابلِ جواب اشتہار کے جواب دیئے جو بحمدہ تعالیٰ لاجواب رہے۔۔۔ ایسے وقائع بکثرت ہیں اور اب جو صاحب چاہیں امتحان فرمائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ ذاتی حملوں پر کبھی التفات نہ ہو گا۔ سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہوئی ہے کہ عزتِ سرکار کی حمایت کروں نہ کہ اپنی، میں تو خوش ہوں کہ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے، افتراء کرتے، برا کہتے ہیں، اتنی دیر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدگوئی، منقصت جوئی سے غافل رہتے ہیں۔ میں چھاپ چکا اور پھر لکھتا ہوں، میری آنکھ کی ٹھنڈک اس میں ہے کہ میری اور میرے آبائے کرام کی آبروئیں عزتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے سپر ہیں۔ اللھم آمین۔"

(مکتوباتِ امام احمد رضا، 115۔۔۔، مکتبہ نبویہ، لاہور)

یہ بدمذہبوں کی شروع سے عادت رہی ہے کہ جب وہ اپنے عقائد کو صحیح ثابت کرنے سے عاجز آ جاتے ہیں تو صحیح العقیدہ پر حملہ آور ہو جاتے ہیں اور اپنی گندگی دوسروں پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ امام غزالی (رحمة الله تعالىٰ عليه) امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں "إن السفيه لينظر إلى أخبث شيء في إنائه فيحرص أن يفرغه في أوعيتكم ولو ردت كلمة السفيه لسعد رادها كما شقي بها قائلها" ترجمہ: بے وقوف جب اپنے برتن میں کوئی بدترین چیز دیکھتا ہے تو اسے تمہارے برتنوں

میں ڈالنا چاہتا ہے، اگر اس کی بات کو لوٹا دیا جائے تو لوٹانے والا خوش بخت ہے جیسے وہ بات کہنے والا بد بخت ہے۔

(إحياء علوم الدين، كتاب العلم، جلد1، صفحہ25، دار المعرفة، بيروت)

دیوبندیوں نے اپنے مولویوں کو بچانے کے لئے اور اعلیٰ حضرت پر الزام تراشیوں پر چند کتابیں لکھیں، جن کا علمائے اہل سنت نے بھرپور جواب دے کر دیوبندیوں کو لاجواب کر دیا۔ ان میں چند مشہور کتابوں کا تعارف کچھ یوں ہے:۔

☆ سب سے پہلے اشرف علی تھانوی نے ہی "حفظ الایمان" میں لکھی گئی کفریہ عبارت کی خود تاویل کی اور ایک چند ورق کا رسالہ "بسط البنان" لکھا جس کا منہ توڑ جواب اعلیٰ حضرت کے شہزادے مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا (رحمة الله تعالىٰ عليه) نے دیا اور ایک کتاب بنام "وقعات السِنان" لکھی جس میں تھانوی کی باطل تاویلات کا جواب دیا۔

☆ مولوی خلیل نے "المهند" لکھی جس کے فریب کا پردہ چاک حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آباد (رحمة الله تعالىٰ عليه) نے "التحقيقات لدفع التلبيسات" میں کیا اور مناظرِ اسلام حضرت علامہ مولانا حشمت علی خان نے "رادّ المهند" میں اس کتاب کا رد کیا۔

☆ مدرسہ دیوبند کے سابق کانگریسی صدر مولوی حسین احمد ٹانڈوی نے **"شہاب ثاقب"** نامی کتاب لکھ کر گالی گلوچ کی اور ان کفریہ عبارتوں کی باطل تاویلات کیں اور اہل سنت پر خوب برسے، جس کا جواب مفتی اجمل شاہ سنبھلی (رحمة الله تعالىٰ عليه) نے **"ردّ شہاب ثاقب"** لکھ کر دیا اور الزامات کا منہ توڑ جواب دیا۔

☆ دیوبندی مولوی منظور نعمانی نے عبد الشکور اور اشرف علی تھانوی کی مدد سے ایک کتاب **"سیفِ یمانی"** لکھی جس میں کفریہ عبارات کی وہی باطل تاویلات کیں اور جھوٹ و بہتان کو جاری رکھا گیا۔ اس کا جواب بھی مفتی اجمل شاہ سنبھلی (رحمة الله تعالىٰ عليه) نے **"ردّ سیفِ یمانی"** لکھ کر دیا۔

☆ دیوبندی مولوی سرفراز صفدر گکھڑوی نے ایک کتاب **"عبارات اکابر"** میں حسبِ عادت باطل تاویلات اور الزام تراشیاں اور تحریفات کیں جس کا جواب سنی عالم دین صاحبزادہ غلام نصیر الدین سیالوی نے اپنی کتاب **"عبارات اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ"** میں دیا۔

اس کے علاوہ اور کئی دیوبندی مولویوں نے اپنے بڑوں کی کتابوں سے جھوٹ و بہتان کاپی کر کے اپنی کتب میں لکھے جن کا جواب علماء اہلسنت دیتے رہتے ہیں۔

☆ اسی سلسلہ کی ایک کڑی دیوبندی مولوی الیاس گھمن صاحب بھی ہیں جو صفدر گکھڑوی کے شاگرد ہیں۔ چھوٹی

چھوٹی چند کتابیں لکھیں، پھر ایک کتاب **"فرقہ بریلویت پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ"** لکھی جس میں اکثر مواد اپنے ہی مولویوں خصوصا احسان الٰہی ظہیر اور خالد مانچسٹر کا کاپی کر کے اور کچھ الزامات اپنی طرف سے بڑھا کر لکھ دیئے۔ پھر ایک اور کتاب مزید دیوبندی مذہب میں نمبر بنانے کے لئے **"حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ"** لکھ دی، جس میں پرانی کتابوں سے جزئیات کاپی کر کے اس میں ڈال دیئے۔ گھمن صاحب نے یہ کتاب ایسی عجیب لکھی کہ تاریخ میں کسی نے نہ لکھی ہوگی۔ پوری کتاب 205 صفحات کی لکھی اور 113 صفحات اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) پر الزام تراشیوں میں کالے کر دیئے۔ پھر 114 صفحہ سے اصل موضوع کی طرف آئے تو قاسم نانوتوی کی کفریہ عبارتوں میں وہی پرانے مولویوں کی تاویلات کاپی کیں اور 167 صفحوں تک وہی الزام تراشیاں کیں۔ پھر باقی چند صفحات پر بقیہ تینوں مولویوں رشید احمد گنگوہی، خلیل انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی کی کفریہ عبارتوں کی پرانی تاویلات کیں جن کا تفصیلی رد علمائے اہلسنت پہلے سے کر چکے تھے۔ اگر گھمن صاحب کسی سنی عالم دین کی کتاب جو انہوں نے دیوبندیوں کے رد میں لکھی ہے اس کا جواب دیتے تو پتہ چلتا کہ انہوں نے کوئی بڑا کام کیا ہے، لیکن گھمن صاحب نے وہی پرانے اعتراضات و تاویلات کر کے نئی کتاب لکھ دی جبکہ ان تاویلات کا رد کئی علماء کر چکے تھے اور اعتراضات کے جوابات بھی دے چکے تھے۔

دیوبندی الیاس گھمن کی اس کتاب سے اتنا خوش ہوئے کہ متکلم اسلام کے ساتھ ساتھ یہ کہنا شروع ہو گئے کہ الیاس گھمن نے دیوبندیوں سے سوسالہ قرض اتار دیا ہے۔ یعنی الیاس گھمن کی اس بے ڈھنگی کتاب نے حسام الحرمین کا رد کر دیا اور دیوبندی مذہب کو بچا لیا۔

راقم الحروف نے جب یہ کتاب اور دیوبندیوں کی یہ خوش فہمی پڑھی تو یہ نیت کر لی کہ اس کا جواب لکھنا ہے اور دیوبندیوں کو دوبارہ اہل سنت کا مقروض بنانا ہے۔ الحمد للہ (عزوجل)! مجھے یقین ہے کہ الیاس گھمن کا اس کتاب میں ایسا رد کیا ہے کہ آئندہ یا تو کتاب نہیں لکھیں گے اگر لکھیں گے تو اہل سنت و جماعت حنفی بریلوی کے خلاف لکھتے ہوئے سو بار سوچیں گے۔

اندازِ تحریر

اس کتاب کا اندازِ تحریر کچھ یوں ہے کہ الیاس گھمن کی کتاب کو چھوٹا اور بولڈ کر کے لکھا گیا ہے تا کہ قارئین کو الیاس گھمن کی کتاب اور اس کے جواب میں فرق واضح رہے۔

اصل مزہ کسی کتاب کے جواب لکھنے میں یہی آتا ہے کہ اس کتاب کو متن میں رکھ نیچے تفصیلی جواب دیا جائے۔ لیکن

الیاس گھمن کی یہ کتاب ایسی ہے جو بالکل بے ربط ہے، چلتے چلتے یکدم غیر متعلقہ موضوع پر لکھنا شروع ہو جاتے ہیں، پھر بے محل حوالے دے کر صفحے بڑھاتے جاتے ہیں۔ اسلئے اس پوری کتاب کو متن میں نہیں رکھا گیا، البتہ تقریبا ہر اعتراض کا مختصر اور جامع جواب دینے کی پوری کوشش کی ہے۔

میرا انداز کتاب میں گالی گلوچ کی زبان اختیار کرنے کا نہیں ہے، اگرچہ الیاس گھمن کا انداز بالکل غیر مہذب ہے۔ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اور دیگر علماء اہل سنت کے متعلق گالی گلوچ والی زبان استعمال کرتے ہوئے کبھی اعلیٰ حضرت کو دجال کہتے ہیں تو کبھی کذاب، جسے پڑھ کر یہ واضح ہوتا ہے کہ گھمن صاحب کا مقصود علمی طور پر لکھنا نہیں ہوتا بلکہ دل کی بھڑاس نکالنا ہوتا ہے۔ بہرحال فقیر نے حتی الامکان اس کتاب کو علمی انداز میں ہی لکھنے کی کوشش کی ہے، اعتراضات کے جوابات میں گالی گلوچ کی بجائے دلائل سے مہذب انداز اختیار کرنے کی کوشش کی ہے، البتہ بعض مقامات پر جذبات پر قابو نہ رکھتے ہوئے زجرا کچھ جملے ضرور لکھے ہیں۔

موضوع کی اہمیت

اس موضوع کی یہ اہمیت ہے کہ اس میں جامع اور مختصر انداز میں دیوبندیوں کی تاریخ اور ان کے کفریات اور ان کے مولویوں کی تاویلات باطلہ کو لکھ کر قاری پر واضح کیا گیا ہے کہ علمائے اہل سنت نے فقط غلامی رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حق ادا کرتے ہوئے اکابر دیوبند کی تکفیر کی ہے، کوئی ذاتی بغض نہیں ہے۔

اس کتاب کو آسان فہم انداز میں لکھا گیا ہے تا کہ کوئی بھی شخص جو حق کی تلاش میں ہو وہ یہی کتاب پڑھے تو اس کے سامنے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

اس اعتبار سے بھی اس موضوع کی بہت اہمیت ہے کہ بعض صلح کلی حبِ جاہ کے مارے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ہم بریلویوں اور دیوبندیوں میں صرف ان چند کفریہ عبارتوں کا اختلاف ہے اور کچھ فرق نہیں ہے۔ یہ اس خوش فہمی میں جی رہے ہیں کہ شاید دیوبندی ہماری صلح کلیت سے متاثر ہو کر ان کفریہ عبارات کو کفریہ سمجھ لیں۔ اس کتاب میں ان کو حقیقت کی دنیا میں لایا گیا ہے کہ ایسا ناممکن ہے کہ کوئی دیوبندی ہو کر ان کفریہ عبارات کو کفریہ سمجھے۔ نہ تو دیوبندیوں نے ان کفریہ عبارات کو کفریہ سمجھنا ہے اور نہ اہل سنت نے ان عبارتوں پر کوئی سمجھوتہ کرنا ہے۔ لہٰذا صلح کلی مولویوں اور نام نہاد پیروں سے عرض ہے کہ دیوبندیوں سے پیار کی پینگیں ڈالنا چھوڑ دیں، اپنے محبین اور مریدوں کو پکا سچا سنی کر دیں، انہی نے تمہارے مرنے کے بعد تمہارے لئے دعا کرنی ہے

اور انہی نے تمہیں ولی سمجھ کر تمہارا عرس منانا ہے۔ دیو بندی، وہابیوں نے تم سے متاثر نہیں ہونا بلکہ تمہاری بے وقوفیوں کو اہل سنت پر حجت بنانا ہے۔

آج ہمارے سامنے کئی مولویوں اور سجادہ نشینوں کی سیرت عیاں ہے کہ ساری زندگی گمراہوں کے متعلق نرم گوشہ رکھتے رہے اور آج جب مرے ہیں تو گمراہ ان کی باتوں کو اہل سنت کے خلاف پیش کرتے ہیں اور ان کے پیروکار اپنے مولویوں کی گندگی صاف کرنے میں زندگیاں صرف کر دیتے ہیں۔

آخر کیوں بعض اہل علم حضرات صلح کلی کی بیماری میں مبتلا ہیں، شاید ان کی یہی سوچ ہو کہ ہمارے مرید بڑھ جائیں گے، سارے فرقے والے ہم سے محبت کریں گے، ہمارے جنازے میں کثیر لوگ ہوں گے وغیرہ۔ لاکھ لعنت ایسی سوچ پر۔ یہ دینی نہیں بلکہ شیطانی سوچ ہے، جو بجائے اصلاح کے فتنے کا باعث ہوتی ہے اور یہ خواب خواب ہی رہ جاتا ہے حقیقت نہیں ہوتا۔ ایک سنی کے جنازے میں چار پکے سنی شامل ہوں یہ اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ ایک شخص کے جنازہ میں مختلف فرقوں کے لاکھوں لوگ موجود ہوں اور ہر فرقے والا گمان کرے کہ مرنے والا ہمارے عقائد پر تھا۔

بعض اہل علم حضرات کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ اب اس موضوع پر لکھنے کی کوئی حاجت نہیں ہے کہ ہر مسلمان جو عقل سلیم رکھنے والا ہو وہ فقط حسام الحرمین پڑھ کر سمجھ جائے گا کہ یہ دیو بندی مولویوں نے صریح حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی گستاخی کی ہے۔ اسی طرح کئی امام المساجد، خطباء اور درس نظامی کے فاضل حضرات بھی عقائد پر لکھی گئی کتابوں اور مناظروں کا ذوق وشوق نہیں رکھتے۔ لیکن جب ان کا کسی بدمذہب سے واسطہ پڑتا ہے تو اس وقت ان کے پاس عقائد اہل سنت کے دفاع میں دلائل نہیں ہوتے اور سننے میں آتا ہے کہ فلاں مولوی صاحب سائل کو مطمئن نہیں کر سکے اور وہ سائل بدمذہب ہو گیا۔

ہر دینی شخصیت کو کم از کم عقائد اہل سنت اور بدمذہبوں کے اعتراضات کے جوابات کا پتہ ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اگرچہ حسام الحرمین کتاب کافی ہے لیکن دیو بندی اس کتاب کا تو رد کرتے ہیں اور اپنے مولویوں کو عاشق رسول اور مجاہد ثابت کر کے اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) پر زبان درازی کرتے ہیں۔ اگر ہم حق پر ہونے کے باوجود ان کا جواب نہیں دیں گے تو اس طرح یہ عوام کو بدمذہب بناتے جائیں گے۔ لہٰذا اگر کوئی بدمذہب مولوی اس طرح کی بُری حرکت کر کے مسلمانوں کے عقائد خراب کرتا ہو تو اس وقت اس کا منہ بند کرنا ضروری ہوتا ہے۔ امام غزالی مناظروں کے مخالف ہونے کے باوجود فرماتے ہیں "فإذن الكلام صار من جملة الصناعات الواجبة على الكفاية حراسة لقلوب العوام عن تخيلات المبتدعة

وإنما حدث ذلك بحدوث البدع كما حدثت حاجة الإنسان إلى استئجار البذرقة فى طريق الحج بحدوث ظلم العرب وقطعهم الطريق ولو ترك العرب عدوانهم لم يكن استئجار الحراس من شروط طريق الحج فلذلك لو ترك المبتدع هذيانه لما افتقر إلى الزيادة على ما عهد فى عصر الصحابة رضى الله عنهم فليعلم المتكلم حده من الدين وأن موقعه منه موقع الحارس فى طريق الحج فإذا تجرد الحارس للحراسة لم يكن من جملة الحاج والمتكلم إذا تجرد للمناظرة والمدافعة ولم يسلك طريق الآخرة ولم يشتغل بتعهد القلب وصلاحه لم يكن من جملة علماء الدين أصلاً" ترجمہ: اس تمام گفتگو سے پتہ چلا کہ علم کلام ان پیشوں میں سے ہے جو فرض کفایہ ہیں تاکہ عوام کے دلوں کو گمراہوں کی گمراہی سے محفوظ رکھا جا سکے اور یہ علم گمراہی کے ظہور کی وجہ سے ظاہر ہوا جیسا کہ راہِ حج میں اہل عرب کے ظلم و زیادتی اور لوٹ مار کی وجہ سے محافظ کو کرائے پر لینے کی ضرورت پڑی۔ اگر عرب ظلم و زیادتی چھوڑ دیں تو راہِ حج میں محافظ کو کرائے پر لینا شرط نہ رہے گا۔ اسی طرح اگر گمراہ اپنی بکواس ترک کر دے تو اس سے زیادہ علم کی ضرورت نہ رہے گی جتنا صحابہ کرام علیہم الرضوان کے زمانے میں تھا۔ لہٰذا علم کلام والے کو جان لینا چاہئے کہ اس علم کے دین ہونے کی یہی حد ہے اور اس کی حیثیت وہی ہے جو راہِ حج میں محافظ کی ہے تو جس طرح محافظ محض حفاظت کر کے حاجی نہیں بن جائے گا اسی طرح علم کلام والا اگر صرف مناظرے اور لوگوں کا بچاؤ ہی کرتا رہا، نہ راہِ آخرت طے کیا اور نہ ہی دل کی حفاظت واصلاح کی تو ہرگز وہ عالم دین نہیں بن سکے گا۔ (إحياء علوم الدين، كتاب العلم، جلد 1، صفحه 22، دار المعرفة، بيروت)

مزید احیاء العلوم میں امام غزالی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں "إذ حدثت البدعة الصارفة عن مقتضى القرآن والسنة ونبعت جماعة لفقهوا لها شبهاً ورتبوا فيها كلاماً مؤلفاً فصار ذلك المحذور بحكم الضرورة مأذوناً فيه بل صار من فروض الكفايات وهو القدر الذى يقابل به المبتدع إذا قصد الدعوة إلى البدعة وذلك إلى حد محدود" ترجمہ: جب نئی گمراہیاں قرآن وحدیث سے پھیرنے والی پیدا ہو چکی ہیں اور ایک گروہ ایسا ظاہر ہوا کہ جس نے گمراہ عقائد میں جھوٹ گھڑ لئے اور اس میں کلام مرتب کر لئے جس کی وجہ سے اس ممنوع کام کی ضرورت کی بنا پر اجازت دی گئی بلکہ فرض کفایہ ہے لیکن اتنی مقدار میں کہ جب گمراہ گمراہی کی طرف مائل کرے تو اس کا مقابلہ کیا جا سکے۔

(إحياء علوم الدين، كتاب العلم، جلد 1، صفحه 22، دار المعرفة، بيروت)

اس طرح کی کتب پکے گمراہوں کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتیں کیونکہ ان کے دلوں پر تو مہر لگ چکی ہوتی ہے۔ اس طرح کی کتب سنیوں کے عقائد اہل سنت پر استقامت اور وہ شخص جو مذبذب ہو اس کے لئے فائدہ مند ہوتی ہیں۔ امام غزالی (رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں" ویحتاج إليه لمناظرة مبتدع ومعارضة بدعته بما يفسدها وينزعها عن قلب العامی وذلك لا ينفع إلا مع العوام قبل اشتداد تعصبهم وأما المبتدع بعد أن يعلم من الجدل ولو شيئاً يسيراً فقلما ينفع معه الكلام فإنك إن أفحمته لم يترك مذهبه وأحال بالقصور على نفسه وقدر أن عند غيره جواباً ما وهو عاجز عنه وإنما أنت ملبس عليه بقوة المجادلةوأما العامی إذا صرف عن الحق بنوع جدل يمكن أن يرد إليه بمثله قبل أن يشتد التعصب للأهواء فإذا اشتد تعصبهم وقع اليأس منهم إذ التعصب سبب يرسخ العقائد فی النفوس وهو من آفات علماء السوء فإنهم يبالغون فی التعصب للحق وينظرون إلى المخالفين بعين الازدراء والاستحقار فتنبعث منهم الدعوى بالمكافأة والمقابلة والمعاملة وتتوفر بواعثهم على طلب نصرة الباطل ويقوى غرضهم فی التمسك بما نسبوا إليه" ترجمہ: اس علم (علم کلام) کی حاجت اسلئے ہے کہ گمراہ شخص سے مناظرہ کیا جائے اور ایسی باتوں سے اس کی گمراہی کا مقابلہ کیا جائے جو گمراہی کو توڑ دیں اور عام آدمی کے دل سے اسے نکال دیں یہ بات صرف عوام کو نفع بخش ہے جبکہ وہ تعصب میں شدت کو نہ پہنچتے ہوں۔ گمراہ جب مناظرہ سیکھ لیتا ہے اگرچہ کم ہو تو اسے علم کلام بہت کم نفع دیتا ہے۔ اگر تم اسے ساکت ولاجواب بھی کر دو پھر بھی وہ اپنا مذہب نہیں چھوڑے گا کیونکہ وہ اسے اپنا قصور ٹھہرائے گا اور فرض کرے گا کہ کسی دوسرے کے پاس اس کا جواب ہے جس سے وہ عاجز آ گیا ہے اور تم نے قوتِ مناظرہ سے اس کو مغالطہ میں ڈال دیا ہے۔ جبکہ عام آدمی کو اگر اس طرح کے مناظرے کے ذریعے حق سے پھیر دیا جائے تو اسی کی مثل مناظرے سے اسے واپس لایا جا سکتا ہے۔ جب تک وہ تعصب میں متشدد نہ ہو اور اگر ان کا تعصب حد سے بڑھ جائے تو پھر ان سے ناامیدی ہو جاتی ہے کیونکہ تعصب کی وجہ سے عقائد دلوں میں پختہ ہو جاتے ہیں اور بُرے علماء کی آفات میں سے ہے، کیونکہ وہ حق کے لئے سخت تعصب سے کام لیتے اور مخالفین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان میں مقابلے اور جوابی کاروائی کا جذبہ جوش مارتا ہے اور وہ باطل کی مدد کرنے پر زیادہ آمادہ ہو جاتے ہیں اور ان کی طرف جو منسوب کیا جاتا ہے وہ اس پر قائم رہنے میں زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔

(إحياء علوم الدين، كتاب العلم، جلد1، صفحہ40، دار المعرفة، بيروت)

لہٰذا گمراہوں کے جدید سے جدید فتنوں کا رد کرنا ضروری ہے تاکہ مسلمان گمراہی سے بچ سکیں۔ علمائے اہل سنت جو بدمذہبوں کا رد کرنے والے ہیں وہ ہمارے سروں کا تاج ہیں۔ یہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر، بدمذہبوں کے طعن سن کر عقائد اہل سنت کی خدمت کرتے ہیں، ہمیں ان کی تعظیم و حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔ ہاں اگر کوئی چھوٹا موٹا دیوبندی، وہابی مولوی اپنے بڑے مولویوں کا مواد کاپی کر کے کتاب لکھے تو اسکا جواب نہ دیا جائے کہ اس طرح کے مولویوں کا جواب دینا اپنا وقت ضائع کرنا

ہے، ان کے لئے ہمارے بزرگوں کے جوابات ہی کافی ہیں۔

راقم الحروف نے اپنی طرف سے الیاس گھمن کی نہ صرف مذکورہ کتاب کا تفصیلی جواب دیا ہے بلکہ الیاس گھمن کی تمام کتب کا بھی سرسری طور پر تنقیدی جائزہ لیا ہے اور قارئین کو بتلایا ہے کہ الیاس گھمن کوئی علمی شخصیت نہیں بلکہ الزام تراشیاں اور گالی گلوچ کرنے والے شخصیت ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کوئی عام مولوی نہیں تھے کہ الیاس گھمن جیسا شخص منہ اٹھا کر ان کا رد کرنا شروع ہو جائے بلکہ اعلیٰ حضرت چودہویں صدی کے مجدد تھے۔ مجدد کی شان یہ ہوتی ہے نہ مجدد کی زندگی میں اور نہ اس کے پردہ کرنے بعد کوئی اس کا رد کر سکتا ہے۔ جو مجدد کی طرف زبان درازی کرتا ہے رب تعالیٰ معترض کو ذلیل کروا دیتا ہے۔

قارئین اگر اس کتاب میں کوئی غلطی پائیں تو ضرور میری اصلاح کریں۔ ان شاء اللہ (عزوجل) شکریہ کے ساتھ اپنی غلطی قبول کروں گا۔

المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو احمد محمد انس رضا قادری
04 رجب المرجب 1435ھ 04 مئی 2014ء

باب اول: اعلیٰ حضرت اور اکابر دیوبند کا تقابلی جائزہ

گھمن صاحب نے اپنی کتاب میں موضوع سے ہٹ کر آدھی سے زائد کتاب اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت کو مجروح ثابت کرنے پر لکھ دی۔ گھمن صاحب نے اپنے دیوبندی مناظروں کو ایک نکتہ یہ پیش کیا کہ کفریہ عبارتوں پر مناظرہ کرنے سے پہلے اعلیٰ حضرت کی شخصیت پر کلام کیا جائے۔ گھمن صاحب کی اس خواہش کو پورا کرنے کیلئے میں نے بھی پہلا تفصیلی باب اس پر باندھا کہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت پر کلام کیا جائے اور واضح کیا جائے کہ ان کی شان کیا ہے؟ اور اعلیٰ حضرت کے مقابل قاسم نانوتوی، رشید گنگوہی، خلیل انبیٹھوی اور اشرف تھانوی کی علمی حیثیت کیا ہے؟ سب سے آخر میں الیاس گھمن صاحب کی علمی حیثیت پر بھی تفصیلی کلام کیا ہے تا کہ قارئین پر عیاں ہو جائے کہ گھمن صاحب جو اعلیٰ حضرت کا رد کرنے کے لئے میدان میں آئے ہیں ان کا علمی مقام کیا ہے؟

فصل اول: اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بحیثیت مجدد

مجدد کا ثبوت

قرآن پاک میں معجزات انبیاء (علیہم السلام) کو دیکھا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ (عزوجل) نے اپنے انبیاء (علیہم السلام) میں سے جس کو جو بھی معجزہ عطا فرمایا وہ اس کی قوم کے نظریات کے مطابق انہیں عاجز کرنے والا تھا جیسے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے دور میں جادو بہت زیادہ رائج تھا، اب وہاں عصا کا معجزہ عطا فرمایا گیا کہ جس سے وہ قوم جان گئی کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ معجزہ ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے دور میں طب رائج تھی، اس دور میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو مردہ زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا گیا کہ جس کے آگے طب عاجز آگئی کہ طب میں مردہ زندہ نہیں ہوتا۔ اہل عرب میں فصاحت و بلاغت رائج تھی اللہ (عزوجل) نے قرآن کا معجزہ عطا فرما کر ان سب کو عاجز کر دیا۔ الغرض جس دور میں جو نظریات رائج تھے اللہ (عزوجل) نے اسی کے مطابق اپنے انبیاء کو معجزات عطا فرمائے۔

ہمارے پیارے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آخری نبی ہیں، اب آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ اب اللہ (عزوجل) نے اپنے محبوب کی امت پر یہ کرم فرمایا کہ ہر سو سال بعد ایک مجدد بھیجتا رہا جو اس زمانے کے فتنے کو دور کرتا رہا۔ سنن ابوداؤد کی صحیح حدیث پاک حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ اللہ (عزوجل) کے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "إن الله يبعث لهذه الأمة على رأس كل مائة سنة من يجدد لها دينها" ترجمہ: بے شک

اللہ (عزوجل) اس امت کے لئے ہر صدی پر ایسے شخص کو بھیجے گا جو امت کیلئے ان کے دین کی تجدید کر دے گا۔

(سنن أبي داود، كتاب الملاحم، باب ما يذكر في قرن المائة، جلد4، صفحہ109، المكتبة العصرية، بيروت)

مجدد کی نشانیاں

مجدد کے لئے یہ تو یقینی ہے کہ وہ صحیح العقیدہ اہل سنت و جماعت کا ہو۔ جو اہل سنت کے عقائد کے خلاف ہے وہ خود گمراہ ہے لوگوں کی کیا اصلاح کرے گا؟ علماء کرام نے مجدد کی کچھ نشانیاں بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:۔

مجدد دو صدیوں کے درمیان میں پیدا ہو یعنی پہلی صدی ہجری کا اخیر اور دوسری صدی ہجری کی ابتداء ہو۔ السیرۃ الحلبیۃ میں علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی (المتوفی 1044ھ) فرماتے ہیں "قال بعضهم يولد في كل مائة سنة رجل تام العقل۔۔أن يدرك أوائل المائة التي تليها بأن تنقضي تلك المائة وهو حي" ترجمہ: بعض علماء نے فرمایا کہ ہر سو سال میں ایک شخص پیدا ہوگا جو کامل عقل والا ہوگا۔ وہ اگلی صدی کو پائے اور پچھلی صدی میں زندہ ہو (یعنی اپنی زندگی میں اگلی صدی ہجری کو پائے)۔

(السيرة الحلبية، جلد1، صفحہ99، دار الكتب العلمية، بيروت)

مرقاۃ المفاتیح میں علی بن (سلطان) محمد ابوالحسن نور الدین الملا الہروی القاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں "(على رأس كل مائة سنة) أي: انتهائه أو ابتدائه إذا قل العلم والسنة وكثر الجهل والبدعة" ترجمہ: ہر صدی پر یعنی اس صدی کی انتہاء یا ابتداء پر آئے۔ جب علم و سنت کم ہو جائے اور بدعت و جہالت زیادہ ہو جائے۔

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب العلم، جلد1، صفحہ321، دار الفكر، بيروت)

مجدد سے مسلمانوں کو استفادہ حاصل ہو یعنی مسلمان اس کی تجدید سے مستفید ہوں نہ یہ کہ نام نہاد مجدد خود کفریات لکھ جائے اور پیروکاران کی تاویلیں کرتے کرتے مر جائیں۔ معالم التجدید والإصلاح الراشدی علی منہاج النبوۃ میں علی محمد صلابی کہتے ہیں "أن المجدد من تأتي عليه نهاية القرن وقد ظهرت أعماله التجديدية، واشتهر بالصلاح وعمّ نفعه" ترجمہ: مجدد صدی کے آخر میں آتا ہے اور اس کی حالت یہ ہوتی یہ ہے کہ اس کے تجدیدی کارنامے بالکل ظاہر ہوتے ہیں اور اس کی دینی اصلاحات معروف و مشہور ہوتی ہیں اور اس کا نفع و فائدہ عام ہوتا ہے۔

(عمر بن عبد العزيز معالم التجديد والإصلاح الراشدي على منهاج النبوة، صفحہ96، دار التوزيع والنشر الإسلامية، مصر)

مجدد کی تجدید اس کی خدمات کی وجہ سے مشہور ہوا سے خود اپنے آپ کو مجدد کہلوانا نہ پڑے۔ اہل علم حضرات خود اس کی کاوشوں کی بنا پر انہیں مجدد قرار دیں نہ یہ کہ خود دو چار جہلا میں مجدد بن جائے اور بجائے دین کو فائدہ دینے کے الٹا نقصان پہنچایا

ہو۔البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید میں ابوالعباس احمد بن محمد الفاسی الصوفی (التوفی 1224ھ) مجدد پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں"یجدد الطریقة بعد دروسها، ویحیی الحقیقة بعد خمود أنوارها، ویُظهر الشریعة بعد خفاء أعلامها۔۔۔ یمشون فی الأرض بالنصیحة، ویهدون الناس إلی رب العالمین، والله ولی المتقین، وشهرتهم تُغنی عن تعیینهم" ترجمہ: مجدد طریقت کے ناپید ہونے کے بعد اس کی تجدید کردے، حقیقت کے انوار کو ختم ہونے کے بعد زندہ کردے اور شریعت کی نشانیاں مخفی ہونے کے بعد انہیں ظاہر کردے۔مجددین زمین میں نصیحت کریں اور لوگوں کو ہدایت دیں رب تعالیٰ کی طرف اور اللہ متقیوں کا دوست ہے۔مجددین کی شہرت انہیں مستغنی کردے ان کے متعین ہونے سے۔(یعنی خود کو متعین کئے بغیر اس کی شہرت ہی اسے مجدد متعین کردے۔)

(البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، جلد3، صفحہ12، الدکتور حسن عباس زکی، القاہرة)

مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح میں وہابی مولوی ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام المبارکفوری (التوفی 1414ھ) لکھتا ہے"ولا یعلم ذلك المجدد إلا بغلبة الظن ممن عاصره من العلماء بقرائن أحواله والانتفاع بعلمه" ترجمہ: مجدد کی زندگی کے احوال اور اس کے علم سے حاصل ہونے والے فوائد کے پیش نظر ہم عصر علماء کو اس کے مجدد ہونے کا غلبہ ظن ہوجاتا ہے جس سے اس کا مجدد ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، جلد1، صفحہ340، ادارة البحوث العلمیة والدعوة والإفتاء، بنارس الهند)

مجدد اس زمانے میں موجود فتنوں کو دور کرنے کا اہل ہو یعنی ظاہری و باطنی علوم دینیہ پر اسے دسترس حاصل ہو اور بدمذہبوں کا شدومد سے رد کرنے والا ہو نہ یہ کہ صلح کلی ہو۔شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة میں ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی (التوفی 1122ھ)"من یجدد لها دینها أی یبین السنة من البدعة، ویکثر العلم وینصر أهله، ویکسر أهل البدع ویذلهم، قالوا: ولا یکون إلا عالما بالعلوم الدینیة الظاهرة والباطنة" ترجمہ: جو ان کے دین کی تجدید کرے گا یعنی سنت و بدعت کو بیان کرے گا، علم اور اہل علم کو تقویت دے گا، بدمذہبوں کا قلعہ قمع کرکے انہیں ذلیل ورسوا کرے گا۔علماء نے فرمایا مجدد علوم دینیہ ظاہرہ و باطنہ کا عالم ہو۔

(شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة، جلد10، صفحہ165، دار الکتب العلمیة، بیروت)

ملا علی قاری فرماتے ہیں"یبین السنة من البدعة ویکثر العلم ویعز أهله ویقمع البدعة ویکسر أهلها" ترجمہ: مجدد سنت و بدعت کو واضح کرے گا اور علم کو پھیلائے گا اور اہل علم کو تقویت دے گا اور بدعت کو ختم کرے گا اور

بدعت (گمراہی) پھیلانے والوں کا رد کرے گا۔

(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب العلم، جلد1، صفحہ321، دار الفکر، بیروت)

مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح میں وہابی مولوی ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام المبارکفوری (التوفی 1414ھ) لکھتا ہے"المراد من تجدید الدین للأمة إحیاء ما اندرس من العمل بالکتاب والسنة، والأمر بمقتضاهما، وإماتة البدع والمحدثات، وکسر أهلها باللسان، أو تصنیف الکتب، أو التدریس أو غیر ذلك" ترجمہ: مراد امت کے لئے دین کی تجدید ہے کہ قرآن وسنت کے اعمال جو مٹ چکے ہوں انہیں زندہ کردے اور اس کے فیصلے قرآن وسنت کے موافق ہو۔بدعتوں کو ختم کرنے والا ہو اور ان بدعتوں کو نکالنے والے گمراہوں کا زبان، تصنیف، تدریس وغیرہ سے رد کرنے والا ہو۔

(مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، جلد1، صفحہ340، ادارة البحوث العلمیة والدعوة والإفتاء الجامعة السلفیة، بنارس الهند)

علماء فرماتے ہیں ایک وقت میں متعدد افراد بھی مجدد ہوسکتے ہیں۔یعنی پوری دنیا میں مختلف مقامات پر مختلف بڑے فتنے ہوں تو ان مقامات پر ایک وقت میں ایک سے زائد مجدد بھی آسکتے ہیں، اسی طرح اگر ایک جگہ میں ہی متعدد مختلف قسم کے فتنے ہوں تو اسی جگہ صحیح العقیدہ مختلف صلاحیتوں کے ساتھ بھی مجدد بن کر آسکتے ہیں جو اپنی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے دین کی تجدید کریں۔شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة میں ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی (التوفی 1122ھ) فرماتے ہیں"نبه بعض الأئمة علی أنه لا یلزم أن یکون فی رأس کل قرن واحد فقط" ترجمہ: بعض ائمہ نے تنبیہ کی کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر صدی میں صرف ایک ہی مجدد ہو۔

(شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة، جلد10، صفحہ165، دار الکتب العلمیة)

تقریر الاستناد فی تفسیر الاجتهاد میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی (التوفی 911ھ) فرماتے ہیں"قال بعض شراح الحدیث ذهب بعض العلماء إلی أنه لا یلزم أن یکون المبعوث علی رأس المائة رجلا واحد بل قد یکون واحدا وقد یکون أکثر" ترجمہ: بعض شراح الحدیث (اس حدیث کی شرح کرنے والے علماء نے فرمایا) بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ ضروری نہیں کہ ہر صدی میں فقط ایک ہی مجدد ہو بلکہ اکثر بھی ہوسکتے ہیں۔

(تقریر الاستناد فی تفسیر الاجتهاد، صفحہ59، دار الدعوة، الاسکندریة)

مرعاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح میں وہابی مولوی ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام المبارکفوری (التوفی 1414ھ) لکھتا ہے"ولا یلزم أن یکون علی رأس کل مائة سنة مجدداً واحداً فقط، بل یمکن أن یکون

أكثر من واحد،؛ لأن قوله من يجدد يصلح للواحد وما فوقه" ترجمہ: لازم نہیں کہ ہر صدی میں صرف ایک ہی مجدد ہو بلکہ ممکن ہے کہ ایک سے زائد بھی مجدد ہوں۔ اس لئے کہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ جو تجدید کرے اور یہ فرمان ایک اور ایک سے زائد کے لئے بھی صحیح ہے۔ (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، جلد 1، صفحه 340، ادارة البحوث العلمية والدعوة والإفتاء الجامعة السلفية، بنارس الهند)

یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ (عزوجل) ایک ہی فرد میں وہ ساری خوبیاں رکھ دے جو سارے فتنے دور کر سکتا ہو۔ علامہ ابن حجر عسقلانی (رحمة الله عليه) فرماتے ہیں "لا يلزم أن يكون فی رأس كل مائة سنة واحد فقط ۔۔فإن اجتماع الصفات المحتاج إلى تجديدها لا ينحصر فی نوع من أنواع الخير ولا يلزم أن جميع خصال الخير كلها فی شخص واحد إلا أن يدعى ذلك فی عمر بن عبد العزيز فإنه كان القائم بالأمر على رأس المائة الأولى باتصافه بجميع صفات الخير۔۔ وأما من جاء بعده فالشافعی وإن كان متصفا بالصفات الجميلة إلا أنه لم يكن القائم بأمر الجهاد والحكم بالعدل" ترجمہ: لازم نہیں کہ ہر صدی میں فقط ایک ہی مجدد ہو۔ اسلئے کہ صفات کا اجتماع ہونا تجدید کا محتاج ہے جو منحصر نہیں خیر کی قسموں میں سے ایک قسم میں۔ لازم نہیں کہ تمام خوبیاں ایک شخص میں پائی جائیں مگر یہ کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کے متعلق دعویٰ کیا گیا کہ وہ پہلی صدی میں تمام صفات کے حامل تھے۔ اس کے بعد جو امام شافعی مجدد ہوئے تو اگرچہ وہ صفات جمیلہ سے متصف تھے لیکن وہ جہاد اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کے ساتھ قائم نہ تھے۔

(فتح الباری شرح صحيح البخاری، باب لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق، جلد 13، صفحه 295، دار المعرفة، بيروت)

اگر امام شافعی کے دور میں جہاد اور نظام عدل کی تجدید کی ضرورت تھی اور آپ مجدد ہونے کے ساتھ اس صفت کے حامل نہ تھے تب تو یہ بات درست ہے کہ آپ میں اس وقت کے اعتبار سے جمیع صفات پوری نہ تھی اسلئے ایک سے زائد مجدد کی ضرورت تھی۔ لیکن اگر کسی دور میں جہاد وغیرہ کی تجدید کی ضرورت ہی نہ ہو تو پھر مجدد میں اس کی صفت پائی جانا ضروری نہیں ہے۔

مجدد کی ایک نشانی یہ ہے کہ مسلمان اسے پہچانیں اور بدمذہب لوگ اس کے مخالف ہو کر اس کا انکار کریں۔ الدرر السنية فی الأجوبة النجدية میں علماء نجد الأعلام نے کہا ہے "المجدد علامات يعرفها المؤمنون، وينكرها المبطلون" ترجمہ: مجدد کی علامات یہ ہیں کہ ان علامتوں کو مؤمن پہچان لیں اور گمراہ انکار کرتے رہیں۔

(الدرر السنية فی الأجوبة النجدية، جلد 9، صفحه 72، المحقق: عبد الرحمن بن محمد بن قاسم)

چودہویں صدی کے مجدد کی کیا ذمہ داریاں تھیں؟

مجدد کی ان نشانیوں کے پڑھنے کے بعد اب اگر ہندوستان کی تاریخ کو دیکھا جائے تو چودہویں صدی میں ایک نہیں، دو نہیں بلکہ کئی فتنے رائج تھے، ختم نبوت کا فتنہ تھا، شیعوں کا فتنہ تھا، نیچریوں کا فتنہ تھا، منکرینِ حدیث کا فتنہ تھا، سائنسی و دنیاوی تعلیم کو ترجیح دینے کا فتنہ تھا، ہندو مسلم اتحاد کا فتنہ تھا، جعلی پیروں کا فتنہ تھا، غیر عقائد اہل سنت کو اہل سنت عقائد ثابت کرنے کا فتنہ تھا، تقلید کو ترک کر کے اسے بدعت و شرک ثابت کرنے کا فتنہ تھا، غیر بدعتیہ و شرکیہ افعال کو شرک و بدعت ثابت کرنے کا فتنہ تھا، گستاخانہ عبارتوں کو صحیح ایمان افروز عبارتیں ثابت کرنے کا فتنہ تھا، جدید فقہی مسائل کا حل درکار تھا، مسلمانوں کی آزادی کا مسئلہ تھا۔ اب اُس دور میں ایسے مجدد کی ضرورت تھی جو ان سب فتنوں کا شد و مد سے رد کر سکے۔

اعلیٰ حضرت کے چودہویں صدی کے مجدد ہونے پر دلائل

اب اس دور کے پورے ہندوستان کے علماء کی سیرت دیکھ لیں، صرف ایک ہی شخصیت سامنے آتی ہے جس میں یہ سب خوبیاں موجود تھیں اور جس نے ان سب فتنوں کا شد و مد سے مقابلہ کیا جس کی امت مسلمہ آج بھی معترف ہے۔ وہ ہستی امام احمد رضا خان (عليه رحمة الرحمن) ہے۔ امام احمد رضا خان (عليه رحمة الرحمن) نے بدمذہبوں کا قرآن و حدیث سے ایسا رد کیا کہ آج تک بدمذہب اس کا جواب دینے سے عاجز ہیں۔ آپ نے فقہ حنفی کی تجدید کی جس سے نہ صرف ہندوستان بلکہ آپ کے دور ہی میں علماء حرمین شریفین بھی مستفید ہوئے اور آج بھی دیگر ممالک کے حنفی علماء مستفید ہو رہے ہیں۔ جیسے ردالمحتار، ہندیہ پر آپ کا عربی حاشیہ منظر عام پر آ چکا ہے۔ اسی طرح اور دیگر کئی عربی کتب چھپ چکی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی تجدید کو خود دیوبندیوں نے تسلیم کیا ہے چنانچہ دیوبندی مولوی محمد یوسف بنوری آف کراچی کے والد زکریا شاہ بنوری دیوبندی نے کہا اگر اللہ تعالیٰ ہندوستان میں (مولانا) احمد رضا بریلوی کو پیدا نہ فرماتا تو ہندوستان میں حنفیت ختم ہو جاتی۔ (بحواله سفيد و سياه صفحه 116)

آپ نے دو قومی نظریے کی بنیاد رکھی اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے مسلمانوں کو پاکستان دلوایا۔ آپ نے علم عقائد، سائنسی علوم، ریاضی، علمِ توقیت، تصوف، وغیرہ پر کثیر معلومات اُمت مسلمہ کو دیں۔ آپ کو پچپن 55 سے زائد علوم پر دسترس حاصل تھی۔ حالانکہ ان میں سے کثیر علوم آپ نے کسی استاد سے پڑھے نہیں تھے بلکہ اللہ (عزوجل) نے خود عطا فرما دیئے تھے کہ مجدد کو اللہ (عزوجل) دین کی تجدید کے لئے کمالات عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابن عباس (رضی الله تعالىٰ عنهما) سے مروی ہے رسول اللہ (صلى الله عليه وآله وسلم) نے فرمایا "ما ظهر أهل بدعة إلا أظهر الله فيهم حجة على لسان من شاء من

خلقه" ترجمہ: جب بھی گمراہ لوگ ظاہر ہوں گے تو اللہ (عزوجل) اپنے بندوں میں سے جسے چاہے گا اس کی زبان پر حجت ظاہر فرمادے گا۔ (یعنی وہ ان گمراہوں کے نظریات کو باطل ثابت کرے گا۔)

(کنز العمال، کتاب الایمان، فصل فی البدع، جلد 1، صفحہ 385، مؤسسة الرسالة، بیروت)

آپ (رحمة الله عليه) نے مختلف عنوانات پر کم وبیش ایک ہزار کتابیں لکھیں ہیں۔ یوں تو آپ (رحمة الله عليه) نے 1286ھ سے 1340ھ تک ہزاروں فتوے لکھے۔ لیکن افسوس کہ سب کو نقل نہ کیا جاسکا، جو نقل کر کئے گئے تھے ان کا نام "العطایا النبویہ فی الفتاوی رضویہ" رکھا گیا۔ فتاویٰ رضویہ جدید کی 30 جلدیں ہیں جن کے کل صفحات 21656، کل سوالات و جوابات 6847 اور کل رسائل 206 ہیں۔ فتاوٰی میں دلائل کا سمندر موجزن ہے۔ قرآن وحدیث، فقہ منطق اور کلام وغیرہ میں آپ (رحمة الله عليه) کی وسعت نظری کا اندازہ آپ (رحمة الله عليه) کے فتاوے کے مطالعے سے ہی ہوسکتا ہے۔

نعت خوانی عشقِ رسول میں اضافے کا ایک سبب ہے، اعلیٰ حضرت نہ صرف خود عاشقِ رسول تھے بلکہ آپ نے مسلمانوں کو عاشق بنانے کے لئے نہایت عمدہ نعتیہ کلام بھی لکھا جس پر بڑے بڑے شعرا بھی عش عش کر اٹھے۔ متعصب وہابی مؤرخ مولوی غلام رسول مہر لکھتے ہیں: ''احتیاط کے باوجود نعت کو کمال تک پہنچانا واقعی اعلیٰ حضرت (بریلوی) کا کمال ہے۔''

(1857ء کے مجاہد، صفحہ 211)

اوپر جو مجدد کی نشانیاں بیان کی گئی آیئے اب اعلیٰ حضرت کی سیرت سے یہ روشنی لیتے ہیں کہ کیا ان میں مجدد کی وہ نشانیاں پائی جاتی ہیں؟

(1) مجدد کی پہلی نشانی یہ ہے کہ وہ دو صدیوں کو پائے: چنانچہ اعلیٰ حضرت میں یہ نشانی موجود ہے۔ آپ کا سن ولادت 1272ھ/1856ء اور سالِ وصال 1340ھ/1921ء ہے۔

(2) اس شخصیت کو مجدد اس زمانے کے علمائے کرام نے مانا ہو: چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کو نہ صرف ہندوستان کے علماء بلکہ حرمین شریفین کے علماء نے بھی مجدد قرار دیا ہے۔ بلکہ مشہور دیوبندی نے بھی آپ کو مجدد مانا ہے چنانچہ صوبہ بلوچستان کے دیوبندی مذہب کے مشہور عالم مولوی عبدالباقی جناب پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: ''واقعی اعلیٰ حضرت مفتی صاحب قبلہ اسی منصب کے مالک ہیں۔ مگر بعض حاسدوں نے آپ کے صحیح حلیہ اور علمی تبحر طاق نسیان میں رکھ کر آپ کے بارے میں غلط اوہام پھیلا دیا ہے جس کو ناآشنا قسم کے لوگ سن کر صید وحشی کی طرح متنفر ہو جاتے ہیں اور ایک مجاہد عالم دین مجدد وقت ہستی کے بارے میں گستاخیاں کرنے لگ جاتے ہیں، حالانکہ علمیت میں وہ ایسے بزرگوں کے عشر

عشیر بھی نہیں ہوں گے۔'' (فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں، صفحہ 17)

(3) مجدد میں اس دور کے فتنوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہو اس کی ظاہری وباطنی علوم دینیہ پر دسترس ہو: چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے اپنے دور کے ہر فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہر فتنے کے خلاف قلمی جہاد کیا اور آپ کی ظاہر و باطنی علوم پر دسترس تھی۔ دیوبندی مولوی عبدالحئی رائے لکھتا ہے "برع فی العلم وفاق أقرانه فی کثیر من الفنون لا سیما الفقه والأصول" یعنی (محدث بریلوی نے) عُلوم پر مہارت حاصل کرلی اور بہت سے فُنون بالخصوص فقہ واُصول میں اپنے ہم عصر علماء پر فائق ہوگئے۔ (نزہة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، جلد 8، صفحہ 1181، دار ابن حزم، بیروت)

اعلیٰ حضرت کی تمام فتنوں کے رد میں اور تجدید دین وعلمی میدان میں لکھی گئی کتب کا مختصر تعارف کچھ یوں ہے:۔

علم عقائد پر آپ نے 31 کتابیں لکھیں، علم کلام میں آپ نے 17 کتابیں لکھیں، علم تجوید میں 2، علم تفسیر میں 6، علم اصول حدیث میں 2، علم حدیث میں 11، علم اصول فقہ میں 9، علم فقہ میں 150، علم فرائض میں 4، علم رسم خط قرآن مجید میں 1، علم الادب العربی میں 6، علم لغت میں 2، علم سیر میں 3، علم الفضائل میں 30، علم المناقب میں 18، علم سلوک میں 2، علم الاخلاق میں 2، علم تصوف میں 3، علم اذکار میں 5، علم ترغیب وترہیب میں 1، علم تاریخ میں 3، علم مناظرہ میں 18، علم تکسیر میں 1، علم الوفق میں 1، علم التوقیت میں 6، علم ہیئت میں 3، علم الحساب میں 1، علم ارثماطیقی میں 3، علم ریاضی میں 3، علم الہندسہ میں 3، علم جبر ومقابلہ میں 1، علم الزیجات میں 1، علم الجفر میں 3، علم النجوم میں 1، رد نصاریٰ میں 3، رد ہنود میں 1، رد آریہ میں 2، رد نیچریہ میں 7، رد قادیانیت میں 6، رد شیعہ میں 6، رد تفضیلیہ میں 7، رد نواصب میں 1، رد وہابیہ میں 76، رد غیر مقلدین میں 26، رد ندوہ میں 17، رد مفسقہ میں 7، رد متصوفہ (جعلی پیروں کے رد) میں 2، رد مولوی اسماعیل دہلوی میں 10، رد مولوی نذیر حسین میں 6، شتی (متفرق علوم وفنون میں لکھی گئی کتب کی تعداد) 5 ہے۔ اس کے علاوہ اکابر دیوبند کے رد میں کئی کتابیں لکھیں جن کا بیان آگے آئے گا۔

ان موضوعات پر لکھی گئی کتب کا بیان حیات اعلیٰ حضرت، جلد 2 سے لیا گیا ہے اگر آپ کو مزید معلومات حاصل کرنا ہو، ان کتابوں کے ناموں کا پتہ کرنا ہو، کون سی کتاب چھپ چکی ہے کون سی اب مسودہ ہے تو اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ ان کتابوں کی تعداد کو قبلہ مفتی ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحقیق میں بیان کیا ہے۔

مسلمانوں کی آزادی کے لئے اعلیٰ حضرت اور ان کے خلفاء نے اہم کردار ادا کیا۔ دوقومی نظریہ کی بنیاد اعلیٰ حضرت نے

رکھی چنانچہ آپ نے گاندھی کو مسلمانوں کا خلیفہ و حاکم بنانے کی مخالفت کی، مسلمانوں کو ہندوؤں کے فتنوں سے آگاہ کیا اس کے لئے آپ نے تین درج ذیل کتابیں لکھیں:۔(1)"المحجة المؤتمنة فی اية المُمتحنة" سورہ ممتحنہ کی آیت کریمہ کے بارے میں درمیانی راستہ (2)"دوام العیش من الائمة من قریش "زندگی کا دوام اس امر میں کہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے (3)"انفس الفکر فی قربان البقر" گائے کی قربانی کے بارے میں بہترین طریقہ۔(4)"نابغ النور علی سوالات جبلفور" جبلپور کے سوالات پر ظاہر ہونے والا نور۔

اعلیٰ حضرت کی سائنسی خدمات پر کلام کرتے ہوئے مشاہد رضوی لکھتے ہیں: "اعلیٰ حضرت نے علوم سائنس میں اپنی خداداد مشاقی کی بنیاد پر ان علوم کی قد آور شخصیات بابائے طبعیات ڈیمو قریطس (۳۷۰ قبلِ مسیح)، بطلمیوس (قبل مسیح)، ابن سینا (۹۸۰ تا ۱۰۳۷ء)، نصیر الدین طوسی (متوفی ۶۷۲ء)، کوپرنیکس (۱۴۷۳ء تا ۱۵۴۲ء)، کپلر (۱۵۷۱ء تا ۱۶۳۰ء)، ولیم ہرشل (سترہویں صدی عیسویں)، نیوٹن (متوفی ۱۷۲۷ء)، ملا جونپوری (متوفی ۱۶۵۲ء)، گلیلیو (۱۶۴۲ء)، آئن اسٹائن (۱۸۷۹ تا ۱۹۵۶ء) اور البرٹ ایف پورٹا (۱۹۱۹ء) کے نظریات کا رڈ اور ان کا تعاقب کیا ہے، جبکہ ارشمیدس (متوفی ۲۱۲ ق۔م) کے نظریہ وزن، حجم و کمیت، محمد بن موسیٰ خوارزمی (۲۱۵ھ/۸۳۱ء) کی مساوات الجبراء اور اشکال جیومیٹری، یعقوب الکندی (۲۳۵ھ/۸۵۰ء)، امام غزالی (۴۵۰ھ تا ۵۰۵ھ/۱۰۵۹ء تا ۱۱۱۲ء)، امام رازی (۵۴۴ھ تا ۶۰۶ھ/۱۱۴۹ء تا ۱۲۱۰ء) کے فلسفہ الٰہیات، ابو ریحان البیرونی (۳۵۱ھ تا ۴۴۰ھ/۹۷۳ء تا ۱۰۴۸ء)، ابن الہیثم (۴۳۰ھ/۱۰۳۹ء)، عمر الخیام (۵۱۷ھ/۱۱۲۳ء) کے نظریاتِ ہیئت و جغرافیہ، ڈیمو قریطس کے نظریہ ایٹم اور جے جے ٹامس کے نظریات کی تائید کی اور دلائل عقلیہ سے پہلے آیات قرآنیہ پیش کیں۔ جس کا مشاہدہ امام احمد رضا کی ان علوم پر لکھی گئی کتابوں میں کیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ امام احمد رضا نے علومِ دینیہ کے ہر شعبے کے علاوہ صرف سائنسی علوم و فنون سے متعلق جو کتابیں تصنیف کیں ان کی تعداد 150 تک پہنچتی ہے۔ جو آپ کی منفرد قوتِ متخیلہ اور مہتم بالشان تحقیقی ذہن کی نشان دہی کرتی ہیں۔ مثلاً فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، میتھس، جیومیٹری، لوگارتھم، ٹوپولوجی، سائکولوجی، پیرا سائکولوجی، فونیٹکس، فونالوجی، اسٹرالوجی، اسٹرانومی وغیرہ وغیرہ علوم و فنون پر آپ کی تصانیف مشتمل ہیں۔

ایٹم کے انشقاق Nuclear Fission سے متعلق آٹو ہان نے 1938ء میں جب کہ امام احمد رضا نے 1919ء میں اس موضوع پر اپنی کتاب "الکلمة الملهمه فی الحکمة المحکمه" میں کافی تفصیل سے بحث کی ہے۔ کوویلنٹ بانڈ سے

متعلق جی این لیوس نے 1916ء میں جب کہ امام احمد رضا نے 1919ء میں کوویلنٹ بانڈ کے ساتھ ساتھ لونزڈ بانڈ کے بارے میں بھی کافی کچھ تحریر فرمایا ہے۔

طاعون، جذام کے علاوہ میڈیکل ایمبریالوجی گیسٹر وائن ٹیسٹی نل فزیولوجی سے متعلق اپنی کتاب "مقامع الحدید علیٰ خد لمنطق الجدید" میں خوبصورتی اور دلکش اسلوب میں بحث کی ہے۔ اسی طرح امام احمد رضا پہلے مسلم مفکر ہیں جنھوں نے اپنی کتاب "الصمصام علیٰ مشکك فی آية علوم الارحام" 1896ء میں الٹراساونڈ مشین کا فارمولا بیان کیا۔ ماڈرن کمیونیکیشن سسٹم، آڈیٹری تھیوری، wave sound وغیرہ سے متعلق آپ کی کتاب "الکشف الشافیه" پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان اس کتاب میں آپ نے قرآنی آیات سے زمین کو ساکن ثابت کیا ہے۔ (14) اور سانسدانوں کے اس نظریئے کا کہ زمین گردش کرتی ہے رد فرمایا ہے"

(http://mushahidrazvi.blogspot.com/2013/02/blog-post_815.html)

(4) مجدد کی ایک نشانی یہ بیان کی گئی کہ مسلمان اس کے علم سے مستفید ہوں: تو ہم اعلیٰ حضرت کے علم کی طرف دیکھتے ہیں تو آج پوری دنیا میں لوگ اعلیٰ حضرت کے علم سے مستفید ہو رہے ہیں۔ کئی PHD آپ کی کتب و سیرت پر ہو چکی ہیں: جس کی فہرست اب تک جو موجود ہے وہ یہ ہے:۔

نمبر شمار	نام	موضوع	یونیورسٹی	سن
1	ڈاکٹر حسن رضا خان	فقیہ اسلام	پٹنہ یونیورسٹی، انڈیا	1979
2	ڈاکٹر مسز اوشا سانیال	Devotional Islam & Politics in British India(Ahmad Raza Khan Bareilvi and his Movement 1870-1920)	Colombia University, New York, U.S.A.	1990
3	ڈاکٹر سید جمال الدین	اعلیٰ حضرت محمد امام احمد رضا خان اور ان کی نعت گوئی	ڈاکٹر ہری سنگھ گور یونیورسٹی، ساگر، ایم پی	1992

4	ڈاکٹر محمد امام الدین جوہر شفیع آبادی	حضرت رضا بریلوی بحیثیت شاعر نعت	بہار یونیورسٹی، مظفر پور، انڈیا	1992
5	ڈاکٹر طیب رضا	امام احمد رضا خان حیات وکارنامے	ہندو یونیورسٹی، بنارس، انڈیا	1993
6	ڈاکٹر مجید اللہ قادری	کنزالایمان اور دیگر معروف اردو تراجم کا تقابلی جائزہ	جامعہ کراچی، پاکستان	1993
7	ڈاکٹر حافظ الباری صدیقی	امام احمد رضا بریلوی کے حالات افکار اور اصلاحی کارنامے (سندھی)	سندھ یونیورسٹی، جامشورو، پاکستان	1993
8	ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی	اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی	روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی، انڈیا	1994
9	ڈاکٹر سراج احمد بستوی	مولانا احمد رضا خان بریلوی کی نعتیہ شاعری	کانپور یونیورسٹی، انڈیا	1995
10	ڈاکٹر مولانا امجد رضا قادری	امام احمد رضا کی فکری تنقیدیں	ویرکنور سنگھ یونیورسٹی، آرہ، بہار، انڈیا	1998
11	پروفیسر ڈاکٹر محمد انور خان	مولانا احمد رضا بریلوی کی فقہی خدمات	سندھ یونیورسٹی، جامشورو، پاکستان	1998
12	ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری	امام احمد رضا کا تصورِ عشق	میسور یونیورسٹی، انڈیا	2002
13	ڈاکٹر رضا الرحمٰن عاکف سنبھلی	روہیل کھنڈ کے نثری ارتقا میں مولانا امام احمد رضا خان کا حصہ	روہیل کھنڈ یونیورسٹی، بریلی، انڈیا	2003

14	ڈاکٹر غلام غوث قادری	امام احمد رضا کی انشاء پردازی	رانچی یونیورسٹی، انڈیا	2003
15	مسز ڈاکٹر تنظیم الفردوس	مولانا احمد رضا خان کی نعتیہ شاعری کا تاریخی اور ادبی جائزہ	جامعہ کراچی، پاکستان	2004
16	ڈاکٹر سید شاہد علی نورانی	الشیخ احمد رضا شاعرا عربیا مع تدوین دیوانہ العربی	پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پاکستان	2004
17	ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی	امام احمد رضا اور ان کے مکتوبات	بی آر امبیڈکر یونیورسٹی، مظفر پور، انڈیا	2004
18	ڈاکٹر محمد حسن امام	امام احمد رضا اور ان کے خلفاء کا تحریک پاکستان میں کردار	کراچی یونیورسٹی، پاکستان	2006
19	ڈاکٹر اشفاق جلالی	الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی للشیخ احمد رضا خان	پنجاب یونیورسٹی، پاکستان	2006
20	ڈاکٹر منظور احمد سعیدی	امام احمد رضا کی خدمت علوم حدیث کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ	کراچی یونیورسٹی، پاکستان	2006
21	ڈاکٹر محمد اشفاق مدنی	برصغیر کی سیاسی تحریکات میں فتاویٰ رضویہ کا حصہ۔ ایک تحقیقی جائزہ	کراچی یونیورسٹی، پاکستان	2006
22	ڈاکٹر ریاض احمد	امام احمد رضا کی ادبی ولسانی خدمات		2004

ایک PHD اعلیٰ حضرت نے جو سائنس کے اوپر لکھا ہے اس پر ہو رہی ہیں اور M.Phill تو 150 سے بھی زائد اعلیٰ حضرت پر ہو چکے ہیں۔ ایک ایم فل الازہر یونیورسٹی میں اعلیٰ حضرت کی شاعری پر قبلہ استاذ ممتاز سدیدی صاحب نے کیا ہے۔

پندرہویں صدی کا مجدد کون؟

پندرہویں صدی جس میں ہم رہ رہے ہیں اس میں فقیر کی نظر میں وہی مجدد ہے جو اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو عام

کردے، جو مسلمانوں کو پکا سچا عاشق رسول بنادے، اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو مسلمانوں کے دلوں میں بٹھادے۔ وجہ یہ ہے کہ پندرہویں صدی میں کئی فرقے ہیں اور ہر فرقے والا خود کو صحیح اہل سنت جنتی فرقہ ثابت کر رہا ہے، صلح کلیت بھی عام ہے۔ اس دور میں حق فرقے کی پہچان کروادینا اور مسلمانوں کو سنتوں کا پابند بنادینا دین کی تجدید ہے۔

آج بعض صلح کلی مولوی نام نہاد مجدد بنے پھرتے ہیں جبکہ صلح کلیت اس صدی کے بڑے فتنوں میں سے ایک فتنہ ہے۔

فصل دوم: اکابر دیوبند کی علمی حیثیت

اعلیٰ حضرت کے مجدد ہونے پر اوپر کلام ہوگیا، اب دیوبندی اور وہابی مولویوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ وہابیوں کے مولویوں کا کوئی دعویٰ نظر سے نہیں گزرا کہ انہوں نے کہا ہو کہ چودھویں صدی کا مجدد ہمارا فلاں مولوی تھا۔ البتہ دیوبندی اس طرح کے دعوے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہاں ذرا ان دیوبندیوں کے چار اکابر مولویوں کی علمی حیثیت کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا یہ مجدد کے اہل تھے یا نہیں؟

قاسم نانوتوی

قاسم نانوتوی صاحب تو مجدد کی پہلی ہی نشانی پر پورا نہیں اترتے کہ انہوں نے دو صدیوں کو نہیں پایا بلکہ چودھویں صدی شروع ہونے سے پہلے ہی 1290ھ میں فوت ہو چکے تھے۔ پھر نانوتوی صاحب نے اس دور کے فتنے دور کرنے میں کوئی خاص کردار ادا نہ کیا۔ اس دور میں تصنیفی طور پر فتنے دور کرنے کی اشد ضرورت تھی جبکہ نانوتوی صاحب نے فقط دو تین چھوٹی چھوٹی کتابیں لکھیں اور چند چھوٹے چھوٹے خط لکھے۔ نانوتوی صاحب کی تصانیف جن کا ذکر دیوبندیوں نے کیا ہے وہ کچھ یوں ہیں:۔

(1) نانوتوی صاحب نے ایک کتاب اردو میں ''آب حیات'' لکھی۔ جس سے مسلمان مستفید کیا ہوں گے خود دیوبندیوں کو اس کا علم نہیں ہوگا۔

(2) ایک خط نانوتوی صاحب نے اردو میں لکھا جس کا نام "تصفیة العقائد" تھا۔ اس مکتوب میں سرسید احمد خان کے سوالوں کے جوابات دئے ہیں اور ان کے اوہام وخیالات کی اور جو لوگ ان کی اتباع کرتے ہیں ان کی تردید کی ہے۔ اب قارئین ہی اندازہ لگائیں کہ کیا فقط ایک خط سے ہی سرسید احمد خان کا رد ممکن تھا؟

(3) ایک خط فارسی میں "اسرار القرآن" کے نام سے لکھا جس میں ان سوالات کے جوابات ہیں جو محمد صدیق

المراد آبادی نے قرآن کریم کی مختلف آیات کے تعلق سے کئے تھے۔

(4) ایک مکتوب نانوتوی صاحب نے بعنوان "انتصار الاسلام" لکھا جس میں ہندو مذہب کی تحریک آریہ سماج کے دس سوالوں کے جوابات دئے گئے ہیں۔

(5) ایک خط فارسی میں بعنوان "انتباہ مؤمنین" لکھا جس میں ترمذی شریف کی ایک حدیث کی تشریح ہے جس میں اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چاروں خلفاء اور ان کی خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے۔

(6) ایک خط فارسی میں "الحق الصریح فی اثبات التراویح" لکھا جس میں بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں، عبد الرحیم خان کی تردید میں لکھا گیا ہے، سائب بن یزید صحابی کی روایت پر ایک بحث اور اس سے متعلق تمام شکوک وشبہات کی تردید بھی اس مکتوب میں شامل ہیں۔

(7) ایک خط "اسرار الطہارۃ" لکھا جس میں طہارت اور پاکی کا ذکر ہے اور ریاح خارج ہونے پر وضو کے ٹوٹ جانے کی وجہ کو بتایا گیا ہے۔

(8) ایک کتاب فارسی میں "مصابیح التراویح" لکھی جس میں تراویح کی بیس رکعت کا ثبوت ہے۔

(9) ایک کتاب بنیادی عقائد پر "حجة الاسلام" لکھی۔ اس کتاب کو نانوتوی صاحب نے ایک دن میں لکھا۔

(10) ایک کتاب شیعت کے رد میں "ہدیة الشیعه" لکھی۔ جس میں شیعوں کے سوالات کے جوابات دئے گئے۔

(11) ان سب میں نانوتوی صاحب کی فقط ایک ہی کتاب مشہور ہے جو چند ورقوں کی بنام "تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس" ہے۔ اس میں موجود کفریہ عبارتوں کے سبب ہندوستان بھر کے علماء نے ان کی تکفیر کی۔ وہ علماء جو مجدد کی تصدیق کرنے والے ہوتے ہیں جب وہ سارے الٹا تکفیر کر رہے ہیں تو مجدد کہاں سے ہوں گے؟

دیوبندی ''تحذیر الناس'' کتاب کو نانوتوی صاحب کا علمی شاہکار سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں ''بریلوی حضرات کو اتنی سمجھ اور دانشمندی کہاں کہ امام محمد قاسم نانوتوی نے اپنی کتاب میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کو سمجھ سکیں، کتاب کی عبارتیں بہت ہی علمی اور بلند پایہ ہیں اور اکثر علماء کو آپ کی کتابیں سمجھنے کے لئے مختلف وسائل کا سہارا لینا پڑتا ہے۔'' یعنی دیوبندیوں کا کہنا یہ ہے کہ بریلوی علماء سمیت ہندوستان کے تمام علماء بھی جاہل تھے اور انہیں تحذیر الناس کی سمجھ نہیں آئی اور انہوں نے اپنی جہالت ہی میں فتوے لگادئے نعوذ باللہ۔ حقیقت یہ ہے کہ پیچیدہ بے ربط اور الجھی ہوئی ''تحذیر الناس'' کتاب کو علمی شاہکار وہی سمجھ سکتا ہے جو

عقل سے پیدل ہو۔

رشید احمد گنگوہی

ہندوستان میں بڑے فتنوں میں سے ایک فتنہ غیر مقلدین وہابیہ کا فتنہ تھا۔ جس کا رد نہ نانوتوی نے کیا اور گنگوہی صاحب نے رد کیا کرنا تھا یہ تو خود وابن عبدالوہاب نجدی کے عقائد کو اچھا سمجھتے تھے۔ پھر رشید احمد گنگوہی نے بھی کوئی علمی کارنامہ سرانجام نہ دیا بلکہ خود دیوبندی مولویوں نے لکھا ہے کہ رشید احمد گنگوہی کو تصنیف سے کچھ زیادہ شغف نہ تھا۔ ان کو دیوبندی بہت بڑا فقیہ مانتے ہیں جبکہ ان کے فتوؤں کی تعداد انتہائی کم ہے اور ان میں بھی کئی فتوے صریح غلط ہیں اور کئی فتوؤں کا رد اعلیٰ حضرت نے کیا تو گنگوہی صاحب اس کا جواب نہ دے سکے۔

دیوبندی گنگوہی صاحب کی چند مشہور تصانیف یہ بتاتے ہیں:۔

(1) "رد الطغیان فی اوقاف القرآن" قرآن مجید کے اوقاف کو بدعت ثابت کرنے والوں کا جواب۔

(2) "هداية الشيعه" ایک شیعہ عالم ہادی علی لکھنوی کے اعتراضات کے جوابات۔

(3) "زبدة المناسك" حج کے مناسک سے متعلق ایک عام فہم رسالہ۔

(4) "قطوف دانيه" قراءۃ فاتحہ خلف الامام کے جوابات۔

(5) "سبيل الرشاد ردعدم تقليد" .

(6) رسالہ تراویح بیس رکعات تراویح کا احادیث سے ثبوت۔

(7) "لطائف رشيديه" آیات قرآنی کے نکات وغیرہ۔

(8) "تصفية القلوب" حضرت حاجی صاحب کی تصنیف ضیاء القلوب کا اردو ترجمہ۔

خلیل انبیٹھوی

انبیٹھوی صاحب تو ان سے بھی گئے گزرے ہیں ساری زندگی میں تین چار کتابیں لکھیں بلکہ ویکیپیڈیا میں تو ان کی سیرت بیان کرتے ہوئے صرف ایک کتاب کا ذکر ہے۔ ایک کتاب براہین قاطعہ کفر کی وجہ سے مشہور ہوئی۔

اشرف علی تھانوی

اشرف علی تھانوی کو دیوبندی مجدد قرار دیتے ہیں جبکہ تھانوی صاحب کی کوئی ایک بھی کتاب ایسی نہیں جو علمی ہو اور

غلطیوں سے پاک ہو۔ دیوبندیوں کا دعویٰ ہے کہ تھانوی صاحب کی کل کتب ڈیڑھ ہزار ہیں لیکن جب کتابیں سامنے آتی ہیں تو ڈیڑھ سو بھی پوری نہیں ہوتیں۔ بلکہ بڑے سے بڑے دیوبندی مولوی سے اگر تھانوی صاحب کی کتب کا نام پوچھیں تو شاید دس کی تعداد بھی پوری نہ کر سکے۔ تھانوی صاحب کی تصانیف کی جو بعض دیوبندی علماء نے بیس پچیس کی فہرست بنائی تو اس میں عام مسائل پر چھوٹی چھوٹی غیر مشہور غیر تحقیقی و علمی کتب ہیں۔

قرآن کا ترجمہ کیا جس میں کئی ترجموں میں غلطیاں کیں۔

ایک کتاب بہشتی زیور مشہور ہے جس میں کئی مسائل غلط لکھے ہوئے ہیں۔

ایک کتاب حفظ الایمان لکھی جو علمی وجہ سے نہیں بلکہ کفریہ عبارت کی وجہ سے مشہور ہوئی۔

لے دے کر ان کی گفتگو پر مشتمل ہے جنہیں خطبات کے نام سے دیوبندیوں نے کئی جلدوں میں چھاپ کر بڑا تیر مارا ہے۔

انٹرنیٹ پر اشرف علی تھانوی کی کتب کی فہرست ہے جس کے متعلق پڑھنے والوں نے کہا کہ اس سے بڑھ کر آج تک تھانوی کی اتنی کتب کا تعارف نہیں دیکھا۔ وہ فہرست پیش کی جاتی ہے اور قارئین پر فیصلہ چھوڑا جاتا ہے کہ ان کتب کی علمی حیثیت کیا ایسی ہے کہ جس کے سبب اس کے مصنف کو مجدد قرار دیا جا سکے؟ کیا وہ اس دور کے فتنوں کا رد کرنے والی تھیں؟

رمضان المبارک، آداب المساجد، الرضا بلدنیا، الشکر، التہذیب، ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، الوقت، لاولی الباب، الدنیا، الفاظ القران، الحاج المبرور، الاستقامت، الخلط، المریہ فی الربیہ، المراد، الانسداد للفساد، النور، الرفع والوضع، الصبر، السوال، السوال فی السوال، الصیام، الصوم، التبشیر، عضل الجاہلیہ، بچوں کو پہلے قرآن پاک حفظ کرائیے، بالاتعاظ بالغیر، درجات الاسلام، دعوت الی اللہ، عید قربان، ارشاد العباد فی عید المیلاد، علاج الکبر، علم تجوید وقراءت، فدیہ وقضاء، فیضان حرم، فضائل استغفار، فضائل واحکام رمضان المبارک، فکر اصلاح باطن، مثلث رمضان، مضار المعصیۃ، مہمات الدعا پارٹ 1، مہمات الدعا پارٹ 2، مواساۃ المصابین، مفتاح الخیر، نداء رمضان، نفی الحرج، نشر الرحمۃ، نوید جاوید، نقصان عظیم، رائس الربیعین، راجا اللقاء، رمضان سے قبل، شب الایمان، شعبان المعظم، شرف المکالمہ، سنت ابراہیم، تادیب المصیبۃ، تفاضل الاعمال، تکمیل الانعام، تعلیم بالغاں، تعلیم القرآن، طالب العلم، ترک المعاصی، تسہیل الاصلاح، تطہیر رمضان، تعظیم الشعائر، تعفیظ القرآن، تحریم الحرم، تیسر الاصلاح، ذکر الموت، ذکر رسول۔

(http://www.ashrafiya.org/)

دیوبندیت اور طریقت

یہ تو ان اکابر دیوبندیوں کی علمی حالت تھی، اب طریقت کی طرف آتے ہیں تو آج ان اکابر دیوبند کی گدیوں کا نام و نشان نہیں بلکہ پوری دیوبندیت میں روحانیت مفقود ہے اور نوے فیصد دیوبندی بے پیرے ہیں۔ لے دے کرا کا دکا ان کا کوئی مولوی فقط نقشبندی سلسلے کا ملتا ہے۔

فصل سوم: اعلیٰ حضرت کا اکابر دیوبند کا شدومد سے رَدّ کرنا

جیسا کہ مجدد کی نشانیوں میں بیان کیا گیا کہ مجدد وہ ہے جو بدمذہبوں کی کمر توڑ کر رکھ دے، انہیں لاجواب کر دے۔ مجدد وہ نہیں ہوتا کہ خود اس کا قرآن وحدیث کی روشنی میں رد ہوتا رہے۔ اعلیٰ حضرت نے اکابر دیوبند کا ایسا شدومد سے رد کیا کہ خود یہ اکابر دیوبند اور ان کے پیرکار بھی آج تک ان کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔ آج تک دیوبندیوں نے اعلیٰ حضرت کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے لیکن اپنے اکابر کا علمی دفاع نہیں کر سکے۔ جھوٹ، بہتان اور تحریفات کے ذریعے اعلیٰ حضرت کا اپنی فہم میں رد کرتے ہیں جس کا علمائے کرام منہ توڑ جواب دیتے ہیں۔ اس کتاب میں بھی آپ دیکھیں گے کہ گھمن صاحب نے اعلیٰ حضرت کے علمی مقام کو چیلنج کیا تو کیسے ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ اعلیٰ حضرت نے جو اکابر دیوبند کا رد کیا اس کا اجمالی تعارف کچھ یوں ہے:۔

قاسم نانوتوی کا رد

نانوتوی نے تحذیر الناس میں ختم نبوت کے متعلق اسلاف سے ہٹ کر مفہوم گھڑا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے قاسم نانوتوی کے رد میں 12 کتابیں لکھیں جن کے نام درج ذیل ہیں:۔

(1) "جزاء الله عدوه بابائه ختم النبوّة"

(2) فتاوٰی الحرمین برجف ندوة المین

(3) ترجمة الفتویٰ وجه هدم البلویٰ

(4) خلص فوائد فتویٰ

(5) حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین

(6) خلاصه فوائد فتاوٰی

(7) مبین احکام و تصدیقات اعلام

(8) تمهید الایمان بآیات قرآن

(9) "المبین ختم النبیین"

(10) تنبیه الجهال بالهام الباسط المتعال

(11) جوابهائے ترکی بترکی

(12) چابك لیث براهل حدیث

گنگوہی کا رد

گنگوہی نے اسماعیل دہلوی کی تقلید میں اللہ (عزوجل) کے لئے جھوٹ کو تحت قدرت مانا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے مایہ ناز رسالہ "سُبحٰن السبوح عن کذب عیب مقبوح" (کذب جیسے بدترین عیب سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ومنزہ ہے۔) اس رسالہ کا آج تک کوئی دیوبندی، وہابی جواب نہیں دے سکا۔

اسی موضوع پر ایک دوسرا رسالہ "دامان باغ سبحٰن السبوح" (سبحان السبوح کے باغ کا دامن۔) لکھا۔

گنگوہی صاحب نے امکانِ کذب کو خُلف وعید کی فرع کہا تو اعلیٰ حضرت نے "سبحان السبوح عن کذب عیب مقبوح" میں دلائل کے ساتھ گنگوہی پر تین لزوم کفر ثابت کئے۔

گنگوہی صاحب نے کالا کوا کھانے کو حلال کہا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کا رد کیا اور ثابت کیا کہ کالا کوا کھانا جائز نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس پر رسالہ "دفع زیغ زاغ ملقب بلقب تاریخی رامی زاغیان" (کوے کی کجی کو دور کرنا ملقب بلقب تاریخی کوّا والوں پر تیراندازی کرنے والا)

گنگوہی صاحب نے کرنسی نوٹ کو قرض کی رسید کہا تھا۔ اعلیٰ حضرت نے دو رسالے اس کے رد میں لکھے۔ ایک "کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم" (کاغذی نوٹ کے بارے میں علماء مکہ مکرمہ کے بارہ سوالوں کا تحقیقی جواب)

دوسرا "کاسر السفیه الواهم فی ابدال قرطاس الدارهم، الذیل المنوط لرساله النوط" (کاغذی نوٹ سے متعلق مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبدالحی لکھنوی کے فتووں کا تفصیلی رد)

رشید احمد گنگوہی نے منی آرڈر کے حرام ہونے کا فتویٰ دیا کہ یہ سود ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس پر پورا رسالہ "کتاب المنی والدرر لمن عمد منی اردر" (خواہشات اور موتیوں کی فراہمی اس کے لئے جس نے منی آرڈر کا قصد کیا) اس میں آپ

نے منی آرڈر کو کثیر دلائل سے ثابت کیا اور واضح کیا کہ اس میں سود نہیں ہے۔

گنگوہی صاحب نے براہین قاطعہ میں ضعیف حدیث پر عمل کے متعلق عجیب وغریب اور نیا اصول نکالا کہ ضعیف حدیث سے استحباب ثابت نہیں ہوتا جب تک کہ وہ حدیث حسن لغیرہ نہ ہو جائے۔ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس پر فرمایا کہ گنگوہی صاحب کے اس خود ساختہ اصول کا یہ نتیجہ نکلا کہ جس کا جواز دلیلِ شرع میں موجود ہو وہ سب سنت، جس کا معدوم وہ سب بدعت ضلالت، اب اباحت، استحباب، کراہت تنزیہہ کہاں جائیں گے؟ اس کا جواب دیوبندیوں کے پاس نہیں۔

گنگوہی صاحب نے قبرستان کے وقف کے متعلق بالکل صریح غلط فتویٰ دیا اور وقف میں فقط شہرت کو نا کافی کہا، وقف میں تبدیلی کو جائز کہا، تو اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے ان کا زبردست دلائل سے رد کیا اور دس وجہوں پر ان کا رد کیا۔

گنگوہی صاحب سے سوال ہوا کہ ایک زمیندار اور اس کی بیوی نے ایک حافظ قرآن کو مشترکہ زمین علیحدہ کر کے ہبہ کی اس شرط پر کہ وہ تاحیات قرآن پڑھے (یعنی قرآن پڑھ کر ہمیں ایصال ثواب کرتا رہے) بعد ہبہ کرنے کے زمیندار کی بیوی مر گئی، گنگوہی صاحب سے اس مسئلہ پر سوال ہوا کہ یہ ہبہ ہوا یا نہیں؟ تو گنگوہی صاحب نے جواب دیا کہ وہ جگہ واپس کر دے اور توبہ کرے۔ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے گنگوہی کا رد کیا اور ثابت کیا کہ یہ ہبہ صحیح ہو گیا کہ قرآن خوانی مال نہیں کہ جس کے عوض اسے بیع قرار دیا جائے، لہٰذا یہ زمیندار اور اس کی بیوی کی طرف سے ہبہ ہے اور قرآن پڑھنے کی شرط فاسد ہے اور ہبہ بالشرط سے ہبہ باطل نہیں ہوتا شرط باطل ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو فتاویٰ رضویہ، جلد 19، صفحہ 282۔

گنگوہی صاحب نے فتویٰ دیا کہ قربانی کے جانور کی کھال قربانی کرنے والے کے لئے مطلقاً بیچنا ناجائز ہے خواہ نیت کارِ ثواب کی ہی کیوں نہ ہو، اس کا رد اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالہ "الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة" (چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب) اس میں اعلیٰ حضرت نے کثیر دلائل سے ثابت کیا کہ قربانی کرنے والے کا کھال اس صورت میں بیچنا ناجائز ہے جب پیسے ذاتی انتفاع کے لئے ہوں، اگر کھال اس نیت سے بیچی جائے کہ اس کے پیسوں کو کسی غریب کو دے دوں گا یا کسی کارِ ثواب میں خرچ کروں گا تو یہ جائز ہے۔

اعلیٰ حضرت نے رشید احمد گنگوہی کے رد میں 25 کتابیں لکھیں جن میں بعض کا تعارف اوپر ہو گیا ہے بقیہ کے نام یہ ہیں:۔

(1) منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین

(2) ازکی الاهلال بابطال مااحدث الناس فی امر الهلال

(3) سبحان القدوس عن تقدیس نجس منکوس

(4) وصاف الرجیح فی بسملة التراویح

(5) القطوف الدانیه لمن احسن الجماعة الثانیه

(6) الردالاشد البهی فی هجر الجماعة علی الکنکهی

(7) انباء المصطفیٰ بحال سرو اخفی

(8) الجزء المهیا لغلمه کنهیا

(9) اتیان الارواح لدیارهم بعد الرواح

(10) اهلاك الوهابیین علی توهین قبور المسلمین

(11) حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین

(12) خلاصه فوائد فتاویٰ

(13) مبین احکام و تصدیقات اعلام

(14) الفیوض الملکیه لمحب الدولة المکیه

(15) تمهید الایمان بآیات قرآن

(16) فتویٰ کرامات غوثیه

(17) رشاقة الکلام فی حواشی اذاقة الآثام

(18) اخباریه کی خبر گیری

(19) سرالاوقات

(20) ظفر الدین الجید

(21) چابك لیث بر اهل حدیث

خلیل احمد انبیٹھوی کا رد

حضور (علیہ السلام) کے علم کو انبیٹھوی نے شیطان سے کمتر کہا اور اس کی تصدیق گنگوہی نے بھی کی۔ اور تھانوی نے بھی حضور (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں کے علم کے برابر ٹھہرایا۔

اعلیٰ حضرت نے ان کا تفصیلی رد ان رسالوں میں فرمایا:۔

(1) " خالصُ الاعتقاد" (اعتقادِ خالص)

(2) "اِنبآءُ المصطفٰی بحال سِرّ واخفٰی" (مصطفٰی (صلی الله علیه وآله وسلم) کو خبر دینا پوشیدہ کی اور پوشیدہ ترین کی)

(3) "ازاحة العیب بسیف الغیب" (عیب کو دُور کرنا غیب کی تلوار سے)

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے مکہ میں علم غیب کے متعلق اعلیٰ حضرت پر بہتان باندھ کر ان کے خلاف علماء سے فتویٰ لینا چاہا تو حرمین شریفین میں حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جیب سے ایک پرچہ نکالا جس پر علمِ غیب کے متعلق پانچ سوال جو وہابیوں کے ہوتے ہیں وہ تھے۔ ان کے جوابات اعلیٰ حضرت نے فقط 8 گھنٹے میں عربی میں ایک کتاب "الدولة المكية بالمادة الغيبية' میں دیئے اور علمائے مکہ اس پر عش عش کر اٹھے۔ یہ کتاب بخار اور دیگر مصروفیات کے دوران لکھی گئی۔

اشرف علی تھانوی کا رد

دیگر دیوبندیوں کی طرح اعلیٰ حضرت نے تھانوی صاحب کے عقائد ونظریات اور فتاوٰی کا بہت رد کیا اور تھانوی صاحب ایک مرتبہ بھی اعلیٰ حضرت کا رد نہ کر سکے۔ تھانوی صاحب سے سوال ہوا کہ اقامت کے وقت "اشهدان محمدا رسول الله" پڑھے تو اس میں انگوٹھے چومنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب میں تھانوی صاحب نے اقامت میں انگوٹھے چومنے کو اذان سے بھی زیادہ بدعت قرار دیا۔ اعلیٰ حضرت نے اس کے رد میں پورا رسالہ "نهج السلامة فی حكم تقبيل الابهامين فی الاقامة" (اقامت کے دوران انگوٹھے چُومنے کے حکم میں عُمدہ تفصیل) لکھا جس کا جواب تھانوی صاحب بلکہ آج تک ان کے پیروکاروں نے نہیں دیا۔

مسجد کے اندر اذان کے مسئلہ میں اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالہ "الشمامة الرابعة من عود احراق الخلاف" (اختلاف کو خاکستر کر دینے والے عود وعنبر کا چوتھا شمامہ) میں تھانوی صاحب کا رد کیا اور انہوں نے جو علامہ عینی کی عبارت میں تحریف کی اس کا انکشاف کیا۔

تھانوی صاحب سے کسی نے چار شرعی مسائل پوچھے تھانوی صاحب نے ان کے غلط جواب دیئے جس کا رد اعلیٰ حضرت نے اپنے رسالہ "القلادة المرصعة فی نحر الاجوبة الاربعه" (چار جوابوں کے مقابلہ میں پرویا ہوا ہار) (مولوی اشرف علی تھانوی کے چار فتووں کا رَدِ بلیغ)

اعلیٰ حضرت سے کسی سائل نے پوچھا:

"تمہاری (اللہ تعالیٰ تمہیں طویل عمر عطا فرمائے) اشرف علی نامی شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟ جس کی طرف اس کے کسی چاہنے والے نے لکھا کہ اس نے خواب میں کلمہ طیبہ پڑھا لیکن حضور (صلی الله علیه وآله وسلم) کے اسم گرامی محمد کی جگہ تیرا نام (اشرف علی) پڑھا تو اس کے بعد خیال آیا یہ تو غلط ہے، دوبارہ کلمہ پڑھا تو زبان سے محمد رسول اللہ (صلی الله علیه وآله وسلم) کی جگہ "اشرف علی رسول الله" نکلتا ہے میں نے غور کیا یہ تو صحیح نہیں، لیکن زبان سے بے اختیار یہی نکلتا ہے، جب بار بار ایسا ہوا تو میں نے تمہیں سامنے دیکھا میں زمین پر گر پڑا اور سخت چیخ وپکار کی اور مجھے خیال آتا ہے کہ میرے اندر باطنی قوت ختم ہوگئی ہے، پھر میں جاگا مگر حس کا غائب ہونا اور ناطاقتی پہلے کی طرح ہی تھی مگر نیند اور بیداری میں صرف تمہارا ہی تصور تھا، بیداری کی حالت میں میں نے غور کیا کہ کلمہ طیبہ غلطی ہوگئی، تو میں نے اس خیال کو دل سے نکالنے کی کوشش کی میں بیٹھ گیا، پھر میں دوسری کروٹ لیٹ گیا، کلمہ طیبہ میں واقعی غلطی کے تدارک کے لئے میں حضور نبی اکرم (صلی الله علیه وآله وسلم) کی ذات اقدس پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں "اللهم صلى على سيدنا ونبينا ومولانا اشرف علی" حالانکہ میں اب بیداری میں تھا نہ کہ حالت غفلت میں و نیند میں، لیکن یہ معاملہ بے اختیاری میں تھا، زبان پر میرا کنٹرول ختم ہو چکا تھا حتی کہ یہی عمل سارا دن رہا، دوسرے روز بہت رویا ہوں۔ ان وجوہ کے علاوہ دیگر کئی وجوہ نے بھی مجھے آپ کی محبت عطا کی ہے کہاں تک عرض کرو، اس شخص کا مکتوب ختم ہوا۔

اشرفعلی نے اسکے جواب میں لکھا اس واقعہ میں تمہارے لئے اس بات کی تسلی ہے کہ جس کی طرف تم رجوع کررہے ہو وہ سنت کا متبع ہے۔

اس کے رد میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ "الجبل الثانوی علی كلية التهانوی" (تھانوی کے گُردے پر دوسرا پہاڑ۔) لکھا جس میں مستند دلائل سے ثابت کیا کہ بیداری میں اس طرح کفر بول کر کہنا کہ زبان میرے قابو میں نہیں تھی یہ مردود ہے۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے شفاء شریف سمیت کئی معتبر کتب کے حوالے دے کر تھانوی کا رد کیا اور تھانوی صاحب اس کا جواب نہیں دے سکے۔

اعلیٰ حضرت نے اشرف علی تھانوی کے رد میں کل 9 کتابیں لکھیں۔

(1) الدولة المكية بالمادة الغيبية

(2) حسام الحرمين على منحر الكفر والمين

(3) خلاصه فوائد فتاوىٰ

(4) مبين احكام و تصديقات اعلام

(5) الفيوض الملكيه لمحب الدولة المكيه

(6) تمهيد الايمان بآيات قرآن

(7) فتوىٰ كرامات غوثيه

(8) ظفر الدين الجيد

(9) چابك ليث بر اهل حديث

فصل چہارم: اعلیٰ حضرت کی فقاہت پر دیوبندی حامد میاں اور گھسن صاحب کے اعتراضات کے جوابات

دیوبندی اوران کے اکابر جب اعلیٰ حضرت کارد کرنے سے عاجز آ گئے تو جہاں دیوبندیوں نے جھوٹ وتحریفات کے ہتھکنڈے استعمال کئے، وہاں دیوبندی مولوی حامد میاں نے ٹوٹے پھوٹے انداز میں اپنی ناقص فہم سے اعلیٰ حضرت کی فقاہت پر بھی چند بے تکے وجاہلانہ اعتراضات کئے۔ گھسن صاحب کی کتب تو آگے ہی ادھر ادھر سے مواد پکڑ کر بھری ہوتی ہیں اس لئے گھسن صاحب نے بھی اپنی جھوٹ وتحریف سے بھری کتاب ''فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ'' میں کئی صفحات پر حامد میاں کے ہی اعتراضات نقل کردیئے اور کہا:

''اس بحث میں ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی بجائے اپنے محترم بزرگ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں (رحمة الله عليه) کے رسالہ ''فاضل بریلوی کے فقہی مقام کی حقیقت'' کا انتخاب پیش کرتے ہیں جو اس بحث میں کافی شافی ہے۔ ہمیں مزید اپنی طرف سے لکھنے کی ضرورت نہیں۔''

یہاں اس کا جواب اس لئے دیا گیا ہے کہ قارئین کو پتہ چل جائے کہ دیوبندی کس قدر اعلیٰ حضرت کا رد کرنے سے عاجز وبے بس ہیں۔ اب فقط جاہل دیوبندیوں کو مطمئن کرنے کے لئے اس طرح کے جاہلانہ اعتراضات کرتے ہیں۔

اقسامِ احکامِ شرعیہ اور دیوبندی کم فہمی

حامد صاحب نے پہلا اعتراض یوں کیا: ''پہلا مسئلہ، اقسام احکام شرعیہ کے متعلق فاضل بریلوی کی غلط بیانی: فقہی مقام

میں رنگ اجتہاد کے زیر عنوان لکھا ہے کہ عام طور پر کتب اصول میں احکام شرعیہ کی سات قسمیں بیان کی جاتی ہیں، فرض، واجب، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی۔ لیکن اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے احکام کی گیارہ قسمیں فرمائی ہیں۔ پھر ان قسموں کا بیان ہے کہ فرض، واجب، سنت مؤکدہ، سنت غیر مؤکدہ، مستحب، مباح، حرام، مکروہ تحریمی، اساءت، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ۔ یہ گیارہ چیزیں گنائی گئی ہیں اور ان کی تعریفات ذکر کی گئی ہیں اور لکھا ہے کہ یہ وہ تقسیم ہے جس کے بارے میں خود اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ تقریر منیر کو حفظ کر لیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزارہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عقدوں کو حل کرے گی۔ کلمات اس کے موافق، مخالف سب طرح ملیں گے۔ مگر بحمد اللہ تعالیٰ حق اس سے متجاوز نہیں۔ فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امام اعظم (رضی الله تعالیٰ عنهما) کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی، ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطر مذہب وطراز مذہب ہے۔ انتہا کلامہ الشریف۔ ماخوذ از فتاویٰ رضویہ، جلد 1، صفحہ 173 تا 175، اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام، صفحہ 11، 12۔

(حامد میاں صاحب کہتے ہیں) ہم نے یہ ساری تعریفیں پڑھیں۔ بظاہر آپ کے لکھنے کا مقصد یہ لگتا ہے کہ یہ علمی بحثیں کسی اور نے نہیں لکھیں یہ فقط اعلیٰ حضرت کا کمال ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ دیکھئے شامی میں مستقل عنوان کے تحت اساءت اور کراہت کی بحث دی گئی ہے ''مطلب في قولهم الاساءة دون الكراهة'' علامہ شامی نے اس بحث میں سنت موکدہ، سنن ہدیٰ اور سنن زوائد یعنی سنت غیر موکدہ اور مستحب کا ذکر بھی کیا ہے۔ اور کراہت تحریمی، اساءت اور کراہت تنزیہی کا بھی اور اساءت کی تشریح میں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ وہ عمل ہے کہ جس کے کرنے والے کو گمراہ کہا جائے گا۔ اور ملامت کی جائے گی۔ غرض اس تفصیلی بحث میں یہ تمام اقسام احکام اور اقوال ائمہ درج ہیں۔ اب رہی اولیٰ کی بات تو یہ بھی شامی میں ایک مستقل عنوان کے تحت ذکر کی گئی ہے ''مطلب اذا تردد الحكم بين سنته وبدعة كان ترك السنة اولى'' جب کسی حکم کے سنت وبدعت ہونے میں تردد ہو تو سنت کو ترک کردینا اولیٰ ہے۔

شامی ہی میں اس سے اگلے صفحہ پر ایک مسئلہ کے ذیل میں تحریر ہے ''او اراد بالمباح ما ليس بمحظور شرعا وخلاف الاولى غير محظور'' یا مباح سے مراد ہے کہ جو شرعاً منع نہ ہو اور خلاف اولیٰ ممنوع نہیں ہوتا۔

غرض یہ گیارہ کی گیارہ قسمیں کتب فتاویٰ میں لکھی ہوئی چلی آرہی ہیں بلکہ صرف شامی ہی میں موجود ہیں۔ فاضل بریلوی کو آپ اتنی سی بات پر مجتہد کا درجہ دینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے ان اقسام کو نقل کردیا ہے اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ فاضل بریلوی بھی خود اس پر ناز فرما رہے ہیں۔''

(فرقه بريلويه پاك وہند كا تحقيقی جائزه، صفحه103۔۔، مكتبه اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

گھمن صاحب آپ نے اور آپ کے حامد میاں نے اصل تحقیق یا سمجھی نہیں یا سمجھی ہے لیکن بغض کے وجہ سے نظر انداز کر کے اسے دوسری طرف پھیر دیا ہے۔ اس مسئلہ میں تحقیق یہ نہیں کہ یہ نام واحکام پہلے نہیں تھے اب اعلیٰ حضرت نے دریافت کر لئے ہیں بلکہ تحقیق یہ ہے کہ ان سنت، مستحب، اساءت وغیرہ کی جامع تعریف وحکم بیان کیا ہے۔ احکام کی قسمیں بعض علماء نے 5 کیں، بعض نے 7، بعض نے 9 کی ہیں۔ اس پر اعلیٰ حضرت نے گیارہ قسمیں مع راجح تعریف کے ساتھ بیان کی ہیں تا کہ تمام مسائل کے احکام واضح ہو جائیں۔

اصل مسئلہ یہ تھا کہ طہارت میں پانی زیادہ خرچ کرنا کیا ہے؟ اس میں بعض علماء نے مکروہ تحریمی لکھا، بعض نے تنزیہی، بعض نے حرام وغیرہ۔

اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) نے اس مسئلہ کی وضاحت میں فرمایا کہ یہ کیا بنتا ہے؟ آپ فرماتے ہیں: ''طہارت میں بے سبب پانی زیادہ خرچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے۔

اقول: ملاحظہ کلمات علماء سے اس میں چار قول معلوم ہوتے ہیں، ان میں قوی تر دو ہیں اور فضلِ الٰہی سے امید ہے کہ بعد تحقیق وحصول توفیق اختلاف ہی نہ رہے وباللہ التوفیق۔

(1) مطلقاً حرام و ناجائز ہے حتی کہ اگر نہر جاری میں وضو کرے یا نہائے اُس وقت بھی بلا وجہ صرف گناہ و ناروا ہے یہ قول بعض شافعیہ کا ہے جسے خود شیخ مذہب شافعی سیدنا امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں نقل فرما کر ضعیف کر دیا اور اسی طرح دیگر محققین شافعیہ نے اُس کی تضعیف کی۔

(2) مکروہ ہے اگر چہ نہر جاری پر ہو اور کراہت صرف تنزیہی ہے اگر چہ گھر میں ہو۔ یعنی گناہ نہیں صرف خلاف سنت ہے حلیہ و بحر الرائق میں اسی کو اوجہ اور امام نووی نے اظہر اور بعض دیگر ائمہ شافعیہ نے صحیح کہا اور حکم آب جاری کو عام ہونے سے قطع نظر کریں تو کلام امام شمس الائمہ حلوانی و امام فقیہ النفس سے بھی اُس کا استفادہ ہوتا ہے ہاں شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں عموم کی طرف صاف اشارہ کیا۔

(3) مطلقاً مکروہ تک نہیں نہ تحریمی نہ تنزیہی صرف ایک ادب و امر مستحب کے خلاف ہے۔ بدائع امام ملک العلما ابو بکر مسعود و فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق ومنیۃ المصلی وغیرہا میں ترک اسراف کو صرف آداب و مستحبات سے شمار کیا سنت تک نہ کہا اور مستحب کا ترک مکروہ نہیں ہوتا بلکہ سنت کا۔

(4) نہر جاری میں اسراف جائز کہ پانی ضائع نہ جائے گا اور اس کے غیر میں مکروہ تحریمی۔ مدقق علائی نے درمختار میں اسی کو مختار رکھا علامہ مدقق عمر بن نجیم نے نہر الفائق میں کراہت تحریم ہی کو ظاہر کہا اور اُسی کو امام قاضی خان و امام شمس الائمہ حلوانی وغیرہما اکابر کا مفاد کلام قرار دیا کہ ترک اسراف کو سنّت کہنے سے اُن کی مراد سنتِ مؤکدہ ہے اور سنتِ مؤکدہ کا ترک مکروہ تحریمی، نیز مقتضائے کلام امام زیلعی کہ مطلق مکروہ سے غالباً مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے اور بحر الرائق میں اسے قضیہ کلام منتقی بتایا کہ اُس میں اسراف کو منہیات سے شمار فرمایا اور ہر منہی عنہ کم از کم مکروہ تحریمی ہے۔''

(ملخصا فتاوی رضویہ، جلد 1، صفحہ 651---، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے فقہاء کے اقوال پیش کئے کہ کس نے مکروہ تنزیہی کے ترک کو کیا کہا ہے؟ سنت مؤکدہ کا ترک کیا ہے؟ غیر مؤکدہ کا ترک کیا ہے؟ اساءت کیا ہے؟ خلاف اولیٰ کیا ہے؟ اس پر تحقیق کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: ''حاصل حکم یہ نکلا بے حاجت زیادت اگر باعتقاد سنیت ہو مطلقاً ناجائز وگناہ ہے اگر چہ دریا میں اور اگر پانی ضائع جائے تو جب بھی مطلقاً مکروہ تحریمی اگر چہ اعتقاد سنیت نہ ہو اور اگر نہ فساد عقیدت نہ اضاعت تو خلاف ادب ہے مگر عادت کر لے تو مکروہ تنزیہی یہ ہے بحمد اللہ تعالیٰ فقہ جامع وفکر نافع و درک بالغ ونور بازغ وکمال توفیق و جمال تطبیق وحُسن تحقیق وعطر تدقیق وباللہ التوفیق والحمد للہ رب العٰلمین۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 1، صفحہ 762، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ان سب پر کلام کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں: ''تحقیق بالغ وتنقیح بازغ یہ ہے کہ فعل مطلوب شرعی کا ترک نادراً ہو گا یا عادۃً، اور ہر ایک پر سزا کا استحقاق ہو گا یا سرزنش کا، یا کچھ نہیں تو دونوں ترک تین قسم ہوئے ہیں، اور تین کو تین میں ضرب دیئے سے نو قسمیں عقلی پیدا ہوئیں ان میں تین بداہۃً باطل ہیں:

(1) ترک عادی پر کچھ نہ ہو اور نادر پر عذاب یا عتاب (2) سوم (3) ترک عادی پر عتاب اور نادر پر عقاب۔ اور دو قسمیں شرعاً وجود نہیں رکھتیں ترک عادی پر عقاب یا عتاب اور نادر پر کچھ نہیں کہ شرعاً مستحب کے ترک نادر پر کچھ نہیں تو عادی پر بھی کچھ نہیں اور سنت کے ترک عادی پر عتاب ہے تو نادر پر بھی ہے کہ وہ حکم سنت ہے اور حکم شے کو شے سے انفکاک نہیں۔

اصول امام فخر الاسلام و امام حسام الدین و امام نسفی میں ہے ''حکم السنة ان یطالب المرء باقامتها من غیر افتراض ولا وجوب لانها طریقة امرنا باحیائها فیستحق اللائمة بترکها'' سنت کا حکم یہ ہے کہ آدمی سے اسے قائم کرنے کا مطالبہ ہو بغیر اس کے کہ اس پر فرض یا واجب ہو۔ کیونکہ یہ ایسا طریقہ ہے جسے زندہ کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تو اس کے ترک پر ملامت کا مستحق ہو گا۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 1، صفحہ 671، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اس کے بعد اعلیٰ حضرت فرض، واجب، سنت، حرام، مکروہ کی جامع ومختصر تعریف یوں بیان کرتے ہیں:۔لاجرم چار قسمیں رہیں:

(1) ترک عادی ہونا یا نادر مطلقا موجب استحقاق عذاب ہو یہ بحال قطعیت فرض ورنہ واجب ہے۔

(2) عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب۔ یہ سنت مؤکدہ ہے کہ اگر نادر پر بھی عذاب ہو تو اُس میں اور واجب میں فرق نہ رہے گا اور عادی پر بھی عتاب ہی ہو تو اُس میں اور سنت مؤکدہ میں تفاوت نہ ہوگا حالانکہ وہ ان دونوں میں برزخ ہے۔

(3) عادی ہو یا نادر مطلقا مورث عتاب ہو۔ یہ سنتِ زائدہ ہے۔

(4) مطلقا عذاب وعتاب کچھ نہ ہو۔ یہ مستحب ومندوب وادب ہے۔

پھر ازانجا کہ فعل وترک میں تقابل ہے بغرض تعادل واجب ہے کہ ایسی ہی چار قسمیں جانب ترک نکلیں یعنی جس کا ترک مطلوب ہے:۔

(1) اس کا فعل عادی ہو یا نادر مطلقا موجب استحقاق عذاب ہو یہ بحال قطعیت حرام ورنہ مکروہ تحریمی ہے۔

(2) فعل عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب یہ اساءت ہے جس کی نسبت علماء نے تحقیق فرمائی کہ کراہت تنزیہی سے اخش اور تحریمی سے اخف ہے۔

(3) مطلقا مورث عتاب ہی ہو یہ کراہت تنزیہی ہے۔

(4) مطلقا کچھ نہ ہو یہ خلافِ اولیٰ ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد1، صفحہ 671، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

یہاں صورۃ آٹھ صورتیں بیان کی گئی ہیں لیکن حقیقۃً یہ دس ہیں اعلیٰ حضرت نے فرض وواجب اور حرام ومکروہ تحریمی کو ایک ہی لائن میں بیان کیا ہے۔ دس صورتیں یہ ہوگئی اور گیارہویں قسم مباح کی ہوئی۔

اعلیٰ حضرت نے یہ اقسام اور ان کی صحیح تعریفات کو کئی دلائل سے ثابت کیا۔ جیسے اساءت کے متعلق علماء کے مختلف اقوال تھے تو آپ فرماتے ہیں: "اساءت کے بارے میں اگرچہ کلماتِ علماء مضطرب ہیں کوئی اسے کراہت سے کم کہتا ہے "کما فی الدر صدر سنن الصلاۃ وبه نص الامام عبدالعزیز فی الکشف وفی التحقیق" جیسا کہ درمختار میں سنن نماز کے شروع میں ہے اور امام عبدالعزیز بخاری نے کشف میں اور تحقیق میں اسی کی تصریح کی ہے۔

کوئی زائد "کما فی الشامی عن شرح المنار للزین" جیسا کہ شامی میں محقق زین بن نجیم کی شرح منار سے نقل

ہے۔

کوئی مساوی "کما فی الطحطاوی ثمه وفی ادراك الفریضة عن الحلبی شارح الدر" جیسا کہ طحطاوی نے سنن نماز اور باب ادراک الفریضہ میں حلبی شارح دُرمختار نقل ہے۔

مگر عند التحقیق اُس کا مقابل سنتِ مؤکدہ ہونا چاہئے کہ جس طرح سنتِ مؤکدہ واجب وسنت زائدہ میں برزخ ہے یوں ہی اساءت کراہت تحریم وکراہت تنزیہ میں" کما فی الشامی "جیسا کہ شامی میں ہے۔

عالمگیریہ میں سراج وہاج سے ہے "ان ترك المضمضة والاستنشاق اثم علی الصحیح لانها من سنن الهدی وترکها یوجب الاساءة بخلاف السنن الزوائد فان ترکها لا یوجب الاساءة" اگر مضمضہ واستنشاق کا تارک ہو تو برقول صحیح گنہگار ہوگا اس لئے کہ یہ سنن ہدیٰ سے ہے اور ان کا ترک موجب اساءت ہے بخلاف سنن زوائد کے کہ ان کا ترک موجبِ اساءت نہیں۔" (فتاوی رضویہ، جلد1، صفحہ 672، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حامد میاں صاحب نے اوپر لکھا: "غرض یہ گیارہ کی گیارہ قسمیں کتب فتاویٰ میں لکھی ہوئی چلی آرہی ہیں بلکہ صرف شامی ہی میں موجود ہیں۔" یہ حامد میاں کی فتاویٰ شامی سے جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شامی میں یہ گیارہ قسمیں مع راجح تعریف کے موجود نہیں ہیں اگر ہیں تو کوئی مائی کا لال دیوبندی دکھادے۔

سنتِ مؤکدہ وغیر مؤکدہ کی غلط تعریف بیان کرنے کا الزام

حامد میاں صاحب لکھتے ہیں: "اقسام احکام شرعیہ کی تعریفات میں کمی: اب آپ اپنی لکھی ہوئی تعریفات کی کمی پر بھی غور فرمائیں۔ سنت موکدہ کی تعریف میں جو الفاظ آرہے ہیں وہی سنت غیر موکدہ کی تعریف میں بھی آرہے ہیں۔ آپ حضرات نے لکھا ہے: سنت موکدہ: اس کا عادتاً ترک کرنا موجب استحقاق عذاب ہو اور نادراً ترک کرنا موجب استحقاق عتاب خواہ یہ ترک عادتاً ہو یا نادراً۔

سنت غیر موکدہ: جس کا ترک کرنا موجب استحقاق ہو خواہ یہ ترک عادتاً ہو یا نادراً۔

اول تو سنت موکدہ کی تعریف کی عبارت ہی اصلاح طلب ہے کہ وہاں بھی یہی الفاظ آرہے ہیں۔ خواہ یہ ترک عادتاً ہو یا نادراً۔ دوسرے یہ کہ جب سنت غیر موکدہ کا نادراً اور عادتاً دونوں طرح ترک کرنا موجب استحقاق عتاب ہوا اور سنت موکدہ کا بھی یہی حکم بیان ہوا ہے۔ تو دونوں میں فرق کیا رہا؟ سنت غیر موکدہ کا عادتاً تارک بن جانا خود بخود موجب استحقاق عذاب بن

جائے گا۔اور دونوں کی تعریف ایک ہو جائے گی۔"

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 105، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سر گودھا)

یہاں حامد میاں صاحب نے تحریف کی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے واضح طور پر سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ میں فرق کیا ہے۔آپ کا قول یہ ہے: "(سنت مؤکدہ کا حکم) عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب۔ یہ سنت مؤکدہ ہے کہ اگر نادر پر بھی عذاب ہو تو اُس (سنت موکدہ) میں اور واجب میں فرق نہ رہے گا اور عادی پر بھی عتاب ہی ہو تو اُس (سنت غیر موکدہ) میں اور سنت مؤکدہ میں تفاوت نہ ہوگا حالانکہ وہ ان دونوں میں برزخ ہے۔

(سنت غیر مؤکدہ کا حکم) عادی ہو یا نادر مطلقا مورث عتاب ہو۔ یہ سنتِ زائدہ ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 1، صفحہ 672، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حامد میاں کا سید طحطاوی کا ناقص دفاع کرنا

علامہ طحطاوی (رحمة الله علیه) نے فرمایا تھا کہ اگر بیماری کے سبب زکام آئے تو وضو ٹوٹ جائے گا، اعلیٰ حضرت نے اس کے تحت فرمایا کہ فقہ حنفی کے صحیح مذہب میں زکام سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ حامد میاں علامہ طحطاوی کا دفاع کرتے ہیں کہ ان کی مراد بیماری میں زکام نکلنے کی نہیں تھی بلکہ زکام کے ساتھ خون آنے کی تھی چنانچہ حامد میاں صاحب لکھتے ہیں: "دوسرا مایہ ناز فقہی مسئلہ، فاضل بریلوی سید طحطاوی کی بات نہیں سمجھ سکے: اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام لکھنے والے صاحب نے ان کا اور طحطاوی کا تقابل بھی کیا ہے اور یہ مسئلہ لیا ہے کہ طحطاوی نے یہ فرمایا ہے کہ زکام کی حالت میں ناک سے پانی آئے اس سے بھی وضو جاتا رہتا ہے۔ حالانکہ یہ ان مثالوں کے ساتھ انہوں نے تحریر فرمایا ہے جہاں وہ ایسی بیماریوں کا ذکر کر رہے ہیں کہ جن میں پانی کے ساتھ خون مل جاتا ہے، چاہے آنکھ میں کسی بیماری کی وجہ سے ایسا ہو یا کہیں اور۔ پھر اس مسئلہ کے متصل وہ یہ لکھتے ہیں "وكذا كل ما يخرج بوجع ولو من اذن ومشدى وسرة ظاهره يعم الانف اذا زكم" یہی حکم ہر اس پانی کا ہوگا جو تکلیف کی وجہ سے نکل رہا ہو۔ چاہے کان سے نکلے یا پستان سے یا ناف سے یعنی بظاہر اس حکم میں ناک بھی داخل ہے جب اسے زکام ہو۔

سید طحطاوی کی مراد وہ صورت ہے کہ جب فلو کی قسم کا شدید زکام ہو جس میں ناک میں خراش بلکہ زخم ہو جاتے ہیں (ایسا زکام ہمارے علاقہ میں کم ہوتا ہے) اگر کسی کو اس قسم کا زکام ہو کہ ناک سے بے اختیار خراش کا پانی بہتا ہو تو اس ناک کی ریزش کا اور حکم ہوگا۔ طحطاوی نے اسی صورت کا حکم بیان فرمایا ہے۔ بعض دفعہ مریض کے بے حد چھینکیں آتی ہیں اور ناک میں زخم ہو جاتے ہیں اور مسلسل ریزش بہتی رہتی ہے اسے نماز پڑھنی بھی مشکل ہوتی ہے ایسی حالت میں اعلیٰ حضرت کے مداح پیروکار کیا مسئلہ

بتلائیں گے؟ ظاہر ہے وہ بھی کہیں گے کہ یہ شخص اس وقت ایسا ہے کہ اسے ناک کی ریزش کے لیے الگ کپڑا رکھنا چاہیے۔ فاضل بریلوی اگر اس مسئلہ پر غور فرماتے تو سمجھ سکتے تھے کہ فاضل بریلوی اور سید طحطاوی کے تقابل کی بات ہی بے کار ہے۔ زکام کی جو صورت ہم نے لکھی ہے وہ خود فاضل بریلوی کی اس عبارت کے تحت آ جاتی ہے اور درست قرار پاتی ہے: بالجملہ مجرّد رطوبت کی مرض سے، سائل ہو مطلقاً فی نفسہا ہرگز ناقص نہیں بلکہ احتمال خون وریم کے سبب ولہٰذا امام ابن الہمام کی رائے اس طرف گئی ہے کہ مسائل مذکورہ میں امام محمد کا حکم وضو استحبابی ہے۔ فتاویٰ رضویہ، جلد 1، صفحہ 37، آخری سطور۔

فائدہ: بعض لوگوں کے منہ سے سوتے وقت رال بہتی ہے۔ شامی نے ساتھ ہی تصریح کر دی ہے کہ وہ اگر چہ بدبودار بھی ہو تو ناپاک نہیں۔"

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 106۔۔، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سر گودھا)

حامد صاحب نے علامہ طحطاوی کا دفاع بالکل ہی ناقص کیا اور اپنے پاس سے علامہ طحطاوی کی مراد بیان کر دی۔ خون کی قید لگانے کا کیا فائدہ وہ تو ویسے ہی بدیہی ہے کہ اگر تھوک کے ساتھ بھی خون غالب ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ ظاہری بات ہے کہ علامہ طحطاوی کا مقصد خون کے ساتھ زکام آنا نہیں بلکہ بیماری کے سبب زکام آنا ہے اور علامہ شامی نے بھی اعلیٰ حضرت کی طرح علامہ طحطاوی پر اعتراض کیا ہے۔ پھر حامد صاحب نے درمختار اور طحطاوی کی عبارت کو بھی مکس کر دیا۔ اصل عبارت یہ تھی "(قوله وكذا كل مايخرج بوجع)ظاهره يعمّ الانف اذا زكم"

(حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، جلد 1، صفحہ 155، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) کا پورا فتویٰ یوں تھا: "ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بلغم کی قے کسی قدر کثیر ہو، ناقضِ وضو نہیں۔ درمختار میں ہے "لاينقضه قيء من بلغم على المعتمد اصلا" قولِ معتمد کی بنیاد پر بلغم کی قے اصلاً ناقضِ وضو نہیں۔

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے "شامل للنازل من الرأس والصاعد من الجوف وقوله على المعتمد راجع الى الثانی لان الاول بالاتفاق على الصحيح" یہ حکم سر سے اترنے والے اور معدہ سے چڑھنے والے دونوں قسم کے بلغم کو شامل ہے اور ان کا قول "علی المعتمد" (قول معتمد کی بنیاد) دوم (معدہ والے) کی طرف راجع ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ اول میں وضو نہ ٹوٹنے کا حکم بالاتفاق ہے۔

ردالمحتار میں ہے "اصلا اى سواء كان صاعدا من الجوف او نازلا من الراس خلافا لابی یوسف فی الصاعد من الجوف اليه اشار بقوله على المعتمد ولو اخره لكان اولى ـ اه اى لان تقديمه يوهم ان فی عدم النقض بالبلغم خلافا مطلقا وليس كذلك فی الصحيح" اصلاً یعنی معدہ سے چڑھنے والا ہو یا سر سے اُترنے والا اور معدہ

سے چڑھنے والے میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔ اس کی طرف لفظ ''علی المعتمد'' سے اشارہ کیا ہے، اگر اسے ''اصلاً'' کے بعد رکھتے تو بہتر تھا۔ یعنی اس لئے کہ اسے پہلے رکھ دینے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ بلغم سے وضو ٹوٹنے میں مطلقاً اختلاف ہے حالانکہ بر قولِ صحیح ایسا نہیں ہے۔

نور الایضاح ومراقی الفلاح میں ہے "عشرۃ اشیاء لاتنقض الوضوء منها قیء بلغم ولو کان کثیر العدم تخلل النجاسة فیه وهو طاهر" دس چیزیں ناقضِ وضو نہیں ہیں ان میں سے ایک بلغم کی قے ہے اگر چہ زیادہ ہو، اس لئے کہ نجاست اس کے اندر نہیں جاتی اور وہ خود پاک ہے۔

یہ تصریحاتِ جلیہ ہیں کہ بلغم جو دماغ سے اُترے بالاجماع ناقضِ وضو نہیں اور ظاہر ہے کہ زکام کی رطوبتیں دماغ ہی سے نازل ہیں تو ان سے نقضِ وضو کسی کا قول نہیں ہوسکتا، حکمِ مسئلہ تو اسی قدر سے واضح ہے مگر یہاں علامہ سید طحطاوی ف (رحمة الله علیه) کو ایک شبہہ عارض ہوا جس کا منشا یہ کہ ہمارے علماء نے فرمایا: جو سائل چیز ف بدن سے بوجہِ علت خارج ہو ناقضِ وضو ہے مثلاً آنکھیں دُکھتی ہیں یا جسے ڈھلکے کا عارضہ ہو یا آنکھ، کان، ناف وغیرہ میں دانہ یا ناسور یا کوئی مرض ہو ان وجوہ سے جو آنسو، پانی بہے وضو کا ناقض ہوگا۔ درمختار، باب الحیض میں ہے "صاحب عذر من به سلس بول او استحاضة او بعینه رمد او عمش او غرب و کذا کل ما یخرج بوجع ولو من اذن او ثدی و سرۃ" عذر والا وہ ہے جسے بار بار پیشاب کا قطرہ آتا ہو یا استحاضہ ہو یا آنکھ میں رمد یا عمش یا غرب ہو (آشوب یا چندھا پن یا کوئی پھنسی ہو) اور اسی طرح ہر وہ چیز جو کسی بیماری کی وجہ سے نکلے اگر چہ کان یا پستان یا ناف سے ہو۔

ردالمحتار میں ہے "قوله رمد ای ولیسیل منه الدمع قوله عمش ضعف الرؤیة مع سیلان الدمع فی اکثر الاوقات، قوله غرب، قال المطرزی هو عرق فی مجری الدمع یسقی فلا ینقطع مثل الباسور عن الاصمعی بعینه غرب اذا کانت تسیل ولا تنقطع دموعها والغرب بالتحریك ورم فی الماقی" قولہ آشوب ہو، یعنی اس سے پانی بھی بہتا ہو ----- قولہ عمش یعنی اکثر اوقات پانی بہنے کے ساتھ، بصارت کی کمزوری ہو ----- قولہ غرب ----- مطرزی نے کہا: یہ آنسو بہنے کی ایک رگ ہوتی ہے جو بہنے لگتی ہے تو بند نہیں ہوتی جیسے بواسیر ---- اصمعی سے منقول ہے ''بعینہ غرب'' اس وقت بولتے ہیں جب آنکھ بہتی رہتی ہو اور اس کے ساتھ آنسو تھمتے نہ ہوں۔ اور غَرَب ----- را پر حرکت کے ساتھ ---- آنکھ کے کویوں میں ایک ورم ہوتا ہے۔

اس پر علامہ طحطاوی نے فرمایا "ظاهره یعم الانف اذا زکم" یعنی ظاہراً یہ مسئلہ ناک کو بھی شامل ہے جب زکام ہو۔

علامہ شامی نے اُس پر اعتراض کیا کہ ہمارے علماء تصریح ف فرما چکے ہیں کہ سوتے آدمی کے مُنہ سے جو رال بہے اگر چہ پیٹ سے آئے اگر چہ بدبودار ہو پاک ہے۔ قول سید طحطاوی نقل کر کے فرماتے ہیں "لکن صرحوا بان ماء فم النائم طاهر ولو منتنا فتأمل" لیکن ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ سونے والے کے منہ کی رال اگر چہ بدبودار ہے، پاک ہے۔ تو تأمل کرو۔''

(فتاوی رضویه، جلد 1، صفحه 263، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مزید اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) فرماتے ہیں: ''زکام ایک عام چیز ہے غالباً جیسے دنیا بنی کوئی فرد بشر جس نے چند سال عمر پائی ہو اُسے کبھی نہ کبھی اگر چہ جاڑوں ہی کی فصل میں زکام ضرور ہوا ہوگا یقین عادی کی رُو سے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام و تابعین اعلام وائمہ عظام (رضی الله تعالیٰ عنهم) کو خود بھی عارض ہوا ہوا ایسی عموم بلوی کی چیز میں اگر نقض وضو کا حکم ہوتا تو ایک جہان اُس سے مطلع ہوتا مشہور و مستفیض حدیثوں میں اس کی تصریح آئی ہوتی، کتب ظاہر الروایۃ سے لے کر متون و شروح و فتاوی سب اُس کے حکم سے مملو ہوتے نہ کہ بارہ سو برس کے بعد ایک مصری فاضل سید علامہ طحطاوی بعض عبارات سے اُسے بطور احتمال نکالیں اور خود بھی اُس کے اصل موضع بیان یعنی نواقض وضو کے ذکر تک اُس کی طرف اُن کا ذہن نہ جائے حالانکہ آبِ رمد وغیرہ کا مسئلہ درمختار میں وہاں بھی مذکور تھا، باب الحیض میں جا کر خیال تازہ پیدا ہوا ایسا خیال زنہار قابل قبول نہیں ہوسکتا، تمام اصول حدیث واصول فقہ اس پر شاہد ہیں۔ ہاں جسے رُعاف یعنی ناک سے خون جانے کا مرض ہے اور اسی حالت میں اُسے زکام ہوا اور خون نکلنے کے غیر اوقات میں جو ریزش زکام کی آتی ہے سرخی لیے متغیر اللون آتی ہے جس سے آمیزش خون مظنون ہے تو اس صورت میں نقضِ وضو کا حکم ظاہر ہے۔''

(فتاوی رضویه، جلد 1، صفحه 276، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

علمِ حدیث میں کمزوری کا الزام

اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) نے ثابت کیا تھا کہ حضور (علیه السلام) سے اذان دینا ثابت ہے۔ حامد میاں صاحب اعلیٰ حضرت کے دلائل کا اپنے وہم میں رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تیسرا مایہ ناز علمی مسئلہ، فاضل بریلوی کی علم حدیث میں کمزوری: اسی مقالہ میں ایک عنوان ہے علامہ شامی اور اعلیٰ حضرت اس کے تحت اس حدیث کے ثبوت اور عدم ثبوت پر بحث کی گئی ہے۔ جناب رسول اللہ (صلی الله علیه وآله وسلم) نے خود بھی اذان دی ہے یا نہیں؟ حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے ہے کہ آنحضرت نے خود اذان نہیں دی۔ علامہ شامی نے ایک جگہ مستقل عنوان دے کر" مطلب هل باشر النبی ﷺ الاذان

بنفسه" حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے نقل کی کہ جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خود اذان نہیں دی۔

دوسری بات شامی نے التحیات کے باب میں اس (مسئلہ) کی تشریح کرتے ہوئے لکھی ہے کہ معراج میں باری تعالیٰ سے ہم کلامی کے وقت جو کلمات ادا ہوئے ان کی نقل التحیات ہے اور اسے تشہد اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں دو شہادتوں کا ذکر ہے۔ توحید کی شہادت اور رسالت کی شہادت۔ چونکہ اس جگہ درمختار میں لکھا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرمایا کرتے تھے "اشهد ان لا اله الا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہ" کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں خدا کا رسول ہوں۔

اس لیے شامی نے حافظ ابن حجر عسقلانی کے حوالہ سے اس کا رد کیا ہے " بانه لا اصل لذالك" کہ اس بات کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی التحیات میں یہی کلمات ادا فرماتے تھے جو آج تک ہم نماز میں پڑھتے ہیں "الفاظ التشهد متواترة عنه صلی اللّٰہ علیہ و سلم انه کان یقول اشهد ان محمدا رسول اللّٰہ وعبده ورسوله" تشہد (التحیات) میں شہادت کے کلمات جناب رسالت مآب ﷺ سے تواتر سے منقول ہیں کہ آپ فرمایا کرتے تھے اشهد ان محمدا رسول اللّٰہ وعبده و رسوله۔

پھر علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں کہ تحفہ میں ہے کہ اگر (صاحب درمختار یا ان سے پہلے) کسی شخص نے یہ بات کہی ہے تو التحیات کے بارے میں تو غلط ہے البتہ اذان کے بارے میں ہو سکتی ہے۔ "نعم ان اراد تشهد الاذان صح لانه صلی اللّٰہ علیہ و سلم اذن مرة فی سفر فقال ذالك قلت و كذالك فی البخاری من حدیث سلمة بن الاكوع قال خفت ازواد القوم الحدیث فقال صلی اللّٰہ علیہ و سلم اشهد ان لا اله الا اللّٰہ واشهد انی رسول اللّٰہ وهذا كان خارج الصلوة لما ظهرت المعجزة علی یدیه من البركة فی الزاد" ہاں اگر اس کی مراد اذان میں کلمہ شہادت ہے تو یہ بات ٹھیک ہے کیوں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک بار سفر میں اذان دی تو یہ فرمایا اور میں کہتا ہوں کہ اسی طرح بخاری میں حضرت سلمہ بن الاکوعؓ کی روایت میں آیا ہے انہوں نے بیان فرمایا کہ لوگوں کے پاس کھانے کا سامان بہت ہی کم رہ گیا۔ (آپ نے جو کچھ لوگوں کے پاس تھا جمع فرما لیا پھر دعا فرمائی۔ پھر فرمایا اس میں سے اپنے اپنے لیے لے لو۔ اتنی برکت ہوئی کہ ہر ایک نے اپنا توشہ دان بھر لیا۔) اسی حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت نے فرمایا "اشهد ان لا اله الا اللّٰہ واشهد انی رسول اللّٰہ" اور یہ (نماز میں نہ تھا) نماز کے باہر فرمایا جس وقت آپ کے دست مبارک سے اس معجزہ کا ظہور ہوا کہ کھانے میں برکت ہو گئی۔

یہ سارا قصہ اور ساری عبارتیں تو اس لیے لکھی ہیں کہ آپ کے سامنے پوری بحث اور مسائل آ جائیں۔ اب دیکھئے کہ فاضل بریلوی نے حافظ ابن حجر کی وہ عبارت اور فیصلہ جو شامی نے ص 401 پر لکھا ہے نقل کیا ہے پھر شامی کی عبارت بحوالہ تحفہ جو ص 510 پر ہے نقل کی پھر لکھا "وقد اشار ابن حجر الی صحته" فتاویٰ رضویہ، ج 2، ص 388۔ اور ابن حجر (مکی) نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

یہ بھی سمجھ لیجیے کہ ابن حجر مکی اور ابن حجر عسقلانی دونوں الگ الگ آدمی ہیں۔ ابن حجر عسقلانی علم حدیث میں بہت بلند پایہ شمار ہوتے ہیں تو اول تو ان پر ابن حجر مکی کی رائے نہیں چل سکتی۔ پھر ابن حجر مکی نے بھی جو بات فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ " اشهد انی رسول اللّٰہ" فرمانا التحیات میں ہوا ہے تو غلط ہے اور اگر اس کی مراد اذان ہے تو صحیح ہے یعنی وہ اس کہنے والے کی بات کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں فرما رہے ہیں نہ کہ اس روایت کے بارے میں یہ روایت صحیح ہے اگر وہ اس روایت کی صحت کے بارے میں فرماتے، تو عبارت یہ ہوتی "فقد صح انه صلی اللّٰہ علیہ و سلم اذا مرة فی سفر فقال ذالك" یہ درست ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سفر میں ایک بار اذان دی تو یہ فرمایا۔ فاضل بریلوی نے اس فرق کا لحاظ رکھا ہے اس لیے ہوشیاری سے انہوں نے فقط اشارہ کا لفظ استعمال کیا کہ ابن حجر مکی نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

پھر اس اشارہ پر بنیاد رکھ کر فاضل بریلوی نے حسب ذیل نتیجہ نکال ڈالا ہے۔ فاضل بریلوی لکھتے ہیں: کیوں کہ تحفہ ابن حجر میں مذکورہ عبارت آ گئی ہے لہٰذا آنجناب کا خود اذان دینا ثابت ہو گیا۔ اور اس اذان میں اشهد انی رسول اللّٰہ آپ نے فرمایا ہے اور اشهد انی رسول اللّٰہ فرمانا نص مفسر ہے، جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اور امام نووی نے اس روایت کو جو تقویت دینی چاہی ہے اسے اس سے تقویت پہنچتی ہے۔

ارے بھائی نص کا مفسر ہونا اور مجمل ہونا وغیرہ سب کا مدار اس پر ہے کہ اس کا نص ہونا یعنی حدیث ہونا تو ثابت ہوا سے ثابت کرنے کے لیے خود (لفظ اشار) اشارہ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور پھر لحظہ بھر بعد اسے نص مفسر قرار دے رہے ہیں۔ آپ حضرات نے یہ مثال اعلیٰ حضرت کی فقاہت ثابت کرنے کے لیے دی ہے۔ لیکن اس سے ان کی جلد بازی اور علم حدیث میں کمزوری کے سوا کوئی چیز ظاہر نہیں ہو رہی۔

آپ حضرات کے لکھنے کا مطلب تو یہ تھا کہ علامہ شامی نے ایک جگہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے لکھ دی اور دوسری جگہ انہوں نے صاحب تحفہ کی رائے لکھ دی پھر بھول گئے اور فاضل بریلوی نے اسے پکڑ لیا اور علامہ شامی کو ان کے لکھے ہوئے

کے تحت قائل کرلیا۔ یعنی فاضل بریلوی کی دقتِ نظر، وسعت علم وحافظہ دکھانا چاہتے تھے۔ لیکن سب کچھ آپ کے سامنے ہے کہ کیا ثابت ہو رہا ہے اور ان کی دلیل کی بنیاد فقط اشارہ پر ہے۔ جو نہایت کمزور ہے اس لیے کہا جائے گا کہ علامہ شامی کا رجحان اپنی جگہ قائم رہا اور سب کچھ دیکھ کر جو ان کی رائے تھی وہ انہوں نے ایک مستقل باب میں ذکر کردی تھی۔ " مطلب هل باشر النبی صلی الله علیه و آله و سلم الاذان بنفسه" اور وہاں حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے بلند پایہ محدث کی بات لکھ دی تھی۔

یہ نہ سمجھئے کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ آنخضرت (صلی الله علیه و آله وسلم) نے اذان نہیں دی یا اس کے قائل ہیں کہ آپ نے اذان دی۔ ہم تو صرف فاضل بریلوی کے اندازِ تفقہ کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں۔"

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 108--، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

اس میں خود حامد میاں کی علمی کمزوری ہے۔ کہتے ہیں: "پھر ابن حجر مکی نے بھی جو بات فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ " اشهد انی رسول الله" فرمانا التحیات میں ہوا ہے تو غلط ہے اور اگر اس کی مراد اذان ہے تو صحیح ہے یعنی وہ اس کہنے والے کی بات کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں فرما رہے ہیں نہ کہ اس روایت کے بارے میں یہ روایت صحیح ہے۔"

اس میں کمال چالاکی سے یہ کہہ دیا گیا کہ اس میں جو صحیح ہونے کا کہا گیا وہ بات کے صحیح ہونے کا کہا گیا ہے۔ بندہ پوچھے بات تو اسی وقت صحیح ہوگی جب اس پر روایت بھی صحیح ہوگی اگرچہ وہ روایت معنوی طور پر صحیح ہو۔ اگر روایت صحیح نہیں ہوگی تو بات بھی صحیح نہ ہوگی۔ کیونکہ ابن حجر مکی (رحمة الله علیه) نے جو التحیات میں " اشهد انی " پڑھنے کو غلط کہا ہے وہ بھی روایت نہ ہونے کی وجہ سے ہی کہا ہے پورا کلام ملاحظہ ہو "(قوله یقول فیه أنی رسول الله) نقل ذلك الرافعی من الشافعیة ورده الحافظ ابن حجر فی تخریج أحادیثه بأنه لا أصل لذلك، بل ألفاظ التشهد متواترة عنه صلی الله علیه و سلم أنه كان يقول أشهد أن محمدا رسول الله وعبده ورسوله اهـ ط عن الزرقانی قال فی التحفة :نعم إن أراد تشهد الأذان صح لأنه صلی الله علیه و سلم أذن مرة فی سفر فقال ذلك" یعنی ان کا قول کہ حضور (علیه السلام) تشہد میں "انی رسول الله" کہتے تھے امام رافعی نے شافعیہ سے اسے نقل کیا اور ابن حجر نے تخریج احادیث میں اس کا رد کیا کہ اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ الفاظ تشہد متواتر ہیں جس میں ہے کہ حضور (علیه السلام) یوں پڑھتے تھے "اشهد ان محمدا رسول الله وعبده ورسوله" امام زرقانی سے مروی ہے۔ تحفہ میں فرمایا کہ ہاں اگر اذان میں " اشهد انی رسول الله" کا ارادہ کیا تو یہ صحیح ہے۔ اسلئے کہ حضور (علیه السلام) نے ایک مرتبہ اذان دی تو ایسا فرمایا تھا۔

(رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصلوٰۃ، باب صفة الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 510، دار الفکر، بیروت)

امام اہلسنت امام احمد رضا خان (علیه رحمة الرحمن) فرماتے ہیں: "ترجمہ: درمختار میں فرمایا اور الضیاء میں ہے کہ رسول اللہ (صلی الله علیه وآله وسلم) نے سفر میں بنفسِ نفیس اذان دی، تکبیر کہی اور ظہر کی نماز پڑھائی اور ہم نے خزائن میں اس بارے میں تحقیق کی ہے، ردالمحتار میں کہا وہاں اس گفتگو کے بعد یہ فرمایا کہ ابنِ حجر کی فتح الباری شرح البخاری میں ہے کہ اکثر طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا نبی اکرم (صلی الله علیه وآله وسلم) نے خود اذان دی ہے؟ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے دورانِ سفر خود اذان دی اور صحابہ کو نماز پڑھائی، امام نووی نے اس پر جزم کرتے ہوئے اسے قوی قرار دیا، لیکن اسی طریق سے مسند احمد میں ہے کہ آپ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت ترمذی میں اختصار ہے اور ان کے قول اذّن کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے بلال کو اذان کا حکم دیا، جیسا کہ محاورۃً کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فلاں عالم کو یہ عطیہ دیا حالانکہ وہ خود عطا نہیں کرتا بلکہ عطا کرنے والا کوئی غیر ہوتا ہے۔" ورأیتنی كتبت فیما علقت علی ردالمحتار مانصه اقول لكن سیأتی صفة الصلاة عندذكر التشهد عن تحفة الامام ابن حجر المكی انه صلی الله تعالیٰ علیه وسلّم اذن مرّة فی سفر فقال فی تشهده "اشهد انّی رسول الله" وقد اشار ابن حجر الی صحته، وهذا نص مفسر لایقبل التأویل، وبه يتقوٰی تقویة الامام النووی رحمه الله تعالی " اقول: عنقریب صفاتِ نماز کے تحت ذکرِ تشہد میں تحفہ امام ابن حجر مکّی سے آرہا ہے کہ نبی اکرم (صلی الله علیه وآله وسلم) نے سفر میں ایک دفعہ اذان دی تھی اور کلماتِ شہادت یوں کہے " اشهد انّی رسول الله" (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور ابنِ حجر نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ نص مفسر ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور اس سے امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کی اور تقویت ملتی ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 5، صفحہ 374-373، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اعلیٰ حضرت نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے بلکہ یہ فرمایا ہے کہ یہ فعل ثابت ہے۔ اسلئے کہ اس پر مختلف احادیث ہیں جس سے معنوی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور (علیه السلام) نے اذان دی ہے۔ اسی مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے شرح زرقانی میں ہے "نعم قال السیوطی فی شرح البخاری: قد سعید بن منصور حدثنا أبو معاویة حدثنا عبد الرحمان بن أبی بكر القرشی عن ابن أبی ملیكة قال: أذن رسول الله صلی الله علیه وسلم مرة فقال :حی علی الفلاح، قال: وهذه روایة لا تقبل التأویل انتهی .فهذا الذی یجزم فیه بالتعدد لاختلاف سنده، وانظر ما أحسن قوله آخر لكن لم یبین هل كان فی سفر أو حضر؟" ترجمہ: ہاں امام جلال الدین سیوطی نے شرح بخاری میں فرمایا: حضرت ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی الله علیه وآله وسلم) نے ایک مرتبہ اذان دی تو فرمایا: آؤ فلاح کی طرف۔ امام جلال الدین سیوطی

نے فرمایا: اس روایت میں تاویل کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ (امام زرقانی فرماتے ہیں) یہ وہ بات ہے جس پر متعدد روایات ومختلف اسناد کی بنا پر جزم کیا گیا۔ دیکھو ان کا آخری قول کتنا اچھا ہے۔ لیکن اس روایت میں یہ ذکر نہیں کہ حضور (علیہ السلام) نے یہ اذان سفر یا مقیم حالت میں پڑھی۔

(شرح الزرقانی علی موطأ الإمام مالک، جلد 1، صفحہ 263، مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، القاہرۃ)

انگوٹھے چومنے کے مسئلہ پر بے تکے اعتراض اور باطل دعویٰ

اذان میں نامِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر انگوٹھے چومنے والے مسئلہ میں اعلیٰ حضرت نے وہابی اور دیوبندیوں کو لاجواب کر کے رکھ دیا اور آج تک کوئی اس کا جواب نہیں دے سکا۔ حامد میاں صاحب نے اپنا مذہب بچاتے ہوئے ایک دو بالکل بے تکے اور جاہلانہ اعتراض کئے اور ایک باطل دعویٰ کیا کہ تھانوی صاحب حقیقت واضح ہونے پر اپنے غلط مؤقف سے رجوع کر لیتے تھے۔

حامد صاحب لکھتے ہیں: ''مایہ ناز تحقیق کا حال، چوتھا مسئلہ تقبیل ابہامین: فقہی مقام رسالہ میں تقبیل ابہامین کا مسئلہ بھی اٹھایا گیا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنے فتویٰ میں تحریر فرمایا ہے۔ اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور جو کچھ بعضے لوگوں نے اس بارہ میں روایت کیا ہے وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں الخ۔ امداد الفتاویٰ، ج5، ص259۔

حضرت تھانوی کے فتویٰ پر فاضل بریلوی نے جو اعتراضات کیے۔ ان میں سے منتخب کر کے فقہی مقام میں لکھے گئے ہیں۔ اس مسئلہ میں ہم ان ہی کے پیش کردہ چیدہ نکات آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ فاضل بریلوی لکھتے ہیں: اس باب میں کوئی صحیح مرفوع حدیث وارد نہیں۔ تقبیل ابھامین سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے ثابت ہے۔

فاضل بریلوی کو اس کے ثبوت کے لیے حضرت ابوبکر کی حدیث مع سند مفصل نقل کرنی چاہیے تھی۔ اگر وہ صحیح ثابت کر دیتے تو حضرت تھانوی ضرور رجوع فرما لیتے اور شامی سے بھی اختلاف نہ فرماتے۔ مسئلہ واضح ہو جانے پر فوراً رجوع کر لینا ان کی خاص عادت تھی۔ مگر اس کے برعکس فاضل بریلوی یہ بھی اعتراف کر رہے ہیں کہ حدیث صحیح موجود نہیں ہے۔ کیوں کہ وہ لکھتے ہیں: صحیح حدیث کی نفی سے معتبر حدیث کی نفی سمجھ لینا (غلط ہے) اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالاجماع کافی ہیں اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں۔ ان کی مکمل عبارت ایک دو سطر بعد آ رہی ہے۔

فاضل بریلوی کی اصطلاحات حدیث سے بے خبری: فاضل بریلوی نے اس مقام پر حضرت تھانوی کے علم حدیث سے

واقفیت پر طعن کرتے ہوئے فرمایا ہے: صحیح حدیث کی نفی سے معتبر حدیث کی نفی سمجھ لینا جیسا کہ تھانوی صاحب نے اس فتویٰ میں کہا ہے کہ تقبیل فی الاذان کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہے۔ فن حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ کتب رجال میں جابجا مذکور ہے۔ " یعتبر بہ ولا یحتج بہ" اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالاجماع کافی ہیں، اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں۔ (اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام)

(حامد میاں صاحب کہتے ہیں) یہ عبارت فاضل بریلوی اور مقالہ نگاروں دونوں ہی کی اصطلاحات حدیث سے بے خبری اور ناواقفیت کی دلیل ہے۔ انہوں نے بڑی فاش غلطی کی ہے کہ یعتبر بہ کا ترجمہ یہ سمجھا ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے گا۔ یعنی یعتبر بہ کو اردو میں معتبر اور غیر معتبر کے ہم معنی سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ علم حدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے اور یعتبر بہ کا صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اصول حدیث میں ذکر کردہ اعتبار کے کام میں لائی جا سکتی ہے اور اسے بطور حجت و دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اگر یہ کہنا مقصود ہوتا کہ معتبر ہے تو عربی میں بہ کے لانے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر اعلیٰ حضرت زور کلام میں بے سمجھے فرماتے چلے جا رہے ہیں۔ احادیث معتبرہ بالاجماع کافی ہیں۔۔۔۔ میں نے یہاں تدریب الراوی کی پوری عبارت لکھ دی ہے اور اس کا مفہوم بھی تا کہ طلبہ مستفید ہوں اور علماء فاضل بریلوی کی علم حدیث میں بصیرت کا تماشہ دیکھیں۔ فاضل بریلوی اصول حدیث سے اس درجہ ناواقف تھے جیسا کہ آپ کے سامنے ہے۔ مگر آپ انہیں پھر بھی امام مجتھد فی المذھب بنانے کی فکر میں ہیں۔ اپنے دل میں ذرا غور کیجیے کہ ایسا کم علم شخص کیا مفتی بھی ہو سکتا ہے چہ جائیکہ وہ مجتھد فی المذھب بنے اور اپنے قیاس سے نئے نئے مسائل نکالے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔''

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 112--، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

حامد صاحب اعلیٰ حضرت کی حدیث دانی پر تنقید کر رہے ہیں اور خود واضح طور پر لکھا ہوا بھی سمجھ نہیں آ رہا ہے۔ حامد صاحب ایک لکھی ہوئی لائن نہیں سمجھ سکے اور یہ کہتے ہوئے برس پڑے کہ فاش غلطی ہے کہ " یعتبر بہ" کا ترجمہ یہ سمجھا کہ اسے بطور حجت لایا جا سکتا ہے۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت مطلقاً یہ نہیں فرما رہے کہ جہاں "یعتبرہ" لکھا ہوگا اس سے مراد یہ ہے کہ اسے بطور حجت لایا جا سکتا ہے۔ اعلیٰ حضرت یہ فرما رہے ہیں کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوتی ہے جس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آپ اسی اوپر پیش کی گئی عبارت کے آگے فرماتے ہیں: ''احادیث یہاں قطعاً مروی مرفوع بھی اور موقوف بھی اور غایت اُن کا ضعف جس کا بیان قطعی ''منیر العین'' میں ہے جس سے حق کی آنکھیں پُرنور اور باطل کی ظلمتیں دُور بلکہ خود اسی قدر عبارت کہ منکر نے نقل کی منصف کو کافی کہ اُس میں صرف " لم یصح" (صحیح نہیں۔) کہا اور وہ بھی فقط احادیث مرفوعہ، تو اگر سب کو کہتے

جب بھی نفی صحت سے غایت درجہ اتنا معلوم ہوتا کہ ضعیف ہیں پھر ضعیف تعدد طرق سے حسن ہو جاتی ہے اور مسائل حلال میں بھی حجت قرار پاتی ہے اور نہ بھی سہی تو قطعاً باب فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور مخالف اجماع مردود مخذول، اربعینِ امام ابوزکریا نووی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ہے "قد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال "علماء محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد5، صفحہ637، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

حامد صاحب نے تھانوی کے متعلق کہا: ''مسئلہ واضح ہو جانے پر فوراً رجوع کر لینا ان کی خاص عادت تھی۔'' حالانکہ اس کے برعکس ثابت ہے کہ حفظ الایمان میں کفریہ جملہ لکھنے کے بعد کئی سال اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) ان کی اصلاح کرتے رہے لیکن انہوں نے رجوع نہیں کیا۔

مزید سنئے! تھانوی صاحب نے بہشتی زیور میں لکھا کہ مردوں کی روحیں اوقات متبرکہ شبِ جمعہ وغیرہ میں اپنے گھروں کی نہیں آتیں، اس پر ایک شخص نے تھانوی صاحب کو خط لکھا کہ روحوں کا گھر آنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمة الله علیه) نے اپنی کتاب **"اشعة اللمعات"** میں لکھا، دقائق الاخبار میں امام غزالی نے لکھا ہے، درر الحسان میں امام جلال الدین سیوطی نے بھی اسی طرح لکھا ہے، فتاوی عزیزی میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی اس کی صراحت کی ہے۔ جب ان سب حوالوں کو بمع عبارت تھانوی صاحب کے پاس بھیجا گیا کہ آپ نے غلط مسئلہ لکھا ہے تو جواب میں تھانوی صاحب نے رجوع کی بجائے کہا: ''اگر تقلید پر اکتفا ہے تو جو شخص آپ کے نزدیک قابل اعتماد ہو اس کا اتباع کیجئے اور اگر تحقیق کا شوق ہے تو یہ خط لے کر تشریف لے آیئے بشرطیکہ کچھ علومِ دینیہ سے مناسبت بھی ہو۔''

اس کے جواب میں اس شخص نے پھر تھانوی کو خط لکھا: ''جناب تھانوی صاحب! اسلام علیکم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آنا اپنے گھروں کو ارواح موتی کا اوقات متبرکہ مثل شب جمعہ وغیرہ میں اپنے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ **اشعة اللمعات** میں ہے "دربعضے روایات آوردہ است کہ ارواح میت می آید خانہ خود راشب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق مے کنند ازوے یانہ" بعض روایات میں منقول ہیں کہ جمعہ کی رات میت کی روح اپنے گھر آتی ہے، اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کیا گیا ہے یا نہ۔

(اشعة اللمعات، باب زیارت القبور، جلد1، صفحہ716، 717، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

اور نیز اکثر کتب معتبرہ اہل سنت و جماعت فقہ و حدیث و تفاسیر مثلاً دقائق الاخبار، درر الحسان، دستور القضاة، فتاوی

نسفیہ، اشباہ والنظائر، روضة الریاحین، خزانة الروایات، عوارف المعارف، تذکرة الموتی، فتاوی عزیزی و تفسیر عزیزی میں ارواح کا آنا مسطور، لیکن جناب کی بہشتی زیور کے حصہ چھ میں ''ارواح موتی کا اوقات متبرکہ میں اپنے گھروں میں نہ آنا'' اس شد و مد کے ساتھ مذکور کہ ''اگر ایسی ویسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھو تب بھی ایسا اعتقاد مت رکھنا'' تو سوال یہ ہے کہ یہ لکھنا جناب کا کس صورت پر محمول کیا جاوے؟ آیا سب کتابیں مذکور الصدر جن سے ارواح کا آنا ثابت ہے، ایسی ویسی کتب میں اور گر نہیں تو ان کتابوں کو ایسی ویسی سمجھنے والے کے حق میں شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ عنداللہ غور فرما کر جواب حق سے مع مہر اور دستخط کے دریغ نہ کریئے گا۔ 4 جمادی الاولیٰ 1337ھ

(تھانوی صاحب پھر اس دوسرے خط کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں) وعلیکم السلام، چونکہ انداز عبارت سے مقصود اعتراض معلوم ہوتا ہے اور جس پر اعتراض کرنا مقصود ہو اس سے استفسار کرنا نامناسب ہے اس لئے جواب نہیں دیا گیا کیونکہ مقصود استفتاء سے دوسرا ہوتا ہے یعنی طلب حکم العمل، اور ان دونوں غرضوں سے منافات معلوم۔

(اس شخص نے تیسرا خط تھانوی صاحب کو لکھا) جناب، السلام علیکم، افسوس مسئلہ حل طلب جناب کو دوبارہ لکھا لیکن جواب جواب باوجودیکہ فقیر کو نہ اعتراض مرغوب، نہ کوئی مناظرہ محبوب، بلکہ اظہار حق مطلوب، کتب معتبرہ اہل سنت و جماعت جن کے اسمائے طیبہ پچھلے خطوں میں بالتصریح مذکور، جب یہ ایسی ویسی نہیں تو ان کو ایسی ویسی سمجھنے والے کی نسبت جو حکم شرع ہو اس کے لکھنے میں آپ کو کیا تامل ہے؟ ہاں البتہ آپ کے اس لفظ ایسی ویسی کے لکھنے میں شامل ضرور ہوتی ہیں، شاید جس کی وجہ سے اظہار حق میں کچھ دریغ ہے، اگر بہ تقاضائے بشریت جناب سے کوئی سہو و خطا اس کلمہ ایسی ویسی کے لکھنے میں مضمر ہے تو آگاہیت پر ان کلمات کی واپسی میں کیا عذر ہے؟ اور اگر خاص کوئی تاویل ہے تو اس سے عنداللہ مع دستخط و مہر کے بواپسی ڈاک صاف طور سے عوام کو مطلع فرما دیجئے گا بلحاظ اس کے تاکہ ظن قائم کریں اگر آپ نے صاف صاف جواب جواب بھی نہ دیا تو پھر مجبوراً یہی متصور ہوگا کہ آپ کو کتب معلومہ سے انحراف ہے، اس پر پھر جو حکم شرعی ہوگا علمائے اہل سنت و جماعت سے استفتا لے کر بذریعہ اشتہار مشتہر کر دیا جائے گا، 9 فروری 1919ء

(تھانوی صاحب تیسرے خط کے جواب میں کہتے ہیں) السلام علیکم، مجھ کو جو کچھ عرض کرنا تھا کر چکا، فقط۔''

(فتاوی رضویہ، جلد14، صفحہ692---، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

پتہ چلا کہ حامد صاحب کا دعویٰ صریح باطل ہے کہ تھانوی صاحب غلطی سے رجوع فرما لیتے تھے، یہاں سائل نے تین خط لکھے اور تھانوی صاحب کی غلطی کی واضح نشاندہی کی لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔

حضرت ابوبکر صدیق کے انگوٹھے چومنے پر دیوبندیوں کا عجیب وغریب انکار

حامد صاحب صاحب لکھتے ہیں: ''غرض حضرت تھانوی کے لیے اعلیٰ حضرت کی طرف سے اور آپ حضرات کی طرف سے یہ جواب ہونا چاہیے تھا کہ حدیث شریف کی سند یہ ہے اور یہ سند قابل احتجاج ہے کیوں کہ اذان ایسا شعار نہیں ہے جو سر عام نہ ہوتا ہو۔ اور صدیق اکبر کی شخصیت ایسی نہیں ہے جس کا عمل سینکڑوں ہزاروں صحابہ اور تابعین کے سامنے نہ ہوا ہو۔ اس لیے ان کے عمل کی روایت کرنے والے بہت لوگ ہونے چاہئے۔ اور آپ کو بہت سی روایتیں سامنے لانی چاہیے تھیں نہ کہ صرف ایک حدیث جس کے بارے میں صدیوں پہلے سے محدثین صرف موضوع (من گھڑت) ہونے نہ ہونے ہی کی بحث کرتے رہے ہوں۔ ہمارے پاس مسند ابی بکر صدیق ہے۔ جس میں آپ کی ساری روایات جمع کی گئی ہیں۔ ان میں اذان کے وقت یہ کلمات اور انگوٹھا چومنے کی روایت ہی نہیں ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی روایت کے بارے میں حافظ سخاویؒ فرماتے ہیں " ولا یصح "یعنی یہ موضوع (کسی کی من گھڑت) ہے۔ الموضوعات الکبریٰ لملا علی قاری۔

کیوں کہ موضوع حدیثوں کے بیان میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں لایصح، لا یثبت، یالم یصح وغیرہ سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ موضوع ہے۔ لہٰذا یہاں لا یصح کے معنی یہ ہوں گے کہ ثابت ہی نہیں (کسی کی من گھڑت ہے) موضوع ہے نہ کہ ضعیف۔ دیکھئے مقدمہ الموضوعُ فی معرفة الحدیث الموضوع جو ملا علی قاریؒ کی تصنیف ہے۔ اس کے بعد ملا علی قاری لکھتے ہیں "واورده الشیخ احمد الرداد فی کتابه موجبات الرحبة بسند فیه مجاهیل مع انقطاعه عن الخضر علیه السلام" یعنی یہ روایت شیخ احمد داد نے اپنی کتاب موجبات الرحمة میں حضرت خضر سے ایسی سند سے دی ہے کہ جس میں مجہول راوی ہیں اور سند بھی منقطع ہے۔ پھر ملا علی قاری حضرت سیدنا صدیق اکبر کی روایت پر عمل کو جائز لکھ کر لکھتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہ اس پر عمل کرے اور نہ اس پر عمل کرنے والے کو منع کیا جائے۔ پھر لکھتے ہیں "وغرابته لا تخفی علی ذوی النهی" اس روایت کی غرابت سمجھ دار آدمی پر مخفی نہیں ہے۔ الموضوعات الکبریٰ۔

یعنی چاہے سیدنا صدیق اکبر کی طرف منسوب کردہ روایت ہی ہو وہ بھی غریب ہے۔ کیوں کہ صحیح ترین احادیث مقدسہ میں مثلاً بخاری شریف وغیرہ میں یہ مسئلہ وضاحت سے آتا ہے کہ جب موذن "اشهد ان محمد رسول الله" کہے تو سننے والے بھی جواب میں "اشهد ان محمد رسول الله" کہیں۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا حدیث کی مشہور کتابوں میں کہیں نہیں آیا ہے۔ اگر امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام طحاوی اور ائمہ کرام یعنی امام اعظم، امام مالک، امام

شافعی، امام احمد سے یہ حدیث مخفی رہ گئی ہے۔ تو اب اسے ظاہر فرمائیں۔ علم حدیث کسی کے گھر کا نہیں ہے۔ حضرت تھانوی کے سامنے جب دلیلیں آتیں تو وہ کہاں جاتے۔ اور چلئے اب روایت اور راوی حضرات کے بارے میں آپ ہی لکھیں تا کہ اس میں اختلاف ختم ہو۔ صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہو سکتی ہے کہ انکار کرے۔ بلکہ انگوٹھے نہ چومے، مگر فاضل بریلوی اجتہادی رنگ میں قیاس پر قیاس کرتے چلے گئے اور انہوں نے تکبیر میں بھی انگوٹھے چومنے جائز قرار دیئے۔ حالانکہ پہلے حدیث کے ثبوت کی کوشش تو کی ہوتی۔'' (فرقه بریلویه پاك وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 117 ـ ـ، مکتبه اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

یہاں حامد صاحب کا سارا کلام تضاد اور جھوٹ وتحریف سے بھرا ہے۔ کبھی ملا علی قاری کے حوالے سے حضرت ابوبکر صدیق (رضی الله تعالیٰ عنه) کی حدیث کو ضعیف کہتے ہیں اور کبھی حضرت امام سخاوی کے حوالے سے جھوٹ لکھ دیا کہ یہ حدیث جھوٹی ہے جبکہ انہوں نے یہ کہا ہی نہیں۔ انہوں نے یہ فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اعلیٰ حضرت نے اس پر تفصیلی دلائل دیئے تھے کہ جب محدث کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ جھوٹی ہے، لیکن حامد میاں صاحب اپنی کم علمی میں لم یصح وغیرہ کے الفاظ کو جھوٹی حدیث ہونا سمجھتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) آپ فرماتے ہیں: ''علامہ شامی یا دوسرے محققین نے تقبیل کے بارہ میں ابوبکر الصدیق (رضی الله تعالیٰ عنه) کی روایت نقل کر کے "لم یصح فی المرفوع" (کوئی مرفوع حدیث نہیں ملی۔) یا اس کے ہم معنی الفاظ تحریر کئے ہیں ان سے حدیث کے مرفوع ہونے کا انکار ہے یا کلیۃ تقبیل ہی کا ثبوت صحت کو نہیں پہنچتا، مفتی صاحب کی تحریر وحاشیہ خود غور طلب ہے۔ پھر اُن کے معتقدین تقبیل مطلق کو غیر صحیح فرماتے ہیں خواہ بروایت صدیق اکبر (رضی الله تعالیٰ عنه) یا بہ تعلیم سیدنا خضر (علیه السلام) جامع الرموز نے کنز العباد سے جو عبارت نقل کی ہے اُس میں اثبات استحباب ہے۔ مجموعہ فتاوٰی جلد سوم صفحہ 42، طحطاوی نے شرح مراقی الفلاح مصری صفحہ 118 میں اسی روایت کو نقل کیا ہے نیز فردوس دیلمی سے حدیث ابوبکر الصدیق (رضی الله تعالیٰ عنه) مرفوعاً لکھ کر حضرت خضر (علیه السلام) سے عملاً روایت بطور تائید بیان کے علیٰ ہذا اسادات احناف کی اکثر کتب میں موجود ہے۔''
(فتاوی رضویه، جلد 5، صفحہ 631، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت نے اس پر تفصیلی کلام کیا ہے جس کے چند جزئیات پیش خدمت ہیں:۔ ان کا اس حدیث کو غیر صحیح کہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ محدثین جب کسی حدیث کو غیر صحیح کہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ حدیث موضوع ہے۔ امام ابن حجر مکی (رحمة الله علیه) صواعقِ محرقه میں فرماتے ہیں "قول احمدانه حدیث لایصح ای لذاته فلاینفی کونه حسنا لغیره، والحسن لغیره یحتج به کمابین فی علم الحدیث" ترجمہ: یعنی امام احمد کا فرمانا کہ یہ

حدیث صحیح نہیں، اس کے یہ معنی ہیں کہ صحیح لذاتہ نہیں تو یہ حسن لغیرہ ہونے کی نفی نہ کریگا اور حسن اگر چہ لغیرہ ہو حجت ہے جیسا کہ علمِ حدیث میں بیان ہو چکا۔

(الصواعق المحرقہ، الفصل الاول فی الآیات الواردة فیہم، جلد2، صفحہ536، مؤسسة الرسالة، بیروت)

امام بدرالدین زرکشی کتاب" النکت علی ابن الصلاح" پھر امام جلال الدین سیوطی" لآلی مصنوعہ" پھر علامہ علی بن محمد بن عراق کنانی" تنزیہ الشریعة المرفوعہ عن الاخبار الشنیعہ الموضوعہ" پھر علامہ محمد طاہر فتنی "خاتمہ مجمع بحار الانوار" میں فرماتے ہیں "بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر، فان الوضع اثبات الکذب والاختلاق، وقولنا لم یصح لایلزم منہ اثبات العدم، وانما ہو اخبار عن عدم الثبوت، وفرق بین الامرین" ترجمہ: یعنی ہم محدثین کا کسی حدیث کو کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور موضوع کہنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ موضوع کہنا تو اسے کذب وافتراء ٹھہرانا ہے اور غیر صحیح کہنے سے نفیِ حدیث لازم نہیں، بلکہ اُس کا حاصل تو سلب ثبوت ہے اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

(مجمع بحار الانوار، فصل وعلومہ واصطلاحتہ، جلد3، صفحہ502، نولکشور، لکھنؤ)

یہی وجہ ہے کہ "تذکرة الموضوعات" میں محمد طاہر بن علی الصدیقی الہندی الفَتَّنی انگوٹھے چومنے پر مروی روایات اور انگوٹھے چومنے کے فضائل نقل کر کے، اس عمل کو بہتر و مستحب جانتے ہوئے فرماتے ہیں "وقد جرب کل منہم ذلک" ترجمہ: یہ تمام آزمودہ ہیں۔

(تذکرة الموضوعات، صفحہ34، إدارة الطباعة المنیریة)

انگوٹھے چومنے کے متعلق احادیث پر کلام کرتے ہوئے مولانا علی قاری (رحمة اللہ علیہ) موضوعاتِ کبیر میں فرماتے ہیں "کل مایروی فی ہذا فلایصح رفعہ البتة" ترجمہ: اس بارے میں جو بھی روایات بیان کی گئی ہیں ان کا مرفوع ہونا حتمی صحیح نہیں۔

(الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ (موضوعات کبریٰ)، صفحہ316، مؤسسة الرسالة، بیروت)

ملا علی قاری (رحمة اللہ علیہ) کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ اس مسئلہ پر تمام احادیث موضوع ہیں بلکہ فرمار ہے ہیں کہ مرفوع نہیں ہے بلکہ حدیث موقوف ہے یعنی صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں انگوٹھے چومنے کو سنت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں "قلت واذاثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ تعالی عنہ فیکفی للعمل بہ لقولہ علیہ الصلاة والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" یعنی صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہی اس فعل کا ثبوت عمل کو بس ہے کہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں میں تم پر لازم کرتا ہُوں اپنی سنّت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(الاسرار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة (موضوعات کبریٰ)، صفحہ316، مؤسسة الرسالة، بیروت)

حامد صاحب نے ایک عجیب جاہلانہ اعتراض یہ کیا کہ اگر یہ فعل حضرت صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ثابت تھا تو مسند ابی بکر میں یہ روایت کیوں نہیں آئی؟ بندہ ان سے پوچھے کہ مسند احمد میں کئی صحابہ کے حوالے سے احادیث اکٹھی کی گئی ہیں کیا ان میں موجود صحابہ کرام کی ساری ہی احادیث اکٹھی کرلی گئی ہیں؟ یہ ضروری نہیں کہ مسند ابی بکر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی و متعلق تمام روایتیں موجود ہوں۔

فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث کے متعلق دیوبندی انفرادیت

جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث بھی معتبر ہے اور اس سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکن دیوبندی فقط تھانوی صاحب کی عزت بچاتے ہوئے اس سے اعراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "آپ حضرات فاضل بریلوی سے لے کر اب تک یہ کہتے چلے آئے ہیں کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل ہو سکتا ہے اور اسی قاعدہ پر آپ کے دس گیارہ اختلافی مسائل کی بنیاد ہے گویا بریلویت کی عمارت اسی پر اٹھائی گئی ہے لہٰذا اس کا صحیح قاعدہ بھی یہاں ذکر کرنا ضروری ہے اور مفید معلوم ہوتا ہے تا کہ واضح ہو سکے کہ بریلوی علماء اس کے استعمال کو عام کر کے بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں (ان کی عبارت اور ساتھ ہی تقریبی ترجمہ لکھا جاتا ہے) (ویجوز عند اہل الحدیث وغیرہم التساحل فی الاسانید) الضعیفہ (وروایة ما سوی الموضوعات من الضعیف والعمل بہ من غیر بیان ضعفہ فی غیر صفات اللہ تعالی) وما یجوز ویستحیل علیہ وتفسیر کلامہ (والاحکام کالحلال والحرام وغیرہما وذالك كالقصص وفضائل الاعمال والمواعظ وغیرہما مما لا تعلق لہ بالعقائد والاحکام) وممن نقل عنہ ذالك ابن حنبل وابن مہدی وابن المبارك قالوا اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوہا تساہلنا "محدثین وغیرہم کے نزدیک ضعیف السند روایتوں میں سہولت دینا جائز ہے اور موضوع (گھڑی ہوئی) روایتوں کے علاوہ ضعیف روایتوں کو بیان کرنا اور ان کے ضعیف ہونے کی تصریح نہ کرنا (بھی جائز ہے) (بشرطیکہ) یہ ایسی روایتیں ہوں کہ جن میں حق تعالیٰ کی صفات کا ذکر نہ ہو اور یہ (نہ ہو) کہ یہ بات تو حق تعالیٰ کے بارے میں خیال کرنا درست ہے اور یہ بات محال ہے اور تفسیر کلام پاک اور احکام جیسے حلال وحرام وغیرہما کا اس سے تعلق نہ ہو اور اس کی صورت یہ ہے کہ روایت میں مثلاً قصے اور فضائل اعمال اور وعظ وغیرہ ایسی چیزوں کا ذکر ہو کہ جن کا تعلق عقائد اور احکام سے نہ ہو جن حضرات سے یہ قاعدہ منقول ہے ان میں امام احمد بن حنبل، ابن مہدی، ابن مبارک رحمہم اللہ ہیں ان حضرات نے فرمایا ہے کہ جب ہم کوئی روایت

حلال وحرام کے بارے میں پڑھاتے ہیں یا لکھتے ہیں تو اس میں ہم سختی کرتے ہیں اور جب فضائل اعمال جیسی چیزیں بیان کرتے ہیں تو اس میں نرمی کرتے ہیں۔

پھر تنبیہ فرماتے ہیں "تنبیه: وذکر شیخ الاسلام له ثلاثة شروط احدها ان یکون الضعف غیر شدید فیخرج من انفرد من الکذابین والمتهمین بالکذب ومن فحش غلطه نقل العلائی الاتفاق علیه الثانی ان یندرج تحت اصل معمول به الثالث ان لا یعتقد عند العمل به ثبوته بل یعتقد الاحتیاط وقال هذان ذکرهما ابن عبدالسلام وابن دقیق العید" اور شیخ الاسلام نے ضعیف حدیث بیان کرنے کی تین شرطیں ذکر کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو۔ لہٰذا جھوٹے راویوں میں سے اور ایسا راوی جس پر جھوٹے ہونے کا الزام ہو اور ایسا محدث جو فحش غلطیاں کرتا ہو، جب اکیلا روایت کرے گا تو اس قسم کے سب راویوں کی روایت (اس شرط کے تحت) خارج ہو جائے گی۔ حافظ علائیؒ نے اس شرط پر سب کا اتفاق نقل کیا ہے۔ ضعیف کو قبول کرنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ کسی معمول بہ حدیث اور قاعدہ کے تحت آتی ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس پر عمل کرنے میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے۔ بلکہ احتیاطاً (مثلاً گناہ سے بچنے کے لیے) اس پر عمل کرے شیخ الاسلام نے فرمایا کہ یہ دو شرطیں ابن عبدالسلام اور ابن دقیق العید نے بیان کی ہیں۔ تدریب الراوی، حافظ جلال الدین سیوطی۔"

(فرقه بریلویه پاك وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحه 112۔۔، مکتبه اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

یہاں یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ بریلوی جو کہتے ہیں کہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں قابلِ عمل ہے یہ مطلقاً درست نہیں ہے بلکہ اس میں تین شرطیں ہیں جس کا حامد صاحب نے ذکر کیا ہے۔ یہاں پھر حامد صاحب الٹا کم علم ثابت ہوئے۔ دراصل جمہور علماء کے نزدیک مطلقاً ضعیف حدیث فضائل اعمال میں معتبر ہے اور امام ابن حجر عسقلانی نے تین شرطیں لگائی ہیں۔ حامد صاحب نے جمہور کے مؤقف کو چھوڑ کر بعض کا قول لکھ دیا ہے۔ مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، جلد 2، صفحہ 806 "وهو یعمل به فی فضائل الاعمال اتفاقا" ترجمہ: اور بالاتفاق ضعیف حدیث پر فضائل اعمال میں عمل کیا جائے گا۔

اسی کتاب کے ایک دوسرے مقام پر ہے "اجمعوا علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال" ترجمہ: فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے جواز پر علماء کرام کا اجماع ہے۔

(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، جلد3، صفحه 895، دار الفکر، بیروت)

ایک اور مقام پر یوں ہے "ومعتبر فی فضائل الاعمال عندالکل" ترجمہ: اور فضائل اعمال میں تمام کے نزدیک معتبر ہے۔

(مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، جلد7، صفحه 2754، دار الفکر، بیروت)

شرح مسند ابی حنیفہ میں ملا علی قاری علیہ (رحمة الله علیه) ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں "باسناد ضعیف لکنه قوی حیث یعمل به فی فضائل الاعمال والله اعلم بالاحوال" ترجمہ: اسناد ضعیفہ کے ساتھ، لیکن فضائل اعمال میں عمل کے اعتبار سے قوی ہیں اور اللہ (عزوجل) احوال کو بہتر جانتا ہے۔

(شرح مسند ابی حنیفه، جلد1، صفحه26، دار الکتب العلمیة، بیروت)

ضعیف حدیث کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں اگرچہ جمہور کا یہی مذہب ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں معتبر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے علماء کے اقوال نقل کئے تھے، حامد صاحب نے اپنے مطلب کا قول لے کر اپنے گمان میں رد کر دیا۔ امام جلال الدین سیوطی (رحمة الله علیه) نے ابن حجر عسقلانی (رحمة الله علیه) کے ساتھ ہی ایک قول ابوبکر ابن عربی کا نقل کیا ہے جس میں انہوں نے مطلقاً ضعیف پر عمل کو ناجائز کہا ہے۔ اور ایک قول مطلقاً قبول کا بھی نقل کیا ہے۔

پھر اگر امام ابن حجر عسقلانی (رحمة الله علیه) کا قول بھی لیا جائے تو یہ بھی انگوٹھے چومنے کے خلاف نہیں کہ نام (صلی الله علیه وآله وسلم) پر انگوٹھے چومنا ان تین شرطوں کے مخالف بھی نہیں اور اس پر کثیر احادیث ہیں جن سے اسے تقویت ملتی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس پر کثیر دلائل دیئے تھے۔ وہابی دیوبندی آج تک اس رسالے کا جواب دینے سے عاجز ہیں اور حامد صاحب نے ایک دو بے تکے جاہلانہ اعتراض کر کے اپنی طرف سے اس رسالے کا جواب دیا ہے۔

نوٹ کے متعلق گنگوہی صاحب کی شکست دیوبندیوں کو تسلیم

رشید احمد گنگوہی صاحب نے نوٹ کو قرض کی رسید قرار دیا تھا اور اعلیٰ حضرت نے ان کا دلائل قاہرہ باہرہ سے رد کیا تھا۔ آج موجودہ دیوبند مولویوں نے بھی اعلیٰ حضرت کے مؤقف کو اپنایا ہے لیکن حامد میاں صاحب اپنی ضد پر قائم رہتے ہوئے لکھتے ہیں: "پانچواں مسئلہ فاضل بریلوی کی ایک اور نادر تحقیق: نوٹ جو رائج الوقت ہے آپ نے اس پر جو لکھا ہے وہ پڑھا ہوگا۔ ذرا پانچ روپے یا دس روپے کا نوٹ لیجئے! دیکھئے اس پر لکھا ہے: بینک دولت پاکستان، پانچ روپیہ، حامل ھذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا۔ حکومت پاکستان کی ضمانت سے جاری ہوا۔ عثمان علی گورنر، بینک دولت پاکستان۔

یہ ساری عبارت سطروں میں لکھی ہوئی ہے اور نوٹوں پر چھپی ہوئی ہے۔ اس سے صاف سمجھ میں آ رہا ہے کہ نوٹ مال نہیں ہے بلکہ اس سونے چاندی وغیرہ کے بجائے جو حکومت پاکستان کی تحویل میں ہے۔ یہ جاری کیا گیا ہے تو اس لحاظ سے یہ خود مال نہ ہوا بلکہ مال کی رسید ہوا کہ سونا چاندی وغیرہ تو حکومت کے پاس ہے اور یہ خاص کاغذ (جو گورنمنٹی ہے) آپ کے پاس

ہے۔ اسٹیٹ بینک یعنی مرکزی بیت المال کی مالیت مالی سال پورا ہوتے وقت دیکھی جاتی ہے کہ اس کے قبضہ میں کتنی دولت ہے اتنے ہی نوٹ چھاپے جاتے ہیں جو رعایا کے ہاتھوں میں آتے ہیں اور گردش میں رہتے ہیں۔ اگر کبھی حکومت اس مالیت سے زیادہ نوٹ چھاپ بیٹھے تو افراط زر کا دور شروع ہو جاتا ہے اور حکومت کو اپنے سکہ کی قیمت گھٹانی پڑتی ہے۔ جیسے کہ ہم چند سالوں سے اس مصیبت کے شکار ہیں۔

قطب الارشاد حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی بہت ہی گہری فقیہانہ نظر تھی۔ انہوں نے نوٹ کو تمسک (مال کی رسید) قرار دیا۔ (اور عرفاً اس سے خرید و فروخت ایسے ہی کی جاتی ہے جیسے وہ خود روپیہ ہو، اس لحاظ سے انہوں نے اسے بمنزلہ سونے چاندی کے قرار دیا) اگر کسی نوٹ پر یہ عبارت نہ ہو تو ایسے کاغذ سے جو پانچ روپے کے نوٹ کے برابر بڑا ہو آٹھ آنے کی چیز بھی نہیں خرید سکتے۔ اس نوٹ کو کوئی محلہ کی گلیوں کا دکان دار بھی نہیں لے گا۔ چاہے آپ اس سے کتنا بھی کہتے رہیں کہ بھائی نوٹ بھی کاغذ ہوتا ہے اور یہ بھی کاغذ ہے تم یہ لے لو اور مجھے سودا دے دو۔ اس سے مزید معلوم ہوا کہ پانچ روپے اس کاغذ کی قیمت نہیں ہوتی۔ حکومت کی اس تحریری ضمانت ہی کی وجہ سے نوٹ کے ذریعہ بے تکلف خرید و فروخت کی جاتی ہے اگر نوٹ ذرا بھی مشکوک ہو تو دکان دار کبھی نہیں لے گا۔"

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 125 ۔۔ مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

اعلیٰ حضرت کا نوٹ پر وہ رسالہ جس کی نام صرف ہندوستان کے علماء بلکہ علمائے حرمین شریفین نے بھی تائید و تعریف کی تھی، لیکن دیو بندیوں کی سوئی ابھی تک ادھر ہی اڑی ہوئی ہے۔ خود دیو بندی بلکہ گھمن صاحب نے بھی ساری عمر کبھی گنگوہی صاحب کے فتوے پر عمل نہیں کیا ہوگا۔ گھمن صاحب! آپ خود بتائیں جن لوگوں سے آپ زکوۃ فطرہ وغیرہ صدقات واجبہ لیتے ہیں کیا کبھی ان پیسوں کو اسٹیٹ بینک لے جا کر اس کے عوض سونا چاندی لیا ہے؟ اگر نہیں لیا اور ان کو اپنے مدرسے میں لگایا ہے تو آپ خود بتاؤ کے لوگوں کے زکوۃ و فطرہ ادا ہوئے یا نہیں؟ اعلیٰ حضرت گنگوہی کا شد و مد سے رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "جناب گنگوہی صاحب کی جلد دوم فتاوی، ص 169 میں ہے "نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے کہ نوٹ میں نقصان آ جائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور گر گم ہو جائے تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں اگر نوٹ بیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائیگا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین ان میں زکوۃ نہیں اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوۃ ہوگی، اکثر لوگوں کو شبہہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوۃ نہیں

دیتے کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں سخت غلطی ہے فقط۔" فتاوی رشیدیہ۔

اور جلد اول، ص 75 و 76 میں ہے: "نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربا ناجائز ہے یہ تفصیل اس کی ہے فقط۔" فتاوی رشیدیہ۔

جناب گنگوہی صاحب نے اول نوٹ کو تمسک بنایا اور آخر میں صرف اس جرم پر کہ وہ کاغذ ہے اور کاغذ بھلا کہیں بکنے کی چیز ہے وہ تو دریا کے پانی نہیں نہیں بلکہ ہوا کی طرح ہے اس کی بیع ہو ہی نہیں سکتی اس کی خرید و فروخت کو مطلقاً ناجائز ٹھہرایا اگرچہ برابر کو ہو، مگر خود ہی اسی جلد دوم کے ص 173 پر فرمانے والے تھے کہ "روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ جو رجسٹری یا بیمہ کرا دینا۔" فتاوی رشیدیہ۔

اب گھبرائے کہ نوٹ کی خرید و فروخت تو میں حرام کر چکا ہوں نوٹ آئیں گے کس گھر سے کہ رجسٹری کرا کر مرسل ہوں ناچار ادھر ادھر ٹٹولا حوالہ پر ہاتھ پڑا لہٰذا اس حیلہ حوالہ کی گھڑ دی کہ "بحیلہ عقد حوالہ جائز ہے۔" یعنی زید نے عمرو سے پانچ روپے کا نوٹ مول لے کر پانچ روپے سے اسے دیئے وہ اگرچہ خریدم و فروختم (میں نے خریدا اور میں نے بیچا۔) کہہ رہے ہیں مگر زبردستی ان کے سر یہ منڈھو کہ نہ بیچا نہ مول لیا نہ قیمت دی بلکہ زید نے عمرو کو پانچ روپے قرض دیے اور عمرو جو گورنمنٹی خزانے سے یہ نوٹ مول لے چکا تھا ہو بھی قرض کا لین دین تھا، ان کے نزدیک گورنمنٹ پر ایسا وقت پڑا تھا کہ وہ عمرو سے پانچ روپے قرض لینے بیٹھی تھی اور اس کی سند کے لئے یہ نوٹ کا تمسک اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا "که سند باشد و عند الحاجة بکار آید" (کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔)

اب جو عمرو سیٹھ پر وقت پڑا اس نے زید سے پانچ روپے ادھار لئے اور وہی تمسک اب اسے پکڑا دیا کہ گورنمنٹ پر ہمارے پانچ روپے اگلے وقتوں کے قرض آتے ہیں جن کو برسیں گزریں اب تک گورنمنٹ نے ادا نہ کئے ہم نے اپنے اوپر کے گورنمنٹ پر اتار دئے تم اس سے وصول کر لینا، یہ حضرت کی اس ٹٹول کا حاصل ہے جسے ہر عاقل جانتا ہے کہ محض سفاہت و باطل ہے اس کا رد کافی رسالہ کے صفحہ 126 و 127 و 128 و 129 میں گزرا، پھر بھی اس کی بعض جہالتوں کا اظہار خالی از فائدہ نہیں کہ اس ضمن میں ناظر کو بہت سے مسائل و فوائد پر اطلاع ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 17، صفحہ 506، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اعلیٰ حضرت نے ثابت کیا تھا کہ نوٹ ثمن عرفی ہے کوئی بھی اسے قرض کی رسید نہیں سمجھتا اور عقود میں معنی کا اعتبار ہوتا ہے۔ پھر موجودہ دیو بندیوں نے بھی تھک ہار کر نوٹ کو ثمن عرفی مانا ہے۔ احسن الفتاوی میں دیو بندی مولوی مفتی رشید احمد

صاحب نے اپنے فتاوٰی میں تقی عثمانی کا مقالہ نقل کیا ہے، جس میں انہوں نے کاغذی نوٹ کے متعلق دو رائے نقل کیں کہ ایک رائے یہ ہے کہ نوٹ قرض کی رسید ہے اور دوسری رائے یہ ہے کہ نوٹ عرفی ثمن ہے۔ پھر مزید لکھتے ہیں: ''اگر کوئی مالدار شخص اپنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ کاغذی نوٹ کسی فقیر کو دے تو جب تک وہ فقیر ان نوٹوں کے بدلے میں اس سونے یا چاندی کو بینک سے وصول نہ کرلے جس کی یہ دستاویز ہے یا جب تک وہ ان نوٹوں کے ذریعے کوئی سامان نہ خریدلے، اس وقت تک اس مالدار شخص کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اگر استعمال کرنے سے پہلے یہ نوٹ فقیر کے پاس سے برباد یا ضائع ہوجائیں تو وہ مالدار شخص صرف نوٹوں کو فقیر کو دیدینے سے زکوٰۃ کی ادائیگی سے بری الذمہ نہیں ہوگا۔ اب اس کو دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی۔

اس کے برخلاف دوسرے حضرات فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اب یہ نوٹ بذات خود ثمن عرفی بن گئے ہیں۔ اس لئے جو شخص یہ نوٹ ادا کرے تو یہ سمجھا جائیگا کہ اس نے مال اور ثمن ادا کیا ہے۔ ان نوٹوں کی ادائیگی سے دین کا حوالہ نہیں سمجھا جائے گا۔ لہٰذا اس رائے کے مطابق ان نوٹوں کے ذریعہ زکوٰۃ فی الفور ادا ہوجائے گی اور ان کے ذریعہ سونا چاندی خریدنا بھی جائز ہوگا۔

لہٰذا کاغذی نوٹ اور مختلف کرنسیوں کے احکام بیان کرنے سے پہلے نوٹوں کے بارے میں مذکورہ بالا آراء میں سے کسی ایک رائے کو فقہی نقطہ نظر سے متعین کرلینا ضروری ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر کتب فقہ اور معاشیات کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد میرے خیال میں ان نوٹوں کے بارے میں دوسری رائے زیادہ صحیح ہے۔ وہ یہ کہ نوٹ اب عرفی ثمن بن گئے ہیں اور اب یہ حوالہ کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔''

(احسن الفتاوٰی، جلد7، صفحہ54، ایچ ایم سعید، کراچی)

دیوبندیوں کی چالاکی دیکھیں کہ واضح ہوجانے کے باوجود کے گنگوہی صاحب کا فتویٰ کہ نوٹ ایک قرض کی رسید ہے بالکل باطل تھا، لیکن دیوبندیوں نے اپنے مولویوں کی عزت رکھتے ہوئے کہہ دیا کہ بعض فقہاء کا قول ہے اور پھر نوٹ کو عرفی ثمن مان کر یعنی اعلیٰ حضرت کی تحقیق کو ماننے کے باوجود یہ لکھ دیا کہ اب نوٹ عرفی ثمن بن گیا ہے، حالانکہ موجودہ دور اور اعلیٰ حضرت کے دور میں نوٹ کے متعلق کیا فرق ہے؟

حامد میاں اور گھسن صاحب کی عظیم جہالت فوت شدہ سے اعلیٰ حضرت کا رد کروادیا

حامد صاحب نے اس کے بعد اعلیٰ حضرت پر الزام تراشیاں کی ہیں اور حق کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ ایک جگہ لکھتے ہیں: ''مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی حیات تھے۔ ان کے پاس بریلوی اعلیٰ حضرت کا فتویٰ پہنچا۔ انہوں نے اس کا جواب لکھ دیا۔ نوٹ اس کو اس پر تحریر کردہ رقم سے زیادہ کے نوٹوں کے بدلے لین دین کو انہوں نے سود قرار دیا۔ یہ بات اعلیٰ حضرت بریلوی

کو سخت ناگوار گزری۔ پنجے جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئے۔ بہت ملمع کی ہوئی گالیاں لکھیں اور ساتھ ہی حضرت گنگوہی کو بھی۔ حضرت مولانا عبدالحئی صاحب نے سمجھ لیا ہوگا کہ یہ شخص کج بحث ہے اور ہر حال میں سود کو جائز ہی قرار دینے کے درپے ہے۔ اس لیے انہوں نے ''﴿اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ (اور جاہلوں سے منہ پھیرلو) اور ﴿وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ (اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام) پر عمل کرتے ہوئے مزید بحث نہیں بڑھائی۔ اعلیٰ حضرت بریلوی نے اسے اپنی فتح قرار دیا۔ اور ایک سوا ساٹھ صفحات پر مشتمل طویل رسالہ لکھا۔ جس کا نام ''كفل الفقيه'' رکھا۔ اس کے آخر میں بڑے دھڑلے سے لکھا کہ میرے دلائل کا جواب کوئی نہیں لکھ سکا۔ لہٰذا مسئلہ یہی ہے کہ نوٹوں میں جتنا چاہو سود لو اس کا نام نفع ہوگا، سود نہیں۔ بریلوی علماء کی طرف سے آج یہ فتویٰ بطور نمونہ اعلیٰ حضرت کے امام مجتہد ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جارہا ہے۔ جسے لکھتے ہوئے ایک عالم دین کو شرم آنی چاہیے تھی کیوں کہ اس فتویٰ پر کسی بریلوی نے بھی شاید عمل نہیں کیا۔ ان کا عمل اسی فتویٰ پر رہا ہے جو حضرت اقدس گنگوہی اور مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی کا تھا اور اگر کسی بریلوی نے احمد رضا خاں کے فتوے پر عمل کر کے سود لیا ہے تو آپ حضرات اس کا نام پیش کریں تاکہ لوگ اس فقیہہ کے اس سود خور پیروکار کو جان لیں۔''

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ129۔۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں حامد میاں صاحب نے تو جہالت کی اخیر کردی عبدالحئی صاحب اعلیٰ حضرت کے رسالہ کفل الفقیہ لکھنے سے کئی سال پہلے فوت ہوچکے تھے اور حامد میاں صاحب نے عبدالحئی صاحب کو دوبارہ زندہ کرکے ان سے رد ثابت کردیا۔ نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر میں دیوبندی مولوی عبدالحی بن فخر الدین بن عبدالعلی الحسنی الطالبی (المتوفی 1341ھ) عبدالحئی لکھنوی کی تاریخ وفات لکھتا ہے ''وكانت وفاته لليلة بقيت من ربيع الأول سنة أربع وثلاثمائة وألف'' یعنی عبدالحئی لکھنوی صاحب کی وفات ربیع الاول کی آخری رات سن 1304ھ میں ہوئی۔

(نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر، جلد8، صفحہ1269، دار ابن حزم، بیروت)

یعنی عبدالحئی لکھنوی کی وفات اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کے دور میں 1304ھ میں ہوچکی تھی۔ اور اعلیٰ حضرت کا رسالہ ''كفل الفقيه الفاهم فى احكام قرطاس الدراهم'' 1324ھ میں لکھا گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے عبدالحئی لکھنوی کے فتویٰ کا رد ان کی زندگی میں کیا ہی نہیں تھا، لیکن حامد میاں نے اپنی جہالت میں علامہ عبدالحئی کا رد بھی کروادیا اور عبدالحئی سے اعلیٰ حضرت کے متعلق بیزاری بھی ثابت کردی۔ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) ایک جگہ وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عبدالحئی لکھنوی اگر زندہ ہوتے اور میرے اس تحقیقی فتویٰ کو دیکھتے تو ضرور اتفاق

کر لیتے کیونکہ وہ حق بات قبول کر لیتے تھے چنانچہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ''ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہو جائے اس کا بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اوپر معلوم ہو چکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے اور بائع و مشتری پر ان کے غیر کی کوئی ولایت نہیں جیسا کہ ہدایہ و فتح القدیر سے گزرا تو ان دونوں کو اختیار ہے کہ کم زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کر لیں جو شخص فکر سلیم رکھتا ہے اس کے نزدیک جواب اتنے ہی سے پورا ہو گیا اور میں نے بارہا اس پر فتوی دیا اور اکابر علمائے ہند سے متعدد عالموں کا یہی فتوی ہوا جیسے فاضل کامل مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری (رحمة الله علیه) وغیرہ اور اس میں میرا اخلاف نہ کیا مگر لکھنؤ کے ایک شخص نے (یعنی عبدالحیٔ لکھنوی نے) جو عمائد سے گنے جاتے اور ان کی طرف انگلیاں اٹھتیں اور مجھے ان کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر ان کی موت کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق ان کے فتاوٰی کے نام سے چھپے اور اگر میں ان کی زندگی میں اس بارے میں ان سے گفتگو کرتا تو امید تھی کہ وہ رجوع کر لیتے کہ ان صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ لیتے تو واپس آتے اور اب میں تجھے ایضاح کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو ان شاء اللہ تعالیٰ حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا قبول و تسلیم کے۔''

(فتاوٰی رضویه، جلد 17، صفحه 445، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) نے ''کفل الفقیه'' رسالہ سے پہلے ایک مختصر فتویٰ نوٹ کے متعلق دیا تھا اور عبدالحیٔ صاحب نے اس کے برخلاف فتویٰ دیا اور اعلیٰ حضرت کے دلائل کا جواب نہ دیا تھا۔ اعلیٰ حضرت خود اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''تیس برس ہوئے فقیر کے پاس اس کا سوال آیا تھا کہ نوٹ پر بٹا لگانا مثلاً سو روپے کا نوٹ ننانوے میں خرید لینا جائز ہے یا نہیں، فقیر نے نظر فقہی کا مقتضٰی جواز بتایا اور تنویر الابصار و عامہ کتب سے اس پر استدلال کیا، میرا یہ فتوی مولوی صاحب (عبدالحی) کے یہاں پہنچا جسے انہوں نے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں درج کیا کہ اس کی جلد دوم میں میں فتویٰ حامی سنت جناب مولانا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری (رحمة الله علیه) کے ساتھ طبع ہوا اور وہیں سے مجھے ملا کہ اس وقت تک مجھے اپنے فتاوے رکھنے کا التزام نہ تھا اور اسی سے حضرت فاضل رامپوری کا فتویٰ معلوم ہوا جس پر مجموعہ فتاوٰی مولوی لکھنوی صاحب میں نمبر 123 ہے اور میرا فتوی نمبر 124 ہے، دونوں میں حکم جواز ہے، پھر ایک چار سطری فتویٰ بعض علمائے مدراس کا نمبری 125 ہے اس میں بھی جواز ہی کا حکم ہے اس کے متصل نمبر 126 میں مولوی صاحب کا یہ فتویٰ ہے جس میں انہوں نے فتوی فقیر کے بعض کلموں سے تعرض کیا اور باقی کا کچھ جواب نہ دیا، میں نے اس بنا پر کہ نوٹ بہت جدید حادث ہے کتب فقہیہ میں اس کا ذکر مصرح نہیں مگر تمام کتب کا ضابطہ کلیہ حکم جواز بتا رہا ہے حکم لکھ کر اوہام کا جواب دے کر آخر میں ''ماظهر لی

واللہ سبحنه و تعالیٰ اعلم'' (یہ وہ ہے جو میرے لئے ہوا اور اللہ سبحانہ، وتعالیٰ بہتر جانتا ہے۔) مولوی صاحب نے اس بنا پر کہ میرا کا کوئی جواب کتاب سے نہ دے سکے اپنے مخیلات پر عامل ہوئے آخر میں ''هذا ماظهر لی واللہ اعلم بالصواب'' (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور اللہ سبحنہ اللہ تعالیٰ علیہ بہتر جانتا ہے۔)

لکھا یہ دلیل کہ مولوی صاحب کی معتمد ہوئی فقیر نے پہلے ہی اپنے فتوی میں بنام وہم لکھ کر رد کر دی تھی مولوی صاحب نے دلیل تو اٹھالی اور رد کے جواب سے عہدہ برآئی نہ کی میرے فتوی میں بعد بیان حکم و عبارت کتب تھا ''مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہو گیا لیکن غیر فقیہ کو ایسی جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کاغذ کا نام ہے مگر عرف واصطلاح میں گویا وہ بعینہ روپیہ ہے اس لئے ہر جگہ روپے کا کام دیتا ہے لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپے دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سو روپے تھے کہ بعوض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہہ نہیں تو صورت مستفسرہ میں حکم تحریر دینا چاہئے۔'' دیکھئے اسی وہم کو مولوی صاحب نے اخذ کیا اور دلیل بنایا جس مضمون کو میں نے چار پانچ سطر میں ادا کیا تھا مولوی صاحب نے اسی کو صفحہ بھر میں پھیلایا مگر افسوس کہ پھر بھی ویسا ادا نہ ہو سکا۔''

(فتاوٰی رضویه، جلد 17، صفحه 532، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

فصل پنجم: گھمن صاحب کی علمی حیثیت

اوپر اکابرِ دیوبند کی علمی حیثیت پر کلام ہوا اب ذرا الیاس گھمن کی علمی حیثیت پر بھی کلام ہو جائے تا کہ قارئین کو پتہ چل جائے کہ کیسے کیسے نا اہل دیوبندی اعلیٰ حضرت کو چیلنج کر رہے ہیں۔

دیوبندی مولوی الیاس گھمن صاحب سرفراز صفدر گکھڑوی کے شاگرد ہیں اور سرگودھا میں عام سیدھے سادھے لوگوں کو دیوبند مذہب میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ گھمن صاحب چونکہ مرید بھی ہیں اسلئے صوفی بن کر بھی مرد و عورت میں وعظ کرتے ہیں۔ کوئی چھ سات تصانیف بھی انہوں نے لکھی ہیں۔ جو اکثر چھوٹی چھوٹی دو سو صفحوں تک یا اس سے کم ہیں۔ ان کی ہر تصنیف میں وہی پرانے جزئیات کاپی پیسٹ ہوتے ہیں اور وہی تحریف و بہتان بازی ہوتی ہے۔ پھر ان کا ایک خاصہ یہ ہے کہ یہ اپنی کتاب میں خود سے محنت نہیں کرتے بلکہ دیگر مولویوں کے دلائل و بہتان و جھوٹ کو اپنی کتاب میں سجا لیتے ہیں، خصوصاً خالد مانچسٹر کی کے جھوٹوں کا گھمن صاحب بہت ادب کرتے ہیں اور انتہائی تعظیم کے ساتھ اپنی کتب میں خالد مانچسٹر کا حوالہ دیئے بغیر لکھ دیتے ہیں۔ گھمن صاحب کی کوئی بھی کتاب آپ اٹھا کر دیکھ لیں نہ اس میں کوئی ابواب بندی ہوگی نہ کوئی فصل نہ کوئی ربط

ہوگا۔ ایسا لگتا ہے کہ گھمن صاحب پہلے فوٹو کاپی والا کام کرتے تھے، اب وہ کام چھوڑ کر تصنیف شروع کر دی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ فوٹو کاپی والی دکانوں میں فالتو قسم کے صفحات مختلف موضوعات پر پڑے ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی فوٹو کاپی والا ان متفرق موضوعات کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں چھاپ دے تو کتاب تو چھپ جائے گی لیکن کوئی ربط نہیں ہوگا یہی کچھ حال گھمن صاحب کی کتب کا ہے۔

گھمن صاحب نے اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) علمی حیثیت کو چیلنج کیا تھا، اس لئے فقیر نے اعلیٰ حضرت کی غلامی کا حق ادا کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی علمی حیثیت کا واضح کر کے قارئین کے سامنے گھمن صاحب کی علمی حیثیت کا پردہ فاش کیا ہے۔ میں نے گھمن صاحب کی تمام کتب پر سرسری نظر کی تو ہر کتاب میں کثیر غلطیاں پائیں کئی چھوٹی چھوٹی غلطیوں کو معاف کر دیا اور بڑی بڑی غلطیوں کا مختصر ذکر کیا ہے۔ ان شاء اللہ (عزوجل) گھمن صاحب ہمیشہ مجھے یاد رکھیں گے کہ میں نے ان کی ٹھیک ٹھاک اصلاح کی ہے، پھر اصلاح میں ظاہری عیوب کے ساتھ ساتھ باطنی عیوب بھی بتائے ہیں۔

گھمن صاحب جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں

گھمن صاحب کی بے عملی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ جو کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔ گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''راقم نے سہ ماہی مجلّہ ''قافلہ حق'' جلد 4، شمارہ 3، میں ایک تحقیقی مضمون ''مسئلہ 20 تراویح۔۔۔ دلائل کی روشنی میں'' تحریر کیا تھا۔ بعض آل حدیث نے الحدیث ص 76 میں بازاری زبان استعمال کر کے اس پر لایعنی اعتراض کئے۔''

(تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے، صفحہ 16، احناف میڈیا سروس)

یہاں گھمن صاحب نے اہل حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے ان کے رد میں بازاری زبان استعمال کی ہے اور خود گھمن نے اعلیٰ حضرت کے متعلق بازاری زبان سے بڑھ کر گالی گلوچ کی ہے۔ اعلیٰ حضرت پر طعن و تشنیع کے ساتھ ساتھ انہیں دجال، کذاب وغیرہ بھی کہا ہے۔ گھمن صاحب نے ایک کتاب سیفی سلسلہ کے خلاف لکھی اس میں ایک جگہ پیر سیف الرحمٰن کے متعلق بازاری زبان استعمال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''پیر صاحب (سیف الرحمٰن) حرمین شریفین میں نجدی امام کی اقتداء میں نماز نہیں پڑھتے۔ انوار رضا نمبر 2، شمارہ نمبر 3، صفحہ 10۔

ایک جگہ پیر صاحب نے فرمایا: نجدی امام کی اقتداء ہرگز روا نہیں۔ انوار رضا کا اخندزادہ مبارک نمبر، جلد 4، شمارہ نمبر 3۔

جبکہ اعلیٰ حضرت کے والد نے ایک حدیث نقل کی ہے: جو میری عزت اور انصار اور اہل عرب کا حق نہ پہچانے، وہ تین سبب میں سے ایک وجہ سے ہے، یا تو منافق ہے یا ولد الزنا یا حیض کا نطفہ۔ اخرجہ الشیخ والدیلمی۔ جواہر البیان، صفحہ 160۔

اب پیر صاحب خود ہی فیصلہ فرمالیں کہ وہ ان تین میں سے کونسی وجہ میں آتے ہیں؟ فاضل بریلوی کہتے ہیں: حرمین طیبین کے علماء کو بدعتی کہنے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ فہارس فتاویٰ رضویہ، صفحہ 121۔''

(فرقہ سیفیہ کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 33، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب آپ نے یزید کو فاسق کہا ہے جبکہ وہ بھی اہل عرب تھا چنانچہ آپ نے چند صفحوں کی کتاب عقائد اہل سنت میں لکھا ہے: ''حضرت حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور یزید کے باہمی اختلاف میں حضرت حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حق پر تھے اور یزید کی حکومت نہ خلافت راشدہ تھی اور نہ خلافت عادلہ اور یزید کے عملی فسق سے حضرت معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بری ہیں۔''

(عقائد اہل السنۃ والجماعۃ، صفحہ 23،24، اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ، پاکستان)

گھمن صاحب اب ہم بھی اوپر والی حدیث پیش کر کے آپ کے متعلق بازاری زبان استعمال کرتے ہوئے پوچھ سکتے ہیں کہ آپ ان تین وجوہ میں سے کون سے وجہ میں آتے ہیں؟ لیکن ہمارا یہ ذوق نہیں ہے۔ حدیث پاک کا یہ مطلب نہیں کوئی بدمذہب، منافق، بلکہ مرتد بھی اہل عرب میں سے ہو تو اسے برا نہ کہو، ابوجہل بھی اہل عرب تھا۔ پھر گھمن صاحب آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ جس کا عقیدہ درست نہ ہو وہ جہاں مرضی کا امام ہو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں یہ امام ابوحنیفہ کا فتویٰ ہے چنانچہ فتح القدیر میں ہے امام محمد وامام ابو یوسف وامام اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے راوی "ان الصلوٰۃ خلف اهل الهواء لاتجوز" ترجمہ: اہل بدعت و بدمذہب کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

(فتح القدیر، کتاب الصلوٰۃ، باب الامۃ، جلد 1، صفحہ 350، دار الفکر، بیروت)

صحابہ کرام وتابعین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے ثابت ہے وہ بھی مکہ ومدینہ میں ظالم و بدعقیدہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے جو حرمین طیبین کے علماء کو برا کہنے والوں کو بدعتی کہا یہ اس وقت تھا جب حرمین میں ترکوں کی حکومت تھی اور وہاں کے علماء اہل سنت تھے اور وہابی علماء حرمین کی توہین کرتے تھے۔ آج وہابیوں کی حکومت ہے اور وہابیوں کے عقائد کو گھمن صاحب آپ نے بھی گمراہ کہا ہے۔ المہند پر کئے گئے اعتراضات کے جواب میں آپ نے لکھا ہے: ''غیر مقلدین کے گمراہ کن عقائد: عقیدہ نمبر 1۔ غیر مقلدین کے نزدیک روضہ اقدس کو گرانا واجب ہے۔ مشہور غیر مقلد نواب نور الحسن خان ''عرف الجادی'' صفحہ 60 پر لکھتا ہے: روضہ اطہر کو گرانا واجب ہے۔ عرف الجادی، صفحہ 60، الروضۃ الندیہ، صفحہ 178۔

عقیدہ نمبر 2:۔ مرزائیوں کی تعزیت اور شادی کی دعوت وغیرہ میں جانا جائز ہے۔ مشہور غیر مقلد

مناظر مولانا امرتسری لکھتے ہیں: مرزائیوں سے تعزیت کرنا، دعوتِ شادی قبول کرنا، رسمی سلام کرنا اور مسجد میں چندہ لینا جائز ہے۔ فتاویٰ ثنائیہ، جلد1، صفحہ 433۔"

(المہند اور اعتراضات کا علمی جائزہ، صفحہ48، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

لیکن گھمن صاحب پھر بھی آپ سمیت دیگر دیوبندی وہابیوں کے پیچھے نمازیں پڑھتے اور خود کو حنفی بھی کہتے ہو اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنے والوں پر طعن بھی کرتے ہو۔ کیا آپ کے پاس کوئی حدیث یا کسی امام کا قول ہے کہ مکہ مدینہ کا مولوی چاہے جس مرضی عقیدے کا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ غیر مقلدوں کو گمراہ بھی کہنا اور ان کے پیچھے نماز بھی پڑھنا اور نہ پڑھنے والوں پر طعن کرنا کیا یہ منافقت نہیں ہے؟ یا آپ ریالوں کی لالچ میں سب کچھ کر سکتے ہیں؟

گھمن صاحب کی بے عملی کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ملفوظات میں مرزا قادیانی کے متعلق محمد علی جالندھری کا قول پیش کرتے ہیں: "پہلے نبی کی ذات ہوتی ہے پھر نبی کی بات ہوتی ہے۔ نبی کی ذات پر ایمان فرض ہے، نبی کی بات پر بھی ایمان فرض ہے۔ مولوی کی ذات پر ایمان نہیں ہوتا، مولوی کی بات پر ایمان ہوتا ہے۔ اگر مرزا قادیانی مولوی ہونے کا دعویٰ کرتا، ہم اس کی ذات کی بات نہ کرتے، اس کے مسئلہ پر اعتراض کرتے۔ اب اس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، لہٰذا پہلے اس کی ذات پر بحث ہوگی پھر اس کی بات پر بحث ہوگی۔"

(مجالس متکلم اسلام، صفحہ53، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب کہہ رہے ہیں کہ مولوی کی ذات پر نہیں بلکہ مسئلہ پر اعتراض ہوتا ہے جبکہ خود عملی طور پر یہ حالت ہے کہ حسام الحرمین کے رد میں آدھی سے زیادہ کتاب مسئلہ کا جواب دینے کی بجائے اعلیٰ حضرت کی ذات پر کیچڑ اچھالنے میں لکھ دی۔

گھمن صاحب کی تضاد بیانی

ایک جگہ گھمن صاحب اعلیٰ حضرت کے اخلاق پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "مولانا کی اخلاقی زبان: مولانا احمد رضا خاں صاحب سے مسئلہ پوچھا گیا کہ جوان عورت سے مرد ضعیف نکاح کرنا چاہے تو خضاب سے بال سیاہ کر سکتا ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہونا چاہئے تھا کہ نہیں۔ اسلام میں کسی کو دھوکا دینا جائز نہیں۔ مگر مولانا احمد رضا خاں کا جواب سنئے اور اندازِ تخاطب پر داد دیجئے: "بوڑھا بیل سینگ کاٹنے سے بچھڑا نہیں ہوسکتا۔"

انسان کو بغیر اس کے کسی قصور کے جانور بنا دینا کون سی خوش اخلاقی ہے۔ یہ مسئلے کا جواب یا اس بیچارے پر طعن وتشنیع کا انبار ہے۔ جو لوگ علماء سے شرعی رہنمائی چاہیں ان سے اس قسم کی زبان استعمال کرنا کیا مجددانہ شان ان کے موافق تھی؟"

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ82، 83، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

اعلیٰ حضرت سے سوال بھی نام لئے بغیر ہوا تھا اور جواب بھی ویسے ہوا تھا۔ یہاں سائل کو نہیں کہا جا رہا ہے کہ وہ بوڑھا بیل ہے بلکہ سمجھانے کے لئے زجر کیا جا رہا ہے اور اس طرح کے جوابات کئی بزرگوں سے ثابت ہیں۔ بہر حال گھمن صاحب نے اس سے زبردستی اعلیٰ حضرت کے اخلاق پر طعن کیا ہے۔ پھر گھمن صاحب اپنی بُری عادت کا بیان خود کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ہماری یہ عادت ہے کہ جو معقول سوال کرتا ہے تو ہم شاباش بھی دیتے ہیں اور جو معقول نہیں کرتا تو اس کی درگت بھی بناتے ہیں۔"

(مجالس متکلم اسلام، صفحہ48، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یعنی اعلیٰ حضرت پر اعتراض کیا کہ وہ سائلین سے کس طرح پیش آتے ہیں اور خود اپنی یہ حالت ہے کہ کوئی بیچارہ سائل غلطی سے معقول سوال نہ کرے تو گھمن صاحب اس کی عزت خراب کر کے رکھ دیتے ہیں۔

اسی طرح ایک گھمن صاحب لکھتے ہیں: خدا ہر جگہ نہیں: مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: خدا کو ہر جگہ میں (موجود) ماننا بے دینی ہے۔ جاء الحق، صفحہ 221۔"

(فرقہ سیفیہ کا تحقیقی جائزہ، صفحہ36، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب مفتی احمد یار خان نعیمی (رحمة الله عليه) پر اعتراض کر رہے ہیں کہ انہوں نے خدا کو ہر جگہ موجود ماننے کو بے دینی کہا ہے جبکہ خود گھمن صاحب نے خود المہند پر ہونے والے اعتراضات کے جواب میں لکھا ہے: "درحقیقت کوئی مقام ایسا نہیں جسے اللہ کا مکان کہا جا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو لامکان ہے اور وہ زمان ومکان کی قیودات سے منزہ و برتر ہے۔"

(المہند اور اعتراضات کا علمی جائزہ، صفحہ55، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب ایک نام نہاد صوفی

گھمن صاحب صوفی بنتے ہوئے لوگوں کا تزکیہ کرنے کی بجائے انہیں دیوبندی بناتے ہیں، وہ کفریہ عبارتیں جو ان کے اکابر نے لکھی ہیں انہیں ایمان افروز ثابت کرتے ہیں اور عام لوگوں کے دلوں میں ان مولویوں کی محبت پیدا کر کے انہیں صوفی بناتے ہیں۔ گھمن صاحب کا نام نہاد صوفی ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک طرف اعلیٰ حضرت پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہیں فوراً خلافت مل گئی چنانچہ لکھتے ہیں: "جس دن مارہرہ شریف میں بیعت کی تو مرشد نے اسی دن آپ کو خلافت دے دی تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جہاں تک سلوک وطریقت اور مجاہدہ وریاضت کا تعلق ہے، آپ ان کے تجربات سے نہیں گزرے اور آپ کا علم مسائل طریقت میں علم شریعت کی طرح ناپختہ ہی رہا۔"

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ51، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب اعلیٰ حضرت پر اعتراض کررہے ہیں کہ انہیں بغیر مجاہدہ کہ خلافت مل گئی اس وجہ سے آپ مسائل طریقت میں بھی ناپختہ رہے۔ دوسری طرف خود گھمن صاحب مانتے ہیں کہ عقیدت ہوتو ایک منٹ میں سب کچھ مل جاتا ہے چنانچہ اپنے ملفوظات میں کہتے ہیں: ''میں خدا کی قسم کھا کر یہ بات کہتا ہوں آدمی جو صحبت سے بنتا ہے وہ کسی اور چیز سے نہیں بنتا۔ لیکن صحبت بھی عقیدت سے ہو۔ عقیدت نہیں ہوگی تو ہزاروں سال پڑا رہے ذرہ بھی نفع نہیں ہوگا۔ عقیدت ہوگی تو ایک منٹ میں آئے گا اور بہت کچھ پا جائے گا۔''

(مجالس متکلم اسلام، صفحہ 111، 112، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

گھمن صاحب کان کھول کر سن لیں! اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ طریقت کے اس مقام پر تھے کہ آپ کو ایک لمحے میں ہی خلافت عطا کر دی جاتی۔ اعلیٰ حضرت جب بغرضِ بیعت مارہرہ مقدسہ گئے تو مارہرہ مقدسہ کے اسٹیشن ہی پر اعلیٰ حضرت نے فرمایا! شیخ کامل کی خوشبو آرہی ہے۔ بعدازاں ایک سرائے میں ٹھہرے اور نہا دھو کر نئے کپڑے پہننے کے بعد خانقاہِ برکاتیہ میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے۔

جب امامُ الاولیاء، سلطان العارفین، تاجدارِ مارہرہ حضرت مولانا سید شاہ آلِ رسول صاحب حسینی علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں پہنچے حضرت نے دیکھتے ہی فرمایا: آیئے! ہم تو کئی روز سے انتظار کررہے ہیں۔ پھر بیعت فرمایا اور اُسی وقت تمام سلاسل کی اجازت بھی عطا فرمادی اور خلافت بھی بخش دی۔ اتنی عطائیں دیکھ کر تمام مریدین کو جو حاضر تھے تعجب ہوا، جن میں قطبِ دوراں تاج الاولیاء حضرت مولانا شاہ سید ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب علیہ الرحمہ نے (جو حضرت کے پوتے اور جانشین تھے) اپنے جدِ امجد سے عرض کیا حضور! بائیس سال کے اس بچہ پر یہ کرم کیوں ہوا؟ جبکہ حضور کے یہاں کی خلافت و اجازت اتنی عام نہیں، برسوں، مہینوں آپ چلّے ریاضتیں کراتے ہیں جو کی روٹی کھلوا کر منزلیں طے کراتے ہیں، پھر اگر اس قابل پاتے ہیں تب بھی ایک یا دو سلسلہ کی اجازت وخلافت عطا فرماتے ہیں (نہ کہ تمام سلاسل کی)۔

حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ بھی بہت بڑے روشن ضمیر و عارف باللہ تھے، اِسی لئے یہ سب کچھ دریافت کیا تاکہ زمانے کو اس بچے کا مقام ولایت وشانِ مجددیت کا پتہ چل جائے۔ سیدنا شاہ آلِ رسول نے ارشاد فرمایا اے لوگو! احمد رضا کو کیا جانو یہ فرما کر رونے لگے اور ارشاد فرمایا: میاں صاحب! میں متفکر تھا کہ اگر قیامت کے دن رب العزت جل مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ آلِ رسول! تو دُنیا سے میرے لیے کیا لایا تو میں کیا جواب دوں گا۔ الحمدللہ آج وہ فکر دور ہوگئی، مجھ سے رب تعالیٰ جب یہ پوچھے گا کہ آلِ رسول! تو دُنیا سے میرے لیے کیا لایا تو میں مولانا احمد رضا کو پیش کردوں گا، اور حضرات اپنے قلب زنگ آلود لیکر آتے ہیں،

اُن کو تیار ہونا پڑتا ہے، یہ اپنے قلب کو مجلّٰی و مصفّٰی لے کر بالکل تیار آئے، ان کو تو صرف نسبت کی ضرورت تھی۔۔۔

اگر گھمن صاحب صحیح معنوں میں صوفی ہوتے (اور گھمن صاحب تب تک صوفی نہیں بن سکتے جب تک دیو بند مسلک کو چھوڑ کر اہل سنت مسلک میں نہیں آجاتے۔) تو انہیں پتہ ہوتا کہ تصوف کی کتب میں ایسے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ پہلی ہی ملاقات میں شیخ نے خلافت عطا فرمادی بلکہ چور سے ابدال بنادیا بلکہ پیدائش سے پہلے ہی خلافت عطا کردی چنانچہ سبع سنابل میں ہے: ''رسالہ سیر مشائخ میں لکھا ہے کہ خواجہ قدوۃ الدین ابو (رحمة الله عليه)، خواجہ ناصر الدین محمد (رحمة الله عليه) کی والدہ کے پاس آتے اور کہتے "السلام عليك يا ولى الله انت خليفتى" ترجمہ: اے اللہ کے ولی تم پر سلام تم میرے خلیفہ ہو۔ شیخ محمد کی والدہ دریافت کرتیں کہ اے شیخ آپ نے کسے سلام کیا اور کسے خلافت دی؟ شیخ ابو احمد چشتی کہتے کہ تمہارے پیٹ میں ایک بچہ ہے میں نے اسے سلام کیا اور اسے اپنا خلیفہ بنایا۔ شیخ محمد کی والدہ فرماتیں کہ حضرت وہ ابھی پیٹ میں ہے اور معلوم نہیں لڑکا ہے یا لڑکی وہ ابھی آپ کا مرید بھی نہیں ہوا ہے آپ نے اسے خلافت کیسے دے دی؟ شیخ ابو احمد کہتے کہ اے پاک دامن! میں نے تمہارے بیٹے کو ایک بزرگ وار اور پیرِ نامدار، لوح محفوظ میں لکھا دیکھا ہے۔ اسکا نام محمد ہے وہ میرا مرید اور خلیفہ ہے۔ میں تمہیں بشارت دینے آتا ہوں۔''

(سبع سنابل، صفحہ 403، فرید بک سٹال، لاہور)

اب بتاؤ گھمن صاحب! یہاں تو پیدائش سے پہلے ہی خلافت عطا فرمادی گئی ہے؟ پتہ چلا کہ گھمن صاحب آپ کا اعلیٰ حضرت کو اس وجہ سے طریقت میں ناپختہ کہنا کہ انہیں فوراً خلافت عطا کردی گئی، خود آپ کا طریقت سے جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اعلیٰ حضرت شریعت کی طرح طریقت میں بھی اعلیٰ مقام پر فائز تھے جس کا اعتراف دیو بندیوں نے بھی کیا ہے چنانچہ مفتی کفایت اللہ دہلوی کے شاگرد اور مولوی عبداللہ دیو بندی کندیاں کے خلیفہ قاضی شمس الدین درویش اعلیٰ حضرت کو طریقت کا شیخ تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ادھر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بیک وقت شیخ طریقت بھی تھے، معلم شریعت بھی تھے، مقرر اور خطیب بھی تھے، عالم اور طبیب بھی تھے، بے حد مصروف الاوقات بھی تھے۔

(غلغله برزلزله، صفحه 24)

الیاس گھمن کے نام نہاد صوفی ہونے پر ایک اور دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) اپنے مرشد کا بے حد ادب کرتے تھے چنانچہ انوارِ رضا میں ہے: ''اعلیٰ حضرت اپنے پیر و مرشد کی حد درجہ تعظیم کیا کرتے تھے اور آپ کے روضہ اقدس پر بہت پر اثر عالمانہ وصوفیانہ تقریر کیا کرتے تھے۔ جب سجادہ نشین صاحب نے ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سے رکھوالی کے لئے دو کتوں کی فرمائش کی تو اعلیٰ حضرت نے اعلیٰ نسل کے دو کتے خانقاہ عالیہ کی دیکھ بھال کے لئے بذات خود دے آئے اور فرمایا کہ

حضرت ان کتوں کو آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ یہ سارا کام کاج کریں گے اور رات کے وقت رکھوالی بھی جانتے ہیں۔ یہ دو کتے کون تھے۔ آپ کے دونوں صاحبزادگان رحمہما اللہ، جن میں سے ایک حضرت قبلہ مفتی اعظم ہند (رحمة الله عليه) تھے اور دوسرا (حضرت مفتی حامد رضا خان (رحمة الله عليه))۔"

(انوارِ رضا، صفحہ 238، ضیاء القرآن، لاہور)

یہ اعلیٰ حضرت کی عقیدت تھی۔ اب ذرا اسی واقعہ کو نام نہاد صوفی گھمن صاحب کس انداز میں پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو اور اندازہ لگائیں کہ یہ دیو بندی صوفی ہیں یا کچھ اور؟ گھمن صاحب لکھتے ہیں: "سجادہ نشین صاحب نے ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت سے رکھوالی کے لئے دو کتوں کی فرمائش کی تو اعلیٰ حضرت نے اعلیٰ نسل کے دو کتے خانقاہ عالیہ کو دیکھ بھال کے لئے بذات خود دیئے۔ امام احمد رضا نمبر، صفحہ 219۔

پتہ چلتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کو کتے پالنے کا بھی شوق تھا یا کتے پالنے والوں کے ساتھ آپ کے گہرے روابط تھے۔ تبھی تو مرشد گرامی نے آپ سے ان کی فرمائش کی تھی۔ مرشد گرامی کی مالی حالت معلوم ہوتی ہے بہت مضبوط ہوگی تبھی تو اس کی حفاظت کے لئے مرشد و مرید دونوں کو کتوں کی فکر تھی۔ جب توجہ ہی ان جیسے امور کی طرف ہو تو طریقت کی منزلیں کیا طے ہوں گی۔"

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 75، 76، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

عوام کو دیو بندی مولویوں کا محبّ بنانے کے لئے باطل فتوے دینا

جیسا کہ پہلے کہا گیا گھمن صاحب نام نہاد صوفی ہیں اور تزکیہ نفس کے نام پر مرد و عورتوں کے اجتماع کرواتے ہیں اس میں جو قصے کہانیاں بیان کرتے ہیں بعد میں خود ہی اسے سیٹ کر کے "مجلس متکلم اسلام" کے نام وغیرہ سے چھاپ دیتے ہیں۔ گھمن صاحب عوام کو دیو بندیوں مولویوں کا عاشق بناتے ہوئے کہتے ہیں: "ہم ان مشائخ سے محبت کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے کہ ان کا تعلق اللہ سے ہے اور تو کوئی وجہ نہیں۔ سہارنپور مظاہر العلوم میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ حدیث پڑھاتے تھے۔ یہ بڑا سننے والا واقعہ ہے۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کا فتویٰ تھا کہ انگریز کا بنایا ہوا کپڑا استعمال کرنا حرام ہے۔ لہٰذا سادہ کھدر کا کپڑا استعمال کرنا چاہئے۔"

(مجالس متکلم اسلام، صفحہ 22، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

حسین احمد مدنی صاحب کا فتویٰ صریح غلط ہے۔ شرعی طور پر انگریزوں کا بنایا ہوا کپڑا حرام ہونا تو دور کی بات خود انگریزوں کے استعمال شدہ کپڑے پہننا بھی شرعاً جائز ہیں بلکہ علماء نے صراحت کی کہ ان استعمال شدہ کپڑوں میں نماز بھی

ہو جائے گی۔ اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) کتب فقہ کے حوالے سے فرماتے ہیں: "کفار خصوصاً ان کے شراب نوش کے کپڑے علی الخصوص پاجامے کہ وہ ہرگز استنجاء کا لحاظ رکھیں نہ شراب پیشاب وغیرہما نجاسات سے احتراز کریں پھر علماء حکم دیتے ہیں کہ وہ پاک ہیں اور مسلمان بے دھوئے پہن کر نماز پڑھ لے تو صحیح و جائز جب تک تلوث واضح نہ ہو۔ فی الدر المختار ثیاب الفسقة واهل الذمة طاهرة ۔ وفی الحديقة سراويل الكفرة من اليهود والنصارى والمجوس يغلب على الظن نجاسته لانهم لايستنجون من غير ان يأخذ القلب بذلك فتصح الصلاة فيه لان الاصل اليقين بالطهارة اه ملخصا" درمختار میں ہے فاسق اور ذمّی لوگوں کے کپڑے پاک ہیں اور حدیقہ میں ہے یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں وغیرہ کفار کی شلوار غالب گمان کے مطابق ناپاک ہے کیونکہ وہ استنجاء نہیں کرتے لیکن جب یہ بات دل میں نہ بیٹھے تو اس کے ساتھ نماز صحیح ہے کیونکہ اصل چیز طہارت کا یقین ہے۔

بلکہ عہد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے آج تک مسلمین میں متوارث کہ لباس غنیمت میں نماز پڑھتے ہیں اور ظنون وساوس کو دخل نہیں دیتے۔ "فی الحلية التوارث جارفيما بين المسلمين فی الصلوة بالثياب المغنومة من الكفرة قبل الغسل" حلیہ میں ہے کہ کفار سے مال غنیمت میں حاصل ہونے والے کپڑوں کو دھونے سے پہلے ان میں نماز پڑھنا مسلمانوں میں نسل در نسل سے چلا آ رہا ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 4، صفحہ 490، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حسین احمد مدنی کو اگر انگریزوں سے اتنی ہی نفرت تھی تو ویسے ہی ان کے کپڑے استعمال نہ کرتے نہ یہ کہ غلط فتویٰ دیتے کہ انگریزوں کے بنائے ہوئے کپڑے پہننا حرام ہے اور الیاس گھمن صاحب شرعی حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے اس غلط فتویٰ کو تقویٰ پر محمول کرتے۔

مزید گھمن صاحب اپنے مولویوں کی محبت لوگوں کے دلوں میں بٹھانے کے لئے غلط مسائل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "حضرت مولانا سعید احمد صاحب رحمہ اللہ بہت بڑے بزرگ تھے۔ مدینہ منورہ میں مقیم تھے۔ ایک ساتھی کا نکاح ہوا، وہ ایک ڈیڑھ مہینہ کے بعد سال کے لئے (تبلیغی) جماعت میں جانے لگا۔ حضرت کو کسی ساتھی نے کہا تو حضرت نے بلا کر فرمایا: بھائی! نئی نئی شادی ہے، مہینہ ڈیڑھ مہینہ گزرا ہے اور تم سال میں چل پڑے ہو تو ہر مہینے میں ایک خط۔۔۔ ذرا توجہ رکھنا اکابر کا مزاج سمجھنا۔۔۔ گھر اپنی بیوی کو لکھنا اور اس میں لکھنا کہ دن تو گشت میں گزرتا ہے، تعلیم میں گزرتا ہے، اعمال میں گزرتا ہے، رات نہیں گزرتی، تم بہت یاد آتی ہو، کروٹیں بدل بدل کے سوتا ہوں اور پریشان ہوں، تمہاری محبت میں چور ہوں۔ اس نے

کہا: حضرت مجھے تو اتنا پیار ہی نہیں، میں جھوٹ کیسے لکھوں؟ حضرت کا جواب سنو! فرمانے لگے: خاوند اور بیوی کا رشتہ وہ ہے کہ جھوٹ بول کر بھی اس کو خوش رکھے تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے۔''

(مجالس متکلم اسلام، صفحہ23، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سر گودھا)

یہاں بیوی سے جھوٹ بول کر خوش کرنے کو ثواب کہا گیا ہے جبکہ یہ صریح غلط ہے۔ بیوی کو خوش کرنے کے لئے جھوٹ بولنا فقط جائز ہے، ثواب نہیں ہے۔ عمدۃ القاری میں علامہ عینی (رحمة الله عليه) لکھتے ہیں ''لا يحل الكذب إلا في ثلاث :يحدث الرجل امرأته ليرضيها، والكذب في الحرب، وفي الإصلاح بين الناس .وقال النووي :الظاهر إباحة حقيقة الكذب في الأمور الثلاثة، لكن التعريض أولى ''ترجمہ: تین مواقع کے علاوہ جھوٹ بولنا حلال نہیں ہے۔(1) آدمی اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے بولے (2) جنگ میں جھوٹ بولا جائے (3) لوگوں میں صلح کروانے کے لئے بولا جائے۔ امام نووی نے فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ ان تینوں میں حقیقی طور پر جھوٹ بولنے کی اجازت ہے لیکن (یہاں بھی جھوٹ کی بنسبت) تعریض (پہلو دار بات کرنا جس کا ظاہر کذب ہو اور باطن میں صحیح معنی مراد ہوں) اولیٰ ہے۔

(عمدة القاری شرح صحيح البخاری، جلد14، صفحہ276، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

دیو بندیوں کا جھوٹ سے پرانا یارانہ ہے، ان کے بڑے مولویوں نے اللہ (عزوجل) کے لئے جھوٹ کو ممکن کہا ہے اور خود دیو بندی اہل سنت کے متعلق اپنی کتابوں میں جھوٹ ثواب سمجھ کر جھوٹ لکھتے ہیں۔

گھمن صاحب اور دوغلا پالیسی

دیو بندی مولوی خلیل نے اپنے مولویوں کے کفر چھپانے کے لئے ایک کتاب ''المہند'' لکھی تھی، جس میں اپنے عقائد اہل سنت والے ظاہر کئے تھے۔ بعد میں وہابی غیر مقلدوں نے المہند کا رد کیا اور کہا کہ دیو بندیوں کے عقائد بریلویوں والے ہیں۔ یعنی دیو بندی نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ مجبوراً گھمن صاحب نے المہند پر ہونے والے اعتراضات کے ادھر ادھر کی مار کر جوابات دیئے۔ کئی مواقع پر گھمن صاحب غیر مقلدوں کا اعتراض سن کر ایسا گھومے کے جواب ہی دینا نہ آیا جیسے دیو بندیوں نے المہند میں میلاد شریف منانے کو مستحب کہا جبکہ اصل دیو بندی مذہب میں میلاد منانا ناجائز ہے۔ وہابیوں کے مولوی نصیب شاہ سلفی نے اس پر دیو بندیوں کو رگڑا کہ تم نے المہند میں میلاد منانے کو مستحب کہا ہے۔ اس پر گھمن صاحب دوغلی پالیسی اختیار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''شاہ صاحب عوام الناس کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ علماء دیو بند مروجہ عید میلاد النبی (صلی الله علیه وآله وسلم) کے قائل ہیں حالانکہ علماء دیو بند کے نزدیک مروجہ عید میلاد النبی بدعت ہے۔ فقیہ العصر، قطب الارشاد ربانی

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: سوال: محفل میلاد شریف وقیام میلاد شریف ولوبان سلگانے، فرش وچوکی بچھانے وتاریخ متعین کرنا وغیرہ بہ ہیئت مشہورہ ومروجہ اس زمانے میں آیا ہے، اس طریقے سے محفل میلاد جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے؟ دلیل ادلہ اربعہ سے ہو، بینوا وتوجروا۔

جواب: یہ محفل چونکہ زمانہ فخر عالم (صلی الله علیه وآله وسلم) اور زمانہ صحابہ کرام (رضی الله تعالیٰ عنهم) اور زمانہ تابعین وتبع تابعین اور زمانہ مجتہدین علیہ الرحمۃ میں نہیں ہوئی اس کا ایجاد بعد چھ سو سال کے ایک بادشاہ نے کیا۔ اس کو اکثر اہل تاریخ فاسق لکھتے ہیں۔ لہٰذا یہ مجلس بدعت ضلالہ ہے۔ اس کے عدم جواز میں صاحب مدخل وغیرہ علماء پہلے لکھ چکے ہیں اور اب بھی بہت رسائل وفتاوٰی طبع ہو چکے ہیں، زیادہ دلیل کی حاجت نہیں عدم جواز کے واسطے یہ دلیل کافی ہے کہ کسی نے قرونِ خیر میں اس کو نہیں کیا، زیادہ مفاسد اس کے دیکھنے ہوں تو مطولات فتاوٰی کو دیکھ لیں۔ واللہ اعلم۔ فتاویٰ رشیدیہ، صفحہ 64۔''

(المہند اور اعتراضات کا علمی جائزہ، صفحہ144، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سر گودھا)

یہاں قارئین خود فیصلہ کریں کہ کتنا تضاد ہے۔ رشید احمد گنگوہی نے واضح کہا کہ میلاد منانا جائز نہیں۔ المہند میں جب یہی سوال دیو بندیوں سے پوچھا گیا کہ تم میلاد کو کیا کہتے ہو تو دیو بندی خلیل نے گنگوہی کے فتوے کو الٹ کر دیا، گنگوہی نے ناجائز کہا تھا اور مولوی خلیل نے میلاد منانے کو مستحب کہہ دیا۔ گھمن صاحب نے مزید دوغلا پن کیا اور دونوں میں تطبیق یوں دینا چاہی کہ المہند میں جو میلاد کو مستحب کہا گیا ہے وہ میلاد مروجہ نہیں اور گنگوہی نے مروجہ میلاد کو ناجائز کہا ہے۔ حالانکہ المہند میں سوال مروجہ طور پر میلاد منانا جو رائج تھا اسی کے متعلق تھا۔ پھر گنگوہی صاحب بلکہ خود گھمن صاحب تو اصلاً میلاد کو ناجائز کہتے ہیں یہ مروجہ اور غیر مروجہ کہاں سے نکل آیا؟ گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''مجلس میلاد کا بانی: یہ بدعت 604ھ میں موصل کے شہر میں مظفر الدین کوکری بل اربل المتوفی 630 ھ کے حکم سے ایجاد ہوئی جو ایک مسرف (فضول خرچ) اور دین سے بے پروا بادشاہ تھا۔۔۔ جس دنیا پرست مولوی نے اس جشن کے دلدادہ بادشاہ کے لئے محفل میلاد کے جواز پر مواد اکٹھا کیا تھا، اس کا نام عمر بن دحیہ ابوالخطاب (المتوفی 633ھ) تھا جس کو اس کتاب کے صلے میں صاحب اربل اور مسرف بادشاہ نے ایک ہزار پونڈ انعام دیا تھا۔''

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ404۔۔، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سر گودھا)

حیرانگی کی بات یہ ہے کہ گنگوہی صاحب نے میلاد منانے کو اس وجہ سے ناجائز کہا کہ صحابہ وتابعین سے ثابت نہیں لیکن سالگرہ منانے کو جائز کہا ہے جبکہ یہ بھی صحابہ کرام وتابعین سے ثابت نہیں چنانچہ فتاوٰی رشیدیہ میں ہے: ''سالگرہ یادداشت عمر

اطفال کے واسطے کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا اور بعد سال کے کھانا بروجہ اللہ تعالیٰ کھلانا درست ہے۔"

(فتاوی رشیدیہ،صفحہ567،عالمی مجلس تحفظ اسلام ، کراچی)

گھمن صاحب اور جھوٹ

گھمن صاحب جھوٹ بھی کمال طریقے سے بولتے ہیں اور یہ جھوٹ بولنا ان کی عادت کے ساتھ ساتھ ان کی ضرورت بھی ہے کہ اپنے دیوبند مذہب کو بچانے اور اہل سنت سے مسلمانوں کو بدظن کرنے کے لئے ایسا انہیں کرنا پڑتا ہے۔ گھمن صاحب لکھتے ہیں: "وسیلہ" عَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، عَنْ عَمِّهِ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَخْتَلِفُ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي حَاجَةٍ لَهُ فَكَانَ عُثْمَانُ لَا يَلْتَفِتُ إِلَيْهِ وَلَا يَنْظُرُ فِي حَاجَتِهِ فَلَقِيَ عُثْمَانَ بْنَ حُنَيْفٍ فَشَكَا ذَلِكَ إِلَيْهِ فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ بْنُ حُنَيْفٍ ائْتِ الْمِيضَأَةَ فَتَوَضَّأْ ثُمَّ ائْتِ الْمَسْجِدَ فَصَلِّ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قُلِ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ" المعجم الصغیر للطبرانی، جلد1، صفحہ 183۔

ترجمہ: ایک شخص حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس ایک کام کے سلسلے میں آیا جایا کرتا تھا اور حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) غالباً کسی مصروفیت کی وجہ سے نہ تو اس کی طرف توجہ فرماتے اور نہ ہی اس کی حاجت براری کرتے۔ وہ شخص حضرت عثمان بن حنیف (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ملا اور اس کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ وضو کی جگہ جاؤ اور وضو کرو، پھر مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ دعا کرو "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ" اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے وسیلہ سے جو نبی الرحمۃ ہیں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

فائدہ: دعا کی جلد قبولیت میں وسیلہ کو بہت دخل ہے، چنانچہ اس روایت کے آخر میں تصریح ہے کہ اس نے ایسا ہی کیا اور دعا کی برکت سے حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس کی تعظیم و تکریم بھی کی اور اسکا کام بھی پورا کر دیا۔"

(اعتکاف کورس، صفحہ59، 60، دار الایمان ، لاہور)

گھمن صاحب نے پوری دعا نہیں لکھی کیونکہ آگے دعا میں لفظ "یا محمد" تھا اور یہ دیوبندی وہابیوں کے نزدیک "یا رسول اللہ" کہنا شرک ہے اس لئے گھمن صاحب نے اپنا عقیدہ نہیں بدلا بلکہ حدیث ہی بدل دی۔ پوری دعا یہ تھی "اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ

وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلَى رَبِّكَ عَزَّ وَجَلَّ فَيَقْضِي لِي حَاجَتِي"

(المعجم الصغیر، باب الطاء، جلد1، صفحہ306، المکتب الإسلامی، بیروت)

آدھی دعا لکھ کر کہنا کہ اس کی برکت سے کام ہو گیا صریح جھوٹ ہے یا نہیں؟

گھمن صاحب کا بُغض اور بہتان بازی

گھمن صاحب ویسے تو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نہ صرف اپنا بلکہ لوگوں کا بھی تزکیہ کرتے ہیں جبکہ گھمن صاحب خصوصاً اعلیٰ حضرت اور اہل سنت کے متعلق خوب دلی بغض کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیدھی اور صحیح بات کو تحریف کے ساتھ پیش کر کے جھوٹ اور بہتان بازی کر کے اپنے بغض کا اظہار کرتے ہیں۔ گھمن صاحب نے ایک کتاب بنام "فرقہ بریلویہ پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ"، لکھی، جس میں احسان الٰہی ظہیر، خالد محمود کی اندھی تقلید میں سب سے پہلے تاریخ میں کھینچ تان کر کے اعلیٰ حضرت کے آباؤ اجداد کو شیعوں کا مددگار ثابت کیا۔ یعنی یہ ثابت کرنا چاہا کہ اعلیٰ حضرت اور ان کے خاندان والے شیعوں سے لگاؤ رکھتے ہیں۔ جبکہ یہ تاریخی جھوٹ ہے۔ اعلیٰ حضرت اور ان کے آباؤ اجداد نے ہمیشہ شیعوں کے عقائد کا رد کیا۔ بلکہ دیوبندیوں کے بڑے مولوی شیعوں کے خلاف اعلیٰ حضرت کے دیئے گئے فتاویٰ کی تعریفیں کرتے ہیں چنانچہ دیوبندی مولوی حسین احمد مدنی کے خلیفہ مجاز قاضی مظہر حسین دیوبندی آف چکوال لکھتے ہیں: "مسلک بریلویت کے پیشوا حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم نے بھی ہندوستان میں فتنہ رفض کے انسداد میں بہت مؤثر کام کیا ہے۔ روافض کے اعتراضات کے جواب میں اصحاب رسول کی طرف سے دفاع کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی۔ بحث ماتم کے درمیان مولانا بریلوی کے فتاویٰ نقل کئے جا چکے ہیں۔ منکرین صحابہ کی تردید میں ردالرفضہ ۔۔۔۔ "رد تعزیہ داری الادلۃ الطاعنہ فی اذان الملاعنہ" وغیرہ آپ کے یادگار رسائل ہیں جن میں سنی شیعہ نزاعی پہلو سے آپ نے مذہب اہلسنت کا مکمل تحفظ کر دیا ہے۔"

(بشارات الدارین صفحہ 529)

مزید گھمن صاحب نے اس کتاب "فرقہ بریلویہ پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ" میں پھر وہی اعلیٰ حضرت کے نام، رنگ، نظر، درد و تکلیف، علم غیب، حاضر و ناظر، اختیارات، نور و بشر، ختم و نیاز، عرس و گنبد، تحریک آزادی وغیرہ میں جھوٹ و بہتان اور تحریفات کا ارتکاب کیا جو کہ احسان الٰہی ظہیر اور خالد محمود مانچسٹر نے کیا تھا اور اس کا تفصیلی جواب فقیر نے اپنی کتاب "وہابی مولوی احسان الٰہی ظہیر کی کتاب البریلویہ کا علمی محاسبہ" میں دیا ہے۔

یہاں گھمن صاحب کے چند بہتانوں کی جھلک پیش کی جاتی ہے:۔

گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''مولانا احمد رضا خاں صاحب ستاروں کے اثرات کے بھی قائل تھے۔''

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ50، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

جبکہ یہ صریح بہتان ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ستاروں کو مؤثر جاننے کو شرک کہا ہے چنانچہ آپ سے سوال کیا گیا کہ کواکب فلکی کے اثرات سعد ونحس پر عقیدت رکھنا کیسا ہے؟ تو آپ علیہ الرحمۃ نے جواب میں ارشاد فرمایا: ''مسلمان مطیع پر کوئی چیز نحس نہیں اور کافروں کے لئے کچھ سعد نہیں اور مسلمان عاصی کے لئے اس کا اسلام سعد ہے۔ طاعت بشرط قبول سعد ہے۔ معصیت بجائے خود نحس ہے اگر رحمت وشفاعت اس کی نحوست سے بچالیں بلکہ نحوست کو سعادت کردیں ﴿اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِھِمْ حَسَنٰتٍ﴾ (یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے۔) بلکہ کبھی گناہ یوں سعادت ہوجاتا ہے کہ بندہ اس پر خائف وترساں وتائب وکوشاں رہتا ہے وہ ڈھل گیا اور بہت سی حسنات مل گئیں۔ باقی کواکب میں کوئی سعادت ونحوست نہیں اگر ان کو خود مؤثر جانے شرک ہے اور ان سے مدد مانگے تو حرام ہے ورنہ ان کی رعایت ضرور خلاف توکل ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 21، صفحہ223، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''یہ بات معروف ہے کہ بریلوی آنحضرت(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اللہ(عزوجل) کے نور ذات کا جزو قرار دیتے ہیں۔''

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ347، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

جبکہ اعلیٰ حضرت(رحمۃ اللہ علیہ) ہرگز اسکے قائل نہ تھے بلکہ اسے کفر کہتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں: ''ہاں عین ذاتِ الٰہی سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ ذاتِ الٰہی ذاتِ رسالت کیلئے مادہ ہے جیسے مٹی سے انسان پیدا ہو، یا عیاذاً باللہ ذات الٰہی کا کوئی حصہ یا کُل ذاتِ نبی ہوگیا۔ اللہ عزوجل حصے اور ٹکڑے اور کسی کے ساتھ متحد ہوجانے یا کسی شئے میں حلول فرمانے سے پاک ومنزہ ہے۔ حضور سید عالم(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خواہ کسی شے کو جزء ذاتِ الٰہی خواہ کسی مخلوق کو عین ونفس ذاتِ الٰہی ماننا کفر ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد30، صفحہ666۔۔، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اعلیٰ حضرت پر بہتان باندھتے ہوئے گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''نقل کفر کفر نہ باشد: مولوی احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں: حضور بے شک احد اور احمد ہیں۔ فتاوٰی رضویہ، جلد6، صفحہ 206، مکتبہ رضویہ، کراچی۔''

(فرقہ سیفیہ کا تحقیقی جائزہ، صفحہ37، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

جبکہ اصل عبارت یہ تھی: ''اگر آیا کی ضمیر حضرت عزت جلالہ کی طرف ہے تو بے شک عوام کا ایسا بکنا صریح کلمہ کفر ہے اور اگر حضور اقدس(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف ہے تو حضور بے شک احد واحمد ہیں(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ دونوں حضور کے

اسمائے طیبہ سے ہیں اور معنی یہ کہ حضور مظہر شان احدیت ہیں تجلی احدیت حضور کی عبدیت میں جلوہ گر ہے۔''

(فتاوی رضویہ، جلد6، صفحہ 306، مکتبہ رضویہ، کراچی)

مزید گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''کفر اسلام کے جھگڑے خدا کے چھپنے سے بڑھے: مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: کفرو اسلام کے جھگڑے تیرے چھپنے سے بڑھے۔ نور العرفان، صفحہ 796۔''

(فرقہ سیفیہ کا تحقیقی جائزہ، صفحہ38، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہ صریح تحریف وبہتان ہے۔ اصل بات یوں تھی کہ قرآن پاک میں ہے ﴿وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور اے محبوب تم نے قرآن پڑھا ہم نے تم پر اور ان میں کہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ کردیا۔ (سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ17، آیت35)

مفتی احمد یار خان نعیمی(رحمۃ اللہ علیہ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''خلاصہ یہ ہے کہ کفار تک آپ(علیہ السلام) کا نور وفیض نہیں پہنچتا، اس لئے وہ ہدایت پر نہیں آتے، اگر یہ آڑ اٹھ جائے اور آپ ان تک پہنچ جائیں تو انہیں ایمان وعرفان سب کچھ مل جائے۔ شعر

کفر واسلام کے جھگڑے تیرے چھپنے سے بڑھے
تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہوجائے''

(تفسیر نور العرفان، صفحہ796، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

ایک جگہ گھمن صاحب کہتے ہیں: ''بشریت کے پردے میں خدا: مولانا احمد رضا خاں کے نزدیک حضور(علیہ السلام) خدا کے نور کا ٹکڑا تھے جو بشریت کے پردے میں زمین پر اترا۔ خاں صاحب لکھتے ہیں:

اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نور باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

پہلے مصرعہ میں یہ بات کہی گئی کہ بشریت کے پردہ میں آپ(علیہ السلام) خدا کے نور ہیں، پردہ اٹھا دیں تو واضح ہوجائے گا کہ آپ خود خدا ہیں۔ (معاذ اللہ)'' (فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 344، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہ صریح بہتان ہے۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ مصنف عبد الرزاق کی حدیث پاک ہے کہ حضور(علیہ السلام) نے خود ارشاد فرمایا کہ اے جابر اللہ(عزوجل) نے سب سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔ اعلیٰ حضرت فرمارہے ہیں کہ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ اپنا دیدار کروادیں کہ آپ کا حجاب میں ہونا نور خدا کا حجاب میں ہونا ہے۔ اگر آپ اپنے جلوے دیکھادیں تو زمانے میں ظلم وجہالت کے جو اندھیرے ہیں وہ آپ کے نور سے ختم ہوجائیں۔ گھمن صاحب نے پتہ نہیں کس شعر کا مطلب ''خود خدا ہیں'' گڑھ لیا اور اتنا بڑا بہتان باندھا۔ اسی طرح گھمن صاحب نے اور بھی کئی بہتان باندھے ہیں جن کو یہاں نقل کرنا فقط صفحے بڑھانا ہے۔

گھمن صاحب اور دھوکہ بازی

گھمن صاحب دھوکہ بازی اور تحریف کرتے ہوئے اکثر اپنی کتب میں لکھتے ہیں: ''حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) روضہ مبارک میں امت کے اچھے اور برے اعمال اجمالی طور پر پیش ہوتے ہیں۔ تحریر الخصائص الکبریٰ للسیوطی، صفحہ 491، جلد 2، وتحریرات حدیث صفحہ 547، وفاء الوفا للسمھودی، جلد 4، صفحہ 180۔''

(صراط مستقیم کورس، صفحہ 57، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

جبکہ اصل حدیث میں اجمالی طور پر پیش ہونے کے الفاظ نہیں ہیں ''أخرج الحارث فی مسنده وابن سعد والقاضی إسماعيل عن بكر بن عبد الله المزنی قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم (حياتی خير لكم وموتی خير لكم تعرض علی أعمالكم فما كان من حسن حمدت الله عليه وما كان من سیء استغفرت الله لكم) وأخرج البزار بسند صحيح من حديث ابن مسعود مثله'' ترجمہ: حارث نے اپنی مسند میں اور ابن سعد وقاضی اسماعیل نے بکر بن عبداللہ مزنی سے روایت کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: میری حیات ووصال تمہارے لئے بہتر ہے۔ تمہارے اعمال میرے پر پیش کئے جائیں گے اگر اچھے ہوں گے تو اللہ عزوجل کی حمد کروں گا اور اگر تمہارے اعمال برے ہوں گے تو تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ امام بزار نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا اس کی مثل ابن مسعود کی حدیث سے۔

(الخصائص الکبری، جلد 2، صفحہ 491، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی، جلد 4، صفحہ 480، بیروت)

حدیث میں اجمالی طور پر اعمال پیش ہونے کا ذکر نہیں لیکن گھمن صاحب اپنا عقیدہ چھپانے کے لئے حدیث ہی کو بدل دیتے ہیں کہ حضور (علیہ السلام) کا حاضر وناظر ہونا کہیں اس حدیث سے ثابت نہ ہوجائے۔ یہ دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے؟ یہاں گھمن صاحب خود دھوکہ دے رہے ہیں اور دوسری طرف خواتین میں وعظ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''دھوکہ دینا مومن کا شیوہ نہیں منافقین کا شیوہ ہے۔ مسلمان کسی مسلمان کو تو کیا کسی کافر کو بھی بلاوجہ دھوکہ نہیں دیتا بلکہ مسلمان تو جانور کو بھی دھوکہ نہیں دیتا۔

مسلمان کی شان کے لائق نہیں ہے وہ دغابازی سے کام لے۔''

(مجالس متکلم اسلام خواتین، صفحہ 80، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

تحریفات اور گھمن صاحب

گھمن صاحب کی ہر کتاب جو اہل سنت کے خلاف ہو جھوٹ وبہتان اور تحریفات سے مزین ہوتی ہے۔ گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا کے بیٹے: مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: بلاتشبیہ یوں سمجھو کہ محبوب فرزند سے باتیں سنتے ہیں۔ شان حبیب الرحمٰن، صفحہ 13۔''

(فرقہ سیفیہ کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 37، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے یہاں تحریف کی۔ پورا کلام مفتی صاحب کا یہ ہے: ''ہماری صفات تم دنیا کو بتاؤ اور فرمایا ﴿اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ اور تمہاری صفات ہم ارشاد فرماتے ہیں کہ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ أَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾ یعنی لا الہ الا اللہ تم کہلواؤ۔ محمد رسول اللہ ہم کہلواتے ہیں۔ یعنی ہم چاہتے ہیں کہ تمہارے منہ سے اپنے اوصاف سنیں تم ہمیں سناؤ ﴿اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ بلاتشبیہ یوں سمجھو کہ محبوب فرزند سے باتیں سنتے ہیں چونکہ اس کی زبان کے لفظ میٹھے اور پیارے معلوم ہوتے ہیں، تو بار بار کہلوا کر سنتے ہیں۔ رب نے اپنے محبوب سے قرآن پڑھوا کرسنا۔'' (شان حبیب الرحمن، صفحہ 4، مکتبہ اسلامیہ، لاہور)

یہاں مفتی صاحب نے کہاں اللہ عزوجل کو معاذ اللہ باپ کہا ہے اور حضور (علیہ السلام) کو بیٹا کہاں کہا ہے؟ بلکہ واضح کہا ہے کہ یہ بلاتشبیہ سمجھو۔ لیکن گھمن صاحب نے اپنی تحریفی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ایسا ثابت کیا ہے۔

گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''پیر صاحب کو انوار رضا کے خصوصی نمبر جلد 2، نمبر 2، شمارہ نمبر 3، صفحہ 18 پر ثانی یوسف قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ مولوی اجمل شاہ بریلوی لکھتے ہیں: اگر یوسف سے صرف حسین مراد لیا جائے تو بھی اہل علم وادب ایک جلیل القدر نبی کا نام پاک ہونے کی وجہ سے اس کو ایسے موقع پر استعمال نہیں کرتے جہاں مظنہ اہانت ہو۔ اگر اپنے لئے یہ گوارا نہیں تو کیا مراتب انبیاء (علیہم السلام) کا ادب اپنے برابر بھی ملحوظ نہیں رکھتے۔

پھر حسین کو یوسف ثانی اس لئے نہیں کہا جاتا کہ حسین کے معنی میں یہ لفظ دوبارہ وضع کیا گیا ہے بلکہ ملحوظ وہی جمال پاک حضرت یوسف (علیہ السلام) ہوتا ہے بے باک لوگ مبالغۃً حسینوں کو حضرت سے تشبیہ دے دیا کرتے ہیں۔ دیکھئے کہا جاتا ہے کہ فلاں رستم وقت ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ لفظ رستم پہلواں کے معنی میں دوبارہ وضع کیا گیا ہے بلکہ اس میں رستم پہلوان کی شجاعت ملحوظ ہوتی ہے۔ الخ۔ ردسیف یمانی، صفحہ 145، 146۔

سنائیے سیفی حضرات! کیا خیال ہے، آپ کے گھر کے جید علماء نے یوسف ثانی یا ثانی یوسف وغیرہ کسی کو کہنا بے ادبی اور مراتب انبیاء کا خیال نہ رکھنے والا وغیرہا کہا ہے تو معلوم ہو گیا کہ سیفی حضرات ادب سے دور اور گستاخ انبیاء ہیں اور یہ سب کچھ آپ نے بریلوی اصولوں کی روشنی میں ملاحظہ فرمایا ہے۔''

(فرقہ سیفیہ کا تحقیقی جائزہ، صفحہ34، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہ عبارت بھی تحریفی ہے۔ حضرت اجمل شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے کسی کو مطلقاً یوسف ثانی کہنے کو بے ادبی نہیں کہا بلکہ بے ادبانہ طور پر کسی چھوٹے کالے غلام کو یوسف ثانی کہنے سے منع کیا ہے جیسا کہ مولوی محمود حسن دیوبندی نے کہا تھا۔ اصل پوری عبارت علامہ اجمل شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) یہ تھی: ''مولوی محمود حسن دیوبندی نے مولوی رشید احمد گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے:

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں

عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

(عبید سود) کا صحیح اردو ترجمہ (کالے غلمٹے) ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ مولوی رشید احمد کی مقبولیت اس مرتبہ کی ہے کہ ان کے یہاں چھوٹے سے چھوٹا کالا غلام بھی یوسف ثانی کا لقب رکھتا ہے۔

اگر یوسف سے صرف حسین مراد لیا جائے تو بھی اہل علم وادب ایک جلیل القدر نبی کا نام پاک ہونے کی وجہ سے اس کو ایسے موقع پر استعمال نہیں کرتے جہاں مظنہ اہانت ہو۔ بلکہ آپ کے طریقہ پر شیطان کے معنی چالاک کے ہو سکتے ہیں تو کیا آپ کو گوارا ہے کہ اس معنی سے آپ کا لقب شیطان ثانی قرار دیا جائے۔ اگر اپنے لئے یہ گوارا نہیں ہے تو کیا مراتب انبیاء (علیہم السلام) کا ادب اپنے برابر بھی ملحوظ نہیں رکھتے ہو۔۔۔''

(رد سیف یمانی، صفحہ145، ادارہ غوثیہ رضویہ، لاہور)

گھمن صاحب اور چوری

گھمن صاحب اپنی کتب میں اکثر دوسرے مولویوں کا مواد نقل کر کے ڈال دیتے ہیں اور کتاب کو اپنی طرف منسوب کر کے اپنی کتب کی تعداد میں اضافہ کر لیتے ہیں، ایسا کرنا عرفاً چوری کہلاتا ہے، آگے آپ ہمارے اس دعوے کی تصدیق بھی دیکھیں گے۔ چونکہ گھمن صاحب خود نقل مارتے ہیں تو انہیں لگتا ہے دوسرے بھی نقل مارنے والے ہیں۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت پر بہتان باندھتے ہوئے گھمن صاحب کئی مترجمین کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت بریلوی نے ان تراجم سے نقل ماری ہے

جہاں ان تراجم کی پیروی نہیں کی وہاں اکثر جگہ ٹھوکر کھائی ہے۔''

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ193، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

ان مترجمین میں گھمن صاحب نے تھانوی کا بھی نام لکھا تھا جبکہ تھانوی صاحب سے پہلے بھی کئی علماء نے قرآن پاک کا ترجمہ کیا تھا، اب گھمن صاحب بتائیں تھانوی نے کس کی نقل ماری تھی؟ گھمن صاحب ہوش کریں! اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کنز الایمان کو پورے برصغیر کے علماء پر فوقیت ہے اور اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان کے ترجمہ کی خوبیوں پر کئی مقالے لکھے گئے ہیں اور دیگر علماء کے تراجم سے کنز الایمان کا تقابل کیا گیا ہے۔

گھمن صاحب آپ خود نقل مارتے ہوئے کئے مرتبہ پکڑے گئے ہیں چند دلائل اس پر پیش خدمت ہیں۔ آپ اپنی کتاب فرقہ بریلویہ میں لکھتے ہیں: ''پارہ 29 نکالئے اس میں دوسری سورۃ ن ہے۔ جس کا نام سورۃ القلم ہے۔ اس کے پہلے رکوع میں ایک کافر کے بارے میں آیت ہے ﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ﴾ درشت خو۔ اس سب پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے صدر الافاضل فائدہ میں لکھتے ہیں: ''یعنی بدگوہر تو اس سے افعال خبیثہ کا صدور کیا عجب۔ مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ولید بن مغیرہ نے اپنی ماں سے جا کر کہا کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے میرے حق میں دس باتیں فرمائیں ہیں نو کو تو میں جانتا ہوں کہ مجھ میں موجود ہیں۔ لیکن دسویں بات اصل میں خطا ہونے کی اس کا حال مجھے معلوم نہیں یا تو مجھے سچ سچ بتادے ورنہ میں تیری گردن ماردوں گا اس پر اس کی ماں نے کہا کہ تیرا باپ نامرد تھا مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ مر جائے گا تو اس کا مال غیر لے جائیں گے تو میں نے ایک چرواہے کو بلا لیا تو اس سے ہے۔''

ترجمہ نگار اور حاشیہ نگار دونوں نے ایسی بات کو ترجیح دی ہے جو برائی کی طرف جائے اور جو کسی کو حرام زادہ کہے وہ اس آیت سے اپنے لئے جواز پیدا کرے۔ یہاں بھی اعلیٰ حضرت کی پیروی میں صدر الافاضل نعیم الدین صاحب کمزور روایات کو اصل قرار دے کر تفسیر لکھی دی ہے۔۔۔

یہاں قرآن پاک میں فوراً ہی زنیم گالی (حرام زادہ) کے معنی میں استعمال کرنا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ تو صرف اعلیٰ حضرت کی دقت نظر یا ذوق سب وشتم کا نتیجہ ہے کہ ترجمہ قرآن تک میں ایسے الفاظ کو داخل کر دیا، جس سے گالی کا جواز نکل سکے۔''

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ155۔۔۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! آپ نے یہ اعتراض خالد مانچسٹر کا چوری کر کے نقل کیا ہے اور خالد مانچسٹر کے اس بے ہودہ اعتراض کا جواب سنی عالم علامہ تبسم شاہ بخاری صاحب نے دیا تھا۔ لیکن گھمن صاحب آپ اس طرح کے اعتراض نقل کرتے رہتے ہیں

اوران کے جوابات کونظر انداز کردیتے ہیں۔

گھمن صاحب! اعلیٰ حضرت نے تو زنیم کا ترجمہ کیا تھا''اصل میں خطا'' یہ بڑا مناسب ترجمہ تھا لیکن آپ کو گالی لگی اور آپ برس پڑے۔ ذرا تھانوی صاحب کا ترجمہ بھی پڑھ لیں وہ لکھتے ہیں:''سخت مزاج ہو (اور) اس (سب) کے علاوہ حرامزادہ (بھی) ہو۔''

(ترجمہ و تفسیر قرآن تھانوی، صفحہ 901، تاج کمپنی، لاہور)

اسی طرح شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے: زنیم کا معنی بعض سلف کے نزدیک ولد الزنا اور حرام زادے کے ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے اس کا ترجمہ بدنسب کیا ہے۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے اس کے ترجمہ وتشریح میں لکھتے ہیں: سوائے ان سب عیبوں کے حرام زادہ ہے یعنی تحقیق نہیں کہ اس کا باپ کون ہے؟

گھمن صاحب! آپ کے بڑوں نے تو ڈائریکٹ حرامزادہ ہی ترجمہ کردیا ہے، اب آپ ان کے بارے میں کیا کہیں گے؟

گھمن صاحب! عتل کا معنی: سخت مزاج، اجڈ، بسیار خور، درشت، جس کا جسم بہت مضبوط ہو اور اس کے اخلاق بہت خراب ہوں، ہیں۔ اسی طرح زنیم کا لفظ بھی بدنام، جو شخص کسی بری شناخت سے معروف ہو اور وہ شخص جو اپنے آپ کو کسی قوم میں شامل کرے اور فی الواقع وہ اس قوم سے نہ ہو، ولد الزنا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں"فی الزنیم أقوال :الأول :قال الفراء :الزنيم هو الدعي الملصق بالقم وليس منهم --- فالحاصل أن الزنيم هو ولد الزنا الملحق بالقوم في النسب وليس منهم، و كان الوليد دعيا في قريش وليس من سنخهم ادعاه بعد ثمان عشرة (ليلة) من مولده .وقيل :بغت أمه ولم يعرف حتى نزلت هذه الآية والقول الثاني :قال :الشعبي هو الرجل يعرف بالشر واللؤم كما تعرف الشاة بزنمتها والقول الثالث :روى عن عكرمة عن ابن عباس قال :معنى كونه زنيما أنه كانت له زنمة في عنقه يعرف بها، وقال مقاتل :كان في أصل أذنه مثل زنمة الشاة" یعنی زنیم کے متعلق متعدد اقوال ہیں: فرّا نے کہا یہ وہ شخص ہے جس کے نسب میں تہمت ہو وہ اپنے آپ کو کسی قوم کے ساتھ ملائے اور وہ ان میں سے نہ ہو۔ حاصل یہ ہے کہ زنیم اس ولد الزنا کو کہتے ہیں جو خود کو کسی قوم کے ساتھ منسوب کرے اور حقیقت میں وہ اس قوم میں سے نہ ہو۔ ولید بن مغیرہ قریش کے نسب میں متہم تھا اور ان کی اصل سے نہ تھا، اس کے باپ نے اس کی پیدائش کے اٹھارہ سال بعد دعویٰ کیا تھا کہ وہ اس کا بیٹا ہے اور بعض نے کہا کہ اس کی ماں ے بدکاری کی تھی مگر

مشہور نہ تھا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسرا شعبی کا قول ہے کہ زنیم وہ شخص ہے جو اپنی برائی اور ملامت میں اس طرح مشہور ہو جیسے بکری اپنے لٹکے ہوئے کان کے ساتھ پہچانی جاتی ہے۔ تیسرا حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے فرمایا: زنیم اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے گلے میں زائد گوشت ہونے کی وجہ سے مشہور ہو اور مقاتل نے فرمایا: زنیم وہ شخص ہے جس کے کان کی جڑ بکری کی طرح ہو۔

(مفاتيح الغيب (التفسير الكبير)، جلد 30، صفحہ 604، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

مفتی نعیم الدین مراد آبادی (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو تفسیر کی ہے اسی طرح کی تفسیر علامہ جمل اور علامہ صاوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی فرمائی ہے۔

گھمن صاحب نے کہا کہ قرآن پاک میں اس طرح کے گالی والا ترجمہ کیسے کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب تو گھمن صاحب کو دے دیا گیا مزید قارئین کو واضح کیا جاتا ہے کہ تراجم میں بے ادبی کا ارتکاب کن سے ہوا ہے؟

قرآن پاک میں حضور یوسف (علیہ السلام) اور زلیخا کے واقعہ کے متعلق ہے ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰبُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾

(سورۃ یوسف، سورۃ 12، آیت 24)

اس آیت کا بے ادبانہ ترجمہ دیوبندیوں نے یوں کیا ہے:۔

اور البتہ عورت نے فکر کیا اس کا اور اس نے فکر کیا عورت کا۔ (ترجمہ: محمود الحسن دیوبندی)

اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انہوں نے اس کا قصد کیا۔ (ترجمہ: فتح محمد جالندھری)

اور اس عورت کے دل میں ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ ہو چکا تھا۔

(ترجمہ: اشرف علی تھانوی)

یہاں دیوبندیوں نے ترجمہ کرتے وقت حضرت یوسف (علیہ السلام) کی شان کا لحاظ نہ رکھا اور ان کے متعلق صاف لکھ دیا کہ معاذ اللہ انہوں نے بھی اس غلط کام کا ارادہ کرلیا تھا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: اور بیشک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔

قارئین مزید آگے چلیں اور گھمن صاحب کی چوری دیکھیں:۔ کہتے ہیں نقل میں بھی عقل چاہئے۔ ایک جگہ گھمن صاحب نے کسی کے نقل مارتے ہوئے کہا:''فتاوٰی رضویہ کی 12 جلدوں کی حقیقت: ہم نے ایک دفعہ فتاوٰی رضویہ مکمل حاصل

کرنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ یہ 12 ضخیم جلدیں کہیں موجود نہیں، اب تک صرف اس کی پانچ جلدیں شائع ہوئی ہیں۔"

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ179، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے یہ ضرور کسی بے وقوف دیوبندی یا وہابی مولوی کا قول چوری کیا ہے کیونکہ گھمن صاحب نے یہ کتاب چند سال ہوئے یعنی 2011 یا 2010 کے قریب لکھی ہے اور فتاوٰی رضویہ کی چھٹی جلد تیسری مرتبہ 2001 میں مکتبہ رضویہ، کراچی سے چھپ چکی ہے۔ جلد 7، 1994ء میں چھپی ہے، جلد 8 دوسری بار 2000ء میں چھپی ہے، جلد 10 دوسری بار 2000ء میں چھپی ہے۔ پھر یہی جلدیں جب رضا فاؤنڈیشن سے تخریج و تراجم میں 30 جلدوں میں چھپیں تو جلد 30، 2005ء میں چھپی ہے۔ یعنی یہ سب گھمن صاحب کی اس کتاب سے کئی سال پہلے کی ہیں اور گھمن صاحب کو یہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملیں، شاید گھمن صاحب آنکھیں بند کر کے ڈھونڈتے رہے ہیں۔ گھمن صاحب کہتے ہیں کہ فتاوٰی رضویہ کی صرف پانچ جلدیں ہیں جبکہ حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ میں انہوں نے صفحہ 59 میں فتاوٰی رضویہ جدید کی 15 ویں جلد کے حوالے دیئے ہیں۔

گھمن صاحب علمِ عقائد میں ناپختہ

گھمن صاحب کو دیوبندی اپنی کم علمی میں متکلم اسلام کہتے ہیں جبکہ گھمن صاحب کی علم عقائد میں کیا حیثیت ہے یہ آپ آگے جان جائیں گے۔ یہاں صرف ان کی ناپختگی کا فقط ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے کہ آپ عام مسلمانوں کو پتہ ہے کہ انبیاء (علیھم السلام) کی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے چونکہ انبیاء ورسل کی تعداد کے متعلق مختلف احادیث وارد ہیں لہٰذا تعداد معین نہ کی جائے۔ مفتی امجد علی اعظمی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: "انبیاء کی کوئی تعداد معین کرنا جائز نہیں کہ خبریں اس باب میں مختلف ہیں اور تعداد معین پر ایمان رکھنے میں نبی کو نبوت سے خارج ماننے یا غیر نبی کو نبی جاننے کا احتمال ہے اور یہ دونوں باتیں کفر ہیں۔ لہٰذا یہ اعتقاد چاہیے کہ اللہ کے ہر نبی پر ہمارا ایمان ہے۔" (بہار شریعت، جلد1، حصہ1، صفحہ52، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

لیکن گھمن صاحب کو اتنے مشہور مسئلہ کا پتہ ہی نہیں اور لکھتے ہیں: "انبیاء اور رسل کی تعداد: نبی زیادہ مبعوث ہوئے ہیں اور رسول کم مبعوث ہوئے ہیں جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے کہ انبیاء کرام (علیھم السلام) کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اور رسولوں کی تعداد تین سو پندرہ ہے۔ مسند احمد، جلد16، صفحہ 260، حدیث نمبر 22189۔"

(اعتکاف کورس، صفحہ34، دار الایمان، لاہور)

گھمن صاحب کو اگر دیگر احادیث کا بھی پتہ ہوتا تو فقط مسند احمد کی حدیث کو لے کر یہ مسئلہ بیان نہ کرتے۔ انبیاء ورسل (علیھم السلام) کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ صحابی رسول حضرت ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی ایک طویل حدیث ہے جسے "کتاب الاربعون حدیثا" میں ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجُرِّیُّ البغدادی (المتوفی 360ھ) نے اور "المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ" میں ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ) نے اور "اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ" میں ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ابی بکر البوصیری الکنانی الشافعی (المتوفی 840ھ) نے اور حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء میں ابونعیم احمد بن عبد اللہ الاصبھانی (المتوفی 430ھ) نے روایت کیا کہ حضرت ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے حضور (علیہ السلام) کی بارگاہ میں عرض کی "يا رسول الله كم الأنبياء؟ قال: مائة ألف وأربعة وعشرون ألفا، قلت: يا رسول الله كم الرسل؟ قال: ثلاثمائة وثلاثة عشر جما غفيرا، قلت: كثير طيب، قلت: يا رسول الله من كان أولهم؟ قال: آدم، قلت: يا رسول الله أنبي مرسل؟ قال: نعم، خلقه الله بيده، ونفخ فيه من روحه، ثم سواه قبلا. وقال أحمد بن أنس: ثم كلمه قبلا، ثم قال: يا أبا ذر أربعة سريانيون: آدم، وشيث، وخنوخ وهو إدريس وهم أول من خط بالقلم، ونوح. وأربعة من العرب: هود، وصالح، وشعيب، ونبيك يا أبا ذر قال: قلت: يا رسول الله كم كتاب أنزله الله تعالى؟ قال: مائة كتاب وأربعة كتب، أنزل على شيث خمسون صحيفة، وأنزل على خنوخ ثلاثون صحيفة، وأنزل على إبراهيم عشر صحائف، وأنزل على موسى قبل التوراة عشر صحائف، وأنزل التوراة والإنجيل والزبور والفرقان" ترجمہ: یارسول اللہ! انبیاء (علیھم السلام) کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! رسول کتنے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تین سو تیرہ جم غفیر ہیں۔ میں نے کہا: بہت اچھے ہیں۔ میں نے کہا یارسول اللہ! پہلا نبی کون ہے؟ آپ نے فرمایا: حضرت آدم (علیہ السلام) میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا وہ نبی مرسل ہیں؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دست قدرت سے پیدا اور ان میں اپنی پسندیدہ روح پھونکی۔ پھر ان کو اپنے سامنے بنایا اور احمد بن انس نے کہا کہ پھر (اللہ (عزوجل) نے) ان (حضرت آدم (علیہ السلام)) کے سامنے ان سے کلام کیا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے ابوذر! چار نبی سریانی ہیں: آدم، شیث اور خنوخ، یہ ادریس ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے خط کھینچا اور نوح اور چار نبی عربی ہیں: ہود، صالح، شعیب اور تمہارے نبی (علیھم السلام)۔ اے ابوذر۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم)! اللہ نے کتنی کتابیں نازل کیں؟ آپ نے فرمایا: سو صحیفے اور چار کتابیں۔ شیث پر پچاس صحیفے نازل کئے گئے، خنوخ پر تیس صحیفے نازل کئے گئے، ابراہیم پر دس صحیفے نازل کئے گئے اور موسیٰ پر تورات سے پہلے دس صحیفے نازل کئے گئے اور تورات، انجیل، زبور اور فرقان کو نازل کیا گیا۔

(حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء ،أبو ذر الغفاری ومنهم العابد الزهید۔۔جلد1،صفحہ167،دار الکتاب العربی ،بیروت)

اس حدیث میں انبیاء(علیهم السلام) کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اور رسل کی تعداد تین سو تیرہ ہیں جبکہ بقیہ احادیث میں کچھ یوں ہے۔ موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان میں ابوالحسن نورالدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی (التوفی 807ھ) نے اور صحیح ابن حبان میں محمد بن حبان (التوفی 354ھ) نے نقل کیا"یا رسول الله کم الأنبیاء قال مائة ألف وعشرون ألفا قلت یا رسول الله کم الرسل من ذلك قال ثلاث مائة وثلاثة عشر جما غفیرا "ترجمہ: یارسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کتنے انبیاء(علیهم السلام) ہیں؟ فرمایا: ایک لاکھ بیس ہزار۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان میں کتنے رسول ہیں؟ فرمایا: تین سو تیرا جم غفیر ہیں۔

(الإحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، ذکر الاستحباب للمرء ۔۔،جلد2،صفحہ77،مؤسسة الرسالة، بیروت)

مسند البزار المنشور باسم البحر الزخار میں ابوبکر احمد بن عمرو المعروف بالبزار (التوفی 292ھ) نے ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی حدیث پاک نقل کی"یا رسول اللہ کم الأنبیاء ؟ قال:ثلاث مائة وخمسة عشر جم غفیر"ترجمہ: یارسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کتنے انبیا(علیهم السلام) ہیں؟ فرمایا: تین سو پندرہ جم غفیر ہیں۔

(مسند البزار،مسند أبی ذر الغفاری رضی الله عنه،جلد9،صفحہ426،مکتبة العلوم والحکم ،المدینة المنورة)

مسند الشامیین میں سلیمان بن احمد بن ایوب ابوالقاسم الطبرانی (التوفی 360ھ) ابوذر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی حدیث پاک روایت کرتے ہیں"یا رسول الله کم الأنبیاء ؟ قال :جما غفیرا ثلاث مائة وثلاثة عشر"ترجمہ: یارسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کتنے انبیاء(علیهم السلام) ہیں؟ فرمایا: تین سو تیرا جم غفیر ہیں۔

(مسند الشامیین،معاویة عن أبی عبد الملك، جلد3،صفحہ154،مؤسسة الرسالة،بیروت)

إتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة میں ابوالعباس شہاب الدین احمد بن ابی بکر البوصیری الکنانی الشافعی (التوفی 840ھ) نقل کرتے ہیں"عن أنس بن مالك رضی الله عنه قال :قال رسول الله صلی الله علیه وسلم بعث الله ثمانیة آلاف نبی :أربعة آلاف إلی بنی إسرائیل وأربعة آلاف إلی سائر الناس "ترجمہ:حضرت انس بن مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: اللہ(عزوجل) نے آٹھ ہزار انبیاء(علیهم السلام)

مبعوث فرمائے۔ چار ہزار بنی اسرائیل کی طرف اور چار ہزار تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمائے۔

(إتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة، کتاب علامات النبوة،باب فی عدد الأنبیاء، جلد7،صفحہ134،دار الوطن ، الریاض)

چونکہ احادیث اس بارے میں مختلف ہیں، اس لئے حق وہی ہے جو علمائے اہل سنت نے فرمایا کہ انبیاء(علیهم السلام) کی تعداد کو معین نہ کیا جائے جیسا کہ المسامرة بشرح المسایرة میں ہے۔

گھمن صاحب کی قرآن وتفسیر کے علم میں کمزوری

گھمن صاحب کو قرآن اور تفسیر کا علم نہیں یہی وجہ ہے کہ اپنی کم علمی میں اعلیٰ حضرت اور مفتی نعیم الدین مرادآبادی (رحمۃ اللہ علیہ) پر انتہائی جاہلانہ اعتراض کرکے اپنے علم کا تماشہ کیا ہے۔ ترجمہ کنز الایمان کے متعلق اپنا بغض نکالتے ہوئے گھمن صاحب لکھتے ہیں:" ناظرین فرقہ بریلویہ جس ترجمہ کو سب سے صحیح ترین ترجمہ کہتے ہیں ہم مثال کے طور پر اس کی چند غلطیاں آپ کو دکھاتے ہیں: حسب ذیل تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ خاں صاحب اور صدرالافاضل دونوں کا یہ عقیدہ تھا کہ وحی الٰہی اور شیطان کی بولی ایک ہوجاتی تھی۔ دیکھیں قرآن پاک میں سورۃ حج کی آیت 52 رکوع 7 پارہ 17﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓی﴾ اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے سب پر کبھی یہ واقعہ گزرا ہے کہ جب انہوں نے پڑھا﴿اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ﴾ تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ

اس کے شان نزول میں صدرالافاضل منظر کشی کرتے ہوئے مزید وضاحت فرماتے ہیں:"جب سورہ والنجم نازل ہوئی تو سید عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مسجد حرام میں اس کی تلاوت فرمائی اور بہت آہستہ آہستہ آیتوں کے درمیان وقفہ فرماتے ہوئے جس سے سننے والے غور بھی کرسکیں اور یاد کرنے والوں کو یاد کرنے میں مدد بھی ملے، جب آپ نے آیت" وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی " پڑھ کر حسب دستور وقفہ فرمایا تو شیطان نے مشرکین کے کان میں اس سے ملا کر دو کلمے ایسے کہہ دیئے جن سے بتوں کی تعریف نکلتی تھی، جبریل امین نے سید عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ حال عرض کیا اس سے حضور کو رنج ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلّی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔"

اس ترجمہ اور تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی جو مدار ایمان ہے شیطان اس میں ملاوٹ کرسکتا تھا اور وہ معاذ اللہ کبھی کبھی غیر محفوظ ہوجاتی تھی۔ یا پہلے غیر محفوظ ہوتی تھی۔ پھر اصلاح ونسخ کے بعد وہ درست کی جاتی تھی اور یہ اعتقاد خلاف اسلام عصمت

وحی اور حرمت قرآنی کے منافی ہے۔ کیا کنز الایمان پڑھنے والوں کا ایمان سلامت رہے گا؟ اگر یہ جھوٹی روایت لکھنی ہی تھی تو پہلے تفسیر تو صحیح لکھ دی ہوتی۔ پھر لکھ دیتے کہ بعض لوگوں نے یہ روایت بھی بیان کی ہے جو غلط ہے۔ لیکن انہوں نے غلط صحیح کی تمیز کئے بغیر صرف غلط ہی روایت پر مدار رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں علم حدیث پر دسترس نہ تھی اور ایسے آدمی کو نہ ترجمہ کرنا چاہئے نہ تفسیر۔

ہم بالکل صحیح بات کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں ایسی ایسی خامیاں ہیں کہ جن سے ایمان واسلام اور وحی الٰہی سب کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔" (فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 149، 150 ،مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے یہ بات بغیر تفاسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے کہہ دی ہے اگر ذرا تکلف کر کے تفاسیر کھول کر دیکھ لیتے تو انہیں پتہ چل جاتا کہ اس آیت کی تفسیر میں جمہور مفسرین نے یہی فرمایا ہے جو مفتی نعیم الدین مراد آبادی (رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض نے کہا کہ حضور (علیہ السلام) کی زبان سے شیطان نے یہ الفاظ ادا کروائے تھے۔ جمہور مفسرین نے اس روایت کو باطل، من گھڑت، موضوع کہا کیونکہ شیطان کے القاء کی وجہ سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان اقدس سے کسی بات کا ادا ہونا وہ بھی بوقت تبلیغ وحی محال ہے۔ اگر ایسا ہو تو شریعت پر سے اعتماد ہی اٹھ جائے گا جیسا کہ امام فخر الدین رازی، طیبی، ابن عربی، وبیہقی، قاضی عیاض مالکی، شیخ محقق وغیرہم نے اپنی کتب میں بیان کیا ہے۔ مزید علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت از روئے نقل صحیح ثابت ہو بھی جائے تو اس کا مطلب یہی لیا جائے گا کہ چونکہ حضور (علیہ السلام) ہر آیت کے بعد وقفہ کیا کرتے تھے تو جب آپ (علیہ السلام) نے وقفہ کیا تو شیطان نے کفار کی طرف القاء کرتے ہوئے چند کلمات اس طرح کہہ دیئے کہ جس سے ان کو لگا کہ یہ حضور نے کہیں ہیں۔ یعنی روایت میں موجود لفظ "علی لسانہ" کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ یہ لفظ حضور کی زبان سے ادا ہوئے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ حضور کی زبان سے جس طرز پر کلمات ادا ہوتے تھے کفار کو دھوکہ دینے کے لئے اس طرح شیطان نے کہے، اور یہ الفاظ بھی صرف کفار نے سنے تھے۔ اور جن علماء نے اس روایت کو بیان کیا ہے ان کے نزدیک بھی اس روایت کا یہی مطلب ہے چنانچہ مشہور محدث وفقیہ حضرت علامہ ملا علی قاری (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں "ومعنی قولہ :ألقی الشیطان علی لسانه، أی :ألقی الشیطان تلك الكلمات علی منوال لسانه وحكاية صوته عليه السلام فإن الشيطان ليس له قوة الإلقاء، ولا قدرة الإغواء على سيد الأنبياء وسند الأصفياء .....ثم

اعلم أن هذه القصة ردها غير واحد، منهم الطيبى، والبيضاوى لكن الشيخ ابن حجر فى شرح البخارى أطال فى ثبوتها، ثم قال :وأحسن ما قيل فى التأويل أن الشيطان ألقى ذلك فى سكتة من سكتاته، ولم يفطن لها عليه السلام وسمعها غيره فأشاعها، قلت :الظاهر أن الكافرين هم السامعون ....قال صاحب المدارك :إجراء الشيطان ذلك على لسانه عليه السلام جبرا بحيث لم يقدر على الامتناع عنه ممتنع ;لأن الشيطان لا يقدر على ذلك فى حق غيره لقوله تعالى ﴿إن عبادى ليس لک عليهم سلطان﴾ ففى حقه بالأولى؛ والقول بأنه جرى ذلك على لسانه سهوا أو غفلة مردود أيضا ;لأنه لا يجوز مثل هذه الغفلة عليه، سيما فى حال تبليغ الوحى، ولو جاز لبطل الاعتماد على قوله، ثم اختار التأويل الذى ذكره الشيخ ابن حجر ثم قال كان الشيطان يتكلم فى زمن النبى -صلى الله عليه وسلم -ويسمع كلامه، فقد روى أنه نادى يوم أحد :ألا إن محمدا قد قتل، وقال يوم بدر ﴿لا غالب لكم اليوم من الناس﴾ (رواہ البخاری)" ترجمہ: القی الشیطان علی لسانہ کا مطلب ہے کہ شیطان نے وہ کلمات حضور (علیہ السلام) کی زبان اقدس کی طرز پر اور آپ کی آواز کی حکایت کرتے ہوئے بولے کیونکہ شیطان کو سید الانبیا و سند الاصفیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف القاء کرنے اور حضور کو معاذ اللہ گمراہ کرنے کی قوت و استطاعت ہی نہیں ہے۔ اور اس قصے کو کئی علماء مثلاً طیبی، بیضاوی وغیرہ نے رد کیا ہے، لیکن شیخ ابن حجر نے اس کے ثبوت میں لمبا کلام کیا ہے اور پھر کہا ہے کہ اس روایت کا سب سے بہترین مطلب یہ ہے کہ حضور (علیہ الصلوۃ والسلام) تلاوت کے دوران جب خاموش ہوئے تو اس وقت شیطان نے یہ کلمات کہے جس کی خبر آپ (علیہ السلام) کو نہ ہوئی اور آپ کے علاوہ دیگر نے یہ بات سنی اور مشہور کر دی۔ (ملا علی قاری مزید فرماتے ہیں) ظاہر یہ ہے کہ جنہوں نے یہ بات سنی وہ کفار تھے۔ صاحب مدارک فرماتے ہیں: شیطان کا حضور (علیہ السلام) کی زبان سے جبراً یہ الفاظ جاری کروا دینا یوں کہ حضور اس سے رکنے پر قادر ہی نہ ہوں یہ محال ہے کیونکہ شیطان کو ایسی قدرت حضور کے علاوہ کسی اور پر بھی حاصل نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو نہیں۔" تو حضور پر بدرجہ اولیٰ حاصل نہیں۔ اور یہ بات کہ یہ کلمات حضور کی زبان پر بطور سہو یا غفلت کے ادا جاری ہو گئے تھے تو یہ بھی مردود ہے کیونکہ اس طرح کی غفلت وہ بھی خاص تبلیغِ وحی کی حالت میں کبھی بھی جائز نہیں ہو سکتی اگر یہ جائز ہو جائے تو پھر حضور کی باتوں سے اعتماد ہی اٹھ جائے۔ اس کے بعد صاحب مدارک نے اس تاویل کو اختیار فرمایا جو شیخ ابن حجر نے ذکر کی تھی اور پھر فرمایا: شیطان حضور (علیہ السلام) کے زمانے میں کلام کیا کرتا تھا اور اس کا کلام سنائی بھی دیتا تھا جیسا کہ مروی ہے کہ جنگ احد کے

دن اس نے یہ پکارا تھا کہ ''خبردار! محمد شہید ہو گئے ہیں۔'' (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جنگ بدر کے دن اس نے پکارا تھا کہ ''آج لوگوں میں سے کوئی بھی تم پر غالب نہ آئے گا۔'' اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

(مرقاۃ، کتاب الصلوۃ، باب سجود القرآن، جلد2، صفحہ810، دار الفکر، بیروت)

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں ''وقيل كان النبي صلى الله عليه وسلم يرتل القرآن فارتصده الشيطان في سكتة من السكتات ونطق بتلك الكلمات محاكيا نغمته بحيث سمعه من دنا إليه فظنها من قوله وأشاعها قال وهذا أحسن الوجوه ويؤيده ما تقدم في صدر الكلام عن بن عباس من تفسير تمنى بتلا وكذا استحسن بن العربي هذا التأويل وقال قبله إن هذه الآية نص في مذهبنا في براءة النبي صلى الله عليه وسلم مما نسب إليه قال ومعنى قوله في أمنيته أي في تلاوته فأخبر تعالى في هذه الآية أن سنته في رسله إذا قالوا قولا زاد الشيطان فيه من قبل نفسه فهذا نص في أن الشيطان زاده في قول النبي صلى الله عليه وسلم لا أن النبي صلى الله عليه وسلم قاله قال وقد سبق إلى ذلك الطبري لجلالة قدره وسعة علمه وشدة ساعده في النظر فصوب على هذا المعنى'' یعنی بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ترتیل کے ساتھ (یعنی ٹھہر ٹھہر کر) تلاوت کیا کرتے تھے۔ شیطان ایک سکتہ کے وقت موقع پا کر یہ کلمات حضور کی آواز کی حکایت کرتے ہوئے یوں کہہ دیئے کہ قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے اسے سنا اور یہ سمجھا کہ یہ کلمات حضور (علیہ السلام) نے کہے ہیں پھر اس کو مشہور کر دیا۔ روایت کے جتنے معنی بیان کئے گئے ہیں ان میں سے سب احسن یہی ہے۔ اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو شروع کلام میں حضرت ابن عباس کے حوالے سے بیان ہوئی جس میں انہوں نے لفظ '' تمنى '' کی تفسیر لفظ '' تلا'' (انہوں پڑھا یا تلاوت کی) سے کی ہے۔ یونہی اس تاویل کو ابن عربی نے مستحسن قرار دیا ہے اور اس سے پہلے کہا ہے کہ یہ آیت ہمارے موقف کے بارے میں نص (واضح دلیل) ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف جو (شیطان کے القاء والی غلط) بات منسوب کی گئی ہے حضور اس سے منزہ و پاک ہیں۔ اور اللہ (عزوجل) کے فرمان '' في أمنيته '' کا مطلب ''في تلاوته'' ہے۔ تو اس آیت میں اللہ (عزوجل) نے بیان کیا ہے کہ اپنے رسولوں کے بارے میں اس کی سنت رہی ہے کہ جب انہوں کوئی بات کہی تو شیطان نے اس میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیا تو یہ چیز اس بات میں واضح کرتی ہے کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بات میں وہ کلمات شیطان نے اضافہ کر دیئے تھے حضور نے وہ الفاظ ہرگز ادا نہیں کئے تھے۔ اور ابن عربی مزید فرماتے ہیں سب سے پہلے اس بات کو امام طبری نے بیان کیا ہے حالانکہ ان کی قدر و منزلت، وسعت علمی اور غور و فکر میں ان کی پختگی مسلمہ ہونے کے باوجود انہوں نے اس معنی کے اعتبار سے

درست قرار دیا ہے۔

(فتح الباری، جلد8، صفحہ440، دار المعرفۃ، بیروت)

ثابت ہوا کہ صدر الافاضل سید نعیم الدین مرادآبادی (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی اس آیت کی تفسیر میں جمہور کا مذہب ہی اختیار کیا۔ گھمن صاحب کی کم علمی ملاحظہ ہو کہ وہ اسے ہی موضوع روایت کہہ رہے ہیں اور زبردستی اس صحیح مؤقف کو وحی کے حق میں غیر صحیح کہہ رہے ہیں، ان کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ اس مؤقف میں وحی کے حقانیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا جیسا کہ اوپر علمائے اسلاف نے ثابت کیا ہے۔

مزید گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''دوسری آیت: دیکھئے تیئیسویں پارہ میں سورۃ ص نکالئے اس کے دوسرے رکوع میں ہے ﴿إِنَّ هٰذَآ أَخِىْ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّ لِىَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ﴾ بے شک یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی۔

اس کی تفسیر میں صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں: ''یہاں جو صورت مسئلہ ان فرشتوں نے پیش کی اس سے مقصود حضرت داؤد (علیہ السلام) کو توجہ دلانا تھی اس امر کی طرف جو انہیں پیش آیا تھا اور وہ یہ تھا کہ آپ کی ننانوے بیبیاں تھیں اس کے بعد آپ نے ایک اور عورت کو پیام دے دیا جس کو ایک مسلمان پہلے سے پیام دے چکا تھا لیکن آپ کا پیام پہنچنے کے بعد عورت کے اعزہ و اقارب دوسرے کی طرف التفات کرنے والے کب تھے آپ کے لئے راضی ہو گئے اور آپ سے نکاح ہو گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس مسلمان کے ساتھ نکاح ہو چکا تھا آپ نے اس مسلمان سے اپنی رغبت کا اظہار کیا اور چاہا کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دے دے وہ آپ کے لحاظ سے منع نہ کر سکا اور اس نے طلاق دے دی آپ کا نکاح ہو گیا۔''

اور دنبی (یعنی آیت میں نعجہ کا لفظ) ایک کنایہ تھا جس سے مراد عورت تھی کیوں کہ ننانوے عورتیں آپ کے پاس ہوتے ہوئے ایک اور عورت کی آپ نے خواہش کی تھی اس لئے دنبی کے پیرایہ میں سوال کیا گیا۔ جب آپ نے یہ سمجھا۔

اب آپ فرمائیے کہ انبیاء کے بارے میں اسرائیلیات کی ایسی مکروہ اور غلط باتیں لکھنے کی جگہ قرآن پاک کا حاشیہ ہی رہ گیا تھا اور کیا ان باتوں سے عصمت انبیاء مجروح نہیں ہوئی۔ اس غلط تفسیر کی تعریف جائز ہے۔ اور ان کی تعریف کی وجہ سے جو مسلمان اس تفسیر کو پڑھے گا وہ گمراہ نہ ہوگا؟''

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ150، 151، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! آپ نے پھر اپنی کم علمی کا سرٹیفکیٹ دیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں علمائے کرام کے مختلف اقوال ہیں جسے مختصر پیش کیا جا رہا ہے (حالانکہ پہلے ان جزئیات کو بحوالہ لکھ دیا تھا لیکن صفحے زیادہ ہو جانے کی وجہ سے جزئیات کو ختم کر کے

مختصر تعارف کروایا ہے):۔

(1) علماء کی ایک تعداد ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ ایک شخص ''اوریا'' نامی تھا اس کی بیوی ''تشایع''، تھی۔حضرت داؤد علی(علیہ السلام) کو یہ عورت پسند آئی اور آپ اس کے شوہر کو جہاد میں بھیجتے رہے یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے تو حضرت داؤد (علیہ السلام) نے اس عورت کی عدت کے بعد اس نے نکاح کر لیا۔اس موقف میں جید صحابہ و تابعین بھی ہیں اور ابن جوزی نے ان علماء میں ابن عباس، حضرت حسن بصری، حضرت قتادہ، حضرت سدی، وہب کا نام ذکر کیا ہے۔الکشف والبیان میں ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی النیسابوری نے تفسیر مقاتل بن سلیمان میں ابوالحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر الأزدی بالولاء البلخی، معالم التنزیل میں محیی السنۃ، ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی نے اسے سدی کے حوالے سے لکھا ہے۔

علمائے کرام نے اس روایت کو اسرائیلی کہا کہ نبی (علیہ السلام) کی یہ شان نہیں کہ وہ اس طرح کریں۔انہوں نے اس کے تحت فرمایا کہ کسی نے اس عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا اور حضرت داؤد (علیہ السلام) نے نکاح کے پیغام پر پیغام دیا تھا اور ایسا کرنا ان میں جائز تھا چنانچہ معالم التنزیل میں محیی السنۃ، ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی نے "تفسیر الخازن المسمی لباب التأویل فی معانی التنزیل" میں علاء الدین علی بن محمد بن إبراہیم البغدادی الشہیر بالخازن نے یہی فرمایا ہے۔

بعض علماء نے یوں فرمایا کہ وہ کسی کے نکاح میں تھی اور حضرت داؤد (علیہ السلام) کو وہ پسند آ گئی تو انہوں نے اس کے شوہر سے کہا تم اسے چھوڑ دو انہوں نے آپ کے کہنے پر چھوڑ دیا اور آپ نے نکاح کر لیا اور یہ بھی ان میں شرعاً جائز تھا۔امام فخر الدین رازی (رحمۃ اللہ علیہ) نے پہلے اس مسئلہ پر تفصیلی رد کیا کہ حضرت داؤد (علیہ السلام) ایسا نہیں کر سکتے کہ کسی کے شوہر کو شہید کروائیں، آخر میں فرماتے ہیں "فنقول فی كيفية هذه القصة على هذا التقدير وجوه الأول :أن هذه المرأة خطبها أوريا فأجابوه ثم خطبها داود فآثره أهلها، فكان ذنبه أن خطب على خطبة أخيه المؤمن مع كثرة نسائه ---الثالث :أنه كان أهل زمان داود عليه السلام يسأل بعضهم بعضا أن يطلق امرأته حتى يتزوجها و كانت عادتهم في هذا المعنى مألوفة معروفة أوى أن الأنصار كانوا يساوون المهاجرين بهذا المعنى فاتفق أن عين داود عليه السلام وقعت على تلك المرأة فأحبها فسأله النزول عنها فاستحيا أن يرده ففعل وهي أم سليمان فقيل له هذا وإن كان جائزا في ظاهر الشريعة، إلا أنه لا يليق بك، فإن حسنات الأبرار سيئات المقربين---لم يلزم في حق داود عليه السلام إلا ترك الأفضل و الأولى" یعنی ہم اس قصہ کے متعلق درج ذیل توجیہات بیان کرتے ہیں: اس

عورت کو ''اوریا'' نے نکاح کا پیغام دیا تھا اور عورت نے قبول کر لیا تھا پھر حضرت داؤد (علیہ السلام) نے بھی نکاح کا پیغام دے دیا تو اس عورت کے گھر والوں نے حضرت داؤد (علیہ السلام) کی تعظیم میں اسے قبول کر لیا۔تو یہ خطا تھی بھائی کے پیغام پر پیغام بھیجنے کی جبکہ حضرت داؤد (علیہ السلام) کی پہلے ہی کثیر بیویاں تھیں۔حضرت داؤد (علیہ السلام) کے زمانہ میں رائج تھا کہ ایک دوسرے کو کہتا تھا کہ تو اپنی بیوی کو طلاق دیدے تا کہ وہ خود بعد میں اس سے نکاح کر لے جیسا کہ انصار صحابہ کرام (علیہم الرضوان) نے مہاجرین صحابہ کرام کے لئے ایسا کیا تھا۔حضرت داؤد (علیہ السلام) کو یہ عورت پسند آئی تو آپ نے اس کے شوہر سے کہا کہ اسے طلاق دیدو، اس مرد نے حضرت داؤد (علیہ السلام) کا ادب کرتے ہوئے اس عورت کو طلاق دیدی اور حضرت داؤد (علیہ السلام) نے بعد میں اس سے نکاح کر لیا اور وہ عورت حضرت سلیمان (علیہ السلام) کی والدہ بنی۔کہا گیا کہ یہ فعل اگرچہ ان کی شریعت میں جائز تھا لیکن حضرت داؤد (علیہ السلام) کی شایانِ شان نہ تھا۔بے شک نیکوکاروں کی نیکیاں مقربین کی خطائیں ہوتی ہیں۔تو اس مسئلہ میں حضرت داؤد (علیہ السلام) نے فقط افضل کا ترک کیا (نہ کہ کوئی گناہ کیا۔)

(التفسیر الکبیر، جلد26، صفحہ380، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

مفتی نعیم الدین مرادآبادی کا اگلا کلام یہ تھا: ''اور اس زمانہ میں ایسا معمول تھا کہ اگر کسی شخص کو کسی عورت کی طرف رغبت ہوتی تو اس سے استدعا کر کے طلاق دلوالیتا اور بعدِ عدت نکاح کر لیتا، یہ بات نہ تو شرعاً ناجائز ہے نہ اس زمانہ کے رسم و عادت کے خلاف لیکن شانِ انبیاء بہت ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے اس لئے یہ آپ کے منصبِ عالی کے لائق نہ تھا تو مرضیِ الٰہی یہ ہوئی کہ آپ کو اس پر آگاہ کیا جائے اور اس کا سبب یہ پیدا کیا کہ ملائکہ مدعی اور مدعا علیہ کی شکل میں آپ کے سامنے پیش ہوئے۔''

پتہ چلا کہ مفتی صاحب کی یہ تفسیر بھی صحیح محققین کے مؤقف پر تھی لیکن گھمن صاحب اپنی کم علمی میں مفتی صاحب پر برس پڑے۔دوسرا یہ کہ بڑے بڑے مفسرین سے اس طرح کی خطا ہو جاتی ہے کہ ایک مسئلہ میں دو مؤقف ہوتے ہیں اور وہ غیر صحیح مؤقف کو نقل کر دیتے ہیں بلکہ محدثین بھی غلطی سے موضوع حدیث لکھ دیتے ہیں، اب کیا اس ایک دو غلطیوں کی وجہ سے ان پر طعن و تشنیع کرنا اور انہیں کم علم کہنا جائز ہوگا؟ گھمن صاحب! آپ نے مفتی نعیم الدین مرادآبادی پر حضرت داؤد (علیہ السلام) والے واقعہ کے متعلق اعتراض کیا ہے جبکہ آپ خود اپنے مواعظ میں کہتے ہو: ''پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کا تذکرہ کیا کہ کتنی پاک دامن عورت ہے۔''

(مجالس متکلم اسلام خواتین، صفحہ24، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب آپ حضرت مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے نام کے ساتھ (علیہا السلام) لکھا ہے جبکہ غیر نبی کے ساتھ درود و سلام لکھنے کے متعلق دو روایتیں ہیں اور جمہور کے نزدیک یہ ناجائز ہے۔کنز العمال میں حضرت ابن عباس (رضی اللہ

تعالیٰ عنه) سے اس کی ممانعت ثابت ہے بلکہ النبر اس میں اس کے ناجائز ہونے کی صراحت ہے "لا یجوز التصلیة والتسلیم علی غیر الانبیاء استقلالا عند المحققین من اهل السنة " ترجمہ: محققین علماء اہلسنت کے نزدیک غیر نبی کے ساتھ استقلالا درودو سلام جائز نہیں۔

(النبراس شرح عقائد ، صفحہ 7، مکتبہ حقانیہ، ملتان)

ردالمختار، مجمع الانہر میں بھی اسے ناجائز کہا گیا ہے۔

گھمن صاحب نے ایک کتاب "کنزالایمان کا تحقیقی جائزہ" لکھی۔ یہ پوری کتاب قابلِ رد ہے جس میں اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) اورخزائن العرفان اور نورالعرفان پر اپنی کم علمی میں اوپر مذکورہ اور مزید اعتراضات کئے جیسے قرآن پاک کی آیت ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾

(سورة الاحزاب، سورة33، آیت45)

اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضروناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

گھمن صاحب اس پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس میں کئی طرح سے کلام ہے ایک تو "النبی" کا ترجمہ غلط کیا اور دوسرے شاہد کا ترجمہ۔"

(کنزالایمان کا تحقیقی جائزہ، صفحہ55 ، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب نے اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کو اپنی جہالت میں غلط کہا۔ گھمن صاحب کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ "نبی" کا معنیٰ غیب کی خبریں بتانے والا ہوتا ہے چنانچہ " المنجد "میں نبی کا معنیٰ لکھا ہے: "اللہ تعالیٰ کے الہام سے غیب کی باتیں بتانے والا، آئندہ کی پیشین گوئی کرنے والا، خدا کی طرف سے پیغامبر۔"

(المنجد، صفحہ 871، خزینہ علم وادب، لاہور)

امام قسطلانی " مواهبِ لدنیه" شریف میں فرماتے ہیں "النبوة التی هی الاطلاع علی الغیب "ترجمہ: نبوت کے معنیٰ ہی یہ ہیں غیب جاننا۔

(المواهب اللدنیه، المقصد الثانی ، الفصل الاول ، جلد1 ، صفحہ469، المكتبة التوفيقية، القاهرة)

مزید نبی (صلی الله علیه وآله وسلم) کے اسم مبارک نبی کے بیان میں فرمایا "النبوأة ماخوذة من النباء وهو الخبر ای ان الله تعالى اطلعه على غيبه " ترجمہ: حضور کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اپنے غیب کا علم دیا۔

(المواهب اللدنیه، المقصد الثانی ، الفصل الاول ، جلد1 ، صفحہ468، المكتبة التوفيقية، القاهرة)

لفظ "شـــاهـــد" کا معنیٰ حاضروناظر کرنا نہ صرف صحیح ہے بلکہ مفسرین نے بھی یہی تفسیر فرمائی ہے۔ امام راغب اصفہانی (رحمة الله عليه) لفظِ " شاهد " کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہے "الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة " یعنی شہود اور شہادت کے معنیٰ ہیں حاضر ہونا مع ناظر ہونے کے، بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے

ساتھ۔ (اور گواہ کو بھی شاہد اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ مشاہدے کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے۔)

(مفردات امام راغب، صفحہ517)

لسان العرب میں ہے "أی أحضر سمعه وقلبه شاهد لذلك غير غائب عنه وفي حديث علي، عليه السلام وشهيدك على أمتك يوم القيامة" ترجمہ: شاہد کے معنیٰ ہیں کہ جس کی سماعت وقلب حاضر ہوں غائب نہ ہوں۔ حضرت علی (رضی الله تعالیٰ عنه) کی حدیث پاک ہے کہ نبی کریم (صلی الله علیه وآله وسلم) قیامت والے دن اپنی امت پر شاہد ہوں گے۔

(لسان العرب، فصل الشین، جلد3، صفحہ240، دار صادر، بیروت)

تفسیر روح البیان میں ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا﴾ کے تحت ہے "وخلاصتها وهو المحبوب الأزلي وما سواه تبع له ولذا أرسله تعالى شاهدا فانه لما كان أول مخلوق خلقه الله كان شاهدا بوحدانية الحق وربوبيته وشاهدا بما اخرج من العدم الى الوجود من الأرواح والنفوس والاجرام والأركان والأجسام والأجساد والمعادن والنبات والحيوان والملك والجن والشيطان والإنسان وغير ذلك -- ولهذا قال عليه السلام علمت ما كان وما سيكون لانه شاهد الكل وما غاب لحظة وشاهد خلق آدم عليه السلام ولاجله قال كنت نبيا وآدم بين الماء والطين اى كنت مخلوقا وعالما بأني نبى وحكم لي بالنبوة وآدم بين أن يخلق له جسد وروح ولم يخلق بعد واحد منهما فشاهد خلقه وما جرى عليه من الإكرام والإخراج من الجنة بسبب المخالفة وما تاب الله عليه الى آخر ما جرى عليه وشاهد خلق إبليس وما جرى عليه" ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم (صلی الله علیه وآله وسلم) رب تعالیٰ کے محبوب ازلی ہیں اور ان کے سوا جو کچھ ہے وہ نبی کریم (صلی الله علیه وآله وسلم) کے تابع ہے۔ اس لئے اللہ (عزوجل) نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا۔ چونکہ حضور (صلی الله علیه وآله وسلم) اللہ کی پہلی مخلوق ہیں اس لئے اس کی وحدانیت کے گواہ ہیں اور ان چیزوں کا مشاہدہ کرنے والے ہیں جو عدم سے وجود میں آئیں، ارواح، نفوس، اجسام، معدنیات، نباتات، حیوانات، فرشتے اور انسان وغیرہ تاکہ آپ پر رب تعالیٰ کے وہ اسرار اور عجائب مخفی نہ رہیں جو کسی مخلوق کے لئے ممکن ہے۔ اسی لئے نبی کریم (صلی الله علیه وآله وسلم) نے فرمایا میں جانتا ہوں جو تھا اور جو کچھ ہوگا، کہ آپ ہر چیز کے شاہد ہیں، ایک لمحے کے لئے بھی غائب نہیں ہوئے۔ آپ حضرت آدم (علیه السلام) کی پیدائش اور وفات کے شاہد ہے۔ فرمایا میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم (علیه السلام) پانی اور مٹی کے درمیان میں تھے یعنی میں مخلوق تھا اور جانتا تھا کہ میں نبی ہوں اور میرے لئے نبوت ہے اور آدم (علیه السلام) کے لئے جسم اور روح کو تخلیق کیا گیا۔ حضرت آدم (علیه السلام) کے بعد کوئی چیز پیدا

نہیں ہوئی مگر نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کی تخلیق کو جانتے تھے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت آدم (علیہ السلام) کا پیدا ہونا انکی تعظیم ہونا اور خطا پر جنت سے علیحدہ ہونا اور پھر توبہ قبول ہونا آخر تک کے انکے سارے معاملات جو ان پر گزرے سب کو دیکھا اور ابلیس کی پیدائش اور جو کچھ اس پر گذرا اس کو بھی دیکھا۔

(تفسیر روح البیان، فی تفسیر، سورۃ الفتح، سورت 48، آیت 8، جلد 9، صفحہ 18، دار الفکر، بیروت)

اسی طرح قرآن پاک کی آیت ہے ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ اس آیت کا ترجمہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے یوں کیا: اور اللہ کے سوا اس کی بندگی نہ کر۔

(سورۃ یونس، آیت 10، آیت 106)

گھمن صاحب اس پر انتہائی جاہلانہ اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''حالانکہ تدع کا معنی شیخ سعدی سے ہم عرض کر چکے ہیں کہ پکارنا ہے۔ چونکہ فاضل بریلوی نے ایک نیا مسلک تیار کرنا تھا اور اس میں اس کی بھی ضرورت تھی کہ غیر اللہ کو ہر جگہ سے پکارا جائے تو فاضل بریلوی نے مسلک کی لاج رکھنے کے لئے قرآن پاک کے ترجمہ میں اپنا کام کر دکھایا کہ ''لا تدع'' کا معنی بندگی نہ کرو۔ فاضل بریلوی ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ غیر اللہ کو پکارنے سے چونکہ روکا نہیں گیا لہٰذا یہ شرک نہیں۔

(کنز الایمان کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 67، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب بغیر تفاسیر دیکھے اندھا دھند اعتراض کرتے ہیں اور کسی ایک بھی معتبر تفسیر دیکھ لیتے تو ان کو پتہ چل جاتا ہے مفسرین نے لفظ ''تدع'' کو بندگی کے ہی معنی میں لیا ہے ورنہ اگر پکارنا شرک ہو تو گھمن صاحب سمیت دنیا کا کوئی دیوبندی شرک سے نہ بچ سکے گا کہ انہوں نے کسی نہ کسی کو ضرور پکارا ہوگا جیسے کہا جاتا ہے یا زید، یا فلاں بلکہ الادب المفرد کی صحیح روایت ہے کہ حضرت ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا جب پاؤں مبارک سو گیا تو انہوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پکارا تھا۔

ویسے تو اس پر کثیر حوالے ہیں فقط تین معتبر تفاسیر کے جزئیات پیش کئے جاتے ہیں جن میں صراحت کے ساتھ ''تدع'' کا معنی بندگی کیا ہے چنانچہ تفسیر مقاتل بن سلیمان میں ابو الحسن مقاتل بن سلیمان بن بشیر الأزدی البلخی (المتوفی 150ھ) لکھتے ہیں ''لا تدع يعني فلا تعبد مع الله إلها آخر'' ترجمہ: لا تدع یعنی عبادت نہ کرو اللہ (عزوجل) کے ساتھ کسی اور کی۔

(تفسیر مقاتل بن سلیمان، جلد 3، صفحہ 281، دار إحياء التراث، بيروت)

تفسیر یحیی بن سلام میں یحیی بن سلام بن ابی ثعلبۃ (المتوفی 200ھ) لکھتے ہیں ''قوله عز وجل: ﴿فلا تدع مع الله إلها آخر﴾ (الشعراء 213 :) ، يعني: ولا تعبد مع الله إلها آخر'' ترجمہ: اللہ (عزوجل) کا فرمان ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی اللہ (عزوجل) کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

(تفسیر یحیی بن سلام، جلد 2، صفحہ 527، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

جامع البیان فی تأویل القرآن میں محمد بن جریر ابو جعفر الطبری (المتوفی 310ھ) لکھتے ہیں ''(فلا تدع) يا محمد (مع الله إلها آخر) أي لا تعبد معه معبودا غيره'' ترجمہ: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ (عزوجل) کے ساتھ کسی اور خدا کو نہ پکار یعنی کسی اور کی پرستش نہ کر۔

(جامع البیان فی تأویل القرآن، فی تفسیر، الشعراء، سورت 26، آیت 213، جلد 19، صفحہ 404، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

گھمن صاحب مزید اپنی کم علمی سے پردہ اٹھاتے ہیں کہ قرآن پاک کی آیت ہے ﴿وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ﴾ اعلیٰ حضرت نے اس آیت کا ترجمہ کیا: اور اللہ بے پرواہ حلم والا ہے۔

(سورۃ البقرہ، سورۃ 2، آیت 263)

گھمن صاحب نے اس ترجمہ پر اعتراض کیا۔ پہلے تو اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کا ترجمہ ہی غلط نقل کیا ترجمہ تھا ''حلم والا'' لیکن گھمن صاحب نے ''حلیم والا'' لکھ دیا۔ پھر لفظ ''غنی'' کے ترجمہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''لغت کو دیکھتے ہیں کہ اس میں ''بے پرواہ'' کا کیا معنی کیا گیا ہے: بے پرواہ: غافل، بے فکر، مستغنی، دولت مند، سست، کاہل، توجہ نہ کرنے والا، دھیان نہ دینے والا، بے غرض، توکل۔ جامع فیروز اللغات، صفحہ 244۔

کیا غافل اور سست و کاہل وغیرہا اللہ کی شان کے لائق ہیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو اعلیٰ حضرت کے متعلق اور ان کے کنز الایمان کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟''

(کنز الایمان کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 112، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

شکر ہے گھمن صاحب آپ نے کم از کم کوئی کتاب دیکھ کر تو اعتراض کیا ورنہ آپ پہلے تو اپنی کم عقلی میں ہی اعتراضات کے چھکے چوکے مار رہے تھے اور آپ کو لغت و تفاسیر دیکھنے کی بھی توفیق نہ تھی۔ پھر جب آپ نے فیروز اللغات دیکھ ہی لی تھی تو کم از کم بے نیاز کا مطلب بھی وہاں سے دیکھ لیتے کیونکہ وہابی، دیوبندی مولویوں نے غنی کا ترجمہ عموماً بے نیاز کیا ہے اور بے نیاز کا ترجمہ فیروز اللغات میں یہ ہے: ''بے پرواہ، لاطمع، بے غرض، مستغنی''۔

(فیروز اللغات، صفحہ 249، فیروز سنز، لاہور)

پتہ چلا کہ بے نیاز اور بے پرواہ ایک ہی معنی میں ہیں بلکہ اعلیٰ حضرت نے بے نیاز کا مطلب لکھا ہوا تھا کہ پڑھنے والے کو زیادہ سمجھ آ جائے۔ لیکن افسوس کہ آپ کو سمجھ نہ آئی۔

پھر گھمن صاحب آپ نے اگر کبھی کوئی حدیث کی کتاب اچھی طرح پڑھی ہوتی تو معلوم ہوتا کہ کتب حدیث میں کئی مقامات پر ''لا أبالي''، ''لا يبالي'' لفظ کا استعمال ہوا ہے اور لغت میں اس کا معنی بے پرواہ لکھا ہے۔ جامع ترمذی کی حدیث پاک حضرت انس بن مالک (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ''قال الله تبارك وتعالى: يا ابن آدم إنك ما دعوتني ورجوتني غفرت لك على ما كان فيك ولا أبالي، يا ابن آدم لو بلغت ذنوبك عنان

السمـاء ثم استغفرتنی غفرت لك، ولا أبالی، یا ابن آدم إنك لو أتیتنی بقراب الأرض خطایا ثم لقیتنی لا تشرك بی شیئا لأتیتك بقرابها مغفرة" ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابن آدم! تو جب تک مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے مغفرت کی امید رکھے گا۔ میں تجھے معاف کرتا رہوں گا۔ خواہ تیرے گناہ آسمان کے کناروں تک ہی پہنچ جائیں۔ تب بھی اگر تو مجھ سے مغفرت مانگے گا تو میں تجھے معاف کردوں گا۔ اے ابن آدم! **مجھے کوئی پرواہ نہیں**۔ اگر تو زمین کے برابر بھی گناہ کرنے کے بعد مجھ سے اس حالت میں ملے گا کہ تو نے شرک نہیں کیا تو میں تجھے اتنی ہی مغفرت عطا کروں گا۔

(سنن الترمذی، ابواب الدعوات، باب فی فضل التوبة والاستغفار وما ذکر من رحمة اللہ بعبادہ، جلد5، صفحہ440، بیروت)

ہوسکتا ہے گھمن صاحب یہ دعویٰ کریں کہ ہم دیوبندی مولویوں نے کبھی بھی ''بے پرواہ'' ترجمہ نہیں کیا تو گھمن صاحب کے اس دعویٰ کو پہلے ہی باطل قرار دے دیا جاتا ہے کہ دیوبندیوں نے بھی رب تعالیٰ کی طرف بے پرواہ کی نسبت کی ہے چنانچہ احادیث پر مشتمل "کنز العمال" کتاب جس کا ترجمہ دیوبندیوں نے کیا اور پہلی حدیث کا ترجمہ خود دیوبندیوں کے بڑے مولوی مفتی محمد تقی عثمانی نے کیا اور بقیہ احادیث کا ترجمہ دیوبندیوں کے چار ذمہ دار مولویوں: مولانا محمد اصغر فاضل جامعہ دار العلوم کراچی، مولانا محمد یوسف تنولی فاضل و متخصص جامعہ دار العلوم کراچی، مولانا عام شہزاد فاضل و متخصص جامعہ دار العلوم کراچی، مولانا سلمان اکبر فاضل جامعہ احسن العلوم، کراچی۔ نے کیا۔ اس میں کنز العمال کی حدیث نمبر 1699 عربی متن اور دیوبندی ترجمہ کے ساتھ پیش خدمت ہے "عن أبی ہریرة قال :قلت یا رسول اللہ إذا کنا عندك رقت قلوبنا وزهدنا فی الدنیا ورغبنا فی الآخرة فقال :لو تکونون علی الحال التی عندی لزارتکم الملائکة ولصافحتکم فی الطریق ولو لم تذنبوا لجاء اللہ بقوم یذنبون حتی تبلغ خطایاهم عنان السماء فیستغفرون فیغفر لهم علی ما کان منهم ولا یبالی" ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ میں نے حضور (علیہ السلام) کی خدمت میں عرض کیا کہ جب ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو ہمارے قلوب پر رقت طاری ہوتی ہے؟ اور دنیا سے ہم بے رغبت ہوتے ہیں؟ اور آخرت کا شوق ہمارے دلوں پر طاری ہوتا ہے؟ آپ (علیہ السلام) نے فرمایا: اگر میرے پاس سے جانے کے بعد بھی تمہاری وہی کیفیت برقرار رہے جو میرے ہاں ہوتی ہے تو فرشتے تمہاری زیارت کو آئیں اور راہ چلتے تم سے مصافحہ کرنے لگیں۔ لیکن اگر تم سے گناہ ہونے معدوم ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ دوسری ایسی قوم کو لا بسائے گا جو گناہ کی مرتکب ہوگی حتی کہ ان کے گناہ آسمان سے باتیں کرنے لگیں گے۔ پھر وہ اللہ سے مغفرت کے طلبگار ہوں گے تو ان سے جو کچھ بھی سرزد ہوا، ان سب کے باوجود اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں گے اور اسے کوئی پرواہ نہیں۔

(کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، کتاب الایمان، فصل فی القلب وتقلبه، جلد1، صفحہ594، مؤسسة الرسالة -بیروت)

گھمن صاحب اب آپ کے مولویوں نے بھی اللہ (عزوجل) کی طرف بے پراوہ کی نسبت کی، آپ ان پر کیا حکم لگائیں گے؟

درحقیقت اللہ (عزوجل) کے صفاتی ناموں کے اردو میں کئی معنی بیان کئے گئے ہیں جن میں بعض معنی ایسے ہیں جن کا اطلاق رب تعالیٰ پر درست نہیں جیسے فیروز اللغات میں لفظ ''حکیم'' کا ایک معنی ''فلسفی'' لکھا ہے، اب کیا جو اللہ (عزوجل) کو حکیم کہے تو اس پر یہ الزام لگایا جائے گا کہ اس نے اللہ (عزوجل) کو فلسفی کہا ہے؟ لفظ ''حلیم'' کے مطلب میں نرم اور ملائم معنی بھی بیان کیا گیا ہے، اب کیا یہ معنی رب تعالیٰ کے لئے مناسب ہوگا؟

اسی طرح اگر کسی صفاتی نام کا اردو میں کوئی ایسی معنی لیا گیا جس کا اطلاق رب تعالیٰ پر درست ہے لیکن اس کئے گئے معنی کے مزید آگے معنی ہیں جن میں بعض کا اطلاق رب تعالیٰ پر درست نہیں جیسے غنی کا معنی بے نیاز یا بے پرواہ کرنا بالکل درست ہے اور بے پرواہ کے مزید آگے کئی معنی ہونا جن میں بعض کا مطلب صحیح نہ ہو تو قائل پر یہ الزام نہیں ہوگا کہ آپ نے بے پرواہ ترجمہ کیوں کیا؟ کیونکہ عام سی بات ہے ایک لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ ہر لفظ کے تمام معنی رب تعالیٰ کے شایانِ شان ہوں جیسے لفظ ''داتا'' ہے۔ اب داتا کے معنی فیروز اللغات میں یوں ہیں: دینے والا، سخی، فیاض، رزّاق، خدا، درویش، فقیر، سائیں۔ (فیروز اللغات، صفحہ2605، فیروز سنز، لاہور)

اب اگر کوئی اللہ (عزوجل) کو ''داتا'' کہے تو اس پر یہ الزام نہیں ہوگا کہ اس نے معاذ اللہ رب تعالیٰ کو فقیر یا درویش کہا ہے۔ بہرحال ان ناموں کے مسئلہ پر مزید تفصیلی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ لیکن اتنا ضرور واضح ہے کہ گھمن صاحب کو اس مسئلہ میں کوئی سمجھ نہیں ہے اسی لئے دوسرے مقامات پر بھی گھمن صاحب نے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ میں لفظ ''سراہنا'' لفظ ''پایا'' لفظ ''خود رفتہ'' پر بھی فیروز اللغات سے اسی طرح کے جاہلانہ اعتراضات کئے ہیں۔

گھمن صاحب نے ترجمہ کنز الایمان کے خلاف پوری کتاب میں اس طرح کے جاہلانہ اعتراض کئے جن میں سے کئی خالد مانچسٹر اور اپنے استاد صفدر گکھڑوی کے کاپی کئے اور ساری کتاب میں اعلیٰ حضرت اور دیگر اہل سنت کے تراجم میں جو الفاظوں کا فرق ہے اس پر ہی صفحات کالے کردیئے کہ فلاں آیت کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے یہ کیا ہے جب کے فلاں بزرگ، فلاں سنی عالم نے یہ کیا ہے۔ یعنی گھمن صاحب نے پوری کتاب میں یہ ثابت کرنا چاہا کہ سنی علماء کے تراجم اور کنز الایمان کے تراجم میں فرق ہے۔ بندہ پوچھے قرآن پاک کے تراجم میں الفاظ مختلف ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اصل دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ جو ترجمہ

کیا گیا ہے یہ ترجمہ قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح بھی ہے یا نہیں؟ گھمن صاحب اگر اتنی سی بات سمجھ لیتے تو اپنا اور قارئین کا وقت برباد نہ کرتے۔

کنزالایمان ترجمہ پر PHD اور M.Phill کے مقالے لکھے گئے ہیں اور اہل سنت کے علاوہ دیگر فرقے والوں نے بھی سراہا ہے چنانچہ دیوبندی شیخ القرآن غلام اللہ خان کی زیر سرپرستی شائع ہونے والا دیوبندی ترجمان لکھتا ہے: ''(دیگر مترجمین کا نام لینے کے بعد مولانا احمد رضا خان بریلوی کے) قرآن کے ترجمے کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔

(ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی، صفحہ 24، جون 1964ء)

لیکن گھمن صاحب اپنے بغض میں ترجمہ کنزالایمان کو غلط ثابت کرتے ہوئے خود غلط ثابت ہو گئے۔

گھمن صاحب کے غلط فتاویٰ

گھمن صاحب کی فقہ کمزور ہی نہیں بلکہ انہیں فقہ آتی ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تقریباً ہر کتاب میں غلط مسائل موجود ہیں۔ یہ کتب فقہ کی طرف رجوع کئے بغیر مسائل بتاتے جاتے ہیں۔ ان کی عام کتب چند صفحات پر مشتمل ہیں اور چند صفحوں پر مشتمل کتب میں بھی کئی مسائل غلط ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ مصنف کتاب لکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ لہٰذا ایسے شخص کو مفتی کہنا اور ان کا فتویٰ دینا شرعاً درست نہیں ہے۔ یہاں گھمن صاحب کے چند غلط مسائل بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں، ویسے تو کئی غلطیاں اکٹھی کی گئی تھیں لیکن صفحوں کی زیادتی کے سبب مختصر کر دیا گیا۔

گھمن صاحب کو سنت مؤکدہ کی بھی تعریف نہیں آتی

کسی جامعہ کے پہلے سال کے بچے بلکہ کسی عام ذرا سی دینی سوچ رکھنے والے سے سنت مؤکدہ کی تعریف پوچھ لو وہ بالکل صحیح بتائے گا لیکن گھمن صاحب کو سنت مؤکدہ کی بھی تعریف نہیں آتی چنانچہ گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''سنت مؤکدہ: ایسا فعل جسے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یا صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے ہمیشہ کیا ہو اور بلا عذر نہ چھوڑا ہو۔ اس کو جان بوجھ کر چھوڑنے والا گنہگار نہیں ہوگا، لیکن حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شفاعت سے محروم ہو جائے گا۔ مثلاً فجر اور ظہر کی پہلی سنتیں۔''

(صراط مستقیم کورس، صفحہ 68، 69، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

جبکہ سنت مؤکدہ یہ ہے کہ جس کام کو حضور (علیہ السلام) نے ہمیشہ کیا ہو کبھی کبھار چھوڑا ہو اور سنت مؤکدہ کو جان بوجھ چھوڑنا عتاب کا استحقاق اور بارہا ترک سے بلاشبہ گناہگار ہوتا ہے۔ سنت مؤکدہ کو ایک مرتبہ ہی چھوڑنا شفاعت سے محرومی نہیں بلکہ بارہا ترک کرنا شفاعت سے محرومی ہے۔ ردالمحتار میں ہے ''أی یعاتب بالتاء لا یعاقب فی التلویح ترك السنة

المؤكدة قريب من الحرام يستحق حرمان الشفاعة والمراد الترك بلا عذر على سبيل الإصرار كما فى شرح التحرير لابن أمير حاج ملخصا'' یعنی سنت مؤکدہ کے ترک کرنے والے پر عتاب کا استحقاق ہے گناہ نہیں اور تلویح میں ہے کہ سنت مؤکدہ کا ترک حرام کے قریب ہے اور شفاعت سے محرومی ہے۔ ترک سے مراد بلا عذر عادت بنانا ہے جیسا کہ شرح تحریر ابن امیر حاج میں ہے۔ (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الطهارة، سنن الوضوء، جلد 1، صفحہ 104، دار الفکر، بیروت)

مکروہ تحریمی کی غلط تعریف

گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''مکروہ تحریمی وہ فعل ہے جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو اس کا کرنے والا گنہگار ہوتا ہے اور اس کو حلال جاننے والا کافر نہیں بلکہ گمراہ ہوتا ہے مثلاً امام سے پہلے سجدہ یا رکوع کرنا۔''

(صراط مستقیم کورس، صفحہ 69، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں مکروہ تحریمی کی غلط تعریف کی گئی ہے کہ مکروہ تحریمی فعل کو حلال جاننا مطلقاً گمراہی نہیں ہے بلکہ اگر وہ مؤول (قابل تاویل) ہے تو تارک کو گمراہ تو کیا اسے فاسق بھی نہیں کہا جائے گا۔ ردالمحتار میں تلویح کے حوالہ سے ہے'' فجاحده لا يكفر، وتارك العمل به إن كان مؤولا لا يفسق ولا يضلل؛ لأن التأويل فى مظانه من سيرة السلف، وإلا فإن كان مستخفا يضلل؛ لأنه رد خبر الواحد والقياس بدعة، وإن لم يكن مؤولا ولا مستخفا يفسق لخروجه عن الطاعة بترك ما وجب عليه '' یعنی واجب کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی اور واجب کا ترک کرنا اگر اس طرح ہو کہ وہ مؤول ہو تو فاعل کی نہ تضلیل کی جائے گی اور نہ تفسیق کی جائے گی اس لئے کہ ان میں تاویل اسلاف سے ثابت ہے۔ ہاں اگر واجب کو کمتر سمجھتے ہوئے چھوڑے تضلیل کی جائے گی کہ خبر واحد اور قیاس کا رد کرنا بدعت ہے۔ اگر اس میں تاویل نہیں اور نہ کرنے والا اسے کمتر سمجھتا ہے تو تارک کی فقط تفسیق کی جائے گا اس اطاعت کے ترک کرنے پر جو اس پر واجب تھی۔

(رد المحتار علی الدر المختار، جلد 1، صفحہ 95، دار الفکر، بیروت)

گھمن صاحب کا وضو وغسل

گھمن صاحب وضو وغسل کیا صحیح کرتے ہوں گے جب انہیں مستعمل پانی کی تعریف ہی صحیح پتہ نہیں۔ گھمن صاحب مستعمل پانی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مستعمل پانی: جب پانی حاصل کرنے کی نیت سے یا ثواب کی نیت سے استعمال کیا جائے تو استعمال شدہ پانی مستعمل پانی ہوگا ورنہ نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی محض وضو سکھانے کے لئے کسی کو وضو کر کے دکھائے تو استعمال شدہ پانی مستعمل نہیں بنے گا۔'' (صراط مستقیم کورس، صفحہ 76، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

حالانکہ تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر بغیر نیت بھی حدث والے نے اپنا ہاتھ دہ در دہ سے کم پانی میں بغیر ضرورت ڈال دیا تو پانی مستعمل ہوجائے گا۔ فتح القدیر میں ہے"لو ادخل المحدث او الجنب او الحائض التی طهرت الید فی الماء للاغتراف لایصیر مستعملا للحاجة بخلاف مالو ادخل المحدث رجله او رأسه حیث یفسد الماء لعدم الضرورة وفی کتاب الحسن عن ابی حنیفة رضی الله تعالى عنه ان غمس جنب او غیر متوضیء یدیه الى المرفقین او احدى رجلیه فی اجانة لم یجز الوضوء منه لانه سقط فرضه عنه وذلك لان الضرورة لم تتحقق فی الادخال الى المرفقین حتى لو تحققت بان وقع الكوز فی الحب فادخل یده الى المرفق لاخراجه لایصیر مستعملا نص علیه فی الخلاصة قال بخلاف مالو ادخل یده للتبرد لعدم الضرورة ثم ادخال مجرد الكف انما لایصیر مستعملا اذا لم یرد الغسل فیه بل اراد رفع الماء وفی المبتغی وغیره بتبرده یصیر مستعملا ان كان محدثا والا فلا باختصار" ترجمہ: اگر بے وضو، جنب یا پاک ہوجانے والی حائضہ عورت نے اپنا ہاتھ چلّو بھر پانی لینے کیلئے پانی میں ڈالا تو پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ یہ ضرورۃً کیا گیا ہے، لیکن اگر بے وضو نے اپنا سر یا پیر اس پانی میں ڈال دیا تو مستعمل ہوجائے گا کیونکہ بغیر ضرورت ہوا اور حسن کی کتاب جو ابوحنیفہ سے ہے اس میں ہے کہ اگر جنب یا بے وضو نے اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک یا ایک پیر کسی مرتبان میں ڈالے تو اُس سے وضو جائز نہیں، کیونکہ اس طرح اس کا فرض اس سے ساقط ہوگیا کیونکہ کہنیوں تک ہاتھوں کو ڈبونے کی کوئی ضرورت نہ تھی ہاں اگر یہ ضرورت ہو، مثلاً لوٹا کنویں میں گر پڑا اس کو نکالنے کیلئے ہاتھ کہنیوں تک اس میں ڈالنا پڑا اس کو نکالنے کیلئے ہاتھ کہنیوں تک اس میں پانی ڈالنا پڑا تو پانی مستعمل نہ ہوگا، یہ خلاصہ میں منصوص ہے، فرمایا اگر ہاتھ محض ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے بلاضرورت ڈالا تو اس کا یہ حکم نہیں (یعنی پانی مستعمل ہوجائے گا)، کیونکہ وہاں ضرورت نہیں۔ پھر محض ہاتھ کا ڈالنا پانی کو مستعمل نہیں کردیتا ہے جبکہ غسل کا ارادہ نہ ہو، مثلاً یہ کہ پانی اٹھانے کا ارادہ ہو، اور مبتغی وغیرہ میں ہے ٹھنڈک حاصل ہونے سے مستعمل ہوجائے گا اگر بے وضو ہو ورنہ نہیں۔

(فتح القدیر، کتاب الطهارة، باب الماء الذی یجوز به الوضوء ومالایجوز، دارالفکر بیروت)

غسل خانے میں ذکر اللہ کرنا

غسل کی سنتیں بیان کرتے ہوئے گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''بسم اللہ پڑھنا''

(صراط مستقیم کورس، صفحہ 83، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

فقہائے کرام فرماتے ہیں"ومن لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل" جو اپنے زمانے کے احوال سے واقف نہیں وہ

جاہل ہے۔ یہی حال گھمن صاحب کا بھی ہے کہ کتب فقہ میں جو غسل کی سنتوں میں بسم اللہ پڑھنا کہا گیا ہے یہ اس وقت تھا جب لوگ کپڑے پہن کر ایسی جگہ نہاتے تھے جہاں کوئی نجاست یا گندگی نہیں ہوتی تھی۔ موجودہ دور میں لوگ عموماً اپنے گھر کے غسل خانوں میں برہنہ غسل کرتے ہیں اور برہنہ حالت میں ذکر اللہ کرنا مکروہ ہے جیسا کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ بسم اللہ پڑھنے کے احکام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں"وتكره عند كشف العورة أو محل النجاسات"ترجمہ: ستر کے کھلے ہونے کے وقت اور نجاست کی جگہ پر بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔

(رد المحتار علی درمختار، مقدمہ، جلد1، صفحہ9، دار الفکر، بیروت)

اسی طرح اگر غسل خانہ میں کوئی نجاست وغیرہ تو نہ ہو لیکن غسل خانہ گندا ہو مثلاً ماء مستعمل جمع ہے یا اس کی دیواریں میل سے بھری ہوئی ہیں یا بال وغیرہ پڑے ہوئے ہیں تو ایسی جگہ پر بھی ذکر اللہ وغیرہ مکروہ ہے جیسا کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ الحمد للہ پڑھنے کے احکام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "وتكره فی الاماكن المستقذرة "ترجمہ: مقام قذر (گندی جگہوں) میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا مکروہ ہے۔

(رد المحتار علی درمختار، مقدمہ، جلد1، صفحہ9، دار الفکر، بیروت)

گھمن صاحب کو نماز کے فرائض کا بھی صحیح پتہ نہیں

نماز کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے گھمن صاحب لکھتے ہیں: زبان سے اللہ اکبر کہنا فرض ہے تکبیر تحریمہ کے وقت۔''

(صراط مستقیم کورس، صفحہ90، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

جبکہ اللہ اکبر کے الفاظ کہنا فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ اللہ اکبر کی جگہ کوئی اور لفظ جو خالص تعظیم الٰہی کے الفاظ ہوں مثلاً اَللّٰہُ اَجَلُّ یااَللّٰہُ اَعْظَمُ یااَللّٰہُ کَبِیْرٌ یا اَللّٰہُ الْاَکْبَرُ یا اَللّٰہُ الْکَبِیْرُ یاالرَّحْمٰنُ اَکْبَرُ یا اَللّٰہُ اِلٰہٌ یا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا سُبْحَانَ اللّٰہِ یاالْحَمْدُ لِلّٰہِ یا لَا اِلٰہَ غَیْرُہٗ یاتَبَارَکَ اللّٰہُ وغیرہا الفاظ تعظیمی کہے تو ان سے بھی ابتدا ہوجائے گی مگر یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اگر صرف اللہ کہا یا یا اللہ یا اَللّٰھُمَّ کہا ہوجائے گی۔ درمختار، ردالمحتار، عالمگیری میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود ہے۔

کتنی قراءت فرض ہے کتنی واجب یہ بھی نہیں پتہ

نماز کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے قراءت کے تحت گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''نماز میں قرآن کریم کی کم از کم تین چھوٹی آیات یا ایک بڑی آیت جو ان تین چھوٹی آیات کے برابر ہو پڑھنا۔''

(صراط مستقیم کورس، صفحہ90، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے یہاں واجب قراءت کو فرض سمجھ لیا ہے۔ فرض کی پہلی دو رکعتوں، وتر اور سنت و نوافل میں ایک آیت جس میں کم سے کم چھ حروف ہوں اور دو یا دو سے زائد کلمات ہوں اس کا پڑھنا فرض ہے اور سورۃ الفاتحہ کے بعد کوئی سورت

یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا یا ایک بڑی آیت کہ تین کے برابر ہو جس میں کم از کم 26 حروف ہوں وہ واجب ہے۔ ردالمحتار میں ہے "فلو قرأ آية طويلة قدر ثلاثين حرفا يكون قد أتى بقدر ثلاث آيات لكن سيأتى فى فصل يجهر الإمام أن فرض القراءة آية وأن الآية عرفا طائفة من القرآن مترجمة أقلها ستة أحرف ولو تقديرا كلم يلد إلا إذا كانت كلمة فالأصح عدم الصحة" یعنی اگر ایک آیت طویل بقدر تیس حروف قراءت کی تو یہ تین آیات کے برابر ہے۔ لیکن عنقریب امام کے بلند آواز سے قراءت کرنے کی فصل میں آئے گا کہ ایک آیت کا پڑھنا فرض ہے اور آیت عرفاً قرآن پاک کے ایک مخصوص حصے کا نام ہے اور اس کی کم از کم مقدار چھ حروف ہیں، اگرچہ وہ لفظاً نہ ہوں بلکہ تقدیراً ہوں مثلاً لم یلد (کہ اصل میں لم یولدتھا) مگر اس صورت میں کہ جب وُہ آیت صرف ایک کلمہ پر مشتمل ہو تو اصح عدمِ صحتِ نماز ہے۔

(رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصلوة، واجبات الصلاة، جلد1، صفحه458، دار الفكر، بيروت)

لیکن امام احمد رضا خان (علیہ رحمة الرحمن) کے نزدیک اقرب یہ ہے کہ ایک آیت جس کے 26 حروف ہوں وہ تین آیات کے برابر ہے جیسا کہ آپ نے ردالمحتار کے حاشیہ جد الممتار میں فرمایا ہے "الأقرب إلى الصواب ستة وعشرون"

زکوٰۃ کی شرائط کا بھی پتہ نہیں

زکوٰۃ کی شرائط کا ذکر کرتے ہوئے گھمن صاحب لکھتے ہیں: "مسئلے کا پتہ ہونا کہ صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔"

(صراط مستقیم کورس، صفحه98، مکتبه اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

یعنی گھمن صاحب کہہ رہے ہیں کہ جس مسلمان کو یہ پتہ نہیں کہ زکوٰۃ دینا بھی فرض ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی جبکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اصل مسئلہ یوں ہے کہ اگر کوئی نومسلم دارالحرب (غیر مسلم ملک) میں رہتا ہے اور اسے زکوٰۃ کا پتہ نہیں تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اور اگر کوئی مسلمان دارالاسلام میں رہتا ہے تو مسئلہ پتہ ہو یا نہ ہو زکوٰۃ فرض ہوگی۔ ہندیہ میں ہے "إذا أسلم الكافر فى دار الحرب، وأقام سنين هناك ثم خرج إلينا لم يكن للإمام الأخذ منه؛ لأنه لم يكن فى ولايته، وهل تجب عليه الزكاة حتى يفتى بالدفع إن كان علم بالوجوب وجبت عليه ويفتى بالدفع، وإن لم يعلم لا تجب عليه، ولا يفتى بالدفع بخلاف الذمى إذا أسلم فى دارنا فإنه تجب عليه الزكاة علم أو لم يعلم كذا فى السراج الوهاج" ترجمہ: اگر کوئی دارالحرب میں مسلمان ہوا اور وہاں کئی سال رہا، پھر ہمارے پاس (دارالاسلام) میں آیا تو امام اس سے

زکوٰۃ نہیں لے گا کہ اسے اس پر ولایت نہیں۔ کیا اس کو زکوٰۃ دینے کا حکم دیا جائیگا؟ تو اگر اسے زکوٰۃ کا پتہ تھا تو اس پر واجب ہے اور اسے حکم دیا جائے گا۔ اگر نہیں جانتا تھا تو زکوٰۃ واجب نہیں اور نہ حکم دیا جائے گا۔ بخلاف ذمی کے اگر وہ دارالاسلام میں مسلمان ہوا تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے مسئلہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو جیسا کہ سراج وہاج میں ہے۔

(الفتاوى الهندية، كتاب الزكوة، جلد1، صفحه171، دار الفكر، بيروت)

گھمن صاحب کا فقہ حنفی کا ناقص دفاع کرنا

وہابی مولوی نے فقہ حنفی پر اعتراضات کئے اور گھمن صاحب نے اس کے جواب میں ایک چھوٹی سی کتاب لکھی، وہابی مولوی طالب الرحمٰن نے اعتراض کیا کہ احناف کے نزدیک فرض کی آخری دو رکعت میں فاتحہ پڑھنے یا نہ پڑھنے کا اختیار ہے۔ گھمن صاحب نے جواب میں کہا: "باقی جہاں تک مذہب حنفی ہے، اس میں احادیث اور تمام آثار کا لحاظ رکھتے ہوئے آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھنے کو سنت قرار دیا گیا ہے اور یہی ظاهر الرواية ہے جس طرح کہ طحطاوی علی المراقی الفلاح، صفحہ 147 میں ہے۔"

(جی ہاں! فقہ حنفی قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے، صفحه184، مکتبه اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

حالانکہ فقہ حنفی میں فرض کے آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھنا سنت نہیں ہے بلکہ افضل ہے۔ اگر فاتحہ پڑھنا سنت ہوتی تو فقہاء احناف کیوں سنت ترک کرنے کا کہتے؟ گھمن صاحب نے فقہ حنفی کا دفاع کیا کرنا تھا یہ تو خود اسے نقصان پہنچا رہے ہیں۔ گھمن صاحب نے اتنا بھی غور نہیں کیا کہ فقہاء نے جو قراءت کو سنت کہا ہے اس سے مراد فاتحہ نہیں ہے بلکہ انہوں نے مطلقاً ذکر کو سنت کہا ہے۔ علامہ شامی منحة الخالق میں فرماتے ہیں "أن السنة مطلق الذكر لكن كونه بالفاتحة أفضل فلو سبح لا يكره بخلاف ما لو سكت فصار التخيير بين القراءة والتسبيح لا بينهما وبين السكوت بل السكوت مكروه" ترجمہ: سنت مطلق ذکر کرنا ہے لیکن اگر فاتحہ ہو تو افضل ہے، اگر تسبیح پڑھ لی تو مکروہ نہیں بخلاف خاموش رہنے کے۔ تو قراءت اور تسبیح میں اختیار ہے نہ کہ ذکر اور سکوت کے درمیان اختیار ہے بلکہ خاموش کھڑے رہنا مکروہ ہے۔

(البحر الرائق شرح كنز الدقائق مع منحة الخالق، كتاب الصلوة، آداب الصلوة، جلد1، صفحه345، دار الكتاب الإسلامى)

بدائع الصنائع میں ہے "وأما فى الأخريين فالأفضل أن يقرأ فيهما بفاتحة الكتاب، ولو سبح فى كل ركعة ثلاث تسبيحات مكان فاتحة الكتاب أو سكت جزأته صلاته" ترجمہ: آخری دو رکعتوں میں افضل یہی ہے کہ سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔ اگر ہر رکعت میں فاتحہ کی جگہ تین تسبیحات پڑھ لیں یا اتنی دیر خاموش رہا تو اس کی نماز جائز ہے۔

(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، كتاب الصلوة، فصل أركان الصلاة، جلد1، صفحه111، دار الكتب العلمية، بيروت)

گھمن صاحب کو سجدہ کرنے کا طریقہ بھی معلوم نہیں

وہابی مولوی نے اعتراض کیا کہ حدیث پاک میں سجدے میں سات اعضا لگانے کا آیا ہے جبکہ فقہ حنفی کی کتاب عالمگیری میں ہے کہ اگر سجدے میں ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر رکھنا واجب نہیں ہے، اس کے بغیر بھی نماز ہو جائے گی۔ گھمن صاحب اس کے جواب میں اپنے دیو بندی مولویوں کی اردو کتابوں کا حوالہ دے کر ثابت کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بھی سات اعضا زمین پر لگانے کا حکم ہے۔ آخر میں عالمگیری کے جس جزئیہ پر وہابی نے اعتراض کیا تھا اس کا جواب دیتے ہوئے گھمن صاحب لکھتے ہیں: ''لازمی بات ہے کہ یہ مسئلہ کسی مجبور کے لئے ہوگا۔۔۔عالمگیری میں بحث چلی آ رہی ہے کانٹوں اور شیشے کی یعنی اگر سجدہ کرنے کی جگہ پر کانٹے ہوں یا شیشے کے ٹکڑے وہاں پڑے ہوں تو نمازی کیا کرے؟ ایسے نمازی کے لئے جو مجبور ہے یہ مسئلہ لکھا ہے کہ وہ اگر ہاتھوں اور گھٹنوں کو نہ رکھے تو بالاجماع نماز جائز ہوگی۔ یہ سراج الوہاج میں لکھا ہے یعنی کھڑے کھڑے اشارے سے سجدہ کر لے۔''

(جی ہاں فقہ حنفی قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے، صفحہ193، 194، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب نے صریح غلط جواب دیا ہے۔ یعنی جواب میں یہ کہاں ہے کہ سات اعضا زمین پر لگانا فقہ حنفی میں بھی لازم ہے اور مجبوری ہو تو ہاتھوں اور گھٹنے نہ لگانا جائز ہے حالانکہ اس مسئلہ کا تعلق عذر کے ساتھ ہے ہی نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک میں جو سات اعضا کا آیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ساتوں کے سات اعضا لگانا واجب ہے علامہ عینی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں ''أورد الحديث لبيان أن هذه الأعضاء هی محل السجدة؛ لأنه غيرها لا لبيان أن وضع هذه الأعضاء السبعة لازم'' یعنی حدیث اس بیان میں وارد ہے کہ یہ سات اعضا محل سجدہ ہیں نہ یہ کہ ان سات اعضا کو سجدے میں لگانا لازم ہے۔

(البناية شرح الهداية، كتاب الصلوٰة، سنن الصلوٰة، جلد2، صفحہ 239، دار الكتب العلمية، بيروت)

بلکہ بعض سنت بھی ہیں اور ہاتھوں اور گھٹنوں کا لگانا سنت ہے چنانچہ ہدایہ میں ہے ''وضع اليدين والركبتين سنة عندنا، لتحقق السجود بدونهما'' ترجمہ: ہاتھوں اور گھٹنوں کو زمین پر لگانا سنت ہے کہ سجدہ ان دونوں کے بغیر بھی ہو جاتا ہے۔

(الهداية فی شرح بداية المبتدی، كتاب الصلوٰة، باب صفة الصلوٰة، جلد1، صفحہ51، دار احياء التراث العربی، بيروت)

خروج بصنعہ کا ہی پتہ نہیں

وہابی مولوی نے فقہ حنفی پر اعتراض کیا کہ ہدایہ میں لکھا ہے: اگر تشہد میں ہوا سبقت لے جائے تو دوبارہ وضو کرے، پھر سلام پھیرے کیونکہ سلام پھیرنا واجب ہے اور سلام پھیرنے کے لئے وضو ضروری ہے لیکن اگر اس حالت میں جان بوجھ کر ہوا

خارج کر دے یا گفتگو شروع کر دے یا نماز کے منافی کام کرے تو اس کی نماز مکمل ہوگی۔''

گھمن نے اس کا جواب ڈھنگ سے نہ دے سکے اور سارا زور اس پر دیا کہ اس صورت میں اعادہ ہوگا کہ سلام کے ساتھ نماز سے باہر آنا واجب ہے۔ اسی طرح احادیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا کہ جس وقت امام قعدہ میں بیٹھ گیا اور سلام سے پہلے اس نے حدث کیا تو حضور (عليه الصلوٰة والسلام) فرماتے ہیں کہ اس کی اور جو لوگ اس کے پیچھے تھے سب کی نماز پوری ہوگئی۔

حالانکہ کہ گھمن صاحب کو یہ بتانا چاہئے تھا کہ یہ نماز پوری کیوں ہوگئی، اگر گھمن صاحب تھوڑا تکلف کرتے اور کسی بھی فقہ کی کتاب کو دیکھ لیتے تو اتنا بے ڈھنگہ جواب نہ دیتے۔ اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ نماز کے فرائض میں سے آخری فرض خروج بصنعہ ہے یعنی قصداً نماز سے باہر آنا، لفظ سلام سے باہر آنا واجب ہے لیکن اگر کوئی لفظ سلام کے علاوہ قصداً کوئی کلام کر کے یا ہوا خارج کر کے نماز سے باہر آیا تو اس کا فرض پورا ہو گیا البتہ واجب ترک ہوا چنانچہ تبيين الحقائق میں ہے ''تعمد الحدث بعد التشهد؛ لأنه لم يبق عليه شیء من فرائض الصلاة فخرج به من الصلاة'' ترجمہ: قصداً بعد تشہد کے حدث کیا تو اس پر فرائض میں سے کچھ باقی نہیں رہا اور وہ نماز سے باہر ہو گیا۔

(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، جلد1، صفحہ148، المطبعة الكبرى الأميرية، القاهرة)

مسئلہ رضاعت میں امام ابوحنیفہ کے مؤقف سے لاعلمی

وہابی مولوی طالب الرحمٰن نے مدتِ رضاعت کے متعلق لکھا کہ قرآن میں مدتِ رضاعت دو سال ہے جبکہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدت رضاعت اڑھائی سال ہے۔ گھمن صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ''احناف کا صحیح مذہب جس پر ہمارا فتویٰ اور عمل ہے وہ دو سال ہی ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب 'بہشتی زیور' جو اردو میں ہے اور تقریباً ہر گھر میں موجود ہوتی ہے اس میں لکھا ہے: زیادہ سے زیادہ دودھ پلانے کی مدت دو برس ہیں۔ دو سال کے بعد دودھ پلانا حرام ہے بالکل درست نہیں۔۔۔۔''

(جی ہاں فقہ حنفی قرآن وحدیث کا نچوڑ ہے، صفحہ126، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب کا جواب دینا ہی نہیں آیا یا انہیں اصل مسئلہ کا پتہ نہیں فقط اردو کتاب 'بہشتی زیور' جس میں کئی مسائل غلط ہیں اسے دیکھ کر جواب لکھ دیا ہے۔ گھمن صاحب کو چاہئے تھا کہ امام ابوحنیفہ (رحمة الله عليه) نے کس دلیل پر اڑھائی سال مدتِ رضاعت فرمایا ہے وہ لکھتے اور ساتھ یہ لکھتے کہ اگرچہ دو سال تک دودھ پلانا ہے لیکن حرمت ڈھائی سال کے اندر ہو جاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ نے جو دودھ پلانے کی عمر ڈھائی سال فرمائی وہ قرآن پاک کی اس آیت کی روشنی میں فرمائی۔ ﴿ وَحَمْلُهُ

﴿وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہے۔

(سورۃ الاحقاف، سورت46، صفحہ15)

اس میں حمل اور دودھ چھڑانے دونوں کی الگ الگ مدت بیان کی گئی ہے۔ المبسوط للسرخسی میں ہے "وأبو حنيفة رحمه الله تعالى استدل بقوله تعالى ﴿وحمله وفصاله ثلاثون شهرا﴾ وظاهر هذه الإضافة يقتضي أن يكون جميع المذكور مدة لكل واحدة منهما إلا أن الدليل قد قام على أن مدة الحبل لا تكون أكثر من سنتين فبقي مدة الفصال على ظاهره، وقال الله تعالى ﴿فإن أرادا فصالا عن تراض منهما وتشاور﴾ الآية فاعتبر التراضي والتشاور في الفصلين بعد الحولين فذلك دليل على جواز الإرضاع بعد الحولين" ترجمہ: امام ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اس آیت سے استدلال فرمایا: اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے میں ہے۔ یہ اضافت حمل اور رضاعت دونوں کی الگ الگ مدت کو بیان کرتی ہے۔ البتہ حمل کے متعلق حدیث پاک میں دو سال کی مدت بیان فرما دی گئی تو مذکورہ آیت میں بیان کردہ صورت مدت رضاعت کے لئے خاص ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ فرمایا: پھر اگر ماں باپ دونوں آپس کی رضا اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں ۔۔ اس آیت میں دو سال کے بعد باہم مشورے سے دودھ چھڑانے کے متعلق فرمایا گیا، جس سے دو سال کے بعد دودھ پلانے کا جواز ثابت ہوا۔

(المبسوط، کتاب النکاح، باب الرضاع، جلد5، صفحہ136، دار المعرفۃ، بیروت)

الاختیار لتعلیل المختار میں ہے "إذا وجد في مدته، وهي ثلاثون شهرا" یعنی رضاعت تبھی ہوگی جب اپنی مدت میں ہو اور وہ تیس ماہ ہے۔

(الاختیار لتعلیل المختار، کتاب النکاح، کتاب الرضاع، جلد3، صفحہ 118، بیروت)

داڑھی کا مسئلہ بھی صحیح معلوم نہیں

گھمن صاحب کہتے ہیں: ''بہت بڑی داڑھی ہونا بے وقوفی کی علامت ہے سنت ایک مٹھی داڑھی ہے۔''

(مجالس متکلم اسلام، صفحہ146، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ سنت ایک مٹھی داڑھی رکھنا ہے، زائد رکھنا سنت نہیں اور بہت بڑھی داڑھی رکھنا بے وقوفی ہے۔ حالانکہ صحیح مسئلہ یہ ہے کہ ریش ایک مشت یعنی چار انگلی تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز اور ایک مشت سے زائد رکھنا بھی خلافِ سنت نہیں بلکہ سنت ہی ہے۔ مطلقاً لمبی داڑھی رکھنا بھی بے وقوفی نہیں ہے جبکہ چہرے کی خوبصورتی برقرار رہے کہ اسلاف میں کئی ایسے بزرگ تھے جن کی داڑھی شریف لمبی ہوتی تھی۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی (رحمۃ

اللہ علیہ) فرماتے ہیں "عادت سلف دریں باب مختلف بود آوردہ اند کہ لحیہ امیر المومنین علی پرمی کرد سینہ اُورا وہمچنیں عمر وعثمان رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین و نوشتہ اند کان الشیخ محی الدین رضی اللہ تعالی عنہ طویل اللحیۃ وعریضها" ترجمہ: اسلاف کی عادت اس بارے میں مختلف تھی چنانچہ منقول ہے کہ امیر المومنین حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی داڑھی ان کے سینے کو بھر دیتی تھی اس طرح حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی مبارک داڑھیاں تھیں اور لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین سیدنا عبد القادر جیلانی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) لمبی داڑھی اور چوڑی داڑھی والے تھے۔

(مدارج النبوت، باب اول بیان لحیۃ شریف، جلد1، صفحہ15، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

لمبی داڑھی اس وقت بے وقوفی کی علامت ہے جب چہرہ پر عجیب وغریب لگے جیسے وہابیوں کی ہوتی ہے۔ وہ اس طرح کہ داڑھی مرد کی زینت ہے اور جب وہ بہت زیادہ لمبی ہوگی، تو دیکھنے میں اچھی نہ لگے گی جیسا کہ حاشیہ درر میں ہے "لانها زينة وكثرتها من كمال الزينة وطولها الفاحش خلاف الزينة"

(درر الحکام شرح غرر الاحکام، کتاب الکراہیت، اللعب بالشطرنج، جلد01، صفحہ322، دار إحياء الكتب العربية، بيروت)

شیخ محقق نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا "مشهور قدر يك مشت ست چنانكه كمتر ازيں نبايد و اگر زیادہ براں بگزارد نیز جائز ست بشرطیکه از حد اعتدال نگزرد" ترجمہ: مشہور مقدار ایک مشت ہے پس اس مقدار سے کم نہیں ہونی چاہئے اور اگر اس سے زیادہ چھوڑ دے تو بھی جائز ہے بشرطیکہ اعتدال برتا جائے۔

(اشعۃ اللمعات، کتاب الطہارۃ باب السواک فصل اول، جلد 1، صفحہ 212، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

عورت کا مرد کے چہرے کو دیکھنے کا عام مسئلہ بھی معلوم نہیں

گھمن صاحب فرماتے ہیں: ''ہمارے ہاں عموماً عورتیں، بچیاں، خواتین برقعہ بھی پہن لیتی ہیں، برقعہ پہن کر اپنا چہرہ تو محفوظ کرلیا ہے لیکن برقعہ پہن کر اگر نگاہ کو نیچے نہ رکھا تو مرد کا چہرہ تو دیکھ لیا تو یہ جرم تو پھر بھی برقرار ہے۔ بلکہ بسا اوقات اتنا دکھ ہوتا ہے کہ ہمارے ہاں خواتین بعض مرتبہ اہل علم کی زیارت کرتی ہیں کہ بزرگ تشریف لائے ہیں ہم تو زیارت کر رہی ہیں۔ عورت کے لئے جس طرح اپنے چہرہ کو مرد سے چھپانا ضروری ہے تو عورت کے لئے مرد کا چہرہ نہ دیکھنا بھی ضروری ہے۔''

(مجالس متکلم اسلام خواتین، صفحہ87، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''چہرے کا پردہ فرض ہے: ایک شخص مجھے کہنے لگا جسم کا پردہ تو سمجھ میں آتا ہے چہرے کا پردہ تو نہیں ہے۔ میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگا قرآن میں ہے ﴿اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ میں نے کہا تم نے آدھا قرآن پڑھا ہے۔ قرآن

کی شرح میں حدیث مبارکہ نہیں پڑھی۔ چہرہ کا پردہ ہے اور صرف اتنا پردہ نہیں کہ عورت اپنا چہرہ چھپائے۔ جس طرح عورت کے لئے اپنا چہرہ چھپانا فرض ہے اسی طرح مرد کا چہرہ نہ دیکھنا بھی فرض ہے۔''

(مجالس متکلم اسلام خواتین، صفحہ 151، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں عورتوں کا مردوں کو دیکھنا مطلقا حرام کہہ دیا گیا جبکہ یہ صریح غلط ہے۔ عورت کا مرد کو دیکھنا جائز ہے البتہ اگر عورت کو شہوت آئے تو اب دیکھنا جائز نہیں۔ فتاوی ھندیہ میں ہے "نظر المرأة إلى الرجل الأجنبى كنظر الرجل إلى الرجل تنظر إلى جميع جسده إلا ما بين سرته حتى يجاوز ركبته وما ذكرنا من الجواب فيما إذا كانت المرأة تعلم قطعا ويقينا إنها لو نظرت إلى بعض ما ذكرنا من الرجل لا يقع فى قلبها شهوة وأما إذا علمت أنه تقع فى قلبها شهوة أو شكت ومعنى الشك استواء الظنين فأحب إلى أن تغض بصرها منه هكذا ذكر محمد رحمه الله تعالى" ترجمہ: عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنے کا حکم وہی ہے جو مرد کا مرد کو دیکھنے کا حکم ہے یعنی ناف سے لے کر گھٹنوں سمیت تک کے حصے کے علاوہ بقیہ بدن کو دیکھ سکتی ہے۔ اور یہ اس وقت ہے کہ جب عورت حتمی ویقینی طور جانتی ہو کہ مرد کی طرف دیکھنے سے دل میں شہوت پیدا نہیں ہوگی۔ بہر حال اگر اسے معلوم ہے کہ دیکھنے سے شہوت پیدا ہوگی یا شک ہے یعنی دونوں طرف برابر گمان ہے تو پھر مجھے پسند ہے کہ عورت اپنی نظر کو جھکائے (اور مرد کی طرف نہ دیکھے۔) اسی طرح امام محمد (رحمة الله عليه) نے ذکر کیا ہے۔

(فتاوی ہندیۃ، کتاب الکراھیۃ، الباب الثامن فیما یحل...إلخ، جلد 5، صفحہ 327، دار الفکر، بیروت)

گھمن صاحب کو فقہ کیوں نہیں آتی؟

اسی طرح گھمن صاحب کے اور بھی کئی غلط فتاوی ہیں جنہیں بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ قارئین ان چند بدیہی مسائل سے جان چکے ہوں گے کہ گھمن صاحب کی علمی حیثیت کیا ہے؟ گھمن صاحب کیوں اس طرح کے غلط فتوے دیتے ہیں، کیوں ان کو فقہ کی سمجھ نہیں، اس کی وضاحت کرتے ہوئے خود گھمن صاحب کہتے ہیں: ''فقہ کے لئے دماغ چاہئے، بد دماغ تو فقہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اسلئے دین وفقہ کا دشمن ہمیشہ بد دماغ ہوتا ہے۔''

(مجالس متکلم اسلام، صفحہ 146، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب کی یہ علمی حیثیت ہے اور چیلنج امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) کو کرنے نکلے ہیں۔

الیاس گھمن کی کتاب کی ابتدا

اکابرِ دیو بند اور الیاس گھمن کی علمی حیثیت پر کلام کرنے کے بعد اب اصل موضوع الیاس گھمن کی کتاب ''حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ'' کا جواب دیا جاتا ہے۔

الیاس گھمن نے اپنی کتاب ''حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ'' شروع کرنے سے پہلے دیو بندیوں کو خوش کرنے کے لئے سعودیہ کے محکمہ اوقاف کا خط اپنی کتاب میں نقل کیا جس میں اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کنز الایمان پر پابندی کا لکھا ہوا تھا اور پابندی کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ترجمہ میں شرک وبدعت کی تعلیم ہے۔

سعودی وہابیوں کو تو ویسے ہی ہر جائز ومستحب بات میں شرک وبدعت نظر آتی ہے اس لئے وہ دل وآنکھ سے اندھے ہو کر شرک وبدعت کی رٹ لگاتے رہتے ہیں یہ بھی نہیں دیکھتے کہ انہی کے بڑے مولویوں نے اس مسئلہ میں کیا کہا ہے؟ وہابیوں کے ہی بڑے مولویوں نے ترجمہ کنز الایمان کی تعریف کی ہے چنانچہ وہابیوں کے رسالہ ہفت روزہ " الاعتصام " لاہور میں لکھا ہے: ''فاضل بریلوی نے ترجمہ اور ترجمانی کی درمیانی راہ اختیار کی اور ان کی تمام تر توجہ اس امر پر رہی کہ قرآن مجید کے ان بعض الفاظ جو عربی اور اردو زبان میں مختلف مفہوم رکھتے ہیں کا ایسا ترجمہ کیا جائے کہ غیر مسلم ان پر جو اعتراض کرتے ہیں اس کی نوبت ہی نہ آئے بلاشبہ بعض الفاظ کے ترجمہ کی حد تک وہ (فاضل بریلوی) کامیاب بھی رہے۔''

(ہفت روزہ الاعتصادم لاہور، 22 ستمبر 1989ء، ماخوذ از رضائے مصطفے، دسمبر 1989ء)

وہابی ترجمان " المنبر لائل' پور لکھتا ہے: ''مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ترجمہ (قرآن، کنز الایمان) کو اعلیٰ مقام حاصل ہے۔''

(المنبر لائل پور، 6 صفر المظفر 1386ھ، ماخوذ از رضائے مصطفے، فروری 1976ء)

چلو ایک لمحہ کے لئے یہ مان لیتے ہیں کہ سعودی وہابی جس کتاب یا گروہ کو گمراہ کن کہہ دیں وہ گمراہ ہے اور گھمن صاحب کے نزدیک سعودی وہابیوں کی بات پتھر پر لکیر ہے تو گھمن صاحب ''تبلیغی جماعت'' کے متعلق پھر آپ کیا کہیں گے کہ سعودیہ کے بڑے بڑے وہابی مولویوں نے تبلیغی جماعت کو گمراہ کہا ہے چنانچہ محمد بن ناصر عرینی نے ایک کتاب بنام "تبلیغی جماعت علمائے عرب کی نظر میں" لکھی جس کی تصدیق میں مکہ، مدینہ کے بڑے بڑے وہابی مولویوں نام درج ہیں۔ مصنف کتاب کے شروع میں لکھتا ہے: ''ضروری نوٹ: یہ مختصر کتابچہ مؤلف کی فقط اپنی ہی رائے نہیں بلکہ ان کبار علماء کے فتاوی جات اور افادات پر مشتمل ہے، جن میں سے کچھ اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر چکے ہیں اور کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بقصدِ

حیات ہیں: مثلاً

(1) محمد ابراہیم آل شیخ (اپنے وقت کے مفتی عام)

(2) عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (اپنے وقت کے مفتی عام)

(3) محمد بن عثیمین (رکن مجلس کبار علما)

(4) محمد ناصر الدین البانی (اپنے وقت کے معروف محدث)

(5) عبدالرزاق عفیفی (رکن مجلس کبار علما)

(6) صالح بن فوزان الفوزان (رکن مجلس کبار علما)

(7) صالح بن عبداللہ العبود (وائس چانسلر مدینہ یونیورسٹی، مدینہ منورہ)

(8) حمود بن عبداللہ التویجری (ریاض کے معروف عالم)

(9) صالح بن سعد السحیمی (رئیس شعبہ عقیدہ، مدینہ یونیورسٹی)

(10) سعد بن عبدالرحمن الحصین (خصوصی دینی مشیر، اردن)

(11) احمد بن یحیی النجمی (جازان کے معروف عالم)

(12) عبدالقادر الارناؤط (خادم حدیث شریف، دمشق)

(تبلیغی جماعت علمائے عرب کی نظر میں، صفحہ5، حدیث اکیڈمی، ڈیرہ غازی خان)

ان تمام مولویوں نے بالاتفاق تبلیغی جماعت کو گمراہ کہا۔ سعودی وہابی شیخ الفوزان کہتا ہے: ''ہمارے ملک (سعودیہ) کو الحمدللہ اس بات کی حاجت اور ضرورت نہیں ہے کہ ہم دوسرے ملکوں سے دین اور منہج درآمد کریں۔ اس ملک کے باسیوں پر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقیدہ توحید و رسالت کی جو دولت ان کو نصیب فرمائی ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لیں اور جو کچھ باہر سے آرہا ہے اسے چھوڑ دیں۔ تبلیغی جماعت کی دعوت کتاب وسنت کی دعوت نہیں ہے۔ اس جماعت کے بارے میں بہت کچھ لکھا اور بیان کیا جاچکا ہے کہ ان میں عقیدہ وعمل کی بے شمار بدعتیں اور خرابیاں ہیں۔ یہ باتیں اُن لوگوں نے بتائیں ہیں جو ان کے ساتھ نکلے، طویل عرصہ ان کے ساتھ رہے اور ان کی حقیقت کو پہچانا۔ انہوں نے واضح کیا کہ ان کا طریقہ اور منہج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ اور منہج کے خلاف ہے، یہ گمراہ اور بدعتی صوفیوں کی جماعت ہے، لہٰذا ان سے بچنا ضروری ہے، خصوصاً سعودی عرب کے عوام کو تو ان سے دور رہنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں دعوت سلفیہ (کتاب وسنت) کو زندہ کیا ہے۔''

(تبلیغی جماعت علمائے عرب کی نظر میں، صفحہ52،53، حدیث اکیڈمی، ڈیرہ غازی خان)

لہٰذا گھسن صاحب کو سعودی وہابیوں کی اس طرح کی تخریب کاریوں پر خوش نہیں ہونا چاہئے ورنہ تبلیغی جماعت دیوبندیوں کے نزدیک بھی گمراہ ٹھہرے گی۔ پھر ہونا یوں چاہئے تھا کہ دیوبندی کنزالایمان کی پابندی پر اپنا غم یاد آتا جو انہی سعودی وہابیوں نے دیوبندیوں کو دیا تھا کہ سعودیہ میں تفسیر عثمانی کی تقسیم بند کروادی تھی۔ تفسیر عثمانی کی تقسیم بند ہونے پر دیوبندیوں نے بھی آہ وبکا کی تھی چنانچہ جامعہ بنوریہ دیوبند کراچی والوں نے اپنی ویب سائیٹ پر اس کا رونا کچھ یوں رویا ہے: ''کچھ سالوں سے سعودی حکومت نے شاہ فہد مرحوم کے نام سے ایک چھاپہ خانہ بنایا ہے، جس میں دیگر اُمور کے علاوہ قرآنِ کریم کی طباعت و اِشاعت بطورِ خاص اس کا مشن ہے، دُنیا کی تمام مشہور زبانوں میں قرآن مجید کے جو تراجم ہوئے ہیں، وہ بھی اس مطبع میں چھاپے جاتے ہیں اور حجاجِ کرام میں تقسیم کئے جاتے ہیں، جب یہ نیک سلسلہ شروع ہوا تو برصغیر کے اُردو خواں حاجیوں کے لئے انہوں نے جس مختصر اور جامع ترجمہ وتفسیر کا انتخاب کیا، وہ تحریکِ پاکستان کے علم بردار اور پرچم کشا علامہ شبیر احمد عثمانی کا ترجمہ وتفسیر تھا۔۔۔ مگر چند سال قبل پاک وہند سے روزگار اور کمائی کے لئے سعودیہ گئے ہوئے کچھ عناصر پاک وہند میں جن کے ہم نوا اُنگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں، انہوں نے نچلی سطح پر تعلق و تملق کے ذریعے تفسیر عثمانی کی جگہ ہندوستان کے کسی غیر معروف آدمی کا ترجمہ چھپوانے کی تگ ودو کی، وہ بھی ایسا ترجمہ جس کے خریدار پاک وہند میں انہیں میسر نہ تھے، وہاں سے سرکاری خرچ پر چھپوا کر ازراہِ تملق خادمِ حرمین شریفین کا ہدیہ کہہ کر ہر حاجی کو دے دیا جاتا ہے۔''

(http://banuri.edu.pk/ur/node/1302)

سعودیہ میں اس وقت وہابیوں کی حکومت ہے اور وہابی اپنے مردود مذہب کو پھیلانے کے لئے اہل سنت کے علماء کی کتب پر پابندی لگا رہے ہیں جن میں کئی اسلاف کے علماء کی کتب پر بھی پابندی لگائی گئی ہے جن کتب کو دیوبندی بھی مانتے ہیں جیسے دلائل الخیرات وغیرہ۔ سعودی وہابی بغیر دلیل اہل سنت کی کتب کو شرک و بدعت کی تعلیمات ٹھہراتے ہیں اور برصغیر پاک وہند کے وہابی مولویوں کی کتب سعودیہ میں عام کررہے ہیں۔ یہ کوئی شرعی و علمی کارنامہ نہیں بلکہ یہ علمی دہشت گردی ہے جو وہابیوں کا شعار ہے۔

ان شاءاللہ (عزوجل) جب سعودیہ میں پھر اہل سنت کی حکومت آئے گی تو اسی سعودیہ میں وہابیوں کی کتابوں پر پابندی لگے گی اور ان کے عقائد کے ساتھ ساتھ ان کے مولویوں کی بھی تردید کی جائے گی جیسا کہ وہابیوں کی حکومت سے پہلے اسی حرمت والے شہروں کے علمائے کرام نے ابن عبدالوہاب نجدی، وہابی اور دیوبندیوں کے امام اسماعیل دہلوی کے عقائد کی تردید کی اور

انہیں دجال کہا اور اس کی کتاب "تقویۃ الایمان" کو مردود ٹھہرایا چنانچہ مکہ و مدینہ کے علماء کرام نے لکھا:۔

"لا شك فی بطلان المنقول من تقوية الايمان بكونه موافقا للنجدية و ماخوذا من كتاب التوحيد لقرن الشيطان۔۔۔و مولف هذا لكتاب دجال كذاب استحق اللعنة من الله تعالىٰ و ملائكته و اولى العلم و سائر العلمين۔الخ" ترجمہ: تقویۃ الایمان میں منقول عقائد بے شک باطل ہیں کیونکہ وہ شیطانی گروہ نجدیوں کی کتاب التوحید مصنفہ ابن عبدالوہاب کے بالکل موافق ہے اور اس کتاب کا مصنف (مولوی اسماعیل صاحب) دجال اور جھوٹا ہے (وہ اسماعیل) اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور سب جہان والوں سے لعنت کا مستحق ہے۔

دستخط علمائے مکہ معظمہ

عبدہ شیخ عمر ― احمد دحلان مفتی مکہ معظمہ ― عبدہ عبدالرحمٰن ― محمد الکبی مفتی مکہ

دستخط علمائے مدینہ طیبہ

السید ابو سعود الحنفی ― محمد بالی ― سید یوسف العربی ― سید ابو محمد طاہر

ابو السعادات محمد ― عبدالقادر وتیاوی ― مولوی محمد اشرف ― شمس الدین

(دیوبندی مذہب ،صفحہ139 بحوالہ بھونچال برلشکر دجال مطبوعہ لاہور ،صفحہ68 از انوار آفتاب صداقت،صفحہ534)

باب دوم: اعلیٰ حضرت اور علمائے اہل سنت پر لگائے گئے الزامات کے جوابات

جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ گھمن صاحب نے حسام الحرمین کتاب کا اپنے خیال میں رد کیا لیکن موضوع سے ہٹ کر آدھی سے زیادہ کتاب الزامات سے بھر دی۔ سب سے پہلے گھمن صاحب نے اہل سنت پر یہ الزام لگایا کہ اعلیٰ حضرت اور علمائے اہل سنت نے اللہ (عزوجل)، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، صحابہ کرام، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی شان میں بے ادبیاں کی ہیں۔ یہ سب گھمن صاحب نے اس لئے کیا کہ جن لوگوں نے ان ہستیوں کو نہیں چھوڑا وہ اکابر دیوبند کو کیسے معاف کر سکتے ہیں؟ گھمن صاحب نے یہ بات ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور ایسے ایسے عجیب وغریب اعتراضات کئے کہ جنہیں پڑھ کر جاہل دیوبندی تو خوش ہو سکتے ہیں لیکن عقل سلیم رکھنے والا شخص جان جائے گا کہ یہ کوئی علمی کتاب نہیں بلکہ کسی نے رطب و یابس اکٹھا کیا ہوا ہے۔

فصل اول: شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور عبدالحق محدث دہلوی کے متعلق اہل سنت کا مؤقف

گھمن صاحب نے سب سے پہلے شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذات پر کلام کیا کہ علمائے اہل سنت نے ان کے متعلق بہت غلط لکھا ہے۔ اس کے بعد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) اور پھر اس کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) پر کلام کیا۔ حالانکہ گھمن صاحب کو چاہئے تھا کہ پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کا ذکر کرتے کہ وہ شاہ ولی اللہ سے پہلے کے ہیں۔ لیکن گھمن صاحب نے ایسا اس وجہ سے نہیں کیا کہ شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) سے کچھ ایسی باتیں سرزد ہوئی ہیں جن پر علمائے کرام نے کچھ کلام کیا ہے اور یہی گھمن صاحب کی کتاب کی جان بن گئیں، جبکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے متعلق علمائے اہل سنت نے کچھ بھی نہیں کہا اور نہ اس پر گھمن صاحب کے پاس کوئی دلیل تھی بس گھمن صاحب نے کھینچ تان کی ہے جسے قارئین آگے جان جائیں گے۔

شاہ ولی اللہ کے متعلق اہل سنت کا مؤقف

شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) بے شک ایک علمی شخصیت تھی، لیکن جب وہ حج کرنے گئے تو ان کی ملاقات ابن عبدالوہاب نجدی سے ہوئی جس کی وجہ سے ان کی شخصیت پر کچھ ایسے اثرات ہوئے کہ انہوں نے اپنی کتب میں کچھ ایسی باتیں لکھ دیں جو غیر

مقلدین کے لئے حجت بن گئیں۔ اس پر بعض علمائے اہل سنت نے اعتراض کیا تھا کہ شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) جب خود کو سنی حنفی کہتے تھے تو انہیں ایسا نہیں لکھنا چاہیے تھا۔ لیکن اس کے باوجود علمائے اہل سنت میں سے کسی نے بھی شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) پر کوئی سخت حکم گستاخی وگمراہی کا نہیں لگایا۔ لیکن گھمن صاحب کا کام الزام تراشی کرنا تھا اسلئے انہوں نے اپنی کتاب میں سب سے پہلے علمائے اہل سنت کی ان تنقیدات کو نقل کیا جو انہوں نے ایک خاص وجہ سے شاہ ولی اللہ پر کیں تھیں۔

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

بریلوی مذہب کی ریڑھ کی ہڈی جناب غلام مہر علی آف چشتیاں صاحب دیوبندی مذہب لکھتے ہیں: سارے فساد کی جڑ مولوی شیخ احمد معروف شاہ ولی اللہ دہلوی اور وہی سارنگی بجانے والے اس کے بیٹے رفیع الدین وعبد القادر ہیں۔۔۔۔ وہی مولوی احمد الضدان یجتمعان کا حیرت انگیز ہیولیٰ تھے اول سنی پھر نجدی۔ معرکۃ الذنب، صفحہ 7، 8۔

آگے لکھتے ہیں: خواجہ اللہ بخش تونسوی فرمایا کرتے تھے کہ شاہ ولی اللہ نے ہگا، شاہ عبد العزیز نے اس پر مٹی ڈالی، مگر اسماعیل نے اسے ننگا کر کے سارے ملک کو متعفن کر دیا۔ معرکۃ الذنب، صفحہ 8۔

آگے لکھتے ہیں: قرآن مجید کا فارسی و اردو میں غلط ترجمہ کرنے والوں میں اس سارے فساد کی جڑ مولوی شیخ احمد الملقب بہ شاہ ولی اللہ۔ معرکۃ الذنب، صفحہ 15۔

مولوی عمر اچھروی صاحب نے مقیاس حنفیت کے صفحہ 576، 577 پر شاہ صاحب کو وہابی لکھا ہے اور وہابی بریلویوں کی زبان میں گستاخ رسول کو کہتے ہیں جیسے بریلوی عالم جلال الدین امجدی لکھتے ہیں: جس طرح حنفی، شافعی اور رضوی میں نسبت ملحوظ ہے، اس طرح وہابی میں نسبت ملحوظ نہیں بلکہ اب وہ نام ہے گستاخ رسول کا جیسے کہ لوطی میں لوط علیہ السلام کی طرف نسبت ملحوظ نہیں بلکہ وہ نام ہے لواطت کرنے والے کا۔ فتاوٰی فیض الرسول، جلد 3، صفحہ 261۔

تو شاہ ولی اللہ کو گستاخ رسول بنایا گیا۔

مفتی اقتدار احمد خان نعیمی لکھتے ہیں: لایعنی لغو اور کذب باتوں نے شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی اور خواجہ حسن نظامی دہلوی کو معاشرہ علمیہ میں مشکوک بنا دیا کہ پتہ نہیں لگتا کہ یہ لوگ سنی ہیں یا شیعہ یا وہابی۔ ان لوگوں نے اپنی کتب میں کوئی بات شیعہ نوازی میں کہہ کر شیعہ فرقہ کو خوش کر دیا، کوئی بات وہابیوں

کی تائید میں کر دی، اس کج روی کی بنا پر مشکوک لوگ اہل سنت کے لئے قابل سند نہیں رہے۔ تنقیدات علی مطبوعات، صفحہ 148۔

اور تقریباً یہی بات صفحہ 72 پر بھی لکھی ہے۔

بریلوی جید عالم محمود احمد قادری لکھتے ہیں: جس طرح مرزا قادیانی دجال کو اس کی درثمین نہیں بچا سکتی، اسی طرح شاہ ولی اللہ کو بھی اس کی درثمین نہیں بچا سکتی۔ ریحان المقربین، صفحہ 52۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: شاہ ولی اللہ کی وہابیت کی وضاحت تو ہم پیر طریقت مناظر اعظم حضرت مولانا محمد عمر صاحب کی کتاب مقیاس حنفیت سے کر چکے ہیں۔ اب شاہ ولی اللہ کی شیعت کے بارے میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ریحان المقربین، صفحہ 89، 90۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 24۔۔۔مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

ان تمام عبارتوں میں ایک بھی جگہ یہ نہیں کہا گیا کہ شاہ ولی اللہ گستاخ رسول ہیں یا گمراہ ہیں لیکن گھمن صاحب نے خود ہی باطل استدلال کر کے علمائے اہل سنت کی تحریرات سے انہیں گستاخِ رسول ٹھہرا دیا ہے۔ ان تمام علمائے کرام نے جو شاہ ولی اللہ پر تنقیدات کی ہیں ان کی وجہ وہی ہے کہ انہوں نے بعض ایسی تحریرات لکھی ہیں جنہوں نے وہابی مذہب کو تقویت دی۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا حضرت شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) پہلے ایک پکے حنفی تھے۔ اپنی کتاب "فیوض الحرمین" صفحہ 48 میں تحریر فرماتے ہیں "عرفنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت و نقحت فی زمان البخاری و اصحابہ" ترجمہ: مجھے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بتایا کہ مذہب حنفی ایسا عمدہ طریقہ ہے جو سنت معروفہ سے بہت موافق ہے جس کو امام بخاری وغیرہ کے زمانہ میں وضاحت کے ساتھ جمع کیا گیا۔

اسی طرح عقائد و اعمال اہل سنت کے حق میں کثیر حوالہ جات آپ کی کتب میں موجود ہیں۔ پھر آپ حج کرنے گئے اور وہابی مذہب سے ایسے متاثر ہوئے کہ اپنی بعض کتابوں میں تقلید کے متعلق ایسی کئی عبارات لکھ دیں جنہیں آج بھی وہابی غیر مقلد دلیل بناتے ہیں۔ جیسے موطا کی شرح مصفی میں واضح الفاظ سے امام ابوحنیفہ کے مقابل امام شافعی اور امام احمد کو زیادہ ثقہ ظاہر کیا چنانچہ "مصفی شرح مؤطا" کی عبارت یہ ہے "بالجملہ ایں جبار اماماں کہ عالم را علم ایشاں احاطہ کردہ است امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد ایں دو امام متاخر شاگرد امام ابو حنیفہ و امام مالک بودند و مستمند ان از علم اد و عصر تبع تابعین بنودند مگر ابو حنیفہ و امام مالک آں یک شخصے کہ روس محدثین

مثل احمد و بخاری و مسلم و بخاری و مسلم و ترمذی و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجه و دارمی یك حدیث ازوے در کتاب هائے خود روایت نه کرده اند و رسم روایت حدیث ازوے بطریق ثقات جاری نه شدو آں دیگر شخصے ست که اهل نقل اتفاق دارند هر آنکه چوں حدیث روایت او ثابت شد بدر وه اعلی صحت رسید" یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ عظیم المرتب امام کہ ان کے علم نے تمام عالم کا احاطہ کرلیا ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد۔ یہ بعد کے دو امام، امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے شاگرد اور ان کے علوم سے فیض یاب ہونے والے ہیں اور تبع تابعین کے دور کے صرف امام ابوحنیفہ اور امام مالک ہیں۔ وہ امام (امام ابوحنیفہ اور امام مالک) کہ جن سے روس المحد ثین، مثلاً احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی کتابوں میں ایک روایت بھی نقل نہیں کی ہے اور ثقات کی طرح روایت حدیث کا طریقہ ان سے جاری نہ ہوا اور دوسرے امام (امام شافعی اور امام احمد) وہ ہیں جن پر اہل نقل کا اتفاق ہے کہ جو حدیث ان سے ثابت ہے وہ صحت کے بلند ترین مقام تک پہنچ گئی ہے۔

خلیفہ اعلیٰ حضرت مفتی ظفر الدین بہاری (رحمة الله علیه) شاہ ولی اللہ کے بارہویں صدی کے مجدد ہونے پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جناب مولانا شاہ ولی صاحب میں قطع نظر اس کے کہ نہ کسی صدی کے آخر میں ہوئے، نہ دوسری صدی کے اول میں رہے (جبکہ مجدد کی نشانی یہ ہے کہ وہ ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول میں آئے۔) پھر ان کی شہرت دو صدیوں میں اور ان کے علوم و معارف سے انتفاع ہر قسم کی باتیں ان کے یہاں موجود ہیں۔ حجة اللہ البالغہ عجیب و غریب کتاب لکھی، اگر کچھ حصے سنیوں کے کارآمد ہیں تو ایک حصہ وہابیہ لئے ہوئے اکڑ رہے ہیں۔

مولوی ابو یحیٰ امام خان نوشہروی نے تراجم علمائے حدیث انہیں کے نام نامی سے شروع کی اور اس میں ان کو پورا اہل حدیث بلکہ بانی مذہب اہل حدیث یقین کیا کہ اہل حدیث کا باوا آدم انہی کو قرار دے کر آگے شاخیں پھیلائی ہیں۔ صفحہ 5 پر تفہیم کی یہ عبارت درج کی ہے "فـمـعـنـی ربی انا جعلناك امام هذه الطریقة و سددنا طریق الوصول الی جقیقة القرب کلها الیوم غیر طریقة واحدة وهو محبتك الانقیاد لك و السماء لیس من عاداك سماء و لیست الارض علیه بارض فاهل الشرق والغرب کلهم رعیتك و انت سلطانهم علموا او لم یعلموا فان علموا فازوا وان جهلوا خابوا" یعنی مجھے خداوند عالم نے سمجھایا کہ ہم نے تم کو اس طریقہ کا امام بنایا اور حقیقت قرب تک رسائی کے سب رستوں کو بند کر دیا، سوا ایک طریقہ کے، وہ طریقہ تیری محبت اور تیری فرمانبرداری ہے، جو تیرا مخالف ہے، اس کے لئے نہ آسمان آسمان ہے اور نہ

زمین زمین ہے۔ تمام روئے زمین ہے لوگ پوربی ہوں یا پچھمی، سب تیری رعایا ہیں اور تو ان سب کا بادشاہ ہے، چاہے وہ جانیں یا نہ جانیں۔ اگر وہ جانیں گے کامیاب ہوں گے اور نہ جائیں گے، گھاٹے اور نقصان میں رہیں گے۔

جناب حجة اللہ (شاہ ولی اللہ صاحب) اپنی مصنفات، شروح احادیث مسویٰ و مصفیٰ اور دوسری تصنیفات مثلاً: عقد المجید، الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، وغیرہ میں تقلید اور عمل بالحدیث کا موازنہ فرماتے ہوئے اتباع الحدیث کو کھلے طور پر ترجیح دیتے ہیں۔

لیکن اس بحث کو جس خوبی کے ساتھ ''حجة اللہ البالغہ'' میں پھیلایا نہایت پر لطف ہے کہ گویا تمام کتاب اسی بحث پر محتوی ہے۔

پھر صفحہ 20 پر لکھا اور آگے بڑھ کر صفحہ 122 پر بضمن باب "حکایت الناس قبل المائة الرابعه و بعدها" اس ذکر کو اور بھی وضاحت سے بیان فرمایا۔ مگر صفحہ 135 پر زیادہ توضیح سے کام لیا اور بضمن "من ابو اب الاعتصام بالکتاب والسنة" میں تو یہ راز بالکل فاش کردیا۔ فرماتے ہیں "واقول الفرقة الناجیة هم الآخذون فی العقیدة والعمل جمیعابما ظهر من الکتاب والسنة۔۔۔" یعنی میں کہتا ہوں کہ فرقہ ناجیہ وہ ہے جو عقیدہ اور عمل دونوں میں کتاب و سنت اور صحابہ و تابعین سے بظاہر النص فتویٰ جاری کرے (اگر چہ صحابہ و تابعین نے ایسے مسائل میں جن کے لئے انہیں نص نہ ملی ہو باہم اختلاف ہی کیوں نہ کیا ہو۔)

پھر صفحہ 22 پر لکھا، اسی کے ساتھ حدیث "اذا امن الامام فامنوا فانه من وافق تامینه تامین الملائکة غفر له ما تقدم من ذنبه" نقل کرتے ہوئے باشارة النص آمین بالجہر کی تاکید فرماتے ہیں۔

یہاں شاہ محمد فاخر زائر الہ آبادی مرحوم کا ماجرا قابل ذکر ہے۔ حضرت زائر دہلی تشریف لائے، جامع مسجد میں ایک نماز جہری میں باآواز بلند آمین کہہ ڈالی، دہلی میں یہ پہلا حادثہ تھا، عوام برداشت نہ کر سکے، جب آپ کو گھیر لیا تو فرمایا: اس سے فائدہ نہ ہوگا، تمہارے شہر میں جو سب سے بڑا عالم ہو اس سے مسئلہ دریافت کرو۔ لوگ ان کو حضرت حجة اللہ شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں لے گئے۔ دریافت مسئلہ پر آپ نے فرمایا: حدیث سے تو باآواز آمین کہنا ثابت ہے۔ مجمع یہ سن کر چھٹ گیا، اب صرف مولانا محمد فاخر صاحب اور حضرت شاہ صاحب بصورت قران السعدین باقی تھے۔ شاہ محمد فاخر نے عرض کیا: آپ کھلیں گے کب؟ فرمایا: اگر کھل گیا ہوتا تو آج آپ کو کیسے بچالیتا؟

اور رفع یدین کے باب میں فرماتے ہیں کہ "و الذی یرفع علی احب الی ممن لا یرفع فان احادیث الرفع اکثر و اثبت" یعنی مجھے تو رفع یدین کرنے والا نہ کرنے والے سے زیادہ عزیز ہے کہ رفع یدین کی احادیث ترک رفع یدین کی احادیث سے تعداد میں زیادہ اور رتبہ میں قوی ہیں۔۔۔۔۔۔"

(حیات اعلیٰ حضرت، جلد3، صفحہ132۔۔۔ کشمیر انٹر نیشنل پبلیشرز ،لاہور)

دیوبندیوں میں بھی شاہ ولی اللہ کے متعلق چہ مگوئیاں تھیں چنانچہ جامعہ بنوریہ کے بانی بنوری صاحب نے ایک مقالہ بنام "**امام شاہ ولی اللہ اور حنفیت**" لکھا، جس میں شاہ ولی سے ہوئی خطاؤں کو یہ کہہ کر پس پردہ کر دیا کہ وہ اصحاب ترجیح کے درجہ پر تھے، اس لئے انہوں نے چند باتیں بڑی بڑی کر دیں۔ پھر آخر میں واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ حرمین شریفین کی زیارت کے بعد شاہ ولی اللہ کی حنفیت کا یہ عالم تھا کہ جس کسی فقہ پر کچھ لکھتے تھے اسی فقہ کے ہو جاتے تھے۔

پورے مقالے کا اختصار دیوبندیوں کے الفاظ کے ساتھ (یعنی دیوبندی مولویوں کے ساتھ (رحمۃ اللہ علیہ) اس مقالہ لکھنے والے دیوبندی نے لکھا ہے) کچھ یوں ہے:۔

"بانی جامعہ علوم اسلامیہ محدث العصر حضرت بنوری رحمہ اللہ نے یہ تحقیقی مقالہ آج سے کوئی 68 برس قبل 1359ھ۔ 1940ء میں بریلی سے مولانا محمد منظور نعمانی کی زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ "الفرقان" کی خصوصی اشاعت برائے امام شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے لیے تحریر فرمایا تھا، حضرت بنوری اس وقت جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ، سرزمین ہند کے ان اکابر میں سے ہیں جن کی نظیر نہ صرف اپنے عصر میں اور نہ صرف ہندوستان میں، بلکہ بہت سے قرون اور ممالکِ اسلامیہ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی، حضرت موصوف، بقول حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند ان افراد امت میں سے ہیں کہ سرزمین ہند میں اگر صرف شاہ ولی اللہ ہی پیدا ہوتے تو ہندوستان کے لئے یہ فخر کافی تھا۔ حضرت شاہ صاحب کی زندگی اور علمی و عملی کمالات کے اتنے گوشے ہیں کہ ہر ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے۔ مثلاً حضرت ممدوح کی جامعیت اور تبحر، دقت نظر، ظاہری و باطنی علوم کا حیرت انگیز اجتماع، مکاشفات و کرامات، تصنیف و تالیف، ترجمہ قرآن کی بنیاد، نصاب حدیث کی تاسیس، درس کی اصلاح، اسرار شریعت کی دلنشین اور موثر تشریح، کلام، تصوف، فلسفہ، اخلاق اور نظام حکومت میں ان کے خاص خاص قابل قدر نظریات، اصول تفسیر و اصول حدیث میں خاص خاص تحقیقات، جہاد کا جوش، حکومت اسلامیہ کی خلافت راشدہ کے اصولوں پر تشکیل و تاسیس وغیرہ وغیرہ اتنے

کمالات و خصائص ہیں جو اہلِ نظر و فکر کے لئے اور اہلِ دل و اہلِ ذوق اربابِ قلم کے لئے کافی جولانگاہِ تحقیق و تدقیق ہیں۔ حضرت موصوف کیا تھے؟ خدائے تعالیٰ کی ایک حجت قاطعہ تھی جو بارہویں صدی میں ہندوستان میں ظاہر ہوئی۔ میری بساط ہی کیا ہے کہ میں اربابِ نظر کے لئے شاہ صاحب کے کمالات کے کسی شعبہ پر ایسا لکھ سکوں کہ حق ادا ہو سکے، تاہم حصولِ سعادت کے لئے ایک موضوع پر کچھ اظہار رائے کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں، عصر حاضر کے ذوق کے پیش نظر مجھے کوئی دلچسپ موضوع اختیار کرنا چاہئے تھا، مگر مندرجہ ذیل امور نے مجھے عنوان مندرجہ بالا پر کچھ اظہار کرنے کے لئے مجبور کیا۔

حنفیت حقیقت میں ایک شرعی نظامِ قانون ہے، جس کو اصحابِ درایت اور ائمہ مذہب نے نظامِ عالم کے لئے اصح ترین قانون سمجھا اور آخرت کے لئے ایک نافع ترین ذریعہ نجات و وسیلہ سعادت خیال کیا۔

ہند اور بیرونِ ہند کے مخالف تقلید حضرات نے حضرت شاہ ولی اللہ کو بھی امام ابن حزم ظاہری، علامہ ابن القیم اور خاص شوکانی کی طرح عدم تقلید کے لئے ایک رکن رکین سمجھا، بلکہ تقلید اور بالخصوص حنفیت کا دشمن ظاہر کیا ہے۔

حضرت موصوف کی بعض تالیفات میں بعض ایسی عبارات بھی موجود ہیں جس سے ایک سطحی النظر شخص دیانت داری کے ساتھ حضرت شاہ صاحب کے متعلق یہ رائے قائم کر سکتا ہے۔

اس موقع پر مناسب ہوتا کہ کچھ تفصیلی نظر اجتہاد و تقلید پر ڈال سکتا تا کہ کسی قدر واضح ہو جاتا کہ حضرت شاہ صاحب مجتہد تھے یا مقلد؟ لیکن مضمون بہت طویل ہو جائے گا، اس لئے اس کے متعلق چند ارشادات ہی پر اکتفا کرتا ہوں، اور وہ ارشادات بھی نہایت مجمل ہوں گے، لیکن انشاء اللہ! اہلِ علم کے لئے وہ کافی بھی ہوں گے۔

اگر قدما میں سے قاضی بکار اور امام طحاوی اور ابو بکر خصاف اور ابو بکر جصاص، قاضی ابو زید دبوسی، شمس الائمہ سرخسی وغیرہ وغیرہ اور متاخرین میں سے امیر کاتب اتقانی، علاء الدین ماردینی، ابن الہمام، ابن امیر الحاج، قاسم بن قطلو بغا وغیرہ مقلد ابوحنیفہ ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ حضرات بھی اپنے خصوصی مختارات رکھتے ہیں تو پھر حضرت شاہ صاحب کا انہی کی طرح حنفی ہونا کیوں مستبعد ہے!!

نیز جبکہ قاضی اسماعیل، حافظ ابن عبد البر، قاضی ابو بکر بن عربی، حافظ اصیلی، ابن رشد کبیر مالکی ہو سکتے ہیں اور دارقطنی، بیہقی، خطابی، ابو المعالی، امام الحرمین، غزالی، عز ابن عبد السلام، ابن دقیق العید وغیرہ شافعی ہو سکتے ہیں اور علیٰ ہذا جبکہ ابن جوزی، ابن قدامہ، ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ حنبلی ہو سکتے ہیں تو پھر اسی درجہ میں حضرت شاہ صاحب کو مقلدِ مذہب حنفی ماننے میں کیا اشکال

ہوسکتا ہے!!

اصولاً کسی امام صاحبِ مذہب کا متبع چند جزئی مسائل میں اگر اپنے امام کے خلاف رائے قائم کرے تو علمائے امت میں اس کو اتباع وتقلید کے منافی نہیں سمجھا جاتا، قریباً سب مذاہب کے علماء میں کثرت سے خاص خاص مسائل میں بہت سے اختیارات اپنے ائمہ کے خلاف ملتے ہیں۔

پس اگر آپ نے تقلید کی وسیع حدود کو ان ارشادات اور امثلہ سے کچھ سمجھ لیا ہے تو پھر حضرت شاہ صاحب کی عبارات و ملفوظات سے یہ سمجھنا آپ کے لئے آسان ہو جائے گا کہ حضرت ممدوح حنفی تھے یا غیر حنفی۔۔۔۔

ان نتائج میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب ایک فقیہ النفس حنفی محدث ہیں اور ان فقہاء محدثین کے زمرے میں ہیں جو قوی وضعیف، صحیح وغلط اور راجح ومرجوح میں پوری بصیرت کے ساتھ فیصلہ کرسکتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اس درجہ کا کوئی حنفی محدث اور فقیہ النفس محقق دوسرا پیدا نہیں ہوا۔ حتی الوسع آپ حنفی مذہب ہی میں اس قول کو اختیار کرتے جو حدیث اور دوسرے مذاہب سے متفق ہو۔ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہاء حنفیہ میں شیخ ابن الہمام صاحبِ فتح القدیر اور آپ کے دو محقق شاگرد حافظ حدیث قاسم بن قطلو بغا اور محقق ابن امیر الحاج جو تفقہ نفس کے ساتھ تبحر حدیث، اطلاع رجال فن جرح وتعدیل اور اصول فقہ وغیرہ میں پوری دستگاہ رکھتے ہیں اور بہت سے فروعی مسائل میں اپنی اپنی خاص رائے رکھتے ہیں، اسی طبقہ میں حضرت شاہ صاحب کا بھی شمار ہونا چاہئے۔ بعض مسائل میں ان حضرات کا حنفیہ سے خلاف کرنا جسے مذہب حنفی کے خلاف نہیں سمجھا جاتا اور اس کے باوجود ان کو فقہاء حنفیہ ہی میں شمار کیا جاتا ہے، اسی طرح بعضے مسائل واحکام میں مذہب حنفی کے خلاف شاہ صاحب کا رجحان نفس حنفی مذہب کے خلاف نہیں کہا جاسکتا ہے۔ ہندوستان کا عام مذہب حنفی تھا اور فتوحاتِ اسلامیہ سے لے کر سلطان محمد شاہ کے آخری وقت تک یہی قانونی مذہب رہا۔ سلطان عالمگیر اورنگزیب رحمہ اللہ نے فتاویٰ عالمگیریہ تدوین کرایا۔ ان کے مدونین میں جیسا کہ ناظرین کو معلوم ہوگا حضرت شاہ صاحب کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم بھی شامل تھے اور آخری اسلامی دور کا یہی ہندوستان میں قانون رہا۔

ہندوستان کے حنفی محدثین میں شیخ محمد عابد سندھی صاحب المواهب اللطيفة على مسند ابی حنيفة، وطوالع الانوار شرح الدر المختار وغیرہ وشیخ محمد ہاشم سندھی، شیخ عبدالغفور سندھی، شیخ محمد قایم سندھی، شیخ ابوالحسن سندھی اور حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں آپ کے جانشین شاہ عبدالعزیز اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور السید مرتضیٰ بلگرامی زبیدی جو تبحر حدیث

وغیرہ میں کچھ کم نہیں، سب حنفی المذہب ہی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے بعد شاہ عبدالعزیز حنفی محدث آپ کے جانشین رہے اور شاہ عبدالعزیز کی جانشینی شاہ محمد اسحاق آپ کے نواسے نے کی، اور شاہ اسحاق کے مسند نشین شیخ عبدالغنی مجددی ہوئے، یہ سب بھی حنفی المسلک محدث تھے۔

شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے سمجھنے کے لئے آپ کی علمی تاریخ کا پیش نظر ہونا بھی ضروری ہے۔ جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ممدوح نے شروع میں حضرت والد ماجد شاہ عبدالرحیم وغیرہ علماء سے علوم حاصل کئے اور فقہ حنفی پڑھا اور جب تک ہندوستان میں تھے اور حرمین شریفین کی زیارت کو نہیں گئے تھے آپ پر فقہ حنفی کا اثر تھا۔ جب مدینہ منورہ پہنچے اور شیخ ابو طاہر کردی شافعی سے تلمذ ہوا تو اس کے بعد فقہ شافعی کا اثر بھی ساتھ آتا گیا اور كتاب الام جو امام شافعی کی کتاب ہے، اس کے مطالعہ سے فقہ شافعی کا اثر اور بڑھتا گیا، آخر میں امام مالک کی کتاب موطا کی طرف بہت توجہ ہوئی اور اس کی عربی وفارسی میں دو شرحیں مختصر لکھیں اور اس کی وجہ سے مذہب مالکی کا اثر بھی آپ پر چڑھا، لیکن آپ اکثر امام مالک کا مذہب موطا کی روایتوں ہی کو ٹھہراتے ہیں، حالانکہ مالکیہ میں بہت سے موطا کے اقوال مہجور ہیں اور مذہب میں داخل نہیں۔۔۔''

(اشاعت 2006 ماہنامہ بینات، جمادی الاولی 1427ھ۔ جون 2006ء)

بنوری صاحب کا شاہ ولی اللہ کو مجتہد کہنا بالکل غلط ہے۔ شاہ ولی اللہ کی فقاہت اس درجہ کی نہیں تھی کہ انہیں اصحاب ترجیح میں سے کہا جائے اور نہ ہی انہوں نے کوئی ایسی فقہ کی کتاب لکھی جس میں انہوں نے مدلل دلائل کے ساتھ خود کو اصحاب ترجیح ثابت کیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ کی بھی کوئی کتاب مشہور نہیں ہے۔ اصحاب ترجیح اسی کو شمار کیا جاتا ہے جس نے فقہ پر ایسا کام کیا ہو کہ اہل علم اسے اصحابِ ترجیح جانیں۔ شاہ ولی اللہ (رحمة الله عليه) کو اصحابِ ترجیح میں سے جاننا فقط ان کی خطاؤں پر پردہ ڈالنے کا ایک بہانہ ہے۔ اگر سیدھا سیدھا یہ کہہ دیں کہ ان سے ابن عبدالوہاب نجدی کی ملاقات کے بعد کچھ خطائیں سرزرد ہوگئی تھیں تو یہ بات حق ومناسب ہوگی۔ اگر ہم اسی بات کو سامنے رکھیں تو وہابی مذہب کو بھی ٹھیس پہنچے گی کیونکہ وہ انہی چند باتوں کو لے کر دعویٰ کرتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ (رحمة الله عليه) اپنی آخری عمر میں وہابی ہو چکے تھے چنانچہ انٹرنیٹ پر وہابیوں کی سائیٹ میں ہے:۔

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته! کیا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز مقلد تھے؟ جزاكم الله خيرا

الجواب بعون الوهاب بشرط صحة السؤال

وعليكم السلام ورحمة الله وبركاته! الحمد لله، والصلاة والسلام علىٰ رسول الله، أما بعد! شاہ ولی اللہ

آخر میں ادھر ہی مائل ہو گئے۔ شاہ عبدالعزیز نے چار مصلوں کی مذمت لکھی ہے جو بیت اللہ میں قائم کیے گئے تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر عزیزی زیر آیت کریمہ ﴿وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ﴾ سورۃ البقرۃ 74۔

نیز شاہ ولی اللہ کا وصیت نامہ دیکھئے۔ انہوں نے اولاد کو تقلید سے روکا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

فتاویٰ اہلحدیث

کتاب الایمان، مذاہب، ج 1، ص 108

محدث فتویٰ

(http://www.urdufatwa.com/index.php?/Knowledgebase/Article/View/581/0/)

جس طرح شاہ ولی اللہ کی چند غلطیوں کے سبب وہابیوں نے انہیں وہابی سمجھا اسی طرح بعض وہابیوں نے ان کی دیگر سنی حنفی خدمات کے سبب سنی حنفی ہی قرار دیا اور ان کے وہابی ہونے کا انکار کیا چنانچہ ڈاکٹر محمد لقمان سلفی کی نظر ثانی سے شائع شدہ ڈاکٹر ابو عدنان سہیل کی کتاب ''**اسلام میں بدعت وضلالت کے محرکات**'' میں شاہ ولی اللہ کے بارے میں ہے: ''شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب انفاس العارفین میں تصوف کی دیگر کتابوں کی طرح ہر طرح کی رطب ویابس باتیں پائی جاتی ہیں جیسے کشف وکرامات، عجیب وغریب واقعات، غیر اللہ کو سجدے، اللہ کا مشاہدہ بلکہ اس سے جسمانی اتصال، قبولیت، عرس، قوالی، ختم خواجگان، جنت کی بشارت، اپنی بات منوانے کے لیے اللہ کے سامنے مچل جانا اور اس سے اپنی بات منوالینا، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کو بدلوا ڈالنا، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مجلسوں میں تشریف لانا، اللہ تک پہنچ جانے کے بعد عبادات کی ضرورت باقی نہ رہنا وغیرہ اس طرح کی تمام چیزیں اس کتاب میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اس کتاب میں یہ بات بھی موجود ہے کہ بزرگوں کی قبروں سے سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں جو لوگ شاہ ولی اللہ صاحب سے نسبت اور تعلق رکھتے ہیں اور ان کے نظریات تصوف کے قائل ہیں وہ بریلوی مکتب فکر کی بوالعجبیوں اور بزرگوں کی قبروں پر ہونے والے شرک وبدعات کے ہنگاموں پر جو شور وغوغا مچاتے ہیں یا اس کا رونا روتے ہیں، وہ محض دکھاوا اور مگرمچھ کے آنسو ہیں۔''

(صفحہ 272)

ابو عدنان سہیل کی یہ کتاب مکتبہ نور حرم گلشن اقبال کراچی سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ زبیر علی زئی نے اپنے رسالہ ''**الحدیث**'' میں شاہ ولی اللہ سے براءت کا اظہار کیا ہے۔

الختصر یہ کہ شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی بعض ایسی باتوں جن سے وہابی مذہب کی تقویت ہوتی تھی ان پر علمائے اہل سنت نے اعتراض کیا جو کہ حق تھا۔ البتہ کثیر محقق علمائے اہل سنت نے ان کی یہ چند غلطیوں کو نظر انداز کیا اور انہیں صحیح العقیدہ سنی

حنفی جانا ہے اور یہی صحیح ہے چنانچہ علامہ کاظمی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ''حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت نہ صرف برصغیر بلکہ دُنیائے اِسلام میں علم وعمل اور ظاہری وباطنی کمالات کے اعتبار سے مسلم ہے۔ ان کے کسی ایک کارنامے کو اگر موضوع قرار دیا جائے تو اس کی تفصیل کے لیے سینکڑوں صفحات بھی کافی نہ ہوں گے۔ حضرت شاہ صاحب علوم شریعت وطریقت کے جامع تھے۔ تمام علوم میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ دینی علوم بالخصوص علم حدیث سے آپ کو انتہائی شغف تھا اور آپ کی علمی خدمات علمی دنیا میں انتہائی قدر ومنزلت کی نگاہوں سے ہمیشہ دیکھی جاتی رہیں گی۔

شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے متعلق بعض حضرات کا خیال ہے کہ آخر عمر میں وہ مسلک اہل سنت سے منحرف ہو گئے تھے جیسا کہ ان کی آخری تصنیفات مثلاً ''**تفہیمات الٰہیہ**'' وغیرہ کی بعض عبارات سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن فقیر کے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کا مسلک وعقیدہ آخر تک وہی تھا جو انہوں نے اپنی تصنیفات ''**فیوض الحرمین انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ**'' اور ''**انفاس العارفین**'' وغیرہ میں اپنے اکابر سے نقل فرمایا اور خود بھی اسی کی تائید فرمائی۔ شاہ صاحب کی ایسی عبارات کے اقتباسات ماہنامہ ''**السعید**'' ملتان میں فقیر شائع کرتا رہا ہے بلکہ دیوبندی مکتب فکر کا جریدہ ''**الفرقان**'' بریلی شاہ ولی اللہ نمبر میں اس قسم کا مواد شائع کر چکا ہے جس سے فقیر کی اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔

تفہیمات وغیرہ کی جن عبارات سے بعض حضرات کو شبہ پیدا ہوا وہ صحیح نہیں۔ اس لیے کہ شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے سامنے ایک ایسے طبقے کے کثیر التعداد لوگ بھی تھے جو اَن پڑھ، جاہل، کٹر مزاج ہندوؤں میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور ہندوانہ رسم ورواج ان کے رگ وپے میں راسخ تھے۔ ان کے عقائد میں بھی ہندوانہ جاہلیت کے اثرات کے ساتھ ان کی عقیدت میں جاہلیت کا رنگ پایا جاتا تھا، وہ ان کے مزارات پر جاتے اور استقلال ذاتی کے اعتقاد سے ان کی منتیں مانتے اور اسی انداز سے ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے تھے اور اسی جاہلانہ عقیدے سے اپنی حاجتیں اور مرادیں ان سے طلب کرتے تھے اور اسلام لانے کے باوجود وہ مشرکانہ عقائد میں مبتلا تھے۔ انہی مشرکانہ عقائد کے ساتھ بزرگوں کی قبروں پر جانے اور استمداد وغیرہ کو شاہ صاحب نے شرک قرار دیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ شرک ہے۔ مشرکانہ عقائد کے بغیر بزرگوں کے مزارات پر جانے اور ان کو وسیلہ ماننے اور صحت اعتقاد کے ساتھ ان کی نذر ونیاز کو انہوں نے اپنے بزرگوں خصوصاً اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم (رحمۃ اللہ علیہ) سے جا بجا اپنی کتابوں میں نقل فرمایا۔ اگر تفہیمات وغیرہ کی عبارات کو مسلک اہلسنت سے ان کا انحراف قرار دیا جائے تو شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے نزدیک ان کے والد ماجد سمیت ان کے وہ سب بزرگ مشرک قرار پائیں گے اور ایسی صورت میں

ان کے وہ تمام سلاسل جوانہی لوگوں سے وابستہ ہیں سب جاہلیت قرار پائیں گے جو صراحۃً باطل ہے۔

بعض فقہی مسائل میں شاہ ولی اللہ صاحب کا تفرد ان کی ذاتی تحقیق پر مبنی ہے جس سے اہل علم کے لیے اختلاف کی گنجائش ہے لیکن اس تفرد کو مسلک اہلسنت سے انحراف پر محمول کرنا صحیح نہیں۔

سید احمد سعید کاظمی امروہی

ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان

مہتمم مدرسہ عربیہ انوار العلوم، ملتان

(http://www.kazmis.com/Maqalat-4/22.htm)

﴿وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی﴾ کا صحیح ترجمہ کیا ہے؟

گھمن صاحب کو جب اور کوئی دلیل نہیں ملی تو انہوں نے شاہ ولی اللہ کا ترجمہ قرآن پاک لے کر علمائے اہل سنت پر اعتراضات کیے۔

گھمن صاحب شاہ ولی اللہ کے ترجمہ کے متعلق لکھتے ہیں:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ والضحیٰ کی آیت نمبر 7 کے ترجمہ میں یوں لکھتے ہیں "ویافت ترا راہ گم کردہ یعنی شریعت نمی دانستی پس رہ نمود" اور پایا تجھے راہ گم کردہ یعنی آپ شریعت کو نہیں جانتے تھے پس آپ کو راہ دکھائی۔ ترجمہ شاہ ولی اللہ۔

تو اس پر بریلوی وجاہت رسول قادری لکھتے ہیں: رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان میں یہ کہنا کہ بھٹکا ہوا گم کردہ راہ ہے، صاف اور صریح گستاخی ہے۔ انوار کنز الایمان، صفحہ 531۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 26، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے یہاں توڑ موڑ کر علمائے اہل سنت پر اعتراض کیا ہے۔ در اصل قرآن پاک کی آیت ہے ﴿وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی﴾ (سورۃ الضحیٰ، سورۃ 93، آیت 7)

اس کا ترجمہ مختلف مترجمین نے یوں کیا:۔

ترجمہ: اور پایا تجھ کو راہ بھولا پس راہ دکھائی۔ (شاہ رفیع الدین)

ترجمہ: اور آپ کو بے خبر پایا سو رستہ بتایا۔ (عبد الماجد دریابادی دیوبندی)

ترجمہ: اور تم کو دیکھا کہ راہ حق کی تلاش میں بھٹکے بھٹکے پھر رہے ہو تو تم کو دین اسلام کا سیدھا راستہ دکھایا۔ (ڈپٹی نذیر احمد)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا راستہ بتلا دیا۔ (اشرف علی تھانوی دیوبندی)

ترجمہ: اور تمہیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی۔ (مودودی)

ترجمہ: اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی۔ (سعودی ترجمہ)

ترجمہ: اور تجھے پایا بھٹکتا تو رستہ دکھا دیا۔ (عاشق الٰہی میرٹھی)

اس طرح کا ترجمہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان کے لائق نہ تھا۔ اس لئے اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کا ترجمہ یوں کیا: ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔''

''ضالا'' کا معنی خود رفتہ کے ہیں یعنی محبت الٰہی میں۔ عرب میں یہ معنی شائع ذائع تھا۔ حضرت یعقوب (علیہ السلام) نے اپنے صاحب زادگان سے فرمایا میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں تو صاحب زدگان نے عرض کیا تھا ﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ﴾ ترجمہ: بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں۔

(سورۃ الیوسف، سورۃ 12، آیت 95)

شاہ ولی اللہ نے معاذ اللہ حضور (علیہ السلام) کے لئے بھٹکا ہوا ترجمہ نہیں کیا گھمن صاحب زبردستی انہیں اہل سنت کے نزدیک گستاخ ٹھہرا رہے ہیں۔ اردو لغت میں گم کردہ کا معنی بھٹکا ہوا نہیں بلکہ فیروز اللغات میں ہے ''گم کردہ: کھویا ہوا۔

(فیروز اللغات، صفحہ 1106، فیروز سنز، لاہور)

اس اعتبار سے لغۃً اور شرعاً شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ بھی اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کے موافق ہوا ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔''

وجاہت رسول قادری صاحب نے فقط گم کردہ ترجمہ کو گستاخی نہیں کہا بلکہ ''بھٹکا ہوا گم کردہ راہ'' کہنے کو گستاخی کہا ہے۔

﴿لِّيَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ﴾ کا صحیح ترجمہ کیا ہے؟

گھمن صاحب الزامات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

شاہ ولی اللہ سورۃ فتح کی آیت نمبر 2 کا ترجمہ یوں کیا" بیا مرزد ترا خدا آنچہ کہ سابق گذشت از گناہ تو وآنچہ پس ماند" یعنی فتح یہ ہے کہ خدا نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے۔ (ترجمہ شاہ

صاحب)

اور جن بزرگوں کو نیازی صاحب ثالث مان رہے تھے ان میں سے ایک شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی ہیں۔وہ یوں لکھتے ہیں "امر زیدہ شدہ است برائے توهمه گناهان تو آنچه پیش رفته بودو آنچه پس آمده" جس کا ترجمہ اوپر والے ترجمہ کے قریب قریب ہے۔

جبکہ نیازی صاحب خود اس پر فتویٰ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اس آیت میں مترجمین نے خطاؤں اور گناہوں کو حضور (صلی الله علیه وآله وسلم) کی ذات پاک معصوم عن الخطاء سے منسوب کردیا ہے جو صریحا عصمت انبیاء پر حملہ ہے۔انوار کنز الایمان، صفحہ 823۔

مولوی محبوب علی خان قادری برکاتی صاحب لکھتے ہیں: یہ سارے مترجمین ترجمہ قرآن سے قطعا نابلد ہیں ورنہ جان بوجھ کر کفریات کے چھکے لگائے ہیں۔نجوم شہابیہ، 67، 68۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 26، 27، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

محسن صاحب نے یہاں پھر کھینچا تانی کی ہے اور تراجم کی اغلاط سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اہل سنت نے شاہ ولی اللہ کو معاذ اللہ گستاخ اور کافر کہا ہے جبکہ یہ بالکل غلط ہے۔علمائے اہل سنت تو مطلقا یہ فرمارہے ہیں کہ قرآن پاک کی آیت تھی ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرٰطًا مُّسْتَقِيْمًا﴾

(اعلیٰ حضرت نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا) تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے۔

(سورۃ الفتح،سورۃ 48،آیت2)

جبکہ دیگر اردو مترجمین نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ اللہ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔حضور (علیہ السلام) گناہوں سے پاک ہیں۔اس آیت میں لفظ ذنب اضافت میں مجازی ہے یعنی اللہ (عزوجل) آپ (صلی الله علیه وآله وسلم) کے سبب امت کے گناہوں کو معاف فرمایا۔

کتب عقائد میں ہے کہ انبیاء علیہم السلام شرک وکفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعثِ نفرت ہو، جیسے کذب و خیانت و جھل وغیرہا صفاتِ ذمیمہ سے، نیز ایسے افعال سے جو وجاہت اور مروّت کے خلاف ہیں قبلِ نبوت اور بعدِ نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقا معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمّدِ صغائر سے بھی قبلِ نبوّت. اور بعدِ نبوّت معصوم ہیں۔النبراس میں ہے "فذهبوا الى العصمة عن الصغائر والكبائر قبل الوحی و بعده وهو مختار ابی المنتهی

شارح الفقه الاكبر والشيخ عبدالحق المحدث دهلوی" ترجمہ: علماء کرام اس طرف گئے کہ انبیاء علیہم السلام قبل وحی و بعد وحی صغیرہ کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔اسے اختیار کیا ابو المنتہی شارح فقہ اکبر اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہما اللہ نے۔

(النبراس،صفحہ284،مکتبہ حقانیہ،ملتان)

اس آیت کا وہی ترجمہ معتمد ہے جو امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) نے کیا ہے: ''تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے۔''

مفسرین نے اس آیت کی تحت لفظ ''ذنبک'' کے کئی معنی بیان کئے ہیں:۔

بعض نے ترک افضل مراد لیا ہے۔

بعض نے امت کے گناہ مراد لئے ہیں۔

امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں: ''بلکہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہرگز حقیقۃً ذنب بمعنی گناہ نہیں۔﴿ماتقدم﴾ سے کیا مراد لیا، وحی اترنے سے پیشتر کے، اور گناہ کسے کہتے ہیں، مخالفتِ فرمان کو، اور فرمان کاہے سے معلوم ہوگا، وحی سے، تو جب تک وحی نہ اتری تھی فرمان کہاں تھا، جب فرمان نہ تھا مخالفتِ فرمان کے کیا معنی، اور جب مخالفتِ فرمان نہیں تو گناہ کیا؟

جس طرح ﴿ماتقدم﴾ میں ثابت ہولیا کہ حقیقۃً ذنب نہیں۔یوں ہی ﴿ماتاخر﴾ میں نقد وقت ہے قبل ابتدائے نزول فرمان جو افعال جائز ہوئے کہ بعد کو فرمان ان کے منع پر اترا اور انہیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالانکہ ان کا حقیقۃً گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا۔یونہی بعد نزول وحی وظہور رسالت بھی جو افعال جائز فرمائے اور بعد کو ان کی ممانعت اتری، اسی طریقے سے ان کو ﴿ماتاخر﴾ فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعۃً۔۔۔اسی وجہ پر آیۂ کریم سورۂ فتح میں لام لك تعلیل کا ہے اور ﴿ماتقدم من ذنبک﴾ تمہارے اگلوں کے گناہ اعنی سیّدنا عبداللہ وسیدتنا آمنہ (رضی الله تعالیٰ عنهما) سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام وامہات طیبات باستثناء انبیاء کرام مثل آدم وشیث ونوح وخلیل واسمعیل علیہم الصلوۃ والسلام، اور ﴿ماتاخر﴾ تمہارے پچھلے یعنی قیامت تک تمہارے اہلبیت وامتِ مرحومہ تو حاصل آیۂ کریمہ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لیے فتح مبین فرمائی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے بخش دے تمہارے علاقہ کے سب اگلوں پچھلوں کے گناہ۔والحمدللہ رب العالمین۔''

(فتاوی رضویہ،جلد29،صفحہ397،رضافاؤنڈیشن،لاہور)

واضح ہوا کہ اس آیت میں گناہ سے مراد حقیقی گناہ نہیں بلکہ ذنب میں اضافت مجازی ہے اور اگلے پچھلے گناہوں سے مراد

حضرت آدم (علیہ السلام) سے اور آپ کی امت کی خطائیں ہیں کہ جو آپ کے وسیلہ سے معاف ہوئیں چنانچہ تفسیر الإمام الشافعی میں امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن إدریس القرشی المکی (المتوفی 204ھ) سے مروی ہے "سئل الشافعي عن قول الله عز وجل ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ الآيتان. قال: معناه، ﴿مَا تَقَدَّمَ﴾ من ذنب أبيك آدم وهبته لك ﴿وَمَا تَأَخَّرَ﴾: من ذنوب أمتك، أدخلهم الجنة بشفاعتك" یعنی امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) سے جب ان دو آیتوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اگلوں سے مراد آپ کے والد حضرت آدم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خطا ہے جو آپ کے توسل سے معاف ہوئے اور پچھلوں سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں کہ اللہ (عزوجل) آپ کی شفاعت سے انہیں جنت میں داخل کرے گا۔

(تفسیر الإمام الشافعي، جلد3، صفحہ1262، دار التدمرية، المملكة العربية السعودية)

تفسیر الماتریدی میں محمد بن محمد بن محمود ابومنصور الماتریدی (المتوفی 333ھ) فرماتے ہیں " ذنبه وذنب سائر الأنبياء عليهم السلام ليس نظير ذنبنا؛ إذ ذنبهم بمنزلة فعل مباح منا، لكنهم نهوا عن ذلك...والوجه الثاني يرجع إلى ذنوب أمته؛ أي: ليغفر لك الله ذنوب أمتك " یعنی ان کی خطا اور دیگر تمام انبیاء کی خطائیں ہمارے گناہوں کی طرح نہیں ہیں۔ ان کی خطائیں ایسی تھیں جو ہمارے نزدیک مباح تھیں لیکن ان ہستیوں کو ان سے منع کیا گیا تھا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اس میں گناہ سے مراد حضور (علیہ السلام) کی امت کے گناہ ہیں کہ اللہ (عزوجل) آپ کے لئے آپ کی امت کے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔

(تفسیر الماتریدی (تأویلات أہل السنۃ)، جلد9، صفحہ290، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

تفسیر التستری میں ابومحمد سہل بن عبداللہ بن یونس بن رفیع التُستری نے السراج المنیر فی الإعانۃ علی معرفۃ بعض معانی کلام ربنا الحکیم الخبیر میں شمس الدین محمد بن احمد الخطیب الشربینی الشافعی نے اور امام فخر الدین رازی، امام خازن وغیرہ نے انہی اقوال کو نقل کیا ہے۔

پتہ چلا کہ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ان معتبر بزرگوں کی تفاسیر کے مطابق ہے۔

شاہ ولی اللہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہما) نے جو ذنب کا معنی گناہ کیا ہے، اس میں گناہ سے مراد وہی افضلیت کا ترک ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اردو ترجمہ کرتے وقت لفظ "ذنب" کا ترجمہ گناہ کرنے پر کوئی حکم نہیں بلکہ بے ادبی اس صورت میں ہے جب ترجمہ قرآن کے علاوہ گناہ کی نسبت حضور علیہ السلام کی طرف کی جائے۔ مفتی شریف الحق امجدی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: "بہت سے مترجمین نے اس آیت میں "ذنب" کا ترجمہ گناہ ہی کیا ہے۔ ترجمے میں کلمات قرآن کا لفظی

ترجمہ جائز ہے۔ لیکن ترجمہ سے خارج اپنے بیان میں اس کو انہیں الفاظ سے ذکر کرنا ممنوع ہے۔"

(فتاوی شارح بخاری، جلد1، صفحہ362، مکتبہ برکات المدینہ، کراچی)

نیازی صاحب نے جو ذنب کا ترجمہ گناہ کرنے کو بے ادبی کہا ہے یہ ان کا ذاتی مؤقف ہے، جمہور علماء کا وہی مؤقف ہے جو شارح بخاری قبلہ شریف الحق امجدی صاحب نے بیان کیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے متعلق اہل سنت کا مؤقف

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) اہل سنت حنفی بریلویوں کے نزدیک بزرگ ہستی ہیں۔ کسی سنی عالم نے ان کو ہرگز وہابی یا گستاخ کا الزام نہیں دیا۔ البتہ سنی عالم دین مفتی اقتدار نعیمی صاحب نے ایک دو جگہ ان پر معمولی سا طعن کیا ہے جو کہ ان کا اپنا نظریہ تھا۔ اس کی وجہ بھی وہی بنی کہ شاہ ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو بعض خطائیں کی تھیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اگرچہ ان سے اتفاق نہیں کیا لیکن کچھ معمولی سا رنگ چڑھ گیا تھا لیکن جب اس دور کے علماء نے ان کا رد کیا تو آپ نے رجوع کر لیا۔ ایسا اکثر ہو جاتا ہے کہ بڑے بڑے علماء پر بھی تھوڑا بہت طعن ہو جاتا ہے۔ گھمن صاحب نے چونکہ ثابت کرنا تھا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اہل سنت حنفی بریلوی نے ناقابل اعتبار ہے اس لئے انہوں نے اپنے دعویٰ پر فقط ایک دلیل دی جس میں بھی کوئی سخت حکم نہیں تھا۔

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

اب آئیے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی طرف:۔ مولوی عمر اچھروی شاہ ولی اللہ پر کئی الزام لگاتے ہیں:۔

(1) اپنے والد کا عطیہ کھو بیٹھے۔

(2) بزرگوں کی شان میں ہتک آمیز کلمات کہے۔

(3) انبیاء و اولیاء کی توہین کی۔

(4) وہابی ہو چکا ہے۔

(5) تمام علماء نے فتویٰ کفران پر صادر کیا۔

(6) بڑی مذہبی مجرم تھے۔

(7) ان کے اثرات شاہ عبدالعزیز پر بھی تھے۔ ملخصاً، مقیاس حنفیت، صفحہ 577، 578۔

مفتی اقتدار احمد نعیمی بریلوی لکھتے ہیں: اہل علم حضرات فرماتے ہیں: چار حضرات کی باتیں قابل تحقیق ہیں اکثر غلط ثابت ہوتی ہیں: (1) شاہ ولی اللہ (2) شاہ عبدالعزیز۔ تنقیدات علی مطبوعات، صفحہ 72۔

ایک جگہ یوں لکھتے ہیں: رہا شاہ عبدالعزیز کا جواز لکھ دینا تو قرآن وحدیث فقہاء عظام کے مقابل ان چاروں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ان کا تو اپنا کوئی مضبوط نظریہ نہیں۔ تنقیدات علی مطبوعات، صفحہ 123۔

ایک جگہ یوں لکھتے ہیں: عبدالعزیز خود مشکوک شخصیت ہیں۔ تنقیدات علی مطبوعات، صفحہ 180۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 28، 29، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھسن صاحب نے جو حضرت عمر اچھروی (رحمة الله علیه) کا پورا کلام چھوڑ کر فقط چند نکات پیش کئے ہیں یہ عمر اچھروی صاحب نے خود سے شاہ ولی اللہ (رحمة الله علیه) پر حکم نہیں لگایا تھا بلکہ آپ بتا رہے ہیں کہ شاہ ولی اللہ نے جب کچھ خطائیں کی تھیں تو علمائے اہلسنت نے اس پر کیا ردِ عمل کیا۔ علامہ عمر اچھروی (رحمة الله علیه) کا پورا کلام یوں ہے: ''شاہ ولی اللہ صاحب ہندی 1114ھ میں پیدا ہوئے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی سے 9 برس چھوٹے تھے۔ شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد سے تمام علوم حاصل کئے، شاہ صاحب کا عقیدہ حنفی تھا اور انہوں نے اپنے باپ شاہ عبدالرحیم صاحب (رحمة الله علیه) کی ولایت کی جانشینی اختیار کی۔ شاہ صاحب کا نام احمد تھا۔ شہرت اس حد تک پہنچ گئی کہ کوئی شاہ ولی اللہ کہتا تھا، کوئی قطب الدین کے لقب سے نوازتا تھا چنانچہ آپکو نبی (صلی الله علیه وآله وسلم) کی محبت نے اتنا بھایا کہ آپ نے ایک قصیدہ مدحیہ جس کا نام ''الطیب النغم فی مدح سید العرب و العجم'' تحریر فرمایا، جسکا ایک شعر تحریر کیا جاتا ہے:

وصلی علیك الله یا خیرُ خَلْقِهِ   و یاخیرُ مأمُولٍ ویاخیر واهِب

خود ترجمہ فرماتے ہیں یعنی رحمت فرستد بر تو خدائے تعالیٰ اے بہترین خلق خدا اے بہترین کسی کہ امید او داشتہ شود و اے بہترین عطا کنندہ۔ اور بزرگان دین کے تمام وظائف کا ہر روز ورد فرمایا کرتے تھے جیسا کہ ''الانتباہ فی سلاسل اولیاء'' ایک کتاب لکھی جس میں لکھا کہ اورادِ فتحیہ جس میں ''الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول'' بھی درج ہے، مجھے اجازت ہے میں پڑھتا ہوں۔ جواہر خمسہ بھی پڑھا کرتے تھے، جس میں یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ موجود ہے اور ہر روز پڑھتے تھے۔

اچانک ارادہ حج آپ کو حجاز لے گیا۔ وہاں محمد بن عبدالوہاب نے دیکھا کہ بڑا ذی اثر عالم ہے۔ شاہ صاحب سے بڑی محبت کا وطیرہ اختیار کیا اور اپنے عقائد سے شاہ صاحب کو ورغلانا شروع کیا۔ داناؤں نے سچ کہا ہے

صحبت بدراہ تباہ مے کند   دیگ سیاہ جامہ سیاہ مے کند

باپ کی صحبت نے شاہ صاحب کو رنگا اور حرمین شریفین تک رسائی کروا دی جس کے متعلق آپ نے کئی کتابیں لکھیں، دیکھئے فیوض الحرمین وغیرہ۔ نجدی کی صحبت میں رسائی بھی گئی اور رنگ بھی جاتا رہا۔

جب واپس پہنچے تو حالت نازک ہو چکی تھی اور اپنے والد ماجد کا عطیہ ولایت بھی کھو بیٹھے، حتیٰ کہ والد ماجد کے منجھے ہوئے مریدین نے جب ہتک آمیز کلمات بزرگوں کی شان میں کہے تو دستِ افسوس ملتے ملتے علیحدہ ہو گئے۔ محمد بن عبدالوہاب کے عقیدہ کی چند کتابیں ''بلاغ المبین'' وغیرہ انبیاء واولیاء کی توہین میں شائع کیں۔ مسلمانان ہندوستان کا چونکہ عالمگیر (رحمة الله علیه) کی سعی بلیغ سے حنفیت کا رنگ پکا ہو چکا تھا اور شاہ عبدالرحیم صاحب کی صحبت سے لوگ متاثر تھے۔ شاہ صاحب کی تحریر و تقریر مسلمانوں کو بے رنگ نہ کر سکی۔ دہلی میں ایک شور برپا ہو گیا کہ ولی اللہ وہابی ہو چکا ہے چنانچہ حیات طیبہ کے صفحہ 12 پر درج ہے کہ تمام علماء اسلام نے متفقہ طور پر فتاویٰ کفر صادر کئے تو شاہ صاحب کا جدی وعلمی وقار ہباءً منثورا ہو گیا۔ شاہ صاحب نے اپنے نئے مذہب وہابیت کی اشاعت کے واسطے اپنے خاندانی مذہب حنفی کے نام کو بدل کر محمدی رکھ لیا چنانچہ متمول اشخاص شاہ صاحب کے معتقد بن گئے۔ اور مذہبی آسانی اور آزادی دیکھ کر پسند کر لیا اور شاہ صاحب کے ہر وقت حفاظت میں مقید ہو گئے، کیونکہ ہر مسلمان شاہ صاحب کے کلمات کو انبیاء اللہ واولیاء کرام کے برخلاف برداشت نہ کر سکتا تھا اور چونکہ مسلمان فرقہ وہابیہ سے باخبر ہو چکے تھے، اس واسطے عوام وخواص ان کو سوائے محمدی کے وہابی ہی کہتے تھے۔ کیونکہ سوائے شاہ صاحب کے اور کوئی عالم شخص وہابی نہ تھا۔ لوگ اس وقت شاہ صاحب کو بڑا مذہبی مجرم سمجھ کر حملہ آور بھی ہوتے تھے لیکن حکومتِ اسلامی کے انصاف سے خائف تھے۔ شاہ صاحب کس مپرسی (ایسی حالت جس میں کوئی پُرسانِ حال نہ ہو) کی حالت میں اپنے دینی وطن نجد کو آبائی وطن پر مقدم سمجھتے ہوئے محمد بن عبدالوہاب کے پاس جا کر وہابیت کے معتقد نمائندے کی حیثیت میں قیام پذیر ہوئے چنانچہ اخیر عمر میں پھر لوٹے۔''

(مقیاس حنفیت، صفحہ 575۔۔، نفس اسلام)

علامہ عمر اچھروی (رحمة الله علیه) شاہ ولی اللہ (رحمة الله علیه) کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے کہ وہ اپنے مذہب کو محمدی کہتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں: ''محمدی مذہب کی حالت میں جب ہندوستان پھرے تو اپنے جانشین دو لائق بیٹے شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ رفیع الدین صاحب چھوڑ گئے۔ ان دو حضرات نے بھی اپنے دادا کے حنفی مذہب کو پسند فرمایا، لیکن آبی اثر ضرور متاثر ہوتا ہے کچھ نہ کچھ شاہ ولی اللہ صاحب کا معمولی سا رنگ چڑھا، جس کا علماء کرام نے کافی جواب دیدیا۔''

(مقیاس حنفیت، صفحہ 577، نفس اسلام)

یہاں علامہ عمر اچھروی صاحب نے واضح کر دیا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمة الله علیه) پر فقط معمولی سا رنگ

چڑھا تھا جسکا جواب اس دور کے علماء نے دے دیا لہٰذا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی پر کوئی الزام نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ کوئی سنی عالم دین کسی شخصیت پر حد سے تجاوز کرتے ہوئے معمولی سا طعن کر دے جیسے مذکورہ صورت میں بعض اہل سنت کے علمائے کرام نے شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہما اللہ پر طعن کیا ہے تو یہ ان کا اپنا ذاتی مؤقف ہوگا، ان کے ذاتی مؤقف کو تمام اہل سنت کے کھاتے میں ڈال دینا مناسب نہیں ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تیرہویں صدی کے مجدد

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث (رحمة الله عليه) اہل سنت کے نزدیک بالاتفاق تیرہویں صدی کے مجدد ہیں۔ حضرت ظفر الدین بہاری (رحمة الله عليه) شاہ عبدالعزیز محدث (رحمة الله عليه) کو تیرہویں صدی کا مجدد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''البتہ مجدد مائۃ ثالث عشر (تیرہویں صدی) ان (مولانا شاہ ولی اللہ) کے فرزند دلبند و شاگرد رشید و مرید و مستفید و خلیفہ و جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب (متولد 1159ھ۔ 1239ھ) ہیں۔ اس لئے کہ مجدد کی صفات میں ان میں پائی جاتی ہیں۔ اسلئے کہ بارہویں صدی کے آخر میں صاحب علم و فضل و زہد و تقویٰ، مشہور دیار و اطراف تھے اور تیرہویں صدی کے آغاز میں ان کا طوطی ہندوستان میں بولتا تھا۔ اور ساری عمر دینی خدمت درس و تدریس، افتا و تصنیف، وعظ و پند، حمایت دین و نکات مفسدین میں صرف اوقات فرماتے رہے۔ جزاه الله عن الاسلام و المسلمين خير الجزاء۔

حمایت دینی کہ جملہ کاموں سے قطع نظر حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کی ایک کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' وہ کتاب ہے کہ روز تصنیف سے اس وقت تک کوئی کتاب اس شان کی نہ لکھی گئی۔ اور یہ مجھے اسی طرح یقین ہے کہ یہ کتاب اپنے رنگ کی سب سے پہلی تصنیف ہے کہ اس سے قبل شاید کوئی کتاب اس جامعیت کی نہ لکھی گئی۔ میں نے زبانی اجلہ ثقات سے سنا۔ ازاں جملہ حضرت مولانا محمد فاخر صاحب بیخود الہ آبادی فرماتے تھے کہ جب اسماعیل دہلوی نے ''**تقویۃ الایمان**'' لکھی اور سارے جہان کو مشرک بنانا شروع کیا، اس وقت حضرت شاہ صاحب آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے اور بہت ضعیف بھی تھے، افسوس کے ساتھ فرمایا کہ ''میں تو بالکل ضعیف ہو گیا ہوں، آنکھوں سے بھی معذور ہو گیا ہوں، ورنہ اس کتاب اور اس عقیدہ فاسدہ کا رد بھی تحفہ اثنا عشریہ کی طرح لکھتا۔''

یہ دلیل ان کے مجدد مائۃ ثالث عشر (تیرہویں صدی) ہونے کی کھلی ہوئی ہے کہ حمایت دین میں عزیز قریب کسی کا بھی پاس نہ کیا جائے۔

پھر جو شخص شاہ صاحب کی سوانح عمری دیکھے گا جانے گا کہ بے شک وہ تیرہویں صدی کے مجدد تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں کتب درسیہ عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو کر کامل 65 سال حمایت دین و نکایت مفسدین میں صرف فرمائے اور 80 سال کی عمر میں وصال فرمایا۔۔۔۔۔'' (حیات اعلیٰ حضرت، جلد3، صفحہ138، 139، کشمیر انٹر نیشنل پبلیشرز، لاہور)

شیخ عبدالحق محدث کے متعلق اہل سنت کا مؤقف

اہل سنت کے نزدیک شیخ عبد الحق محدث دہلوی (رحمة الله عليه) برگزیدہ پکے سنی، عاشق رسول ہیں اور یہ اہل سنت کی کتابوں سے عیاں ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمة الله عليه) تو ایسی ہستی ہیں کہ ان کے متعلق کسی نے معمولی سا بھی طعن نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ گھمن صاحب نے ان کا ذکر سب کے بعد کیا۔ پھر جب ذکر کیا تو آپ خود ملاحظہ فرمائیں کہ کیا بے تکہ اعتراض کیا۔

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور بریلویت: مفتی اقتدار احمد خان نعیمی لکھتے ہیں: مدارج کے مصنف شیخ عبد الحق محدث دہلوی نہ فقہاء میں شامل نہ صوفیاء میں بلکہ آپ محدثین میں سے ہیں۔ شریعت کی دلیل نہ صوفی کا قول نہ محدث کا۔ العطایا الاحمدیہ، جلد2، صفحہ 68۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 29، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

اس بات سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اہل سنت کے نزدیک صحیح نہیں ہیں؟ یہاں تو فقط یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ دینی شعبہ میں محدث تھے جیسا کہ کوئی قاری ہوتا ہے، کوئی مفسر ہوتا ہے، کوئی مفتی ہوتا ہے۔ اب جو مفتی غیر قاری ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مفتی ہیں قاری نہیں تو کیا یہ بے ادبی ہے؟ خود دیوبندیوں کے گھر کا حوالہ ملاحظہ ہو چنانچہ کراچی کے جامعہ بنوریہ کے بانی بنوری صاحب نے جو تحقیقی مقالہ شاہ ولی اللہ کے متعلق لکھا، اس میں شاہ ولی اللہ کا دفاع کرتے ہوئے لکھا: ''ہر محدث کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ فقیہ بھی ہو، جیسا کہ ہر فقیہ کا محدث ہونا ضروری نہیں، نیز تفقہ کا مرحلہ تحدیث سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔'' (اشاعت 2006 ماہنامہ بینات، جلد69، شمارہ 5، جمادی الاولیٰ 1427ھ جون 2006ء)

گھمن صاحب جو عبارت نقل کی ہے اس میں کہاں شیخ عبد الحق محدث دہلوی کو معاذ اللہ گمراہ کہا گیا؟ بلکہ اس میں تو کوئی بے ادبانہ بات بھی نہیں کی گئی اور گھمن صاحب نے آگے پیچھے سے عبارت چھوڑ کر مرضی کی عبارت نقل کی ہے۔ تفصیل کچھ

یوں ہے کہ اقتدار نعیمی صاحب مزامیر والی قوالی کو احادیث، کتب فقہ اور کتب تصوف سے ناجائز ثابت کر رہے تھے اور قوالی کو جائز ثابت کرنے والے نے شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی کتاب مدارج النبوۃ کا حوالہ تحریف کے ساتھ دیا تھا جس کا آپ رد فرما رہے تھے اور آپ نے مدارج النبوۃ ہی سے مزامیر والی قوالی کو ناجائز ثابت کیا اور پھر فرمایا: ''اقول (میں کہتا ہوں) یہ مصنف کی زیادتی ہے۔ مدارج النبوت، باب التغنی میں آلات کا ذکر نہیں، صرف جلد اول، صفحہ 445 پر یہ ہے کہ وہ ہر رات غنا کرتا تھا چنانچہ عبارت اس طرح ہے "و نقل کردہ اند کہ امام ابو حنیفہ راھمسایہ بود کہ ہر شب برمیخاست و تغنی میکر (السخ)" یہاں کہیں بھی مزامیر کا نام تک نہیں۔ ترجمہ: یہ کہ امام صاحب کا ایک ہمسایہ تھا جو کہ ہر رات گانے گایا کرتا تھا۔ مصنف نے اپنے پاس سے آلات کا ذکر لے کر کتنی بڑی خیانت کی ہے۔ واضح رہے کہ مدارج کے مصنف شیخ عبد الحق محدث دہلوی نہ فقہاء میں شامل نہ صوفیا میں بلکہ آپ محدثین میں ہیں۔ شریعت کی دلیل نہ صوفی کا قول ہے نہ محدث کا۔ بلکہ اسرار میں صوفی کی بات معتبر، احادیث میں محدث کی، احکام میں فقہاء کی، اس تقسیم کو قائم رکھو گے تو فتنہ ختم ہو گا اور پھر حضرت محدث دہلوی نے قوالی کے بارے میں اپنا کوئی حکم نافذ نہیں کیا بلکہ جس طرح دو بیٹے جھگڑا کریں تو باپ اپنی حکمت عملی سے کچھ دوسرے کی تائید کر کے صلح کرا دیتا ہے، اسی طرح حضرت شیخ نے فقہاء اور صوفیاء میں اس طرح صلح کرائی کہ فقہاء کو کچھ سختی سے منع فرمایا اور صوفیاء کو حکم دیا کہ تم اپنی قوالیاں درست کر لو۔''

(العطایا الاحمدیہ، جلد2، صفحہ 68، 69، ضیاء القرآن، لاہور)

دیوبندیوں سے سوال ہے کہ بالفرض شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی کسی عبارت سے کوئی ایسا موقف واضح ہوتا ہو جو حنفی فقہ کے خلاف ہو تو کیا ان کے قول کو چھوڑ کر فقہ حنفی پر عمل کرنا بے ادبی و گستاخی ہو گی؟ اگر گستاخی نہیں تو پھر کیا کہہ کر ان کا قول چھوڑا جائے گا؟ یہی کہا جائے گا کہ فقہ کے خلاف ان کا قول معتبر نہیں؟ کیا یہ کہنا بے ادبی ہو گا؟

اگر دیوبندیوں کے نزدیک کسی بزرگ ہستی کو فقیہ نہ کہنا گستاخی ہے تو پھر رشید احمد گنگوہی پر گستاخی کا حکم لگائیں کہ وہ اپنے پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ) کو صراحۃً غلط اور غیر مفتی کہتے ہیں۔ افاضات الیومیہ میں ہے: ''حاجی محمد علی انبیٹھوی نے حج سے واپس آ کر مشہور کر دیا کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھ کو سماع (قوالیوں) کی اجازت دے دی ہے، کسی نے حضرت مولانا گنگوہی سے یہ روایت نقل کی۔ مولانا نے سن کر فرمایا کہ وہ غلط کہتے ہیں، اگر صحیح کہتے ہیں تو حاجی صاحب غلط کہتے ہیں۔ ایسے مسائل میں خود حاجی صاحب کے ذمے ہے کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں۔''

(افاضات الیومیہ، جلد7، صفحہ207،، جلد4، صفحہ ۹۷۴، سطر ۱۱، ماخوذ از، دیوبندی مذہب، صفحہ269، تنظیم اہلسنت، پاکستان)

ملفوظات اشرف العلوم میں ہے کہ رشید احمد گنگوہی نے کہا: ''حضرت حاجی صاحب مفتی نہیں ہیں، یہ مسائل حضرت

حاجی صاحب کو ہم سے پوچھنے چاہئیں۔''

(ملفوظات اشرف العلوم، صفحہ88، باب ماہ رمضان 1355ھ، ماخوذ از، دیوبندی مذہب، صفحہ23، تنظیم اہلسنت، پاکستان)

افاضات الیومیہ میں ہے: ''ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا گنگوہی صاحب حج کو تشریف لے جا رہے تھے، جہاز میں ایک مسئلہ میں گفتگو ہو گئی۔ جب کچھ فیصلہ نہ ہوا، تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے فرمایا کہ اب گفتگو ختم کی جاوے، اس کا فیصلہ حضرت حاجی صاحب فرمائیں گے۔ حضرت مولانا گنگوہی صاحب نے فرمایا کہ حضرت فنِ تصوف کے امام ہیں، ان علوم کا فیصلہ حضرت کسی طرح فرما سکتے ہیں، یہ علمی بحث ہے۔ یہ رائے حکیمانہ تھی حضرت گنگوہی کی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نے فرمایا کہ اگر حضرت ان علوم کو نہیں جانتے تو ہم نے فضول ہی حضرت سے تعلق پیدا کیا، ہم نے تو حضرت سے تعلق ہی ان چیزوں کے جاننے کے واسطے کیا ہے، یہ رائے عاشقانہ تھی، کیا ٹھکانہ ہے اس عاشقانہ حالت کا۔ غرض مکہ معظمہ پہنچ کر حضرت کے سامنے مسئلہ پیش بھی نہیں ہوا، مگر حضرت نے خود کسی تقریر میں پورا فیصلہ فرما دیا۔''

(افاضات الیومیہ، جلد3، صفحہ393، جلد3، صفحہ318، سطر4، ماخوذ از، دیوبندی مذہب، صفحہ269، تنظیم اہلسنت، پاکستان)

گنگوہی صاحب کا اپنے پیر کے متعلق اس قسم کی زبان استعمال کرنا واضح بے ادبی ہے۔ لیکن دیوبندیوں سے یہ سب بعید نہیں جنہوں نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات مبارک کو نہیں چھوڑا وہ پیر کا کیا احترام کریں گے؟

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

بریلوی علامہ غلام رسول سعیدی لکھتا ہے: شیخ عبد الحق محدث دہلوی اپنی تمام تر علمی خدمات اور عظمتوں کے باوجود بشر اور انسان تھے۔ نبی اور رسول نہ تھے، ان کی رائے میں خطا ہو سکتی ہے نیز ان کو ایک محدث کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا ہے۔ ان کو فقیہ نہیں مانا گیا اور نہ ان کی کسی کتاب کو کتب فتاوٰی میں شمار کیا گیا ہے۔ شرح مسلم، جلد1، صفحہ 930، 931۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 29،، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

سعیدی صاحب نے جو شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے متعلق کہا ہے یہ بھی بالکل حق ہے اور اس میں کچھ بے ادبی نہیں ہے۔ کیا دیوبندیوں کے نزدیک عبد الحق محدث دہلوی بشر نہیں؟ کیا نبی یا رسول ہیں؟ کیا ان کی رائے میں خطا نہیں ہو سکتی؟ کیا دیوبندی ان کو محدث نہیں مانتے، کیا ان کو کسی نے فقیہ کہا ہے؟ کیا ان کی کوئی فتاوٰی کی کتاب ہے؟ پھر جو کوئی بزرگ فقیہ نہ ہو اسے غیر فقیہ کہنا اس صورت میں بے ادبی ہوتی ہے جب انداز تحقیر والا ہو جبکہ یہاں سعیدی صاحب نے پہلے شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی شان و عظمت کا اعتراف کر کے ادبانہ انداز میں انہی غیر فقیہ کہا ہے۔ ان کی بنسبت گنگوہی صاحب نے اپنے پیر کو

ضرور بے ادبانہ انداز میں غیر فقیہ کہا ہے۔

﴿مَکَرَ اللّٰہُ﴾ کا صحیح ترجمہ ومفہوم

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

شیخ عبدالحق یوں لکھتے ہیں "مکر خدا آن است کہ بندہ را در معصیت گزار دو ابواب ناز ونعمت بروی او بکشاید تامغرور شود وغافل گردد ناگاہ بگیر دش" یعنی خدا کا مکر یہ ہے کہ بندہ کو معصیت میں چھوڑ دے اور ناز ونعمت کے دروازے اس پر کھول دے تا کہ وہ مغرور غافل ہو جائے اور اچانک اس کو پکڑ لے۔

جبکہ نیازی صاحب آپ نے تو یہ لکھا ہے کہ مکر اور داؤ جیسے الفاظ کا استعمال صریح گستاخی اور دریدہ دہنی کا مظاہر ہے۔انوار کنز الایمان، صفحہ 816۔

اور مولوی محبوب علی خان قادری برکاتی لکھتے ہیں: جو اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی صفت کے ساتھ متصف کرے جو اس کے لائق نہیں جیسے مکر۔۔۔۔۔تو کافر ہو گیا ہے۔ نجوم شہابیہ، صفحہ 69۔

نیازی صاحب جس شخصیت کو آپ کافر تک قرار دیں اسے ثالث کیسے قرار دے رہے ہیں۔ بہر حال ہم نے آپ کو آئینہ دکھادیا ہے۔" (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 29،30، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے یہاں جو کھینچ تان کر اہل سنت کے نزدیک عبد الحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کو کافر ٹھہرایا ہے وہ مضحکہ خیز ہے۔ اگر گھمن صاحب لفظ "مکر" کے متعلق بحث کو جانتے اور سمجھتے ہوتے تو اتنی بے تکی کوشش نہ کرتے۔ دراصل قرآن پاک میں ایک آیات ہے ﴿وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ﴾ (سورۃ آل عمران، سورۃ3، آیت54)

اس آیت کا ترجمہ دیو بندی اور وہابی مولویوں نے یہ کیا:

ترجمہ: وہ بھی داؤ کرتے تھے اور اللہ بھی داؤ کرتا تھا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔ (محمود الحسن دیو بندی)

ترجمہ: اور حال یہ ہے کہ کافر داؤ کر رہے تھے اور اللہ اپنا داؤ کر رہا تھا اور اللہ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے۔ (ڈپٹی نذیر احمد)

ترجمہ: وہ اپنی چالیں چل رہے تھے اور اللہ اپنی چال چل رہا تھا، اللہ سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔ (مودودی)

یہاں مترجمین نے ترجمہ کرتے وقت مکر، فریب اور چال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے

سراسر خلاف ہے۔ مکر، فریب اور چال یہ تو عیوب ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے۔ ان تراجم کو مدنظر رکھ کر ذرا سوچیں کہ اگر کوئی غیر مسلم ان تراجم کو دیکھے گا تو اس کا ذہن یہی کہے گا کہ کیا مسلمانوں کا رب مکر، فریب اور چال چلتا ہے۔ (معاذ اللہ)

اس کے برعکس چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا خان محدث بریلی علیہ الرحمہ نے اس کا ترجمہ یوں کیا: اور وہ اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے۔

لفظ مَکْر لغتِ عرب میں سَتْر یعنی پوشیدگی کے معنیٰ میں ہے اسی لئے خفیہ تدبیر کو بھی مَکْر کہتے ہیں اور وہ تدبیر اگر اچھے مقصد کے لئے ہو تو محمود اور کسی قبیح غرض کے لئے ہو تو مذموم ہوتی ہے۔ مگر اُردو زبان میں یہ لفظ فریب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اس لئے ہر گز شانِ الٰہی میں نہ کہا جائے گا۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اللہ (عزوجل) کے لئے مکر وفریب کا استعمال نہیں کیا بلکہ فارسی زبان کے اعتبار سے لفظ "مکر" کی تشریح بیان کر رہے ہیں اور یہ تشریح اہل سنت کے مؤقف کے موافق ہے۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اللہ (عزوجل) کے لئے مکر کا لفظ استعمال کرنا اردو زبان میں یا ہر اس زبان میں جس میں اس کا غلط معنی متعارف ہو درست نہیں ہے۔

اہل سنت کا یہ مذہب ہر گز نہیں کہ عربی، فارسی میں جس نے جس وقت بھی یہ لفظ استعمال کیا وہ کافر ہے، بلکہ اگر کسی نے اس قرآن پاک کی آیت کے تحت مکر ہی ترجمہ کر دیا تب بھی اسے کافر نہیں کہیں گے، بس یہ کہیں گے کہ ایسا ترجمہ کرنا درست نہیں ہے۔

سنی عالم دین محبوب علی خان برکاتی جو رب تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت کو کفر کہا یہ اس صورت میں ہے جب اس آیت کے ترجمہ کے علاوہ رب تعالیٰ کی طرف مکر کی نسبت کی جائے کہ رب تعالیٰ کو ایسے وصف سے موصوف کرنا جو اس کی شان کے لائق نہیں کفر ہوتا ہے چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے "یکفر اذا وصف اللہ تعالیٰ بما لا یلیق بہ او سخر باسم من اسمائہ او بامر من اوامرہ او انکر وعدہ اوعیدہ اوجعل لہ شریکا او ولدا او زوجہ او نسبہ الی الجھل او العجز او النقص"

ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کو ایسے وصف سے موصوف کیا جو اس کی شان کے لائق نہیں یا اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کسی نام کا مذاق اڑایا یا اس کے احکام میں سے کسی حکم کا مذاق اڑایا یا اس کے وعدے یا وعید کا انکار کیا یا کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا یا کسی کو اس کا بیٹا یا بیوی کہا یا اللہ (عزوجل) کی طرف جہالت، عجز، نقص کی نسبت کی تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

(فتاوی ہندیہ، کتاب السیر، فی احکام المرتدین ،ممایتعلق بذات الله تعالیٰ --،جلد2،صفحہ258،دار الفکر،بیروت)

گھمن صاحب کا کہنا کہ اہل سنت کے نزدیک شیخ عبد الحق کافر ہیں یہ گھمن کا صریح بہتان ہے۔اہل سنت کے نزدیک شیخ عبدالحق اہل سنت کے پیشوا ہیں۔اہل سنت و جماعت کی نمائندہ جماعت آل انڈیا سنی کانفرنس کا رکن بننے کے لئے سنی ہونا شرط تھا اس کے فارم پر سنی کی یہ تعریف درج تھی: ''سنی وہ ہے جو "ماانا علیه و اصحابی" (سرکار کریم (صلی الله علیه وآله وسلم) نے فرمایا: نجات پانے والا گروہ ان عقائد پر ہوگا جن پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔) کا مصداق ہوسکتا ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو ائمہ دین خلفاء اسلام اور مسلم مشائخ طریقت اور متاخرین علماء دین سے شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی، حضرت ملک العلماء بحر العلوم صاحب فرنگی محلی، حضرت مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی، حضرت مولانا فضل رسول صاحب بدایونی، حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری، اعلیٰ حضرت مولانا مفتی احمد رضا خان رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک پر ہو۔''

(خطبات آل انڈیا کانفرنس ،صفحہ85،86، مکتبہ رضویہ لاہور)

فصل دوم: امکانِ کذب اور دیو بندی مذہب

قارئین اس بحث کو سمجھنے کے لئے پہلے محالِ عقلی، محالِ شرعی، وقوعِ کذب، امکانِ کذب اور خُلفِ وعید کو اچھی طرح سمجھ لیں کہ آگے کئی مقامات پر یہ بحث آئے گی۔

محالِ عقلی: محال عقلی اس کو کہتے ہیں جو عقلا محال ہو یعنی عقلاً ناممکن ہو جیسے اللہ (عزوجل) کا جھوٹ بولنا عقلا محال ہے کہ جھوٹ ایسا عیب ہے جو الوہیت کی ضد ہے، عقل اسے تسلیم نہیں کرتی۔اسی طرح حضور پرنور سید المرسلین خاتم النبیین اکرم الاولین والاخرین (صلی الله علیه وآله وسلم) کا مثل وہمسر حضور کی جملہ صفات کمالیہ میں شریک برابر محال ہے کہ اللہ تعالیٰ حضور کو "خاتم النبیین" فرماتا ہے اور ختم نبوت نا قابل شرکت تو حضور کی مثل کسی اور کا آنا محال عقلی ہے۔

محالِ شرعی: محال شرعی اس کو کہتے ہیں کہ جو شرعا محال ہو جیسے کافر کا جنت میں جانا عقلا درست تھا کہ رب تعالیٰ مالک ہے جسے چاہے جنت میں داخل کرے اور جسے چاہے دوزخ میں داخل کرے۔لیکن رب تعالیٰ نے جب قرآن پاک میں کہہ دیا کہ کفار جنت میں نہیں جائیں گے تو اب کفار کا جنت میں جانا محالِ شرعی ہوگیا۔

وقوعِ کذب: جھوٹ واقع ہونے کو وقوعِ کذب کہتے ہیں یعنی معاذ اللہ یہ کہنا کہ اللہ (عزوجل) نے فلاں موقع پر جھوٹ بولا تھا، جو خبر دی تھی اس کے مطابق نہیں کیا تھا تو یہ وقوعِ کذب ہے۔

امکانِ کذب: امکانِ کذب یہ ہے کہ اللہ (عزوجل) جھوٹ بول سکتا ہے یعنی یہ کہنا کہ اللہ (عزوجل) نے کبھی جھوٹ بولا نہیں ہے لیکن وہ ایسا کرسکتا ہے کہ کوئی خبر دے اور بعد میں اس خبر کے خلاف کردے۔

خُلفِ وعید: خُلف وعید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ (عزوجل) نے کسی فعل پر عذاب کی وعید سنائی، اب رب تعالیٰ اس فعل کے کرنے والے کو سزا نہ دے بلکہ مومن ہونے سبب بخش دے۔

اسماعیل دہلوی اور اکابر دیو بند امکانِ کذب کے قائل ہیں اور اپنے عقیدہ کی برائی کو چھپانے کے لئے امکانِ کذب کو خُلف وعید کے معنی میں لیتے ہیں جبکہ ان دونوں میں فرق ہے، امکانِ کذب کا تاریخ میں کوئی مستند عالم قائل نہ تھا۔امکان کذب یہ ہے کہ جزماً حتماً وعید فرمائی جائے اور اس کے خلاف کیا جائے جبکہ خُلف وعید کا تعلق فقط مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے کہ اللہ (عزوجل) نے خود مسلمانوں کے حق میں فرمادیا کہ اللہ (عزوجل) شرک کے علاوہ سب کچھ بخش دے گا۔قرآن پاک میں ہے ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ ترجمہ کنز الایمان: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔ (سورۃ النساء،سورۃ4،آیت48)

مسلمان کیسا ہی گنہگار ہو زیر مشیت ہے چاہے عذاب فرمائے تو اس کا عدل ہے، چاہے بلا عذاب بلکہ بلا حساب بخش دے تو اس کا فضل ہے۔اسے اس مثال سے سمجھئے کہ اگر بادشاہ حکم نافذ کرے کہ جو یہ جرم کرے گا یہ سزا پائے گا اور ساتھ ہی اسی فرمان میں یہ بھی ارشاد فرمادے کہ ہم جسے چاہیں گے معاف فرمادیں گے، تو کیا اگر وہ بعض مجرموں سے درگزر کرے تو اپنے پہلے حکم میں جھوٹا پڑے گا یا اس کی قدر لوگوں کے دلوں سے گھٹ جائے گی؟

وہابیوں اور دیو بندیوں کے نزدیک اللہ (عزوجل) معاذ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے۔اہل سنت کے نزدیک جھوٹ ایک عیب ہے اور اللہ (عزوجل) ہر عیب سے پاک ہے۔اللہ (عزوجل) اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔اللہ (عزوجل) نے فرمایا ہے ﴿وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ جھوٹا نہ کرے گا۔ (سورۃ الحج،سورۃ22،آیت47)

جب علماء اہل سنت نے دیو بندی وہابیوں کے اس باطل نظریے کا رد کیا تو گھمن صاحب اپنے مولویوں کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **اختلاف ختم کرنے کا ایک اور بریلوی نسخہ:** بریلوی مناظر اجمل شاہ صاحب لکھتے ہیں: اگر تمہارے اکابر قائل امکان کذب اور قائل وقوع کذب الٰہی کو کافر اور زندیق جانتے تو تمہارا جدید مذہب ہی کیوں بنتا اور ہم

اہلسنت سے تمہارا اختلاف ہی کیا ہوتا۔ ردشہاب ثاقب، صفحہ 292۔

یعنی اگر وقوع کذب کے قائل کو دیوبندی کافر کہیں اور امکان کذب کے قائل کو بھی تو بریلوی، دیوبندی جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اکابر اہل سنت کذب کے قائل کو کافر کہتے ہیں۔ دیکھئے فتاویٰ رشیدیہ اور المہند علی المفند۔

اور مفتی احمد یار نعیمی بریلوی لکھتے ہیں: تم بھی کذب کا امکان مانتے ہو نہ کہ وقوع۔ تفسیر نعیمی، جلد 4، آل عمران، آیت نمبر 129۔

دوسری بات ہے امکان کذب سے پہلے امکان کذب کا مطلب سنئے! ہمارے اکابر کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو خبر دی ہے، اس کے خلاف کرنے پر بھی خدا کو قدرت ہے، اگرچہ وہ ایسا کرے گا نہیں۔

اور یہی بات تمہارے اکابرین نے بھی لکھی ہے۔

(1) بریلوی غزالی زماں احمد سعید کاظمی لکھتا ہے: نیکوں کو دوزخ میں ڈالنا یا بالعکس اس میں ہمارا کلام نہیں۔ مقالات کاظمی، جلد 2، صفحہ 240، 241۔

یعنی ایسا کرنا خدا کی قدرت میں ہے کہ وہ نیکوں کو دوزخ میں اور کافروں کو جنت میں بھیجنے پر قادر ہے، اس سے بریلوی ملت کے کئی زعماء کو بھی انکار نہیں۔

(2) بریلوی جید عالم مفتی جلال الدین امجدی لکھتے ہیں: بے شک مغفرت مشرکین تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔ فتاویٰ فیض الرسول، جلد 1، صفحہ 2۔

(3) اگر خدا تمام دنیا کو دوزخ میں بھیج دے تو ظالم نہیں۔ نور العرفان، سورۃ اعراف، آیت نمبر 160، حاشیہ نمبر 10، نعیمی کتب خانہ، لاہور۔

(4) مولوی صدر الوریٰ مصباحی لکھتے ہیں: مطیع کو ثواب دینا اس کا فضل و احسان اور گناہ گار کو عذاب دینا اسکا عدل۔ اگر معاملہ الٹ ہو جائے یعنی مطیع کو عذاب میں ڈالے اور گناہ گار کو ثواب دے تو بھی اس کے لئے برا نہیں۔ جمع الفوائد بانارۃ شرح العقائد، صفحہ 56، مکتبۃ المدینہ۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 34، 35، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے انتہائی چالاکی سے امکانِ کذب کو تحت قدرت میں داخل کر کے اہل سنت کے علماء کے اقوال پیش

کئے ہیں۔ علماء اہلسنت کے اقوال امکانِ کذب کے متعلق نہیں بلکہ وہ تو محال عقلی و محال شرعی کے متعلق ہیں۔ یعنی علمائے اہل سنت کا کلام اس پر نہیں کہ اللہ (عزوجل) جھوٹ بول سکتا ہے بلکہ ان کا کلام اس پر ہے کہ مشرکین کی بخشش شرعاً محال ہے لیکن عقلاً محال نہیں ہے۔ لیکن گھمن صاحب محال عقلی و محال شرعی کی بحث کو امکانِ کذب کی تائید میں لے آئے۔

کذب (جھوٹ) اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے کیونکہ کذب عیب ہے اور ہر عیب اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے اور محال ذاتی تحت قدرت نہیں ہوتا۔ اللہ (عزوجل) کے کلام میں جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ اللہ رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيثًا﴾ ترجمہ کنز الایمان: اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔ (پارہ 4، سورۃ نساء آیت، 122)

شرح مقاصد میں ہے "طريقة اهل السنة ان العالم حادث و الصانع قديم متصف بصفات قديمة و لا يصح عليه الجهل و لا الكذب و لا النقص" ترجمہ: اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ تمام جہان حادث و نو پیدا ہے اور اس کا بنانے والا قدیم اور صفاتِ قدیمہ سے موصوف ہے، نہ اس کا جہل ممکن ہے، نہ کذب ممکن ہے، نہ اس میں کسی طرح کے عیب و نقص کا امکان ہے۔ (شرح المقاصد، فصل ثالث مبحث ثامن، دارا المعارف النعمانيه، لاہور)

شرح مقاصد میں ہے "الكذب محال باجماع العلماء لان الكذب نقص باتفاق العقلاء وهو على الله تعالى محال" ترجمہ: کذب باری باجماع علماء محال ہے کیونکہ کذب بہ اتفاق عقلاء عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال۔

(شرح المقاصد، المبحث السادس فی انه تعالیٰ متکلم، دارا لمعارف النعمانیه، لاہور)

امکانِ کذب کا نظریہ کس کی ایجاد ہے؟

امکانِ کذب فرقہ معتزلہ کی ایجاد ہے، ہندوستان میں یہ بدعقیدگی سب سے پہلے اسماعیل دہلوی نے یکروزی میں لکھی چنانچہ اسماعیل دہلوی نے لکھا "لانسلم که کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد چه مقدمه قضیه غیر مطابقه للواقع و القائے آن بر ملك و انبياء خارج از قدرت الهيه نيست و الالازم آيد كه قدرت انسانى ازيد ازقدرت ربانى باشد" ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لئے مذکور جھوٹ کو ہم محال نہیں مانتے کیونکہ واقع کے خلاف کوئی قضیہ و خبر بنانا اور اس کو فرشتوں اور انبیاء پر القاء کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ انسانی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زائد ہو جائے۔ (رسالہ یکروزی (فارسی)، صفحه 17، فارقی کتب خانه، ملتان)

اس میں صاف تصریح ہے کہ اللہ (عزوجل) جھوٹ بول سکتا ہے اور جو کچھ آدمی اپنے لئے کر سکتا ہے وہ سب خدائے

پاک کی ذات پر بھی روا ہے جس میں کھانا پینا، سونا، پاخانا پھرنا، پیشاب کرنا، چلنا، ڈوبنا، مرنا، سب کچھ داخل ہے۔ اسماعیل دہلوی کے نظریے کی تائید رشید گنگوہی نے بھی کی اور امکانِ کذب کو خُلف وعید کی فرع قرار دیا اور اس پر لکھ دیا کہ یہ اسلاف کے علماء سے ثابت ہے جس کا رد اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے شد و مد کے ساتھ اپنے رسالہ "سبحان السبوح" میں کیا جس کا خلاصہ پیش خدمت میں ہے:۔

(یہاں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) کا کلام مختصرا پیش کیا جا رہا ہے۔)

اقول وباللہ التوفیق: میں (احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن) یہاں ازالہ اوہام حضرات مخالفین کو اکثر عبارات ایسی نقل کروں گا کہ امتناع کذب الٰہی پر تمام اشعریہ و ماتریدیہ کا اجماع ثابت کریں جس کے باعث اس وہم عاطل کا علاج قاتل ہو کہ معاذ اللہ یہ مسئلہ قدیم سے مختلف فیہا ہے حاش للہ! بلکہ بطلان امکان پر اجماع اہل حق ہے جس میں اہل سنت کے ساتھ معتزلہ وغیرہ فرق باطلہ بھی متفق، ناظر ماہر دیکھے گا کہ میرا یہ مدعا ان عبارتوں سے کن کن طور پر رنگ ثبوت پائے گا:

اول ظاہر و جلی یعنی وہ نصوص جن میں امتناع کذب پر صراحۃ اجماع منصوص

نصوص سابقہ میں مکرر گزری جس پر طوالع وشرح مقاصد ومسایرہ ومسامرہ ومفاتیح الغیب و مدارک وبیضاوی وارشاد العقل وروح البیان وشرح سنوسیہ وشرح ابہری وشرح عقائد جلالی وکنز الفوائد ومسلم الثبوت وشرح نظامی وفواتح الرحموت وغیرہا کتب کلام وتفسیر واصول میں تاویل فرمائی کہ کذب عیب ہے اور ہر عیب باری (عزوجل) کے حق میں محال، اور فی الواقع یہ کلیہ اصول اسلام وقواعد علم کلام سے ایک اصل عظیم وقاعدہ جلیلہ ہے جس پر تمام عقائد تنزیہ بلکہ مسائل صفات ثبوتیہ بھی متفرع" کمالایخفی علی من طالع کلمات القوم" جیسا کہ ہر اس شخص پر مخفی نہیں جو قوم کے کلمات سے آگاہ ہے۔

شرح مقاصد کے مبحث کلام میں ہے "الکذب محال باجماع العلماء لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ تعالٰی محال اہ ملخصاً" ترجمہ: جھوٹ باجماع علماء محال ہے کہ وہ باتفاق عقلاء عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال۔

(شرح المقاصد، المبحث السادس فی انہ تعالٰی متکلم، جلد2، صفحہ104، دار المعارف النعمانیہ، لاہور)

اسی میں ہے "الکذب فی اخبار اللہ تعالیٰ فیہ مفاسد لاتحصٰی ومطاعن فی الاسلام لاتخفی منھا مقال الفلاسفۃ فی المعاد ومجال الملاحدۃ فی العناد وھھنا بطلان ماعلیہ الاجماع من القطع بخلود الکفار فی النار، فمع صریح اخبار اللہ تعالٰی بہ فجواز الخلف وعدم وقوع مضمون ھذا الخبر محتمل، ولما کان

ھذا باطلاقطعا علم ان القول بجواز الکذب فی اخبار اللہ تعالٰی باطل قطعاً۔ اہ ملتقطاً" یعنی خبر الٰہی میں کذب پر بے شمار خرابیاں اور اسلام میں طعن لازم آئیں گے فلاسفہ حشر میں گفتگو لائیں گے، ملحدین اپنے مکابروں کی جگہ پائیں گے کفار کا ہمیشہ آگ میں رہنا کہ بالاجماع یقینی ہے اس پر یقین اٹھ جائے گا کہ اگرچہ خدا نے صریح خبریں دیں مگر ممکن ہے کہ واقع نہ ہوں۔ اور جب یہ امور یقیناً باطل ہیں تو ثابت ہوا کہ خبر الٰہی میں کذب کو ممکن کہنا باطل ہے۔

(شرح المقاصد، المبحث الثانی عشر اتفقت الامۃ علی العفو عن الصفاء، جلد2، صفحہ238، دار المعارف النعمانیہ لاہور)

مواقف کی بحث کلام میں ہے "انہ تعالٰی یمتنع علیہ الکذب اتفاقا اما عند المعتزلہ فلان الکذب قبیح وھو سبحانہ لایفعل القبیح واما عندنا فلانہ نقص والنقص علی اللہ محال اجماعا ملخصا" یعنی اہلسنت ومعتزلہ سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے، معتزلہ تو اس لئے محال کہتے ہیں کہ کذب برا ہے اور اللہ تعالیٰ برا فعل نہیں کرتا اور ہم اہلسنت کے نزدیک کذب عیب ہے اور ہر عیب اللہ تعالیٰ پر بالاجماع محال ہے۔

(مواقف مع شرح المواقف، المقصد السابع بحث انہ تعالٰی متکلم، جلد8، صفحہ100، 101، منشورات الشریف الرضی قم، ایران)

علامہ کمال الدین محمد بن محمد ابن ابی شریف قدس سرہ، اس کی شرح مسامرہ میں فرماتے ہیں "لاخلاف بین الاشعریۃ وغیرھم فی ان کل ماکان وصف نقص فالباری تعالٰی منزہ عنہ وھو محال علیہ تعالٰی والکذب وصف نقص اہ ملخصا" یعنی اشاعرہ وغیر اشاعرہ کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ جو کچھ صفت عیب ہے باری تعالیٰ اس سے پاک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر ممکن نہیں اور کذب عیب ہے۔

(المسامرۃ شرح المسایرۃ، اتفقوا علی ان ذلک غیر واقع، صفحہ393، المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی)

افسوس کہ امام الوھابیہ کے نسبا چچا اور علما باپ اور طریقۃً دادا یعنی شاہ عبد العزیز صاحب دھلوی نے بھی اس پسرِ نامور کی رعایت نہ فرمائی کہ تفسیر عزیزی میں زیر قولہ تعالیٰ ﴿فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ﴾ اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہیں فرماتا۔

یوں تصریح کی "خبر او تعالٰی کلام ازلی اوست و کذب در کلام نقصانے ست عظیم کہ ہرگز بصفات او راہ نمی یابد در حق او تعالٰی کہ مبراز جمیع عیوب ونقائص ست خلاف خبر مطلقا نقصان ست اہ ملخصا" ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی خبر ازلی ہے، کلام میں جھوٹ کا ہونا عظیم نقص ہے لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں ہرگز راہ نہیں پا سکتا، اللہ تعالیٰ کہ تمام نقائص وعیوب سے پاک ہے اس کے حق میں خبر کے خلاف ہونا سراپا نقص ہے۔

(فتح العزیز (تفسیر عزیزی)، تحت آیۃ فلن یخلف اللہ عھدہ پ آلم، صفحہ307، در الکتب لال کنواں، دہلی)

(ماخوذ از فتاوی رضویہ، جلد15، صفحہ323۔۔۔، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

امکانِ کذب کوخُلف وعید کی فرع جاننا

امکان کذب الٰہی کو خلف وعید کی فرع جاننا اور اس میں اختلاف ائمہ کی وجہ سے امکان کذب کو مختلف فیہ ماننا ایک افتراء ہے۔ بیشک مسئلہ خلف وعید میں بعض علماء جانب جواز گئے اور محققین نے منع وانکار فرمایا، مگر حاشانہ اس سے امکان کذب ثابت، نہ یہ علمائے مجوزین کا مسلک بلکہ وہ اس کے مخالف ہیں۔ اہل سنت وجماعت میں محققین خلف وعید کے قائل نہیں چنانچہ علامہ کاظمی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ''محققین تو خلف وعید کے قائل ہی نہیں چنانچہ علامہ تفتازانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے تصریح کی ہے ''والمحققون علی خلافہ و کیف وھو تبدیل القول وقد قال تعالیٰ ﴿مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ﴾ ''دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''خلف وعید کے جواز کا قائل اہل سنت میں سے آج تک کوئی نہیں ہوا۔''

(مقالاتِ کاظمی، جلد2، صفحہ234، 255، کاظمی پبلی کیشنز، ملتان)

امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) فرماتے ہیں: ''خلف وعید میں بعض علماء جانب جواز گئے اور محققین نے منع وانکار فرمایا شرح مقاصد میں ہے ''ان المتاخرین منھم یجوزون الخلف فی الوعید'' ترجمہ: ان میں کے متاخرین خلف وعید جائز مانتے ہیں۔ (شرح المقاصد، المبحث الثانی اتفقت الائمۃ علی العفو عن الصغار، جلد2، صفحہ237، دار المعارف النعمانیہ، لاہور)

جو علماء خلف وعید کا جواز مانتے ہیں خود ہی کذب الٰہی کو محال واجماعی جانتے ہیں۔ شرح مواقف میں ہے ''لا یعد الخلف فی الوعید نقصا'' ترجمہ: خلف وعید کو نقص نہیں گنا جاتا۔

(شرح المواقف، المقصد السادس فی تقریر اصحابنا، جلد8، صفحہ307، منشورات الشریف الرضی قم، ایران)

ان کی دلیل قرآن پاک کی یہ آیت ہے ﴿وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ ترجمہ: اور کفر سے نیچے جتنے گناہ ہیں جسے چاہے بخش دے گا۔

(سورۃ النساء، سورت4، آیت116)

وہ فرماتے ہیں آیات عفو سے مخصوص ومقید ہیں، یعنی عفو ووعید دونوں میں وارد، تو ان کے ملانے سے آیات وعید کے یہ معنی ٹھہرے کہ جنہیں معاف نہ فرمائے گا وہ سزا پائیں گے، جب یہ معنی خود قرآن عظیم ہی نے ارشاد فرمائے تو جواز خلف کو معاذ اللہ امکانِ کذب سے کیا علاقہ رہا، امکان کذب تو جب نکلتا کہ جزماً حتماً وعید فرمائی جاتی، اور جب خود متکلم جل وعلا نے اسے مقید بعدم عفو فرمادیا ہے تو چاہے وعید واقع ہو یا نہ ہو ہر طرح اس کا کلام یقیناً صادق جس میں احتمال کذب کو اصلاً دخل نہیں۔

ایک توجیہ حاشیہ شرح عقائد میں یہ بھی کی گئی ''حیث قال لعل مرادھم ان الکریم اذا اخبر بالوعید فاللائق

بشانہ ان یبنی اخبارہ علی المشیۃ وان لم یصرح بذلک بخلاف الوعد فلا کذب ولا تبدیل'' یعنی امید ہے کہ خلف وعید جائز ماننے والے یہ مراد لیتے ہیں کہ کریم جب وعید کی خبر دے تو اس کی شان کے لائق یہی ہے کہ اپنی خبر کو مشیت پر مبنی رکھے اگرچہ کلام میں اس کی تصریح نہ فرمائے بخلاف وعدہ کے تو خلف وعید میں نہ کذب ہے نہ بات بدلنا۔

(فتاوی رضویہ، جلد15، صفحہ404۔۔۔، رضا فائونڈیشن، لاہور)

خلف وعید صرف مسلمانوں کے لئے ہے

خلف وعید کا جواز فرعون ونمرود، کفار ومشرکین کے ساتھ نہیں بلکہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ ردالمحتار میں ہے ''الاشبۃ ترجح جواز الخلف فی الوعید فی حق المسلمین خاصۃ دون الکفار'' ترجمہ: اشبہ ومختار یہ ہے کہ خلف وعید کا جواز خاص مسلمانوں کے حق میں ہے نہ کہ کفار کے حق میں۔

(ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء، جلد1، صفحہ351، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

مزید تفصیل کے لئے فتاوی رضویہ کی جلد 15 میں رسالہ ''سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح'' اور ''دامان باغ سبحان السبوح'' کا مطالعہ کریں۔

امکانِ کذب اور وقوعِ کذب میں فرق

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

> اب ہم پوچھتے ہیں مولوی اجمل شاہ قادری صاحب جس بناء پر ہمیں کافر کہہ رہے تھے، اسی بناء پر کیا یہ سب کافر ہوں گے، اگر اسی بناء پر ہم سے اختلاف ہوا تو ان سے اتفاق کیوں؟ معلوم ہوا یہ محض آپ کا دھوکہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ اختلافات کو ہی برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ فاضل بریلوی نے امکانِ کذب کے باعث تکفیر کو پسند نہیں کیا (دیکھیے سبحان السبوح) تو وہ کافر نہیں کہتے، آپ کافر کہتے ہیں اور جس کا عقیدہ احمد رضا سے نہ ملے وہ تو کافر ہے۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 35، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب کا یہ کمال فریب ہے جسے دیکھ کر مجھے بہت ہنسی آئی اور حیران ہوا کہ پتہ نہیں کون لوگ گھمن صاحب کو متکلم اسلام کہتے ہیں؟ درحقیقت اجمل شاہ قادری (رحمۃ اللہ علیہ) کا یہ مؤقف نہیں تھا کہ امکانِ کذب کا قائل کافر ہے جیسا کہ انہوں نے کئی مقامات پر اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت اجمل شاہ قادری (رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ عبارت کس کے تحت لکھی گھمن صاحب نے اسے ذکر ہی نہیں کیا اور یہ باطل استدلال کرلیا۔ دراصل یہاں دیوبندی مولوی حسین احمد مدنی مصنف شہاب ثاقب

نے خود کہا کہ ہم ایسے شخص کو کافر کہتے ہیں جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ (عزوجل) کاذب اور جھوٹا ہوسکتا ہے۔ یہاں انہوں نے خود امکان کذب اور وقوع کذب کا عقیدہ رکھنے والے کو کافر کہا ہے۔ اس پر اجمل شاہ قادری (رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ فرمایا تھا۔ اجمل شاہ قادری (رحمۃ اللہ علیہ) کا پورا کلام ملاحظہ ہو:۔

''پھر مصنف (دیوبندی) شہاب ثاقب میں ہم اہلسنت کی سچی باتوں کو افترا کہہ کر اپنی صفائی ان الفاظ میں پیش کرتا ہے: (یہ دیوبندی حسین مدنی کا کلام شروع ہوگا): ''کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے نزدیک معاذ اللہ خداوند اکرم (جل و علا شانہ) کاذب اور جھوٹا ہوسکتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ خدا کے کلام میں جھوٹ ہو۔ یہ سب بالکل غلط اور افترا محض ہے۔ ہرگز ہمارے اکابر اس کے قائل نہیں بلکہ اس کے معتقد کو کافر وزندیق کہتے ہیں۔''

(یہاں سے اجمل شاہ صاحب کا کلام شروع ہے) جب گنگوہی جی اور اس کے متبعین کا مذہب اور عقیدہ کذب الٰہی بلکہ وقوع کذب باری تعالیٰ خود انہیں کے فتوؤں، رسالوں سے ثابت ہوچکا تو پھر اہلسنت کا یہ کہنا بالکل سچ اور حق ہے کہ معاذ اللہ دیوبندی قوم خدا کو کاذب بالفعل کہتی ہے۔ ان کے نزدیک خدا کے کلام میں جھوٹ ہوسکتا ہے۔ مصنف کا اس کو غلط افترا کہنا صرف اس کی منہ زوری ہے اور عوام کو مغالطہ دینا اور فریب میں مبتلا کرنا ہے۔ مصنف صاحب (یعنی حسین احمد مدنی دیوبندی) اگر تمہارے اکابر قائل امکانِ کذب اور قائل وقوع کذب الٰہی کو کافر و زندیق جانتے تو تمہارا جدید مذہب ہی کیوں بنتا اور ہم اہل سنت سے تمہارا اختلاف ہی کیا ہوتا اور اگر تمہارے اس دعوے میں سچائی اور صداقت کا کچھ شائبہ بھی ہے تو تمہارے ہی اقرار سے گنگوہی اور اس کے متبعین امکانِ کذب الٰہی کے قائل ہیں تو ان سب پر کفر کا فتویٰ صادر کرو اور ہر ایک کو نام بنام کافر و زندیق لکھو، چھاپو، شائع کرو۔ مگر تم کبھی ایسا نہیں کرسکتے۔ تو تمہارا یہ حکم محض مکر و فریب ہے، عوام کے مغالطہ کے لئے ہے۔''

(ردشہاب ثاقب بروہابی خائب، صفحہ 292، رضا اکیڈمی، ممبئی)

فصل سوم: عقائد اہل سنت پر دیوبندی اعتراضات اور ان کے جوابات

دیوبندیوں کے نزدیک اللہ (عزوجل) جھوٹ تو بول سکتا ہے کسی کو تصرفات عطا نہیں کرسکتا

دیوبندی وہابی انبیاء (علیھم السلام) اور اولیاء کرام کے تصرفات کے منکر ہیں یعنی ان کا عقیدہ یہ ہوا کہ اللہ (عزوجل) جھوٹ بولنے پر تو قادر ہے لیکن معاذ اللہ کسی کو تصرفات عطا کرنے پر قادر نہیں۔

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

ایک اور اصول سے: مولوی محمد اشرف سیالوی صاحب لکھتے ہیں: اتنا ہی کہہ دو اور مان لو کہ خود تکلیف دور نہیں کرسکتے لیکن اللہ سے تکلیف دور کرادیتے ہیں۔ خود مشکلیں حل نہیں کرتے لیکن کرادیتے ہیں، پھر بھی نزع و اختلافات ختم ہوسکتا ہے۔ گلشن توحید و رسالت، جلد 1، صفحہ 259۔

سیالوی صاحبؒ! ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اولیاء کرام میں حاجت روائی اور مشکل کشائی کی طاقت و قدرت نہیں ہاں ان کی دعا کو اللہ (عزوجل) کبھی شرف قبولیت عطا فرمادیتا ہے۔ اسلئے ان بزرگوں کی خدمت میں جاکر ان سے دعائیں کروانی چاہئیں۔ اب بھی اختلافات کو نہیں مٹاتے تو مجرم تم ہو نہ کہ ہم۔''

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 36، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے بات کو گھما دیا اور صحیح جواب نہ دیا، اشرف سیالوی صاحب نے فرمایا تھا کہ یہ مانو کہ اولیاء اللہ (عزوجل) کی عطا سے تکلیف دور کرادیتے ہیں۔ گھمن صاحب نے اس کا جواب ہی نہیں دیا، انہیں چاہئے تھا کہ اپنا نظریہ صاف لکھتے کہ دیوبندیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ (عزوجل) ہر چیز پر قادر ہے اس لئے جھوٹ بول سکتا ہے لیکن اولیاء کرام کو تصرفات عطا نہیں کرسکتا۔ یہی دیوبندیوں کا عقیدہ ہے، اس لئے کہ دیوبندی اور وہابیوں کا پیشوا اسماعیل دہلوی یہ کہہ گیا ہے کہ جو یہ کہے کہ اللہ (عزوجل) کی عطا سے بھی اولیاء مدد کرتے ہیں وہ مشرک ہے چنانچہ **تقویۃ الایمان** میں ہے: ''پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہوتا ہے۔''

(تقویۃ الایمان، پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں، صفحہ 7، مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ، لاہور)

کیا یہ وہابیوں اور دیوبندیوں کی اندھی تقلید نہیں ہے؟ کیا اللہ (عزوجل) نے اپنے پیاروں کو تصرفات عطا نہیں فرمائے؟ کیا عیسیٰ (علیہ السلام)، حضرت خضر (علیہ السلام) کے تصرفات قرآن میں واضح موجود نہیں؟ کیا حضرت آصف برخیا کا تصرف ثابت نہیں؟ حضور (علیہ السلام)، صحابہ کرام، اولیاء کرام (علیھم الرضوان) کے تصرفات مستند کتب میں موجود نہیں؟ اگر یہ سب شرک ہے تو پھر وہابی **شیخ عبد الحق** محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے متعلق کیا حکم لگائیں گے جو واضح طور پر کہتے ہیں کہ اللہ (عزوجل) نے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اختیارات عطا فرمائے تھے چنانچہ **شرح مشکوۃ** شریف میں حضرت ربیعہ والی حدیث کے تحت **شیخ عبد الحق** محدث دہلوی فرماتے ہیں "از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ و تخصیص نکرد بمطلوبی خاص معلوم میشود کہ کارہمہ بدست ہمت و کرامت او ست صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہر چہ خواہد و ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد ،فان من جودك الدنیا وضرتها ومن علومك علم اللوح

والقلم " مطلق سوال کے متعلق فرمایا "سوال کر"، جس میں کسی مطلوب کی تخصیص نہ فرمائی۔ تو معلوم ہوا کہ تمام اختیارات آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دست کرامت میں ہیں، جو چاہیں جس کو چاہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے عطا کریں۔ آپ کی عطا کا ایک حصہ دنیا و آخرت ہے اور آپ کے علوم کا ایک حصہ لوح و قلم کا علم۔

(اشعة اللمعات، کتاب الصلوٰة، باب السجود، فصل اول، جلد1، صفحہ396، مکتبہ نبویہ رضویہ، سکھر)

اس پر اور بھی کثیر دلائل ہیں جو علمائے اہلسنت نے لکھے ہیں۔ گھمن صاحب نے یہ کہہ کر جان چھڑالی کی اولیاء کرام سے دعا کروانی چاہئے اور ان کی بھی دعا اللہ (عزوجل) کبھی کبھار سن لیتا ہے، لیکن اپنا عقیدہ نہیں بتایا کہ دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ اولیاء سے مدد مانگنا شرک ہے، یہ کچھ اختیارات نہیں رکھتے۔ جبکہ جنہیں دیوبندی وہابی اپنا پیشوا مانتے ہیں انہوں نے صراحت کی ہے کہ اولیاء کرام دنیا سے پردہ کرنے کے بعد بھی مدد کرتے ہیں چنانچہ **شیخ عبدالحق** محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا "صالحاں رامدد بلیغ است بہ زیارت کنند گانِ خود رابر اندازہ ادب ایشاں " ترجمہ: صالحین اپنے زائرین کے ادب کے مطابق ان کی بے پناہ مدد فرماتے ہیں۔

(اشعة اللمعات، باب زیارة القبور، جلد1، صفحہ715، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں "از اولیائے مدفونین انتفاع و استفادہ جاریست " ترجمہ: مدفون اولیاء سے نفع پانا اور فائدہ طلب کرنا رائج ہے۔

(تفسیر فتح العزیز، پارہ عم، استفادہ از اولیاء مدفونین، صفحہ143، مسلم بک ڈپو لال کنواں، دہلی)

اسماعیل دہلوی کو اعلیٰ حضرت نے کافر کیوں نہیں کہا؟

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

ایک اور اصول: صراط مستقیم کی وہ عبارت جس کو متنازعہ اہل بدعت نے بنا دیا ہے حالانکہ اس میں تو آپ علیہ السلام کی تعظیم و تکریم تھی۔ اس کے متعلق غلام نصیر الدین سیالوی لکھتے ہیں: تسلیم کرو کہ اس میں گستاخی اور بے ادبی ہے اور اس کا لکھنے والا اور ایسا غلیظ عقیدہ رکھنے والا کافر ہے۔ جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ عبارات اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، جلد1، صفحہ 167۔

ہمارا سوال اس سیالوی کے بیٹے سے یہ ہے کہ اس عبارت کی نسبت فاضل بریلوی نے شاہ اسماعیل شہید کی طرف کی ہے اور انہیں کافر بھی نہیں کہا اور کافر کہنے سے روکا ہے۔ آگے مفصل عبارت آرہی ہے، تو اگر گستاخی تھی اور لکھنے والا کافر تھا تو فاضل بریلوی نے کافر کیوں نہ کہا جب آپ کے علماء نے اصول لکھا ہے: کافر کو کافر نہ کہنے والا

خود کافر ہے۔ فتاویٰ رضویہ، جلد 15، صفحہ 43۔

اگر یہ بات کرو تو بھی کافر فاضل بریلوی بنتا ہے، پہلے فاضل بریلوی کو کافر کہو پھر ہم سے بات کرو۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 36، 37، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب کی اندھی تقلید دیکھیں کہ وہ عبارت جس پر ہندوستان کے علماء نے تنقید کی اور کفر کے فتوے لگائے اس عبارت میں گھمن صاحب کو تعظیم مصطفیٰ نظر آرہی ہے۔ پتہ نہیں دیوبندیوں کے نزدیک تعظیم مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کس چیز کا نام ہے۔

وہ عبارت قارئین ملاحظہ فرمائیں اور خود فیصلہ کریں اس میں کونسی عظمتِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیان ہوئی ہے۔ **صراط مستقیم میں اسماعیل دہلوی لکھتا ہے** "وسوسہ زنا خیال مجامع زوجہ خود بہتر ست وصرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالتمآب باشند بچندیں مرتبہ بد تر از استغراق درصورت گاؤ خر خود ست خیال آں باتعظیم و اجلال بسوید اے دل انسان مے چسپد بخیال گاؤ و خر کہ نہ آں قدر چسپید گی میبود ونہ تعظیم بلکہ مہان و محقر میبود و این تعظیم و اجلال غیر کہ درنماز ملحوظ و مقصود می شود بشرك میکشد " ترجمہ: زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی سے مجامعت کا خیال بہتر ہے اور اپنی ہمت کو شیخ اور ان جیسے معظم لوگوں خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، کی طرف مبذول کرنا اپنے گائے اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے کئی گنا بدتر ہے کیونکہ ان کا خیال تعظیم اور اجلال کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں چپک جاتا ہے بخلاف گدھے اور گائے کے خیال میں نہ تو اس قدر چسپید گی ہوتی ہے اور نہ ہی تعظیم بلکہ ان کا خیال بے تعظیم اور حقیر ہوتا ہے اور یہ غیر کی تعظیم و اجلال نماز میں ملحوظ و مقصود ہو تو شرک کی طرف کھینچ لیتی ہے۔

(صراط مستقیم، ہدایت ثانیہ در ذکر مخلات عبادات الخ، افادہ نمبر11، صفحہ86، المکتبۃ السلفیہ، لاہور)

یہاں نماز میں حضور (علیہ السلام) کے خیال آنے کو جماع اور گدھے کے خیال آنے سے بدتر کہا گیا ہے کیا یہ بے ادبی نہیں؟ لیکن گھمن صاحب کو اس میں تعظیم مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نظر آرہی ہے۔

گھمن نے کہا کہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے اسماعیل دہلوی کو کافر نہیں کہا۔ یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) اسماعیل دہلوی کو کافر نہیں کہا لیکن دیوبندیوں اور وہابیوں سے ہمارا سوال ہے کہ کافر کیوں نہیں کہا؟ بقول تمہارے کہ اعلیٰ حضرت ذرا سی بات پر کفر کا فتویٰ لگا دیتے تھے، انگریزوں کی ایجنٹ تھے وغیرہ وغیرہ۔ تو یہاں انہوں نے ایسا کیوں نہیں

کیا؟ یہ ہمارا سوال تمہارے اوپر قرض ہے، اگر ہمت ہے تو اس کا جواب دینا۔ ان شاء اللہ (عزوجل) کبھی زندگی میں نہیں دے سکو گے اور تمہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) تکفیر کے مسئلہ میں محتاط تھے، جس عبارت میں ذرا سی بھی تاویل ممکن ہوتی تھی قائل کو کافر نہیں کہتے تھے، اسماعیل دہلوی کے ستر کفر گنوائے، لیکن تاویلات کے سبب اسے کافر نہیں کہا۔ حالانکہ تھانوی، گنگوہی، نانوتوی، انبیٹھوی کی بنسبت اسماعیل دہلوی کو کافر قرار دینے کا نقصان زیادہ ہوتا کہ اسماعیل دہلوی ان سے بڑا مولوی تھا اور دیوبندیوں وہابیوں کا متفقہ پیشوا تھا۔ لیکن آپ نے اسے کافر قرار نہ دے کر دیوبندیوں، وہابیوں کے منہ پر طمانچہ مار دیا کہ ایجنٹ ثابت کرو ورنہ الزام تراشی نہ کرو۔

باقی گھسن صاحب کا یہ کہنا کہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے اسماعیل دہلوی کو کافر کہنے سے منع کیا ہے بالکل غلط ہے۔ آپ نے واضح الفاظ میں کہا ہے جو نہیں (اپنی تحقیق کے مطابق) کافر کہے تو میں اسے نہیں روکوں گا۔ چنانچہ جب آپ سے پوچھا گیا: ''عرض: اسمٰعیل دہلوی کو کیسا سمجھنا چاہیے؟''

ارشاد فرمایا: ''میرا مسلک یہ ہے کہ وہ یزید کی طرح ہے۔ اگر کوئی کافر کہے منع نہ کریں گے اور خود کہیں گے نہیں۔ البتہ غلام احمد (قادیانی)، سید احمد (علی گڑھی)، خلیل احمد (انبیٹھوی)، رشید احمد (گنگوہی)، اشرف علی (تھانوی) کے کفر میں جو شک کرے وہ خود کافر "مَنْ شَكَّ فِیْ كُفْرِهٖ وَعَذَابِهٖ فَقَدْ كَفَرَ" جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، صفحہ 172، المکتبۃ المدینہ، کراچی)

کفر لزومی والتزامی کی بحث

کلمات کفر کی دو قسمیں ہوتی ہیں:۔

(1) لزومِ کفر

(2) التزامِ کفر

(1) لزوم کفر کی تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بات عین کفر نہیں مگر کفر تک پہنچانے والی ہے یعنی اس میں کسی معنی صحیح کا بھی احتمال موجود ہو جس کی وجہ سے جملہ تو کفری ہے لیکن صحیح معنی کے احتمال کے سبب قائل کو کافر نہیں کہا جائے گا۔ البتہ اگر قائل خود صراحت کردے کہ اس کی مراد کفریہ معنی ہے تو اس کی تکفیر کی جائے گی۔

(2) التزام کفریہ ہے ایسا جملہ بولا جو عین کفر ہے یعنی اللہ (عزوجل) کی ذات کا انکار کردیا، نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم) کی شان میں صریح گستاخی کرے یا جنت، دوزخ، حشر، احادیث کا منکر ہو تو ایسا شخص کافر ہے۔

گھسن صاحب کو دیوبندیوں نے متکلم اسلام سمجھا ہوا اور گھسن صاحب کو کفر لزومی اور التزامی کا بھی پتہ نہیں۔ گھسن صاحب ایک ہی عبارت بار بار پیش کرتے ہیں کہ جو کافر کو کافر نہ کہے خود کافر ہو جاتا ہے، گھسن صاحب اگر علم عقائد سے اچھی طرح واقف ہوتے تو انہیں پتہ ہوتا کہ کئی مرتبہ کسی شخص کے قول وفعل میں لزومی والتزامی کفر کا اختلاف ہو سکتا ہے، جس عالم محقق کے نزدیک اس میں التزام ثابت ہو رہا ہوتا ہے وہ اسے کافر کہتا ہے۔ اس کی بڑی مثال یزید پلید ہے کہ **امام احمد بن حنبل** (رحمۃ اللہ علیہ) نے اسے کافر کہا اور **امام ابو حنیفہ** (رحمۃ اللہ علیہ) نے سکوت فرمایا۔ بلکہ خود **رشید احمد گنگوہی** صاحب کے فتاوی رشیدیہ پر عبارت مذکور ہے کہ **قاضی ثناء اللہ پانی پتی** (علیہ الرحمۃ) نے اپنے مکتوبات ص 203 میں لکھا ہے کہ "کفر بر یزید از روایۃ معتبرہ ثابت میشود پس او مستحق لعنت است" یعنی یزید کا کفر معتبر روایت کے ذریعے ثابت ہو چکا ہے، للہذا وہ مستحق لعنت ہے۔ جبکہ رشید احمد گنگوہی صاحب اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں: ''کسی مسلمان کو کافر کہنا مناسب نہیں یزید مؤمن تھا، بسبب قتل کے فاسق ہوا، کفر کا حال دریافت نہیں کافر کہنا جائز نہیں کہ وہ عقیدہ قلب پر موقوف ہے۔''

(فتاوی رشیدیہ، صفحہ 192، عالمی مجلس تحفظ اسلام، کراچی)

گنگوہی صاحب نے ایک جگہ **قاضی ثناء اللہ پانی پتی** کا قول پیش کیا کہ ان کے نزدیک یزید کافر ہے اور دوسری جگہ گنگوہی صاحب نے اپنا نظریہ پیش کیا کہ وہ کافر نہیں ہے۔ اسی طرح اعلیٰ حضرت نے اسماعیل دہلوی کو خود اس وجہ سے کافر نہیں کہا کہ ان کے نزدیک ان عبارتوں میں تاویلات ممکن تھیں اور توبہ بھی مشہور تھی، لیکن جنہوں نے پہلے کفر کا فتویٰ دے دیا تھا اور ان کے نزدیک یہ کفر صریح متعین (یعنی اسکی عبارتیں واضح کفریہ تھیں اور اسماعیل دہلوی ان کی صحیح تاویل کرنے سے عاجز رہا تھا۔) اور ان علماء تک اسماعیل دہلوی کا یہ کفر تواتر کے ساتھ پہنچا تھا اور اسماعیل دہلوی کی توبہ بھی ثابت نہ تھی اسلئے انہوں نے اسماعیل دہلوی کو کافر کہا جبکہ اعلیٰ حضرت تک اسماعیل دہلوی کا کفر تواتر سے نہیں بلکہ خبر واحد سے پہنچا تھا اور توبہ بھی مشہور تھی اسلئے آپ نے خود تو کافر نہ کہا لیکن جنہوں نے کافر کہا تھا ان کو بھی منع نہ کیا جیسے یزید کا مسئلہ ہے کہ امام ابو حنیفہ سکوت کرتے ہیں اور امام احمد بن حنبل کافر کہتے ہیں۔

دیوبندیوں کی خودساختہ شریعت

دیوبندی چونکہ وہابی مذہب کی ایک شاخ ہیں اس لئے ان کے بھی شرک وبدعت کے متعلق وہی خودساختہ اصول ہیں

جو وہابیوں کے ہیں، جو نیا کام یہ خود کرتے ہیں وہ عین ثواب ہوتا ہے اور اہل سنت جو کام کریں وہ شرک و بدعت ٹھہر جاتا ہے۔ گھمن صاحب اہل سنت کو بدعتی ٹھہراتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک اور اصول: مفتی محمد امین صاحب لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اپنے حبیب رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سچی محبت عطا کرے تو سارے جھگڑے ہی ختم ہو جائیں۔ حاضر و ناظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ 21۔

سچی محبت کیا ہے؟ مولوی عبدالحکیم شرف قادری بریلوی نے محبت کی تعریف میں یہ لکھا ہے: محبت یہ ہے کہ محبوب کے ساتھ ایسا تعلق خاطر ہو کہ انسان محبوب کا فرمانبردار ہو اس کے اشارہ آبرو پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار ہو اور محبوب کا سراپا صرف شعور نہیں بلکہ لاشعور میں اس طرح نقش ہو جائے کہ انسان لاشعوری طور پر محبوب کی ایک ایک ادا کو اختیار کرے۔ ہم غلامی رسول میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعلیمات اور سنتوں کو قبول کرنے، خواہشات نفس کے چھوڑنے پر تیار نہیں موت کیسے قبول کر لیں گے۔ مقالات شرف قادری، صفحہ 239۔

یعنی محبت یہ ہے کہ تعلیمات و سنتوں پر بھی عمل ہو۔ مگر بریلویوں نے تو آپ کے طریقوں کی بجائے بدعات کو اپنا رکھا ہے، نہ آپ علیہ السلام کی بتلائی ہوئی اذان، نہ جنازہ، نہ عقیدہ، نہ نظریہ، نہ اعمال، نہ اقوال۔ جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے آگے چل کر۔ ان کا سرکار طیبہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ترتیب سے نہ عقیدہ ہے نہ عمل، تو محبت میں تو یہی ناقص رہے جن کی وجہ سے فساد ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 37، 38، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب نے صفحے بڑھانے کے لئے بے تکے اعتراضات کئے ہیں اور بیٹھے بٹھائے کفریات کہنے کے باوجود دیوبندیوں کو عاشقِ رسول قرار دے دیا ہے اور اہل سنت کو بدعتی کہہ دیا ہے۔ اور یہ ثابت نہیں کیا کہ اہل سنت کس طرح بدعتی ہیں اور آگے بھی قارئین دیوبندیوں کے عجیب و غریب دلائل دیکھ لیں گے کہ ان کے نزدیک شرک و بدعت کی کوئی جامع تعریف نہیں ہے، جو بات انہیں اچھی نہیں لگتی وہ یا تو شرک ہوتی ہے یا بدعت ہوتی ہے۔ خود ماہانہ درس قرآن و درس حدیث کے پروگرام مرتب کرتے ہیں جو کہ کسی صحابی سے اس طرح ثابت نہیں اور اہل سنت اگر ایصال ثواب کے لئے ختم نیاز کریں تو بدعت ہو جاتا ہے۔ خود دیوبندیوں نے سو سالہ جشن منایا اور اس میں ایک کافرہ عورت اندرا گاندھی کو بلایا اور مسلمان اگر جشن میلاد منائیں تو

بدعت ہے۔ خود ہر سال لوٹے پکڑ کر رائیونڈ تین دن ڈیرے لگاتے ہیں اور مسلمان کسی صاحب مزار کے عرس پر سفر کریں تو ناجائز ہے۔ خود آئے دن ہڑتالیں اور ریلیاں اپنے ذاتی مفاد کے لئے نکالتے ہیں اور اہل سنت اگر میلاد کا جلوس نکالیں تو بدعت ہے۔ خود کوّا کھانے کو حلال و ثواب ان کے بڑوں نے کہا اور ختم کا کھانا ان کے نزدیک حرام ہے۔

الغرض وہابیوں کی طرح دیوبندی بھی شرک و بدعت کی تعریفات کو یکسر نظر انداز کرتے ہیں جو مستند کتب میں مذکورہ ہے کہ جو عقیدہ و عمل قرآن و سنت کے خلاف ہو وہی بدعت ہے، یہ کسی مستند کتاب میں نہیں کہ جو بھی نیک و جائز کام صحابہ نے نہیں کیا وہ بدعت ہے۔ اگر دیوبندیوں میں دم ہے تو ثابت کریں۔

دیوبندیوں کا اپنے پیر امداد اللہ مہاجر مکی سے اختلاف

دیوبندیوں نے منہ اٹھا کر شرک و بدعت کے فتوے لگانے میں اپنے پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی نہیں چھوڑا اور ان کی تعلیمات کو بھی شرک و بدعت ٹھہرایا چنانچہ خط دیوبندی مندرجہ بوادر النوادر اشرف علی میں لکھا ہے: ''حضرت حاجی صاحب کے خلفاء میں باعتبار اختلاف بعض معتقدات و معمولات معلومہ کے دو فریق ہیں اور ہر فریق علماء کا ہے۔ جن میں ایک فریق مولوی احمد حسن صاحب کانپوری اور شاہ عبدالحق مہاجر مکی، مولوی عبدالسمیع صاحب میرٹھی وغیرہ کا ہے، جن کے معتقدات و معمولات مثل حضرت صاحب و دیگر معتقدین صوفیہ کرام پیشوانِ سلسلہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ ہیں اور دوسرا فریق مولوی رشید احمد صاحب، مولوی اشرف علی صاحب، مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم وغیرہ کا ہے جو ان معتقدات و معمولات کو بدعت و ضلالت بلکہ اس سے بھی زیادہ بدتر کہتے ہیں کہ نوبت بشرک وکفر پہنچاتے ہیں۔''

(دیوبندی مذہب، صفحہ 273 بحوالہ خط دیوبندی مندرجہ بوادر النوادر اشرف علی، صفحہ 197 سطر 2 و مندرجہ کتاب ثلج الصدور تھانوی، صفحہ 04، سطر 3)

مزید سنئے! دیوبندی مولوی قاضی مظہر حسین لکھتے ہیں کہ شیخ العرب والعجم (حسین احمد مدنی) سے کسی نے حضرت حاجی صاحب کے رسالے فیصلہ ہفت مسئلہ کے بارے میں سوال کیا تو حضرت نے جواب دیا کہ یہ رسالے حضرت گنگوہی کی خدمت میں بھیجے گئے تھے۔ آپ نے مطالعہ کے بعد فرمایا: اچھا ہے، چولہے جلانے کے کام آئے گا، پھر اس کو جلوا دیا۔

(ماہنامہ حق چار یار، لاہور، صفحہ 27، ستمبر، اکتوبر 1996ء)

شرف قادری (رحمۃ اللہ علیہ) کا اہل سنت کی اصلاح کرنا

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

ایک اور اصول: فاضل بریلوی کہتے ہیں: اللہ (عزوجل) کو جاننا بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔ کوئی کافر کسی قسم کا ہو ہرگز اسے نہیں جانتا۔ کفر کہتے ہی جہل باللہ کو ہیں۔ فتاوی رضویہ، جلد 15، صفحہ 530۔

جبکہ بریلوی علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب لکھتے ہیں بریلویوں کا رونا روتے ہوئے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہونی چاہئے اور جتنا تعلق رب کریم جل مجدہ کے ساتھ ہونا چاہئے وہ دکھائی نہیں دیتا۔ مقالات شرف قادری، صفحہ 235۔

شرف صاحب نے بریلویوں کو خدا تعالیٰ کی پہچان کرانے کے لئے رسالہ لکھا ''خدا کو یاد کر پیارے'' اور کئی مثالیں دی ہیں کہ ہمارے بریلوی یہاں تک کہہ دیتے ہیں: اگر حضور نہ ہوتے تو خدا بھی نہ ہوتا۔ ملخصا مقالات شرف قادری، صفحہ 249۔

ایک جگہ یوں بھی لکھتے ہیں: ہمارے ہاں ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور اگر کرتے بھی ہیں تو ضمناً اور تبعا حالانکہ یہ بات قطعا اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں۔ مقالات شرف قادری، صفحہ 244۔

ایک جگہ یوں بریلویت کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک لحاظ سے یہ لاشعوری طور پر عقیدہ توحید کی اہمیت کم کرنے کے مترادف ہے۔ مقالات شرف قادری، صفحہ 247۔

معلوم ہوگیا کفر کی جو علت ہے وہ بریلویوں میں پائی جاتی ہے کفر ہی سب فساد کی جڑ ہے تو آپ بخوبی سمجھ جائیں گے کہ فسادی کون ہے؟

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 38، 39، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں پھر گھمن صاحب نے گھما پھرا کہ اہل سنت پر بے ربط و بغیر دلیل کے طعن کیا ہے کہ اہل سنت میں کفر کی علتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ علتیں کیا ہیں گھمن صاحب وہ ثابت نہیں کر پائے۔ قبلہ شرف قادری (رحمۃ اللہ علیہ) کی جو عبارات نقل کی ہیں اس میں تو وہ بعض جہال کے اقوال کا رد کر رہے ہیں جو اللہ (عزوجل) کی شان میں کہنا مناسب نہیں ہیں۔ کیا دیوبندی مولوی اپنے مسلک والوں کی جہالت کا رونا نہیں روتے؟ یقیناً روتے ہیں بلکہ ہر مسلک والا روتا ہے۔

قبلہ شرف قادری (رحمۃ اللہ علیہ) کے ان اقوال سے ہی دیوبندیوں کا رد ہوگیا کہ وہ الزام دیتے ہیں کہ بریلوی علماء اپنا پیٹ پالنے کے لئے اس طرح کے شرکیہ و بدعتیہ معاملات کرتے ہیں جبکہ یہاں شرف ملت حضرت عبدالحکیم شرف قادری (رحمۃ اللہ

علیہ) نے واضح الفاظ میں غیر شرعی حرکتوں پر تنبیہ کی ہے، جس سے ثابت ہوا کہ علمائے اہلسنت حق بات کرتے ہیں اور جاہلوں کو بھی صحیح طرح قرآن و سنت کی تعلیمات دیتے ہیں۔ دیوبندیوں کی طرح نہیں کہ اپنے مولویوں کی کفریہ عبارات پر پردہ ڈالتے ڈالتے اور ان کی باطل تاویلات کرتے کرتے مر گئے اور اپنے مسلک والوں کو بھی اندھیرے میں رکھا اور ان پر یہ ظاہر کیا کہ یہ گستاخیاں نہیں بلکہ تعظیمِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

فصل چہارم: گھمن صاحب کا اکابر دیوبند کو ولی اللہ کہنا

عام طور پر یہی سنا اور پڑھا ہے کہ ولی وہ ہوتا ہے جو عاشق رسول ہو، دیندار ہو لوگ اسے ولی مانیں۔ گھمن صاحب نے اکابر دیوبند (نانوتوی، انبیٹھوی، گنگوہی، تھانوی) کو کفریات کہنے کے باوجود بغیر دلیل کے ولی اللہ کہہ دیا اور ان پر طعن کرنے والوں کو اللہ (عزوجل) کا دشمن قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے اکابر اربعہ، شیوخ اربعہ حجۃ الاسلام بانی دار العلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، قطب الارشاد فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہی، خلیل الملۃ والدین فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مدفون بجنت البقیع مدینہ منورہ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ کے نام لے کر اس بدنام زمانہ کتاب حسام الحرمین میں کافر کہا گیا حالانکہ یہ سب کے سب اولیاء و علماء زمانہ تھے۔ ان کی ولایت و عظمت کی تحفظ کی بات کرنا سعادت ہے کیونکہ بفرمان سید کونین رحمت کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "فی ما یروی عن اللہ تبارک و تعالیٰ: من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب" حدیث قدسی ہے کہ خدا فرماتا ہے: جو میرے ولی سے دشمنی کرے میرا اس سے اعلانِ جنگ ہے۔
>
> اس لئے ان شیوخ اربعہ کا دفاع کرنا اولیاء اللہ کا دفاع ہے۔ جو عین سنت خدا ہے اور ان سے دشمنی کرنا شقاوت و بدبختی اور کار شیطان ہے، اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ اس پر ایک مثال پیش کر کے میں بات آگے لے چلتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ کیسے ہوتا ہے اسے ملاحظہ فرمائیے: مولوی احمد رضا صاحب نے اپنی کتاب حسام الحرمین میں ان اکابر اربعہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ طائفے سب کے سب کافر و مرتد ہیں۔ باجماع امت اسلام سے خارج ہیں اور بے شک بزازیہ اور درر، غرر اور فتاوی خیریہ و مجمع الانہر اور درمختار و غیرہا معتمد کتابوں میں ایسے کافروں کے حق میں فرمایا کہ جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے خود کافر ہے۔ حسام الحرمین مع تمہید ایمان، صفحہ 20۔

اب آیئے دیکھئے کہ فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت صاحب اس فتوے میں خود کیسے پھنستے ہیں۔ انوار مظہریہ جس میں پروفیسر ڈاکٹر مسعود صاحب کی تقریظ بھی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان کی گستاخانہ عبارت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے جب اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو دکھائی تو. انہوں نے فرمایا کہ مجھے تو اس میں کفر نظر نہیں آتا۔ اعلیٰ حضرت نے ایک مثال دی، پھر بھی انہوں نے نہ مانا اعلیٰ حضرت خاموش ہو گئے اور دوستی و محبت کو برقرار رکھا۔ انوار مظہریہ، صفحہ 292۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود صاحب خود لکھتے ہیں کہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو باوجود اس کے انہوں نے ایک دیوبندی عالم کی (تعلقات کی رعایت کرتے ہوئے) تکفیر سے انکار کیا تو آپ نے ان کی تکفیر نہیں فرمائی۔ فتاوٰی مظہریہ، صفحہ 499۔

اب مولانا عبدالباری فرنگی محلی پر حسام الحرمین کی رو سے فتویٰ کفر آنا چاہئے تھا کہ انہوں نے حکیم الامت اشرف الملۃ والدین رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر نہ کر کے حسام الحرمین کے فتوے سے انکار کیا اور حسام الحرمین کے فتوے سے انکار کرنے کی وجہ سے حسام الحرمین والا فتویٰ ان پر بھی لگنا چاہئے تھا مگر فاضل بریلوی نے وہ فتویٰ حسام الحرمین میں لکھا کہ جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے تو وہ خود بھی کافر ہے۔ حسام الحرمین، صفحہ 20۔

یہ فتویٰ مولانا عبدالباری پر نہیں لگایا بلکہ ان کے ساتھ دوستی محبت کو برقرار رکھا اور یہ اصول بھی بریلویوں کے گھر سے مدنظر رہے کہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔۔۔۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 42۔۔ مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے چاروں مولویوں کو اللہ (عزوجل) کا ولی کہا اور یہ کہا کہ اللہ (عزوجل) کے ان ولیوں سے اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے دشمنی کی ہے۔ اب گھمن صاحب یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت معاذ اللہ غلط تھے۔ ہم قارئین کو فیصلہ کرنے کا اختیار دیتے ہیں کہ گھمن صاحب اس پوری کتاب میں ان چاروں کا صحیح دفاع کر کے ان کو ولی ثابت کر پاتے ہیں یا نہیں؟ اگر یہ ولی ثابت نہ کر پائے اور یقیناً نہیں کر پائیں گے تو خود گھمن نے یہ سند دے دی کہ یہ چاروں کوئی ولی نہیں ہیں، صحیح ولی تو اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) جنہوں نے عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حق ادا کر دیا۔

اعلیٰ حضرت نے عبدالباری فرنگی محلی کی تکفیر کیوں نہ کی؟

ایک طرف تو گھمن صاحب کہتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) معاذ اللہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے اور انہی کے

اشارے پر انہوں نے ہمارے علماء کی تکفیر کی ہے اور اب یہاں اعتراض کر رہے ہیں کہ عبدالباری فرنگی محلی (رحمۃ اللہ علیہ) کی تکفیر کیوں نہیں کی؟ اب ہمارا گھمن صاحب سے سوال ہے کہ اب آپ بتائیں کہ اعلیٰ حضرت نے کیوں تکفیر نہیں کی؟ اگر اعلیٰ حضرت ایجنٹ ہوتے تو عبدالباری فرنگی محلی کی تکفیر کرنا انگریزوں کے لئے بہت فائدہ مند تھا کہ یہ تحریک آزادی کے بہت سرگرم رکن تھے، گاندھی کے خاص آدمی تھے اور مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ان کی پیروکار تھی۔ اگر انہیں کافر کہہ دیا جاتا تو مسلمانوں کو بہت زیادہ نقصان اور انگریزوں کو بہت فائدہ ہوتا۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے تکفیر نہیں فرمائی جس سے واضح ہوا کہ اعلیٰ حضرت انگریزوں کے ایجنٹ نہیں تھے۔

اب جواب اسکا کہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے تکفیر کیوں نہیں فرمائی۔ اس لئے نہیں فرمائی کہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے ان کفریہ عبارات پر فوراً جزم نہیں فرمایا بلکہ ان دیوبندی مولویوں خصوصاً تھانوی کو خط لکھتے رہے کہ ان عبارتوں سے رجوع کر لو یا وضاحت کرو، لیکن کوئی مولوی ٹس سے مس نہ ہوا۔ اگر اعلیٰ حضرت تعصب پسند ہوتے تو بغیر حجت پوری کئے فوراً کفر کا فتویٰ لگا دیتے لیکن آپ نے کئی سال انہیں سمجھانے اور مناظرہ کی دعوت دینے پر لگائے، اسی اثنا میں عبدالباری سے بھی اسی تھانوی کی عبارت پر گفتگو ہوئی۔ لیکن جب اعلیٰ حضرت نے اس وقت تھانوی کو کافر نہیں کہا تھا تو عبدالباری فرنگی محلی کو کیسے کافر کہہ دیتے؟

پھر جب ان مولویوں کے رجوع کی کوئی امید باقی نہ رہی تب آپ نے حسام الحرمین میں یہ کفریات لکھے اور علمائے حرمین شریفین نے ان کو کافر کہا اور فرمایا "جو ان کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے۔" اعلیٰ حضرت ایک جگہ واضح طور پر لکھتے ہیں کہ میں نے ان دیوبندیوں کو کئی سال سمجھایا جب کوئی امید نہ رہی اور نہ ان کفریہ عبارتوں کی کوئی تاویل نکلی تو ان کی تکفیر کی اور ان کی تکفیر کسی دولت کی وجہ سے نہیں بلکہ مسلمانوں کا ایمان بچانے کے لئے کی چنانچہ لکھتے ہیں: "مسلمانو! یہ روشن ظاہر واضح قاہر عبارات تمہارے پیش نظر ہیں جنہیں چھپے ہوئے دس 10 دس 10 اور بعض کو سترہ 17 اور تصنیف کو انیس 19 سال ہوئے اور ان دشنامیوں کی تکفیر تو اب چھ 6 سال یعنی 1320ھ سے ہوئی ہے جب سے المعتمد المستند چھپی۔ ان عبارات کو بغور نظر فرماؤ اور اللہ و رسول کے خوف کو سامنے رکھ کر انصاف کرو یہ عبارتیں فقط ان مفتریوں کا افتراء ہی رد نہیں کرتیں بلکہ صراحۃً صاف صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایسی عظیم احتیاط والے نے ہرگز ان دشنامیوں کو کافر نہ کہا جب تک یقینی، قطعی، واضح، روشن، جلی طور سے ان کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ ظاہر نہ ہو لیا جس میں اصلاً، اصلاً، ہرگز، ہرگز کوئی گنجائش، کوئی تاویل نہ نکل سکی کہ آخر

یہ بندہ خدا وہی تو ہے جو انکے اکابر (اسماعیل دہلوی) پر ستر 70، ستر 70 وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی کہتا ہے کہ ہمیں ہمارے نبی نے اہل " **لاالہ الا اللہ** " کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لئے اصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل باقی نہ رہے۔

یہ بندہ خدا وہی تو ہے جو خود ان دشنامیوں کی نسبت (جب تک ان کی دشنامیوں پر اطلاع یقینی نہ ہوئی تھی) اٹھتر 78 وجہ سے بحکم فقہائے کرام لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی لکھ چکا تھا کہ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہرگز انکی تکفیر پسند نہیں کرتا۔

جب کیا ان سے کوئی ملاپ تھا اب رنجش ہوگئی؟ جب ان سے جائداد کی کوئی شرکت نہ تھی اب پیدا ہوئی؟ حاشا اللہ مسلمانوں کا علاقہ محبت و عداوت، صرف محبت و عداوت خدا و رسول ہے۔ جب تک ان دشنام دہوں سے دشنام صادر نہ ہوئی یا اللہ ورسول کی جناب میں ان کی دشنام نہ دیکھی سنی تھی، اس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا، غایت احتیاط سے کام لیا حتیٰ کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا مگر احتیاطاً ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین عظام کا مسلک اختیار کیا۔ جب صاف صریح انکار ضروریات دین و دشنام دہی رب العلمین وسید المرسلین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین) آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر ائمہ دین کی تصریحیں سن چکے کہ "من شك فی عذابه و کفره فقد کفر" جو ایسے کے معذب و کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے۔

اپنا اور اپنے دینی بھائیوں عوام اہل اسلام کا ایمان بچانا ضروری تھا لاجرم حکم کفر دیا اور شائع کیا "وذلك جزاء الظلمین" (ظالموں کی یہی جزاء ہے)۔ تمہارا رب (عزوجل) فرماتا ہے ﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبٰطِلُ اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ کہدو کہ آیا حق اور مٹا باطل، بے شک باطل کو ضرور مٹنا ہی تھا۔

اور فرماتا ہے ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ﴾ کچھ زبردستی نہیں دین میں بے شک خوب جدا ہوگئی ہے نیک راہ گمراہی سے۔

یہاں چار مرحلے تھے:۔

(1) جو کچھ ان دشنامیوں نے لکھا، چھاپا ضرور وہ اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی توہین و دشنام تھا۔

(2) اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی توہین کرنیوالا کافر ہے۔

(3) جو انہیں کافر نہ کہے، جو ان کا پاس لحاظ رکھے جو ان کی استادی یا رشتے یا دوستی کا خیال کرے وہ بھی ان میں سے

ہے، ان ہی کی طرح کافر ہے، قیامت میں ان کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا۔

(3) جو عذر و مکر، جہال و ضلال یہاں بیان کرتے ہیں سب باطل و ناروا اور پادر ہوا ہیں۔

یہ چاروں بحمد اللہ تعالی بروجہ اعلیٰ واضح روشن ہو گئے جن کے ثبوت قرآن عظیم ہی کی آیات کریمہ نے دیئے۔ اب ایک پہلو پر جنت وسعادت سرمدی، دوسری طرف شقاوت و جہنم ابدی ہے، جسے جو پسند آئے اختیار کرے مگر اتنا سمجھ لو کہ محمد رسول اللہ کا دامن چھوڑ کر زید و عمرو کا ساتھ دینے والا کبھی فلاح نہ پائے گا، باقی ہدایت رب العزت کے اختیار میں ہے۔

بات بحمد اللہ تعالی ہر ذی علم مسلمان کے نزدیک اعلیٰ بدیہیات سے تھی مگر ہمارے عوام بھائیوں کو مہریں دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، مہریں علمائے کرام حرمین طیبین سے زائد کہاں کی ہوں گی جہاں سے دین کا آغاز ہوا اور بحکم احادیث صحیحہ کبھی وہاں شیطان کا دور دورہ نہ ہوگا لہٰذا اپنے عام بھائیوں کی زیادت اطمینان کو مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ کے علمائے کرام ومفتیان عظام کے حضور فتوی پیش ہوا جس خوبی وخوش اسلوبی و جوش دینی سے ان عمائد اسلام نے تصدیقیں فرمائیں بحمد اللہ تعالیٰ کتاب مستطاب "حسام الحرمین علیٰ منحر الکفر و المین" میں گرامی بھائیوں کے پیش نظر اور ہر صفحہ کے مقابل سلیس اردو میں اس کا ترجمہ "**مبین احکام وتصدیقات اعلام**" جلوہ گر۔

الٰہی! اسلامی بھائیوں کو قبول حق کی توفیق عطا فرما اور ضد و نفسانیت یا تیرے اور تیرے حبیب کے مقابل، زید و عمرو کی حمایت سے بچا صدقہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وجاہت کا، آمین، آمین، آمین۔ والحمد للہ رب العلمین وافضل الصلاۃ واکمل السلام علیٰ سیدنا محمد و الہ وصحبہ و حزبہ اجمعین آمین۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 30، صفحہ 3[illegible]5، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

حسام الحرمین کے بعد اعلیٰ حضرت نے ان اکابر دیوبند کے کفر پر جزم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے کئی جگہ پر علمائے حرمین شریفین کی طرف نسبت کر کے لکھا ہے کہ جو ان مولویوں کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں: "دیوبندی عقیدہ والوں کی نسبت علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں اور فرمایا "من شك فی عذابه و کفره وفقد کفر" جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 9، صفحہ 645، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اب جو کہتا ہے کہ عبدالباری فرنگی محلی (رحمۃ اللہ علیہ) نے دیوبند کی تکفیر نہیں کی تھی تو اس پر لازم ہے کہ وہ ثابت کرے کہ حسام الحرمین کے بعد بھی انہوں نے دیوبند کی کفریہ عبارتوں پر مطلع ہو کر ان کی تکفیر نہیں کی۔ جبکہ ثبوتوں سے یہ واضح ہے کہ

عبدالباری فرنگی محلی (رحمة الله عليه) نے بعد میں دیوبندیوں کی تکفیر کی تھی اور توبہ کے ساتھ اپنے مؤقف سے رجوع کرلیا تھا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے الطاری الداری کی اشاعت کے بعد اپنے سابقہ موقف سے توبہ کی اور امام احمد رضا کے فتوائے تکفیر سے اتفاق کرلیا۔

(بحوالہ اخبار ہمدم لکھنو20، مئی 1921ء)

انگریزوں سے پیسے کون لیتے تھے؟

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی لکھتے ہیں: بزرگوں کے کلام کا ان کی مراد کے خلاف مطلب نکال کر مراد لینا سراسر جہالت ہے، اس کا کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔ آئینہ اہل سنت، صفحہ 80۔

مگر فاضل بریلوی تو اس طرف آئیں ہی کیوں یہاں تو امت مسلمہ کو ٹکڑے کرنا ہے اور اس کے لئے جان بوجھ کر زبردستی ان عبارات اسلامیہ کو غیر اسلامی بنایا گیا جن کی بڑی عمدہ عمدہ تاویلیں ان کے گھر کے لوگ تسلیم کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔ حفظ الایمان کی عبارت پر گفتگو کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر مسعود صاحب لکھتے ہیں: مولانا خلیل احمد نے اپنے جواب میں ایک اچھا نکتہ نکالا ہے، انہوں نے تحریر فرمایا ہے مولانا اشرف علی کی اس تحریر سے یہ مراد نہیں کہ وہ علم مصطفیٰ کو جانوروں اور درندوں وغیرہ کے مساوی سمجھتے تھے بلکہ وہ تو یہ کہنا چاہتے تھے کہ ایسا علم جس میں پاگل، دیوانے، بچے اور جانور، درندے شریک ہوں، اس سے آپ کی ذات ارفع و اعلیٰ ہے۔ فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں، صفحہ 197، 198۔

تو بریلوی علماء و دانشور لوگ تسلیم کرتے ہیں ان عبارات کا اچھا معنی بنتا ہے، تو پھر فاضل بریلوی نے کیوں تکفیر کی وجہ صرف یہ ہے کہ امت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور فساد کو برپا کرنا تھا جو ان کے ذمے انگریز کی طرف سے نوکری لگی تھی وہ اسکو کرنے میں مگن ہیں۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 46، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

گھمن صاحب نے جو پروفیسر مسعود (رحمة الله عليه) کی عبارت پیش کی ہے اس میں دیوبندی مولوی خلیل نے جو تاویل کی ہے یہ بھی باطل ہے جو بنتی ہی نہیں تھانوی کی عبارت کچھ اور ہے جس کا مذکورہ تاویل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ پروفیسر مسعود (رحمة الله عليه) نے اس عبارت کے پہلے اور بعد میں بھی ایک جملہ یوں لکھا ہے: ”اس تحریر کا ایک ظاہری اور واضح پہلو ہے جس کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔ اس طرف تو خود مولانا اشرف علی کا بھی دھیان نہیں گیا۔“

(فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، صفحہ 197، 198، ضیاء القرآن، لاہور)

یعنی پروفیسر صاحب نے واضح کردیا کہ اس عبارت کا ظاہر اور واضح پہلو ایسا ہے جس کی تشریح کی ضرورت نہیں اور خلیل احمد نے جو خودساختہ تاویل کی ہے وہ تاویل اگرچہ باطل ہے لیکن جو نکتہ نکالا ہے وہ نکتہ اچھا ہے لیکن اس اچھے نکتے کا فائدہ اس وقت ہوتا جب یہ تھانوی کی عبارت کے موافق ہوتا۔ تھانوی کی جو عبارت تھی اس کی یہ تاویل بنتی نہیں ہے اور خود تھانوی کا اس طرف تو ذہن نہیں گیا ورنہ بسط البنان میں وہ اس کا تذکرہ کرتے۔ پروفیسر مسعود صاحب کے نزدیک یہ تاویل صحیح نہیں تھی ورنہ آپ بعد میں تھانوی کی تکفیر نہیں کرتے جبکہ آپ نے آخری عمر تک تھانوی کی تکفیر کی ہے جو کہ آپ کی کتب سے واضح ہے۔

انگریزوں کا ایجنٹ کون تھا؟

باقی گھمن صاحب نے جو منہ پھاڑ کر بغیر کسی ثبوت کے اعلیٰ حضرت کو انگریزوں کا ایجنٹ قرار دیا ہے، اس پر یہی کہا جائے گا کہ دیوبندیوں کے بڑے بڑے مولوی یہ الزام لگاتے ہوئے خاک تو ہوگئے لیکن ثابت نہیں کرپائے کہ اعلیٰ حضرت انگریزوں کے ایجنٹ تھے اور انگریزوں کی طرف سے انہیں فلاں فلاں جاگیر ملی تھی۔ البتہ دیوبندیت کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں ان کے اکابر انگریزوں کے ایجنٹ تھے اور آج بھی ہیں، موجودہ دور میں ہر ذی علم شخص جانتا ہے کہ دیوبندیوں کی کالعدم تنظیمیں انگریزوں کے ساتھ ساتھ ہندوؤں سے ایڈ لیتی ہیں۔ اسی طرح تاریخ میں دیکھیں تو اشرف علی تھانوی صاحب انگریزوں سے ماہانہ تنخواہ لیتے رہے ہیں چنانچہ دیوبندیوں کی کتاب "مکالمة الصدرين" میں دیوبندیوں کی معتبر شخصیت شبیر عثمانی صاحب کہتے ہیں: ”حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی (رحمة الله عليه) ہمارے آپ کے مسلّم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو تھانوی (رحمة الله عليه) کو اس کا علم نہیں تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔“

(مکالة الصدرين، صفحہ 9، دار الاشاعت، دیوبند، سہارنپور)

دیوبندی تبلیغی جماعت بھی انگریزوں سے چندہ لیتی رہی چنانچہ اسی کتاب "مكالة الصدرين" میں ہے ”مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب (رحمة الله عليه) کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداء حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا، پھر بند ہوگیا۔“

(مکالة الصدرين، صفحہ 9، دار الاشاعت، دیوبند، سہارنپور)

دیوبندی حلقے کے ممتاز مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی اپنی کتاب ”تذکرۃ الرشید“ میں انگریزی حکومت کے ساتھ

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے نیاز مندانہ جذبات کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں: ''آپ سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیگانہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔''

(تذکرۃ الرشید ،جلد1،صفحہ80،ادارہ اسلامیات لاہور)

ذرا دیوبندی وہابیوں کے پیشوا نام نہاد مجاہد اسماعیل دہلوی اور سید احمد صاحب کا حال بھی ملاحظہ ہو کہ انگریز سرکار سے جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ مولانا منظور نعمانی صاحب کی ادارت میں لکھنؤ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''الفرقان'' کا اعتراف سنیے۔ مشہور یہ ہے کہ آپ نے انگریزوں سے مخالفت کا کوئی اعلان نہیں کیا بلکہ کلکتہ یا پٹنہ میں ان کے ساتھ تعاون کا اظہار کیا اور یہ بھی مشہور ہے کہ انگریزوں نے بعض موقعوں پر آپ کی امداد بھی کی۔

(الفرقان لکھنؤ ،شہید نمبر 1355،ص76،بحوالہ حقائق تحریک بالا کوٹ ،صفحہ65)

اس سلسلے میں سوانح قاسمی کے مصنف کی عجیب وغریب روایت سنیے فرماتے ہیں کہ انگریزوں کے مقابلے میں جو لوگ لڑ رہے تھے ان میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن شاہ گنج مراد آبادی بھی تھے اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ خود بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چوہدری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہے تھے کہتے جاتے تھے لڑنے کا کیا فائدہ؟ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں۔

(حاشیہ سوانح قاسمی ،جلد2،صفحہ103، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

انگریزوں کی صف میں حضرت خضر (علیہ السلام) کی موجودگی اتفاقاً نہیں پیش کی گئی بلکہ وہ نصرت حق کی علامت بن کر انگریزی فوج کے ساتھ ایک بار اور دیکھے گئے تھے جیسا کہ فرماتے ہیں: ''غدر کے بعد جب گنج مراد آباد کی ویران مسجد میں حضرت مولانا (شاہ فضل الرحمان صاحب) مقیم ہوئے تو اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے مسجد ہے کسی وجہ سے انگریزی فوج گزر رہی تھی مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر دیکھا گیا کہ انگریزی فوج کے ایک سائیس سے جو باگ دوڑ کھونٹے وغیرہ گھوڑے کیلئے ہوئے تھے اس سے باتیں کر کے مسجد واپس آ گئے اب یاد نہیں رہا کہ پوچھنے پر یا خود بخود فرمانے لگے سائیس جس سے میں نے گفتگو کی یہ خضر تھے میں نے پوچھا یہ کیا حال ہے؟ تو جواب میں کہا کہ حکم یہی ہوا ہے۔''

(حاشیہ سوانح قاسمی ،جلد2،صفحہ103، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

ان عبارتوں سے جہاں دیوبندیوں کے نام نہاد جہاد کا بھانڈا پھوٹ رہا ہے وہاں سے اس کی پرانی بُری عادت بھی واضح ہوئی کہ یہ جس طرح اہل سنت کو اہل بدعت کہتے ہیں اسی طرح مسلمان مجاہدین کو باغی اور حضرت خضر (علیہ السلام) کو انگریزوں کا حمایتی ٹھہراتے ہیں۔ کیا اب بھی دیوبندیوں کو غازی اور مجاہد کہا جا سکتا ہے؟

انگریز کی پسند مدرسہ دیوبند

دیوبندی مولوی فقط انگریزوں سے پیسے ہی نہیں لیتے تھے بلکہ انگریزوں کے پیسے پورے بھی کرتے تھے چنانچہ ایک دیوبندی فاضل نے مولانا محمد احسن نانوتوی کے نام سے موصوف کی سوانح حیات لکھی جسے مکتبہ عثمانیہ کراچی پاکستان نے شائع کیا ہے۔ اپنی کتاب میں مصنف نے اخبار انجمن پنجاب لاہور 19 فروری 1875ء کے حوالہ سے لکھا ہے کہ 13 جنوری 1875 بروز ایک شنبہ لیفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے مدرسہ دیوبند کا معائنہ کیا معائنہ کی جو عبارت موصوف نے اپنی کتاب میں نقل کی ہے اس کی یہ چند سطریں خاص طور سے پڑھنے کے قابل ہیں:

''جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے، جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپیہ ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد ومعاون سرکار ہے۔''

(مولانا محمد احسن نانوتوی ،صفحہ217،مکتبہ عثمانیہ، کراچی)

خود انگریز کی یہ شہادت ہے کہ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد ومعاون سرکار ہے، اب آپ ہی انصاف کیجیے کہ اس بیان کے سامنے اب افسانے کی کیا حقیقت ہے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ مدرسہ دیوبند انگریزی سامراج کے خلاف سیاسی سرگرمیوں کا بہت بڑا اڈا تھا۔ مدرسہ دیوبند کے قدیم کارکنوں کا انگریزوں کے ساتھ کس درجہ خیر خواہانہ اور نیاز مندانہ تعلق تھا اس کا اندازہ لگانے کے لیے خود قاری طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبندی کا تہلکہ آمیز بیان سنئے کہ (مدرسہ دیوبند کے کارکنوں میں اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پینشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔

(حاشیہ سوانح قاسمی ،جلد2،صفحہ247، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

آگے چل کر انہی بزرگوں کے متعلق لکھا ہے کہ مدرسہ دیوبند میں ایک موقع پر جب انکوائری آئی تو اس وقت یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھ کر مدرسہ کی طرف صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی۔

(حاشیہ سوانح قاسمی ،جلد2،صفحہ247، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

گھر کا راز دار ہونے کی حیثیت سے قاری طیب صاحب کا بیان جتنا باوزن ہو سکتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ جو دیوبندی انگریزوں سے چندہ لے کر ان کے مقاصد پورے کرنے والے ہوں وہ آج کتنی آسانی سے اعلیٰ حضرت کو انگریزوں کا ایجنٹ کہہ رہے ہیں اور خدا کا خوف بالکل نہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی انگریزوں سے نفرت

جو انگریزوں کا ایجنٹ ہو اس کا ثبوت دو طرح سے ہوتا ہے: ایک یہ کہ انگریزوں کی حمایت کرے۔ دوسرا یہ کہ مستند تاریخی دلائل سے ثابت ہو کہ اسے انگریزوں کی طرف سے فلاں فلاں جاگیر ملی تھی۔ ہم اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت کو دیکھتے ہیں تو آج تک کسی دیوبندی، وہابی، شیعہ یا کسی بھی بدمذہب نے دعویٰ بھی نہیں کیا (چہ جائیکہ ثبوت دے) کہ اعلیٰ حضرت کو انگریزوں کی طرف سے فلاں جاگیر ملی تھی۔ آپ کے گزر بسر وہی آباؤ اجداد کی کچھ زمین اور مکانات کے کرایہ سے ہوتا تھا۔ پھر انگریزوں کی حمایت اعلیٰ حضرت سے قولاً وفعلاً ثابت نہیں ہے بلکہ آپ کا انگریزوں سے نفرت کرنا اور ان کی تردید کرنا ثابت ہے۔ جناب شوکت صدیقی مدیر ہفت روزہ ''الفتح'' لکھتے ہیں: ''تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بریلوی کی ابتداء مسلمانوں میں وہابیوں کے بڑھتے ہوئے اثر کے ردِّ عمل میں ہوئی تھی۔ اس تحریک کے بانی مولانا احمد رضا خاں بریلوی تھے۔ مگر سید احمد شہید اور مولانا احمد رضا خاں کے وطنِ مالوف میں یہ فرق ہے کہ سید صاحب رائے بریلی کے اور خاں صاحب بانس بریلی سے تعلق رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں جون 1856ء میں پیدا ہوئے اور 1921ء میں ان کا وصال ہوا۔ وہ نسباً پٹھان، مسلکاً حنفی، مشرباً قادری اور مولداً بریلوی تھے۔ ان کے بارے میں وہابیوں کا یہ الزام کہ وہ انگریزوں کے پروردہ یا انگریز پرست تھے نہایت گمراہ کن اور شرانگیز ہے۔ وہ انگریزوں اور ان کی حکومت کے اس قدر کٹر دشمن تھے کہ لفافے پر ہمیشہ ٹکٹ الٹا لگاتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ میں نے جارج پنجم کا سر نیچا کر دیا۔ انہوں نے زندگی بھر انگریزوں کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کیا۔

مشہور ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے عدالت میں کبھی حاضری نہیں دی۔ ایک بار انہیں ایک مقدمہ کے سلسلہ میں عدالت میں طلب بھی کیا گیا مگر انہوں نے توہینِ عدالت کے باوجود حاضری نہ دی اور یہ کہہ کر نہ دی کہ میں انگریزوں کی حکومت ہی کو جب تسلیم نہیں کرتا تو اس کے عدل و انصاف اور عدالت کو کیسے تسلیم کروں۔ کہتے ہیں کہ انہیں گرفتار کر کے حاضرِ عدالت ہونے کے احکامات جاری کئے گئے، بات اتنی بڑھی کہ معاملہ پولیس سے گزر کر فوج تک پہنچا، مگر ان کے جانثار ہزاروں کی تعداد میں سر سے کفن باندھ کر ان کے گھر کے سامنے کھڑے ہو گئے، آخر عدالت کو اپنا حکم واپس لینا پڑا۔''

(ہفت روزہ الفتح، 14، 21، صفحہ 17، مئی 1976ء)

مدیر ''الحبیب'' لکھتے ہیں: ''ایک مرتبہ کمشنر نے 35 مربع زمین کی آپ کو پیش کش کی مگر اس مردِ قلندر نے فرمایا: انگریز اپنی تمام حکومت بھی مجھے دے دے تو بھی میرا ایمان نہیں خرید سکتا۔

(ماہنامہ الحبیب، اکتوبر 1970ء)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے در کو ہی سب کچھ سمجھتے تھے، انگریزوں کے چند ٹکڑے لے کر دین فروشی نہ آپ نے کی اور نہ آپ اسے پسند کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ اپنے کلام میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ ناں نہیں

اس شعر کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ''سخن رضا'' میں مولانا محمد اول قادری رضوی سنبھلی اور ''شرح حدائق بخشش'' میں مفتی غلام حسن قادری صاحب فرماتے ہیں: ''اس شعر کا پس منظر اس طرح ہے کہ ''نان پارہ'' ریاست کا نواب حضرت نوری میاں قبلہ (علیہ الرحمۃ) کا مرید تھا۔ اس نے اپنے مرشد سے عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت سے ایک رباعی میرے لئے لکھوا دیں (تا کہ رہتی دنیا تک میری عظمت کے بھی ڈنکے بجتے رہیں) انہوں نے فرمایا اچھا کچھ کرتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت ایک مجلس میں محو گفتگو اور بہت خوش نظر آ رہے تھے کہ حضرت نوری میاں نے فرمایا: یہ میرے مرید اور ریاست نان پارہ کے نواب ہیں، ان کی خواہش ہے کہ کوئی قطعہ ان کے متعلق تحریر فرما دیں۔ اعلیٰ حضرت نے قلم اٹھا اور فی البدیہ یہ شعر لکھ ڈالا۔ نواب نے اپنا سر پیٹ لیا اور پچھتانے لگا کہ اس سے تو بہتر تھا نہ ہی لکھواتا۔''

(شرح حدائق بخشش، صفحہ 323، مشتاق کارنر، لاہور)

جو ہستی حضور علیہ السلام کے علاوہ کسی مسلمان نواب کی شان میں ایک شعر نہ لکھے، اس سے یہ کیسے متصور ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کے دین کو انگریزوں کے ہاتھ بیچ دے۔ دیوبندی، وہابیوں کو بالکل شرم نہیں آتی اس طرح الزام تراشیاں کرتے ہوئے، خود انگریزوں کا مال کھاتے رہے اور اسے ہضم کرنے کے لئے کوّے حلال سمجھ کر کھاتے رہے ہیں، آج منہ اٹھا کر دوسروں کو انگریزوں کا ایجنٹ کہتے ہیں۔ خود دیوبندی، وہابیوں کی کالعدم تحریکیں کفار کے زیرِ سایہ ہیں۔

حسام الحرمین کے بعد بھی اعلیٰ حضرت کا تھانوی کو رجوع کا کہنا

دیوبندی اکابر حضور (علیہ السلام) کی شان میں کہے گئے کفریات پر آخری دم تک ثابت قدم رہے اور ایک مرتبہ بھی انہوں نے خود نہیں کہا کہ ہم پر اعلیٰ حضرت نے کفر کا فتویٰ انگریزوں سے پیسے لے کر لگایا ہے اور یہاں گھمن صاحب نے کتنی آسانی سے باطل استدلال کیا ہے اور اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) کو انگریزوں کا نوکر کہا ہے۔

اگر اعلیٰ حضرت انگریزوں کے ایجنٹ ہوتے تو کبھی بھی حسام الحرمین کے بعد بھی تھانوی کو رجوع کے لئے نہ کہتے

جبکہ آپ نے حسام الحرمین کے بعد بھی لکھا:

معاوضہ عالیہ امام بریلوی قدس سرہ، نقل بنام مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ، ونصلی علی رسولہ الکریم

السلام علی من اتبع الھدیٰ!

فقیر بارگاہ عزیز قدیر عز جلالہ، تو مدتوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے اب حسب معاہدہ قرارداد مرادآباد پھر محرک ہے کہ آپ سوالات ومواخذ حسام الحرمین کی جواب دہی کو آمادہ ہوں، میں اور آپ جو کچھ کہیں لکھ کر کہیں اور سنا دیں اور وہی دستخطی پرچہ اسی وقت فریقین مقابل کو دیتے جائیں کہ فریقین میں سے کسی کو کہہ کے بدلنے کی گنجائش نہ رہے۔ معاہدہ میں 27 صفر (1329ھ) مناظرہ کے لئے مقرر ہوئی ہے، آج پندرہ کو اس کی خبر مجھ کو ملی، گیارہ روز کی مہلت کافی ہے۔ وہاں بات ہی کتنی ہے، اسی قدر کہ یہ کلمات شان اقدس حضور پرنور سید عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں توہین ہیں یا نہیں؟ یہ بعونہ تعالیٰ دو منٹ میں اہل ایمان پر ظاہر ہو سکتا ہے۔

لہٰذا فقیر اس عظیم ذوالعرش کی قدرت ورحمت پر توکل کر کے یہی 27 صفر روز جان افروز دوشنبہ اس کے لئے مقرر کرتا ہے آپ فوراً قبول کی تحریر اپنی مہری دستخطی روانہ کریں اور صفر کی صبح مرادآباد میں ہوں۔ اور آپ بالذات اس امر اہم واعظم دین کو طے کر لیں، اپنے دل کی آپ جیسی بتا سکیں گے وکیل کیا بتائے گا، عاقل بالغ مستطیع غیر مخدرہ کی توکیل کیوں منظور ہو؟ معہذا یہ معاملہ کفر واسلام کا ہے، کفر واسلام میں وکالت کیسی؟ اگر آپ خود کسی طرح سامنے نہیں آسکتے اور وکیل کا سہارا ڈھونڈ لے تو یہی لکھ دیجئے، اتنا تو حسب معاہدہ آپ کو لکھنا ہی ہوگا کہ وہ آپ کا وکیل مطلق ہے اس کا تمام ساختہ وپرداختہ، قبول، سکوت، نکول، عدول سب آپ کا ہے، اور اس قدر اور بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ اگر بعون العزیز المقتدر (عزوجلالہ)، آپ کا وکیل مغلوب یا معترف یا ساقط یا فار ہوا تو کفر سے توبہ علی الاعلان آپ کو کرنی اور چھاپنی ہوگی کہ توبہ میں وکالت ناممکن ہے اور اعلانیہ کفر کی توبہ اعلانیہ لازم۔ میں عرض کرتا ہوں کہ آخر بار آپ ہی کے سر رہتا ہے کہ توبہ کرنی ہوئی تو آپ ہی پوچھے جائیں گے پھر آپ خود ہی دفع اختلاف کی ہمت کیوں نہ کریں؟ کیا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان اقدس میں گستاخی کرنے کو آپ تھے اور بات بنانے دوسرا آئے؟ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ آپ برسوں سے ساکت اور آپ کے حواری رفع خجلت کی

سعی بے حاصل کرتے ہیں۔ ہر بار ایک ہی طرح کے جواب ہوتے ہیں، آخر تا بہ کے، یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمد للہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا، آئندہ کسی کے غوغہ پر التفات نہ ہوگا۔ منوا دینا میرا کام نہیں اللہ (عزوجل) کی قدرت میں ہے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبہ اجمعین، والحمد للہ رب العلمین

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

15 صفر المظفر روز چہارشنبہ 1329ھ"

(فتاوی رضویہ، جلد 15، صفحہ 98، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

صریح کفر میں تاویل معتبر نہیں ہوتی

پھر دیوبندی کی عقل کا حال دیکھیں کہ انہیں اپنے مولویوں کی کفریہ باتیں نظر نہیں آتی بلکہ کہتے ہیں کہ اسلامی عبارات تھیں اور اس کی بہت اچھی اچھی تاویلیں ہیں جبکہ حال یہ ہے کہ آج تک انہوں نے جتنی بھی تاویلیں کی ہیں وہ تاویلیں بھی کفریہ ہیں۔

ایک طرف تو گھمن صاحب کہتے ہیں کہ اکابر دیوبند کی یہ عبارات کفریہ نہیں ہیں، دوسری طرف خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان عبارتوں کی عمدہ عمدہ تاویلیں تھیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ گھمن صاحب یہ مانتے ہیں کہ ان عبارتوں میں کفریہ معنی ہیں تبھی تو کہہ رہے ہیں اس کی تاویلات تھیں۔

جو صریح کفریہ جملہ ہو اس میں تاویل معتبر نہیں ہوتی۔ مفتی محمد شفیع دیوبندی رقم طراز ہیں: "جب تک کسی شخص کے کلام میں تاویل صحیح کی گنجائش ہو اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو، یا اس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنی سے ادنی اختلاف ائمہ اجتہاد میں واقع ہو اس وقت تک اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے گا، لیکن اگر کوئی شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا کوئی ایسی ہی تاویل وتحریف کرے جو اس کے اجماعی معانی کے خلاف معنی پیدا کر دے تو اس شخص کے کفر میں تامل نہ کیا جائے۔"

(ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں، صفحہ 85)

گنگوہی صاحب خود لکھتے ہیں: "کلمہ کفر بولنا عمداً اگرچہ اعتقاد اس پر نہ ہو کفر ہے۔"

(فتاوی رشیدیہ، حصہ 1، صفحہ 195، عالمی مجلس تحفظ اسلام، کراچی)

تاویل وہاں ہوتی ہے جہاں تاویل کا احتمال ہو یہ نہیں کہ کوئی گالیاں نکال کر تاویلیں کرتا پھرے۔ کتاب التعریفات میں علامہ میر سید شریف جرجانی (علیہ الرحمہ) نے تاویل کی لغوی واصطلاحی تعریف یوں رقم فرمائی ہے" التاویل فی الاصل

الترجیع وفی الشرع: صرف اللفظ عن معناہ الظاہر الی معنیٰ یحتملہ، اذا کان المحتمل الذی یراہ موافقاللکتاب والسنۃ'' ترجمہ: تاویل کالغوی معنی لوٹانا ہے اور اصطلاح شرح میں لفظ کو اس کے ظاہری معنی سے ایسے معنی کی طرف پھیرنا کہ جس کا وہ لفظ احتمال رکھتا ہے، جب کہ وہ معنی جس کا لفظ احتمال رکھتا ہے کتاب وسنت کے مطابق ہو تاویل کہلاتا ہے۔

(کتاب التعریفات للجرجانی، باب التاء، صفحہ 38، مطبوعہ دار المنار)

دیوبندیوں کا زبردستی اعلیٰ حضرت سے کفر ثابت کرنا

گھمن صاحب کو اپنے اکابر کی صریح کفریہ عبارات میں عمدہ عمدہ تاویلیں تو نظر آتی ہیں (اگر چہ آج تک وہ عمدہ تاویلیں دیوبندی پیش نہیں کر سکے) لیکن پتہ نہیں کیوں اہل سنت کے کلام میں انہیں صرف کفر و شرک ہی نظر آتا ہے؟ اسی لئے گھمن صاحب سمیت کئی دیوبندی زبردستی اعلیٰ حضرت اور علمائے اہل سنت کے کلام کو کفریہ ثابت کرتے ہیں چنانچہ گھمن صاحب بہتان عظیم باندھتے ہوئے لکھتے ہیں: ''حضور (علیہ السلام) کے عین خدا ہونے کا دعویٰ: معراج کی رات حضور (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچے۔ مولانا احمد رضا خاں فرماتے ہیں کہ یہ فاصلہ بھی ایک ظاہری پردہ تھا۔ یہ پردہ اٹھے تو صاف پتہ چل جائے کہ یہ دو نہ تھے، حقیقت میں ایک ہی تھا۔ وہاں دوئی (2) کا کیا سوال۔ فرماتے ہیں:

اٹھے جو قصر دنیٰ کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی، نہ کہہ وہ ہی نہ تھے، ارے تھے

یعنی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہاں دو ہستیاں تھیں۔ یہ نہ کہنا کہ وہی ذات برحق نہ تھے، ارے وہی تو تھے (معاذ اللہ)''

(فرقہ بریلویہ پاک وہند کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 351، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

اعلیٰ حضرت کا یہ شعر توحید پر مبنی تھا جسے گھمن صاحب نے معاذ اللہ شرک کہہ دیا۔ اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ معراج کے رات حضور (علیہ السلام) رب تعالیٰ کے اتنے قریب ہوئے کہ اس قربت کی کوئی خبر دے ہی نہیں سکتا۔ اللہ (عزوجل) لامکاں ہے اور اس کے اس لامکاں ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے، اب جب معراج کی رات حضور (علیہ السلام) کی رب تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تو سوال یہ ہے کہ اب وہاں ایک ذات تھی یا دو ذاتیں تھیں؟ اعلیٰ حضرت اس پر فرما رہے ہیں کہ اس مقام پر دونوں ذاتیں ایک ہو گئیں ایسا نہ سمجھو بلکہ حضور بندے ہی رہے اور رب تعالیٰ معبود ہی رہا۔

گھمن صاحب نے دوسری جگہ مزید اپنے بغض کا اظہار یوں کیا: ''خدا کے اول وآخر ہونے کا انکار: مولوی حامد رضا

خان لکھتے ہیں:

ھوالاول ھوالآخر ھوالظاہر ھوالباطن — بکل شیء علیم لوح محفوظ خدا تم ہو
نہ ہو سکتے ہیں دو اول نہ دو آخر — تم اول اور آخر ابتدا تم ہو انتہا تم ہو

حدائق بخشش، حصہ 2، صفحہ 94۔

فاضل بریلوی کے بیٹے حامد رضا نے نبی پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اول وآخر مان کر پھر کہہ دیا ہے کہ دو اول وآخر نہیں ہوتے۔ اس بات سے خدا کے اول وآخر ہونے کا انکار کر دیا۔ العیاذ باللہ۔''

(فرقہ سیفیہ کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 36، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب نے پھر کسی کی نقل ماری ہے اور نقل مارتے ہوئے عقل کا استعمال نہیں کیا۔ نام حامد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) کا لیا حوالہ حدائق بخشش کا دیا۔ حالانکہ حدائق بخشش میں فقط اعلیٰ حضرت کا کلام ہے۔ یہ اشعار حدائق بخشش کے نہیں ہیں۔ یہ اشعار حامد رضا کے کلام ''بیاضِ پاک'' میں ہیں۔ ان میں جو زبردستی کفر گھمن صاحب نے ثابت کیا ہے وہ ان کی پرانی عادت ہے۔ اس شعر میں کہا گیا کہ حضور (علیہ السلام) اول، آخر، ظاہر، باطن ہیں اور یہ آپ (علیہ السلام) کے صفاتی نام ہیں، اگر کسی کو یقین نہ آئے تو وہ حضور (علیہ السلام) کے صفاتی ناموں کو دیکھ سکتا ہے۔ اللہ (عزوجل) اور حضور (علیہ السلام) کے بعض صفاتی نام ایک ہیں لیکن ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، جسے یہاں تفصیلی بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں جو مصرعہ ہے ''بکل شیء علیم'' لوحِ محفوظِ خدا تم ہو'' اس کا مطلب معاذ اللہ یہ نہیں کہ خدا تم ہو بلکہ لفظ ''محفوظ'' خدا کی طرف مضاف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور (علیہ السلام) خدا کی لوحِ محفوظ جس میں ہر چیز کا علم ہے اس کے جاننے والے ہیں۔ حضور (علیہ السلام) کو لوحِ محفوظ کا علم تھا جس کی صراحت اسلاف سے ثابت ہے چنانچہ امام بوصیری (رحمۃ اللہ علیہ) قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:۔

فانّ من جودك الدّنیا وضرّتها — ومن علومك علم اللّوح والقلم

ترجمہ: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! دنیا وآخرت دونوں حضور کے خوانِ جود وکرم سے ایک ٹکڑا ہیں اور لوح وقلم کا تمام علم جن میں ''ماکان و مایکون'' مندرج ہے حضور کے علوم سے ایک حصہ۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ آلك وصحبك وبارك وسلم۔

(مجموع المتون، متن قصیدۃ البردۃ، صفحہ 10، الشئون الدینیۃ، دولۃ قطر)

قبلہ حامد رضا (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو فرمایا ''نہ ہو سکتے ہیں دو اول نہ دو آخر'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ (عزوجل) نے

آپ کو اول پیدا کیا ہے اور آخری نبی بنا کر بھیجا ہے اور آپ اس شان میں یکتا ہیں کسی اور نبی یا مخلوق کا اس میں شامل ہونا ممکن ہی نہیں۔

حضرت معین الدین اجمیری کا حسام الحرمین کے متعلق مؤقف

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

اس فکر میں فاضل بریلوی اندھادھند چلے ہیں یہ نہیں دیکھا کہ اس زد میں کون آرہا ہے کون نہیں اور کیا یہ فکر اسلامی ہے یا نہیں؟ ان کے اپنے گھر کے افراد اس تکفیر پر جو اکابر اہل السنۃ دیوبند کی انہوں نے کی ہے، جرح کررہے ہیں۔۔۔خواجہ قمرالدین صاحب کے استاد حضرت معین الدین اجمیری لکھتے ہیں: فضیلت نمبر 2 تکفیر: خلقت آپ کی اس فضیلت سے بے حد نالاں ہے وہ کہتی ہے کہ دنیا میں شاید کسی نے اس قدر کافروں کو مسلمان نہیں کیا ہوگا جس قدر اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو کافر بنایا۔ تجلیات انوار المعین، صفحہ 37۔

یعنی فاضل بریلوی مکفر المسلمین ہیں۔"

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 47، 48، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

ابتداء حضرت معین الدین اجمیری (رحمۃ اللہ علیہ) نے دیوبندیوں کی کفریہ عبارات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے مسئلہ تکفیر کی تائید نہ فرمائی تھی مگر اعلیٰ حضرت کی حیات ہی میں اعلیٰ حضرت کے بڑے شہزادے حجۃ الاسلام قبلہ حامد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) کی جب معین الدین اجمیری (رحمۃ اللہ علیہ) سے خط وکتابت ہوئی اور آپ نے دیوبندیوں کی کفریہ عبارات پیش کیں تو انہوں نے ربیع الآخر 1337ھ کے مکتوب میں واضح طور پر حسام الحرمین میں گستاخانہ عبارات پر فتویٰ تکفیر کی تائید وحمایت فرمادی تھی۔ یہ خطوط مناظر اسلام حضرت مولانا محمد حسن علی رضوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے دیوبندی مولوی خالد مانچسٹر کی جھوٹ وبہتان سے بھری کتاب "مطالعہ بریلویت" کے جواب میں لکھی گئی کتاب "محاسبہ دیوبندیت" میں **محدث اعظم پاکستان** کے حوالے سے لکھے ہیں۔ جن کا جواب کوئی دیوبندی آج تک نہیں دے سکا۔ وہ خطوط پیش خدمت ہیں:۔

وہ خط جو قبلہ مفتی حامد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) نے حضرت معین الدین اجمیری کو لکھا وہ یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جناب مولوی معین الدین صاحب۔ ماھو المسنون!

گرامی نامہ ملا۔ مجھے اگر آپ صاف صاف الفاظ میں یہ تحریر فرمادیں کہ دیوبندی، گنگوہی وغیرہ انفاء کے وہ کلمات جو "حسام الحرمین" میں ان کی کتابوں سے بحوالہ صفحہ وسطر منقول ہوئے، فی الحقیقت کفریات ہیں اور ان پر جو احکام تکفیر حضرات علماء حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاوتعظیما نے نام بنام ان قائلین پر محقق فرمائے ہیں، ان سب کی دل سے تصدیق کرتا ہوں۔ تو میں اور میرے بعض ہم خیال اشخاص کے قلوب کی صفائی ممکن ہے۔ رہا مسئلہ اذان وہ ایک فروعی مسئلہ ہے، میں اس کے متعلق آپ پر یہ جبر نہیں کرتا کہ اس کے متعلق ہماری حسب تحقیق آپ بھی معترف ہوجائیں۔ ہاں ذاتیات اعلیٰ حضرت قبلہ کی نسبت جناب کے کلمات ضرور قابلِ واپسی ہیں۔ ان دونوں باتوں کے بعد فقیر کو آپ ہر طرح خادم خادمانِ احباب پائیں گے۔

فقط: الفقیر محمد حامد رضا قادری غفرلہ

13 ربیع الآخر 1337ھ

اس کے جواب میں مولانا معین الدین اجمیری نے یہ مکتوب لکھا:

باسمہ تعالیٰ شانہ

جناب مولوی صاحب! اعلیٰ اللہ درجتہ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواباً عرض ہے کہ آپ اسلامی حسنِ ظن کو پیشِ نظر رکھ کر خانہ فقیر پر تشریف لائیے، ملاقات کا موقع دیجئے تو بہتر ہے ورنہ آپ مختار ہیں۔ فقیر کو کسی قسم کا حق جبر نہیں، نہ کوئی دنیاوی مطلب محیطِ نظر ہے۔ رہے عقائدِ دیوبندیہ، سو ان کا مجھ کو بالکل علم نہیں کہ کیا ہیں؟ وجہ یہ کہ ان کی کتابیں دیکھنے کا آج تک نہ موقع ملا نہ اس کا شوق، نہ کتاب "حسام الحرمین" نظر سے گزری۔ البتہ حضرت خاتم الحکماء مولانا **فضلِ حق خیرآبادی** قدس سرہ نے مسئلہ کذب وامکانِ نظیر حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں طائفہ دیوبندیہ کی تضلیل و تفسیق کی ہے اور ان کو گروہ مزداریہ سے قرار دیا ہے۔ سو اس کا فقیر مصدق ہے اور اس بارہ میں جس قدر الزام خاتم الحکماء قدس سرہ نے ان پر وارد کئے ہیں، وہ سب بجا اور سراسر حق ہیں، و نیز اجلی انوار الرضا میں جو عقائد اہل دیوبند کے ظاہر کئے گئے ہیں، وہ عقائد کفریہ ہیں۔ اس میں فقیر کو کسی قسم کا تامل نہیں بشرطیکہ وہ ان کے عقائد ہوں۔ بہرحال آپ کی طرح فقیر بھی عقائد مسطورہ فی الرسالہ کو کفری تسلیم کرتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ آپ کو اس کا یقین ہے کہ یہ عقائد اہل دیوبند کے ہیں اور فقیر کو اسبابِ یقین اس وقت تک فراہم نہ ہوئے۔ اس معذوری کی بنا پر اگر ترکِ ملاقات کو آپ ترجیح دیں تو یہ آپ کا اختیار ہے۔ فقیر اگر صحیح المزاج ہوتا تو یہ دشواری بھی حائل نہ ہوتی۔ رہے ذاتیات

ان سے بالکل بحث نہ کیجئے۔ ان کا قلع قمع بعد از ملاقات آپ کی مرضی کے موافق ہو جاوے گا۔ اس کا اطمینان رکھئے۔ والسلام۔

فقط: فقیر معین الدین کان اللہ لہ

13 ربیع الثانی 1337ھ

حضرت معین الدین اجمیری (رحمۃ اللہ علیہ) کے اس خط کے جواب میں حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ خط لکھا:

جناب مولوی صاحب! وسع اللہ مناقبہ وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں ان شاء اللہ تعالیٰ کل بعد نماز جمعہ آسکوں گا۔ مزید علم کے لئے بعض کتب مثل "حسام الحرمین" وغیرہ، صبح کسی کے ہاتھ بھیج دیں گے۔ تاکہ آپ اطمینان حاصل کرلیں۔ آپ کے علم میں شاید یہ بات نہیں کہ حضرت مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی مرحوم ومغفور نے تو اپنے رسالہ "تحقیق الفتوی لرد الطغوی" میں اس گروہ ناحق پژدہ کی تکفیر فرمائی ہے نہ فقط تضلیل و تفسیق۔ اور قصیدہ مطبوعہ میں بھی غالباً تکفیر ہے۔ بہر حال میں چاہتا ہوں کہ آپ اطمینان فرما کر ان کے اقوال کے متعلق رائے ظاہر فرمائیں کہ پھر کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ ہو۔

فقط: الفقیر محمد حامد رضا قادری غفرلہ

13 ربیع الآخر 1337ھ

مکتوب کے ہمراہ حجۃ الاسلام نے متعدد کتب علماء اہل دیوبند ارسال فرمائیں۔ ان کو پڑھنے کے بعد مولانا معین الدین اجمیری نے یہ جواب لکھا:

جناب محترم مولانا زاد مجدہ، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

براھین قاطعہ کے قولِ شیطانی کو جس میں معاذ اللہ حضور سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے علم اکمل کے مقابلہ میں شیخ نجدی یعنی شیطان کے علم کو وسیع کہا ہے۔ دیکھ کر فقیر کا بھی یہی فیصلہ ہے کہ یہ کلمات قطعاً کفر ہیں اور ان کا قائل کافر۔ باقی ہفوات اہل دیوبند کو بعد صحت کے ان شاء اللہ دیکھ کر فیصلہ کروں گا۔ آپ اگر جمعہ حسب وعدہ تشریف لے آئیں تو اس وقت اس کے متعلق بسط سے گفتگو ہو سکتی ہے۔ والسلام خیر ختام۔

فقط: فقیر معین الدین کان اللہ لہ

14 ربیع الثانی 1337ھ

(محاسبہ دیوبندیت، صفحہ 433۔۔۔، ادارہ غوثیہ رضویہ، لاہور)

نوٹ: یہ اصل خطوط حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان صاحب اور مولانا معین الدین اجمیری کے حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قدس سرہ کے کتب خانہ میں محفوظ وموجود ہیں۔ لہٰذا جب ان سے حسام الحرمین کی تائید ثابت ہو چکی ہے تو اب دیوبند کا ان کے پہلے کے اقوال پیش کرنا نری جہالت اور دھوکہ بازی ہے۔

کون پھنسا فتاوٰی کی زد میں؟

گھمن صاحب نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ اعلیٰ حضرت اندھا دھند کفر کے فتوے دیتے رہے اور خود اس میں پھنس گئے جبکہ ایسا ہرگز نہ تھا جیسا کہ اوپر تفصیلی کلام کیا گیا ہے۔ اب قارئین کو ہم بتاتے ہیں کہ اندھا دھند فتوے دینا اہل سنت کا فعل نہیں ہے بلکہ دیوبندیوں کا فعل ہے اور یہ بعض اوقات اپنے ہی اکابروں کو کافر ٹھہرا دیتے ہیں چنانچہ لطائف دیوبند میں سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی دامت برکاتہم العالیہ دیوبندیوں کے لطائف بیان کرتے ہوئے ایک جگہ دیوبندیوں کے اندھا دھند فتاوٰی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی نے دیوبندیوں سے یہ سوال کیا: "کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک میلاد خواں نے مندرجہ ذیل شعر محفل مولود میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت میں پڑھا۔ شعر:

جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ تیرا اسکی نعش
تو پھر تو خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

اس کے جواب میں دیوبندی مفتیوں نے کفر وگمراہی کے فتاوٰی یوں جاری کیے:۔

جواب 1: یہ شعر پڑھنا حرام اور کفر ہے، اگر یہ سمجھ کر پڑھے کہ اس کا اعتقاد اور پڑھنا کفر ہے تب تو اس کا ایمان باقی نہ رہا اور اگر یہ علم نہ ہو تو اس کا پڑھنا اور اعتقاد کفر ہے۔ یہ شخص فاسق اور سخت گنہگار ہے اس کو تا بہ مقدور اس حرکت سے روکنا شرعاً لازم ہے۔

احمد حسن 15 شوال 1369ھ سنبھل

جواب 2: اس شعر کا مفہوم کفر ہے، لکھنے والا اور عقیدے سے پڑھنے والا خارج از ایمان ہے۔ ایسے صریح الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہیں۔

ظہور الدین سنبھل

جواب 3: کسی بے ہودہ اور جاہل آدمی کا شعر ہے، بیوقوف اور بے ہودہ لوگ ہی ایسے مضمون سے محظوظ ہوتے ہیں۔ اگر یہ اس کا عقیدہ ہے تو کفر ہے۔ دیندار آدمی اس کے سننے سے بھی احتیاط کرنا چاہئے۔

سعید احمد سنبھل

جواب 4: اس شعر کا نعت میں پڑھنا اور سننا دونوں کفر ہے۔

وارث علی عفی عنہ سنبھل

جواب 5: تینوں حضرات دام ظلہم العالی کے جوابات کی میں بالکل موا موافقت کرتا ہوں۔

محمد ابراہیم عفی عنہ مدرسۃ الشرع سنبھل

جواب 6: شعر مذکور اگرچہ نعت میں ہے لیکن حد شرع سے باہر ہے ایسا شعر نہ کہنے والے کو کہنا اور نہ پڑھنے والوں کو پڑھنا جائز ہے یہ غلو اور قبیح ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔ دہلی

جواب 7: مذکورہ شعر اگرچہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعریف میں شاعر نے کہا ہے لیکن اتنا ضرور ہے کہ شاعر شرعی اصول سے واقف نہیں ہے۔ شعر میں حد درجہ کا لغو ہے جو اسلامی اصول کے کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ شاعر کافر اس وجہ سے نہیں ہوسکتا کہ شعر کا پہلا مصرع شرط ہے (جو) معنی میں اگر کے ہے اور محال چیز کو فرض کر رکھا ہے۔ شرط کا وجود محال ہے اسلئے دوسرا مصرعہ جو بطور جزا کے ہے۔ اس کا مترتب ہونا بھی محال ہے مگر شعر نعت رسول سے بہت گرا ہوا اور رکیک ہے۔ ایسے غلو سے شاعر کو بچنا فرض اور ضروری ہے۔ ایسے اشعار سے آپ کی تعظیم نہیں ہوتی بلکہ توہین کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے، یہ صحیح ہے کہ قرآن کے حکم کے مطابق ابلیس جنت میں نہیں جائے گا۔ مگر اس شعر کے قائل کو کافر نہیں کہہ سکتے کہ اس میں محال کو فرض کر رکھا ہے جب تک صحیح توجیہہ اس کے کلام کی ہو سکتی ہے اس وقت تک اس کے قائل کو کافر کہنا جائز نہیں۔ ایسے اشعار مولود میں پڑھنا نہیں چاہئے۔ واللہ اعلم

کتبہ۔ سیّد مہدی حسن صدر مفتی دار العلوم دیوبند 13 جمعہ 270ھ

یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ جس شعر پر مذکورہ مفتیان دیوبند نے کفر وضلالت کے فتاوٰی صادر فرمائے ہیں۔ وہ شعر بانی دار العلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی کا ہے گویا مذکورہ مفتیوں نے اپنے قاسم العلوم والخیرات کو ہی کافر و فاسق قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو شعر مع حوالہ۔۔

جو چھو بھی دیوے سگ کوچہ تیرا اسکی نعش
تو پھر تو خلد میں ابلیس کا بنائیں مزار

(قصائد قاسمی مصنفہ مولانا قاسم نانوتوی، صفحہ 77، مطبوعہ ساڈھورہ ضلع انبالہ)

مختصر یہ کہ مولانا قاسم نانوتوی مذکورہ مفتیوں کی نظر میں:۔

1: کافر، بے ایمان، فاسق، اور سخت گنہگار ہیں۔ (عالم دیوبند مفتی احمد حسن سنبھل)

2: مولانا کے شعر کا مفہوم کفر، اس میں تاویل کی گنجائش نہیں۔ (عالم دیوبند مفتی ظہور الدین سنبھل)

3: مولانا بے ہودہ اور جاہل آدمی ہیں۔ (عالم دیوبند مفتی سعید احمد سنبھل)

4: مولانا کے اس شعر کو نعت میں لکھنا اور پڑھنا دونوں کفر۔ (عالم دیوبند مفتی وارث علی سنبھل)

5: مولانا کا کافر، بے ہودہ اور جاہل ہونا بالکل صحیح ہے۔ (عالم دیوبند مفتی محمد ابراہیم مدرسۃ الشرع)

6: مولانا کا یہ شعر حد شرع سے باہر، غلو اور قبیح ہے۔ (عالم دیوبند مفتی محمد کفایت اللہ، دہلی)

7: مولانا شرعی اصول سے ناواقف، حد درجہ غالی اور توہین رسول کے مرتکب ہیں، ان کا یہ شعر بہت گرا ہوا اور رکیک ہے۔ (صدر مفتی دار العلوم دیوبند سیّد مہدی حسن صاحب) (لطائف دیوبند، صفحہ 22۔۔ ضیاء الدین پبلیکیشنز، کراچی)

اسی طرح اہل سنت کے عالم دین خلیل احمد رانا نے ایک کتاب بنام **"مرثیہ گنگوہی علماء دیوبند کی نظر میں"** لکھی۔ ہوا یوں کہ رشید احمد گنگوہی کے مرنے کے بعد محمود الحسن دیوبندی نے ایک مرثیہ لکھا۔ جس میں انہوں نے گنگوہی کی تعریف کی۔ اہل سنت نے اس مرثیہ کے ایک ایک شعر کو لے کر بغیر محمود الحسن کا نام ظاہر کئے دیوبندی مفتیوں سے ہی ان اشعار کے بارے میں حکم پوچھا تو کوئی مفتی شاعر کو کافر کہہ رہا تھا تو کوئی شعر پڑھنے کو حرام کہہ رہا تھا۔ یعنی دیوبندی جو انبیاء (علیھم السلام) اور اولیاء سے مدد مانگنے کو بغیر دلیل شرک کہتے تھے انہوں نے اسی دھن میں اپنے ہی مولوی کو مشرک ٹھہرا دیا۔

اس مرثیہ کا پہلا شعر تھا:

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلہ حاجات روحانی و جسمانی

اس شعر میں رشید احمد گنگوہی کو روحانی وجسمانی حاجت روا قرار دیا گیا ہے چنانچہ جب اس شعر کے متعلق مفتیانِ دیوبند سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے حسب ذیل جواب دیا:۔

جامعہ اشرفیہ لاہور کے مفتی جمیل احمد تھانوی لکھتے ہیں: "قبلہ حاجات روحانی وجسمانی کے یہ معنی ہیں کہ وہ خود بخود بلا حق تعالیٰ کے منظوری واجازت کے حاجات پوری کرنے والے ہیں تو یہ شرک ہے، کفر ہے، اس سے توبہ فرض ہے اور اگر یہ معنی ہوں کہ وہ دعا کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ سب حوائج پوری کر دیں گے، یہ درجہ حاصل ہے تو حضور (علیہ السلام) کے یہاں ثابت اوروں کے یہاں نہیں۔ شعر یوں پڑھئے:۔

حوائج دین ودنیا کے فقط اللہ سے لیں گے

وہی ہے قبلہ حاجات روحانی و جسمانی

فقط جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور

11 شوال 1393ء

اسی طرح دیگر دیوبندیوں مفتیوں نے اس شعر کو موہم شرک کہا، کسی نے عوام الناس کے عقائد کی خرابی کا ذریعہ کہا، کسی نے کہا یہ شعر حدودِ شرعیہ سے متجاوز ہے۔ (مرثیہ گنگوہی علماء دیوبند کی نظر میں، صفحہ5، الدار السنیۃ، ممبئی)

مرثیہ کے بقیہ اشعار میں بھی دیوبندی مفتیوں نے اسی طرح محمود الحسن دیوبندی کو مشرک و گمراہ ٹھہرایا۔ مزید دیوبندی مفتیوں کے چٹ پٹے فتاوٰی دیکھنے ہوں تو خلیل احمد رانا صاحب کی کتاب پڑھیں۔

فصل پنجم: اعلیٰ حضرت کا فقہائے اسلاف سے اختلاف اور اس کی شرعی حیثیت

اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے علمی بنیاد پر فقہائے اسلاف سے اختلاف کیا تھا۔ لیکن یہ کوئی ایسا اختلاف نہ تھا جو سنّیت و حنفیت سے الگ کوئی نیا خود ساختہ مذہب تھا بلکہ آپ سنی حنفی تھے جس کی تائید دیوبندیوں سے ثابت ہے چنانچہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں دیوبندی ترجمان لکھتا ہے: ”صورت مسئولہ میں خلل اندازی نماز کے متعلق حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلی (رحمۃ اللہ علیہ) کے ذاتی مذہب کے متعلق دریافت کیا گیا ہے ان کا ذاتی مذہب کوئی خود ساختہ نہیں بلکہ مسئلہ مذکورہ میں ان کا مذہب وہی جو ان کے امام مستقل مجتہد مطلق امام الفقہ ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کا ہے۔“

(ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی اگست 1975ء)

لیکن گھمن صاحب اصل موضوع سے ہٹتے ہوئے اور اپنے صفحے زیادہ کرنے کے لئے فقہی اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مفتی سید شجاعت علی قادری لکھتے ہیں: حقیقت یہ کہ مولانا کے علمی ذخائر میں تلاش کرنا کچھ مشکل نہیں کہ آپ نے کس کس سے اختلاف کیا ہے بلکہ اصل دقت طلب کام یہ ہے کہ وہ کون سا فقیہ ہے جس سے مولانا نے بالکل اختلافات نہ کیا ہو، اگر ایسا کوئی شخص نکل آیا تو یہ ایک بڑی تحقیق ہوگی۔ حقائق شرح مسلم، صفحہ 170۔

مفتی نور اللہ نعیمی لکھتے ہیں: اعلیٰ حضرت نے فتاوٰی رضویہ شریف میں اکابر مشائخ عظام پر بکثرت تطفلات کا ذکر فرمایا حتیٰ کہ پہلی ہی جلد میں 19 صد سے بھی زیادہ ذکر کیے ہیں۔ حقائق شرح مسلم، صفحہ 172۔“

جس نے امت میں کسی کو معاف نہ کیا اور ایک سے اختلاف کیا ہو اور ہر ایک کا رد کیا ہو تو اکابر دیوبند کو

کیسے معاف کرے۔ جو امام اعظم کو معاف نہ کرے بلکہ ان سے اختلاف کرے وہ اکابر دیوبند کو معاف کیسے کرے گا؟ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 48، 49، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں چونکہ اعلیٰ حضرت کو ہر ایک سے اختلاف کی عادت تھی اس لئے انہوں نے دیوبندی اکابر کی عبارات سے بھی اختلاف کیا۔ گھمن صاحب نے عبارتیں بھی مکمل نہیں لکھیں اگر عبارتیں ہی پوری لکھ دیتے تو پتہ چل جاتا کہ اعلیٰ حضرت نے کس قسم کا اختلاف کیا ہے؟ کیا اعلیٰ حضرت نے دیوبندی وہابیوں کی طرح جائز فعل کو شرک وبدعت ٹھہرا دیا اور کہا ہے کہ میں نہیں مانتا اُن بزرگوں کی تعریفات کو جنہوں نے شرک و بدعات کی تعریفات کی ہیں؟ یا اعلیٰ حضرت نے بغیر دلیل کہ یہ کہا ہو کہ میں فلاں فقیہ کو نہیں مانتا وغیرہ وغیرہ؟ جبکہ اعلیٰ حضرت نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔

اعلیٰ حضرت کا اندازِ اختلاف

اعلیٰ حضرت نے جو فقہاء سے اختلاف کیا ہے وہ اس معنی میں ہے کہ بعض فقہاء کو جو ظاہر الروایہ کے خلاف فتویٰ دینے میں غلطی ہوئی اعلیٰ حضرت نے ان کے مؤقف کے خلاف ظاہر الروایہ پیش کی، احناف کا اصل مفتی بہ مذہب پیش کیا یا جس جدید مسئلہ میں کسی فقیہ نے جزئیات سے استدلال کر کے کوئی جواب دیا آپ نے اس سے اختلاف کیا کہ ان جزئیات سے یہ استدلال درست نہیں، جواب یہ ہے اور اس پر یہ جزئیات ہیں۔ الغرض جیسے علامہ شامی نے صاحب درمختار سمیت کئی فقہاء سے اختلاف کیا اور اصل مذہب حنفی کے مفتی بہ اقوال پیش کئے اعلیٰ حضرت نے بھی بالکل ایسے ہی کیا اور یہ آپ کی کتب سے ثابت ہے اور یہی بڑے فقیہ کی نشانی ہوتی ہے۔ ورنہ ہرگز اعلیٰ حضرت نے مفتی بہ مذہب کے خلاف کبھی فتویٰ نہیں دیا کوئی مائی کا لال یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اعلیٰ حضرت نے اسبابِ ستہ کے علاوہ احناف کے مفتیٰ بہ مذہب سے عدول کیا ہے۔ آپ نے اپنی کتب میں جگہ جگہ یہی فرمایا کہ قول امام سے انحراف درست نہیں چنانچہ فرماتے ہیں: ”یہی مذہب امام ہے اور علماء فرماتے ہیں قول امام ہی پر اعتماد ضرور ہے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ مشائخ کرام مذہبِ صاحبین کی تصحیح کریں ”کما اتی انفا ان شاء اللہ تعالیٰ“ (جیسا کہ عنقریب آئیگا ان شاء اللہ تعالیٰ): امر چہارم: میں جس قاعدہ کا ذکر ہُوا جب سے مذہب حنفی عالَم میں آیا کسی عالم نے در بارہ اختلاف امام و صاحبین اُسے جاری نہ کیا، نہ ہرگز تمام دنیا میں کوئی اس کا قائل، بلکہ سلف و خلف کا اجماع کامل اُس کے برخلاف پر گواہ عادل، ہزار ہا مسائل میں صاحبین نے خلاف کیا، پھر شرق و غرب سے کتب فقہ جمع کر کے دیکھئے قولِ صاحبین معدودے ہی جگہ مفتیٰ بہ ملے گا جہاں اختلافِ زمانہ کے سبب تغیر حکم ہوا یا تعامل و دفع حرج کے مثل کوئی ایسی ہی ضرورت پیش

آئی۔علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں"حصل المخالفة من الصاحبين في نحو ثلث المذهب ولكن الاكثر في الاعتماد على قول الامام" صاحبین کا تقریباً ایک تہائی مذہب میں اختلاف ہے لیکن اکثر اعتماد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسلک پر ہے۔

میں یہاں ائمہ محققین کی بعض عبارات اقتصار کرتا ہوں جن سے کالشمس ظاہر کہ سوا مواضع معدودہ کے قولِ امام ہی پر اعتماد لازم، اوراس کے خلاف کثرتِ رائے، بلکہ فتوائے مشائخ پر بھی التفات نہیں کہ ایک آفتاب لاکھ ستاروں کو چھپا لیتا ہے، اس سب سے عمدہ خلاصہ سب سے حال کی مستند کتاب فتاوٰی عالمگیری میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے"اذا اختلفو فيما بينهم قال عبد الله بن المبارك يؤخذ بقول ابي حنيفة رحمه اللهتعالى لانه كان من التابعين وزاحمهم في الفتوى" جب احناف کا آپس میں اختلاف ہو تو عبداللہ بن مبارک کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہ کا قول قابل عمل ہوتا ہے کیونکہ وہ تابعی ہیں اور دیگر تابعین کے فتاوٰی کے مقابل اُنہوں نے فتاوٰی پیش کئے۔تنویر الابصار میں ہے"ياخذ بقول ابي حنيفة على الاطلاق" قاضی مطلقاً امام ابوحنیفہ کے قول کو لے گا۔" (فتاوی رضویہ، جلد12، صفحہ 116، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) نے جابجا صراحت کی کہ امام اعظم کے بعد امام ابو یوسف پھر امام محمد پھر امام زفر وحسن بن زیاد کے قول کی طرف رجوع کرنا چاہئے یعنی ان کے قول کے ہوتے ہوئے ان سے اختلاف کرنا درست نہیں ہے۔جو مسئلہ متون میں ہے اس سے اختلاف درست نہیں۔خلاف مذہب تحقیق کو مردود کہتے ہوئے اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) فرماتے ہیں:"اور مسئلہ تسمیہ اولا تنہا محقق کی اپنی بحث ہے کہ نہ ائمہ مذہب سے منقول نہ محققین مابعد میں مقبول، خود ان کے تلمیذ علامہ قاسم بن قطلو بغا نے فرمایا: ہمارے شیخ کی جو بحثیں خلافِ مذہب ہیں اُن کا اعتبار نہ ہوگا۔اقول: (میں کہتا ہوں) یعنی جب کہ خلاف، اختلافِ زمانہ سے ناشی نہ ہو"كما افتو بجواز الاجارة على التعليم والاذان والامامة وباخذ صاحب الحق من خلاف جنسه اذظفر الى نظائر كثيرة" جیسے علماء نے تعلیم، اذان اور امامت پر اجارہ کے جواز کا فتوی دیا اور یہ فتوی دیا کہ صاحب حق اپنے حق سے مختلف جنس پا جائے تو اسے لے سکتا ہے (یعنی لینے والا مثلا ظالم ہے اور صاحب حق کو اپنی چیز ملنے کی امید نہیں تو اس کی قیمت کے مساوی ظالم کے مال سے جو ہاتھ لگے لے کر رکھ سکتا ہے۔) اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔"

(فتاوی رضویہ، جلد1، صفحہ224، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اپنے اس مؤقف پر کہ اعلیٰ حضرت نے فقہائے کرام سے اختلاف علمی بنیادوں پر کیا تھا چند نظیریں اس پر پیشِ خدمت ہیں...

قرآن افضل یا حضور (عليه السلام) افضل؟

فقہائے کرام میں یہ مسئلہ چلا کہ قرآن افضل ہے یا حضور (عليه السلام) افضل ہیں؟ تو علامہ شامی (رحمة الله عليه) نے فرمایا "والمسألة مختلفة والأحوط الوقف" ترجمہ: یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں خاموشی بہتر ہے۔

اعلیٰ حضرت نے علامہ شامی سے علمی اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ جو قرآن کتابی صورت میں ہے اس میں حضور علی (عليه السلام) افضل ہیں کہ یہ حادث و مخلوق ہے اور کلام اللہ جو صفت باری تعالیٰ ہے وہ حضور (عليه السلام) سے افضل ہے چنانچہ فرماتے ہیں" لا حاجة إلى الوقف، والمسألة واضحة الحكم عندي بتوفيق الله تعالى؛ فإنّ القرآن إن أريد به المصحف، أعني: القرطاس والمداد، فلا شكّ أنّه حادث، وكلّ حادث مخلوق، وكلّ مخلوق فالنبيّ صلّى الله عليه وسلّم أفضل منه، وإن أريد به كلام الله تعالى الذى هو صفته، فلا شكّ أنّ صفاته تعالى أفضل من جميع المخلوقات" ترجمہ: اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرنے کی حاجت نہیں اور مسئلہ کا حکم میرے نزدیک اللہ (عزوجل) کی توفیق سے واضح ہے۔بے شک اگر قرآن سے مراد مصحف لی گئی یعنی سیاہی اور صفحہ لیا گیا تو اس میں کوئی نہیں کہ اس صورت میں یہ حادث ہے اور ہر حادث مخلوق ہے اور تمام مخلوق سے نبی کریم (صلى الله عليه وآله وسلم) افضل ہیں اور اگر قرآن سے مراد کلام اللہ لی جائے جو اس کی صفت ہے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ (عزوجل) کی صفات جمیع مخلوقات سے افضل ہیں۔

(جدالممتار علی ردالمحتار، تعریف الکتاب، جلد1، صفحہ78، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

صاحبِ فتح القدیر امام ابن ہمام سے ادبانہ اختلاف

صاحب فتح القدیر امام ابن ہمام نے فرمایا کہ جب نماز میں ایک سورۃ شروع کی جائے تو اسے ختم کئے بغیر دوسری سورت نہ پڑھی جائے دلیل میں انہوں نے فرمایا"إنّه صلّى الله عليه وسلّم نهى بلالاً رضى الله تعالى عنه عن الانتقال من سورة إلى سورة وقال له إذا ابتدأت سورةً فأتمّها على نحوها حين سمعه ينتقل من سورة إلى سورة في التهجد" ترجمہ: حضور (عليه السلام) نے حضرت بلال (رضى الله تعالىٰ عنه) کو منع کیا: ایک سورت سے دوسری صورت میں منتقل ہونے سے اور فرمایا جب تو کوئی سورت شروع کرے تو اسے پورا کرو۔یہ حضور (عليه السلام) نے تب فرمایا جب تہجد میں حضرت بلال سے سنا کہ وہ ایک سورۃ سے دوسری سورت میں منتقل ہوتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت اس مسئلہ میں ان سے اختلاف کرتے ہوئے ادباً فرماتے ہیں"رحم الله المحقّق ورحمنا به لم

ینهه النبی صلّی الله علیه وسلّم بل صوّب فعله ـــ وقد سمعتك یابلال وأنت تقرأ من هذه السورة ومن هذه السورة، قال : كلام طیّب یجمعه الله بعضه إلی بعض فقال النبی صلّی الله علیه وسلّم (كلّكم قد أصاب) ولیس فیه ما ذكره المحقّق" ترجمہ: اللہ (عزوجل) محقق علی الاطلاق پر اور ہم پر رحم کرے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے منع نہیں کیا ہے بلکہ اس فعل کی اجازت دی ہے۔ حضور (علیہ السلام) نے فرمایا: اے بلال! میں نے تجھے سنا تو مختلف سورتوں کو پڑھتا ہے تو حضرت بلال نے عرض کی پورا قرآن طیب ہے اللہ (عزوجل) نے بعض کو بعض کے ساتھ جمع کیا ہے۔ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا تم سب صحیح ہو۔ اس حدیث میں وہ ممانعت مذکور نہیں جو امام محقق نے ذکر کی ہے۔

(جدالممتار علی ردالمحتار، تعریف الکتاب، جلد1، صفحہ81، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

ظہر کی نماز کے وقت میں امام اعظم کے مذہب کو دلائل سے ثابت کیا

علامہ شامی (رحمۃ اللہ علیہ) نے حموی سے خزانۃ الواقعات کے حوالے سے نقل کیا "الوقت المكروه فی الظهر أن یدخل فی حدّ الاختلاف، وإذا أخّره حتّی صار ظلّ كلّ شیء مثله، فقد دخل فی حدّ الاختلاف أثبتوا فی الظهر وقتاً مكروهاً، وهو وقت الدخول فی الخلاف والخلاف بین الإمام الأعظم أبی حنیفة النعمان، وصاحبیه، والأئمّة الثلاثة" ترجمہ: ظہر کا مکروہ وقت یہ ہے کہ وہ اختلاف کی حد میں داخل ہوجائے، جب ظہر میں تاخیر کی یہاں تک کہ ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہوگیا تو یہ اختلاف کی حد میں داخل ہوگیا۔ ان فقہاء نے اسے مکروہ وقت ثابت کیا کہ جب ایسا وقت آجائے جس میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین اور ائمہ ثلاثہ میں اختلاف ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اس پر فقہائے کرام سے اختلاف کیا اور ثابت کیا کہ امام اعظم کا مذہب یہی ہے کہ ظہر میں کوئی مکروہ وقت نہیں اور یہی حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ آپ نے فرمایا "(1) إذ قد ثبت مذهب إمامنا أنّ وقت الظهر إلی انقضاء المثلین فمن تبع مذهب الإمام لا یلام، وجعل المثل الثانی وقتاً مكروهاً للظهر یستلزم لوم مصلّی الظهر فی المثل الثانی لارتكابه مكروهاً. (2) سبب قولهم بالكراهة ترك مراعاة الخلاف، ومراعاة الخلاف إنّما تستحبّ، وترك المستحبّ لا یستلزم الكراهة ـــ ومن الدلیل أن لا مكروه فی وقت الظهر قوله صلّی الله تعالی علیه وسلّم (وقت صلاة الظهر ما لم یحضر العصر، ووقت صلاة العصر ما لم تصفرّ الشمس، ووقت صلاة المغرب ما لم یسقط ثور الشفق، ووقت العشاء إلی نصف اللیل، ووقت صلاة الفجر ما لم یطلع قرن

الشمس) رواه الإمام أحمد ومسلم وأبو داوٗد والنسائی عن عبد الله بن عمرو رضی الله تعالی عنهما فإنّ سیاق الحدیث شاهد بأنّ النبی صلّی الله تعالی علیه وسلّم هاهنا بصدد بیان الوقت المستحب، ولذا قال فی العصر (ما لم تصفرّ الشمس) وفی المغرب (ما لم یسقط ثور الشفق) أی ثورانه ومعظمه ولم یقل ما لم یسقط الشفق، وفی العشاء (إلی نصف اللیل) ولما لم یكن فی الفجر وقت مكروه مدّه إلی آخره، وقال (ما لم یطلع قرن الشمس) وكذلك مدّ فی الظهر إلی أن یحضر وقت العصر فوجب أن لا یكون فیه أیضاً وقت مكروه ـــ ثم رأیت فی البحر الرائق ما نصّه الفجر والظهر لا كراهة فی وقتهما، فلا یضرّ التأخیر فهذا نصّ فیما قلنا وبالله التوفیق" خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ جب چیز کا سایہ اس کے اصل کے علاوہ دو مثل ہوجائے تب عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ اب اگر مقلد نے مثل اول کے بعد ظہر پڑھی تو اس پر کچھ ملامت نہیں اگر مثل اول کے بعد کے وقت کو مکروہ شمار کیا جائے اس وقت نماز پڑھنے والا مکروہ کا مرتکب ہوگا۔ ان فقہاء نے مکروہ کا سبب دیگر فقہاء کی رعایت بتایا ہے اور دیگر کی رعایت مستحب ہے اور مستحب کا ترک مکروہ نہیں ہوتا۔ وقت ظہر میں مکروہ وقت نہ ہونے کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جس میں حضور (علیہ السلام) نے تمام نمازوں کے اوقات کے ساتھ ان کے مکروہ وقت بھی بتائے تو ظہر کے وقت کے ساتھ کوئی قید نہیں لگائی بلکہ اس کا وقت عصر تک بتایا۔ پھر (اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں) پھر میں نے البحر الرائق کو دیکھا تو اس میں نص تھی کہ فجر اور ظہر کے وقت میں کراہت نہیں ہے اور ان میں تاخیر مضر نہیں ہے۔

(جدالممتار علی ردالمحتار، تعریف الکتاب، جلد1، صفحہ83، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اعلانِ نبوت سے قبل انبیاء علیہم السلام اور گناہ

فتاویٰ ھندیہ میں ایک جگہ لکھا ہے "لو قال لم یعصوا حال النبوة ولا قبلها كفر لانه رد المنصوص" ترجمہ: اگر اس نے کہا کہ انبیائے کرام (علیہم السلام) نے گناہ نہیں کیئے نہ اعلان نبوت کے بعد اور نہ اس سے پہلے تو اس کی تکفیر کی جائے گی کیونکہ یہ نصوص قرآنی کا رد ہے۔

اعلیٰ حضرت نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا اور دلیل میں فرمایا "والحق لا كیف وهو مذهب كبار الائمة المحققین من علماء السنة والجماعة كما یظهر بمراجعة الشفا وشرحه والمواهب وشرحه والزواجر لابن الحجر وافضل القرى له وغیر ذلك والاظهر ما افاد العلامة الحموی ان الروایة لعلها لم یعصموا من العصمة

فسقطت المیم من قلم النساخ ای فتتابع الناس فی النقل من دون نقد و الله تعالیٰ اعلم'' ترجمہ: اور حق بات یہ ہے کہ یہ کفر نہیں اور کفر کس طرح ہو؟ جبکہ یہ اہل سنت وجماعت کے اکابر علماء و محققین کا مذہب ہے جیسا کہ شفا شریف اور اس کی شرح مواہب لدنیہ اور اس کی شرح اور ابن حجر (رحمة الله علیه) کی زواجر اور افضل القریٰ وغیرہ کتب کی طرف مراجعت سے معلوم ہوتا ہے اور اس میں زیادہ ظاہر وہ ہے جو علامہ حموی (رحمة الله علیه) نے بیان فرمایا کہ ممکن ہے ''لم یعصموا'' (یعنی انبیاء کبھی معصوم نہ تھے) عصمت سے ہو۔ پس کاتبوں کے قلم سے میم ساقط ہو گیا اور بعد والے اسے پرکھے بغیر یونہی نقل کرتے رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ (التعلیقات الرضویة علی الفتاوی الهندیة، صفحه49، صدیقی پبلیشرز، کراچی)

اس طرح کے اور کثیر جزئیات ہیں جس میں اعلیٰ حضرت نے فقہاء سے اختلاف کیا اور اپنے مؤقف پر صریح دلائل لائے اور صحیح مذہب پیش کیا اور ایسا اختلاف بے شک حق ہے جس کا انکار وہی کرے گا جو عقل سے پیدل ہوگا۔ اعلیٰ حضرت کے اس طرح کے اختلاف کو موجودہ دور میں بعض اہل علم حضرات کا دلیل بنا کر بغیر اسبابِ ستہ کے مفتیٰ بہ مذہب کے خلاف فتاویٰ دینا فقہ میں ناپختگی کی دلیل ہے۔

اعلیٰ حضرت پر الزام کہ انہوں نے صحابہ وائمہ سے اختلاف کیا

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

> **بریلوی علامہ غلام رسول سعیدی لکھتا ہے: راقم ذیل میں ایک مثال پیش کر رہا ہے جس میں امام احمد رضا نے اکابر صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے موقف سے اختلاف فرمایا ہے۔ حقائق شرح مسلم، صفحہ 172، 173۔ جو اکابر صحابہ کرام، ائمہ وائمہ مجتہدین کی اہمیت نہ سمجھے وہ اکابر دیوبند کی کیا شان کا خیال کرے گا۔''**
>
> **(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 49، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)**

گھمن صاحب نے یہ جو عبارت پیش کی ہے اس میں کئی غلطیاں ہیں سب سے پہلی غلطی گھمن صاحب کی یہ ہے کہ انہوں نے یہ عبارت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی طرف منسوب کی ہے جبکہ یہ عبارت ان کی نہیں ہے بلکہ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی صاحب کی ہے۔ دوسرا یہ کہ عبارت میں مجددِ برحق امام احمد رضا کے الفاظ تھے جسے گھمن صاحب نے بطور بغض نہیں لکھا۔ تیسری غلطی اس میں یہ ہے کہ مفتی اسماعیل نورانی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ اس مثال میں اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) نے

صحابہ وائمہ مجتہدین سے اختلاف کیا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ دراصل علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے بعض جگہ اعلیٰ حضرت سے اختلاف کیا تھا۔ اس اختلاف کی تائید میں ان کے ایک چاہنے والے عالم صاحب نے اس طرح کی عبارتیں نقل کیں کہ فقہائے کرام آپس میں علمی طور پر اختلاف کرتے آئے ہیں، اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) نے بھی علمی میدان میں دلائل کی روشنی میں اختلاف کیا ہے۔ اس جوش بیانی میں انہوں نے غلام رسول صاحب نے جو بیع عینہ پر کلام کیا تھا وہی صحیح سمجھ کر یہ عبارت لکھ دی۔ پوری عبارت پیش خدمت ہے: ''راقم ذیل میں ایک مثال پیش کر رہا ہے جس میں مجددِ برحق امام احمد رضا قادری حنفی (رضی الله تعالیٰ عنه) نے اکابر صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل) (رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین) کے موقف سے اختلاف فرمایا ہے۔ اس مثال کی تقریر سے قبل یہ سمجھنا چاہئے کہ بیوع کی مختلف اقسام میں ایک قسم بیع عینہ بھی ہے۔ بیع عینہ سے مراد یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے ایک ہزار روپیہ قرض لینا چاہتا ہے اور وہ شخص اس کو بغیر سود لئے قرض دینا نہیں چاہتا، اب وہ سود سے بچنے کے لئے یہ حیلہ کرتا ہے کہ وہ اس شخص کو ایک ہزار روپے کی کوئی چیز پندرہ سو میں چھ ماہ کے ادھار پر فروخت کر دیتا ہے، پھر بعد میں اسی شخص سے وہ چیز ایک ہزار روپے نقد دے کر خرید لیتا ہے، اس طرح ضرورت مند کو فوری طور پر ایک ہزار روپیہ مل گیا اور قرض دینے والے کو 6 ماہ بعد پانچ سو روپے زائد مل جائیں گے۔ بہت سے صحابہ کرام اس بیع کو جائز قرار دیتے تھے اور ائمہ مجتہدین میں اسے امام ابو یوسف اور امام شافعی اس کو جائز فرماتے تھے جبکہ سیدہ عائشہ صدیقہ، حضرت عبد اللہ ابن عباس، حضرت انس بن مالک، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد (رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین) اس بیع کو حرام قرار دیتے تھے۔۔۔۔ ناجائز قرار دینے والے ان تمام اکابر (صحابہ وائمہ مجتہدین وغیرہم) کے موقف کے برعکس سیدی امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز نے اس بیع کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے۔''

(حقائق شرح مسلم، صفحه96، فرید بک سٹال، لاہور)

ہرگز اعلیٰ حضرت نے مطلقاً بیع عینہ کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ آپ نے بیع عینہ کی دو صورتیں فرمائی ہیں ایک صورت یہ ہے کہ قرض دینے والا قرض لینے والے سے وہی چیز کم قیمت میں خود خرید لے اسے اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) نے بھی ناجائز کہا ہے اور اسی صورت کو سعیدی صاحب نے ناجائز وحرام قرار دیا ہے اور غلطی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ صورت اعلیٰ حضرت کے نزدیک جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) نے جس صورت کو جائز ومکروہ تنزیہی کہا وہ صورت یہ ہے کہ قرض لینے والا اس چیز کو کسی تیسرے کو بیچ دے۔ ان دونوں صورتوں کی وضاحت اعلیٰ حضرت (رحمة الله علیه) نے فتاویٰ رضویہ میں کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ''مکروہ تنزیہی: جیسے بیع عینیہ جبکہ مبیع بائع کے پاس عود نہ کرے، مثلاً جو قرض مانگنے آیا اسے روپیہ نہ دیا بلکہ دس کی چیز پندرہ کو اس کے ہاتھ

بیچی کہ اس نے دس کو بازار میں بیچ لی "فی الدر المختار شراء الشیء الیسیر بثمن غال لحاجة القرض یجوز ویکرہ واقرہ المصنف م فی اٰخر الکفالة، بیع العینة ای بیع العین بالربح نسئة لیبیعها المستقرض باقل لیقضی دینه، اخترعه اکلة الربا وهو مکروہ مذموم شرعالمافیه من الاعراض عن مبرة الاقراض م، وفی ردالمحتار عن الفتح ان فعلت صورة یعود الی البائع جمیع مااخرجه او بعضه یکرہ تحریما فان لم یعد کما اذا باعه المدیون فی السوق فلاکراهة بل خلاف الاولی م اہ ملخصا " درمختار میں ہے سستی چیز کو قرض کی ضرورت پر مہنگے داموں خریدنا جائز ہے اور مکروہ ہے اس کو مصنّف نے ثابت رکھا ہے اور انہوں نے باب الکفالہ کے آخر میں بیع عینہ کے متعلق فرمایا یعنی عین چیز کو نفع کے ساتھ ادھار فروخت کرنا تا کہ قرض لینے والا اس کو کم قیمت پر فروخت کر کے حاجت پوری کرے، یہ طریقہ سود خوروں نے ایجاد کیا ہے اور یہ مکروہ اور شرعاً مذموم ہے کیونکہ اس میں قرض دینے کی نیکی سے اعراض ہے اور ردالمحتار میں فتح القدیر سے منقول ہے کہ یہ ایسی صورت ہو کہ اس میں بائع کی طرف سے دی ہوئی چیز اس کو کل یا بعض واپس لوٹ آتی ہو اس لئے یہ مکروہ تحریمی ہے اور ایسا نہ ہو مثلاً مقروض اس چیز کو بازار میں فروخت کرے تو مکروہ نہیں بلکہ خلافِ اولیٰ ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد23، صفحہ607، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

بیع عینہ کی دوسری صورت امام اعظم کے نزدیک جائز ہے فقط امام محمد کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت (رحمة اللہ علیہ) فرماتے ہیں: "بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھہرایا ہے، کیا ممنوع، ناجائز، حرام، مکروہ تحریمی۔ حاشا ہرگز نہیں، یہ محض غلط و باطل ہے بلکہ جائز، حلال، روا، درست غایت درجہ اس میں اختلاف ہوا کہ خلاف اولیٰ بھی ہے یا نہیں، ہمارے امام اعظم بلا کراہت مانتے ہیں، امام ابو یوسف خود ثواب و مستحب جانتے ہیں، امام محمد احتیاط کیلئے صرف خلاف اولیٰ ٹھہراتے، یہ تمام مباحث رسالہ میں صفحہ 169، 170، 171، 173 تا 176، 178، 179، 180 بلکہ 164 تا 166 میں گزرے، اب تو اپنے ہی اقرار پر قائم رہ کر بول اٹھیئے کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا امام اعظم کے نزدیک جائز و مباح، امام ابو یوسف کے نزدیک اجر و ثواب، امام محمد کے نزدیک صرف خلاف اولیٰ۔

ثانیاً: وہ خلاف اولیٰ بھی اس لئے تھا کہ اس وقت تک مسلمان سود کو سوئر سمجھتے تھے اس کے سایہ سے بھاگتے تھے تو اس امر کی جائز عادت ڈالنے سے اندیشہ تھا کہ مبادا آگے بڑھ جائیں جیسا کہ اس کا بیان صفحہ 179، 170، 171 وغیرہا پر گزرا، اب کہ علانیہ سود مسلمانوں میں رائج ہو گیا جیتا نگلتے ہیں اور شرمانا در کنار آنکھ تک نہیں جھپکاتے، تو انہیں ایک جائز بات بتانا جس سے ان کا مقصود حاصل ہو اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچیں عین خیر خواہی مسلمین ہے اور اس میں ناحق کے شاخسانے نکالنا

مسلمانوں کی صریح بدخواہی، ذرا انصاف درکار ہے کہ خود آپ کے اقرار سے صبح آشکار ہے، والحمد للہ رب العٰلمین۔"

(فتاوی رضویہ، جلد17، صفحہ547، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

یہاں بھی گھمن صاحب کو ناکامی ہوئی اور ثابت ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت نے کبھی بھی اصل مذہب سے اختلاف نہیں کیا ہے۔

فصل ششم: اعلیٰ حضرت پر گھمن کے باطل الزامات اور ان کے جوابات

گھمن صاحب نے اپنی کتاب کے صفحے بڑھانے کے لئے ادھر ادھر سے وہابی، دیوبندی مولویوں کے لگائے الزامات کو اپنی کتاب کی زینت بنایا۔ جو درج ذیل ہیں:-

اعلیٰ حضرت پر صحابی رسول کی شان میں گستاخی کا الزام

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

جس فاضل بریلوی نے صحابی رسول عبدالرحمٰن قاری کو کافر شیطان، خنزیر تک کہہ دیا۔ ملفوظات اعلیٰ حضرت، صفحہ 197، 198۔

حضرت عبدالرحمٰن قاری کے متعلق شیوخ حدیث کی آرا مختلف ہیں۔ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یقال له رؤیة۔ تقریب، صفحہ 306۔

یعنی کہا جاتا ہے کہ وہ صحابی ہیں اور مورخ واقدی نے بھی انہیں صحابی کہا ہے اور صحابہ میں شمار کیا ہے۔

دیکھئے الاکمال فی اسماء الرجال، صفحہ 609۔

اور بعض نے ان کو تابعی بھی لکھا ہے۔ تو جو صحابی یا تابعی کی تکفیر سے باز نہ آئے اسے اکابر دیوبند کی تکفیر سے کون روک سکتا ہے؟ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 49، 50، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

اتنا بڑا الزام لگاتے ہوئے گھمن صاحب پر آسمان کیوں نہیں ٹوٹ پڑا۔ گھمن صاحب نے اپنی کمال تحریفانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے عبدالرحمٰن فزاری کو عبدالرحمٰن قاری کر دیا۔ عبدالرحمٰن قاری اور شخصیت تھی اور عبدالرحمٰن فزاری اور شخصیت تھی۔ عبدالرحمٰن فزاری کافر تھا۔ عون المعبود شرح سنن أبی داود میں آپ کے عقائد کے ہم خیال وہابی مولوی محمد اشرف العظیم آبادی (المتوفی 1329ھ) اس مسئلہ پر پوری حدیث کے تحت لکھتے ہیں " الفزاری رئیس المشرکین ---" ترجمہ: فزاری مشرکین کا سردار تھا۔ (عون المعبود شرح سنن أبی داود، جلد7، صفحہ303، دار الکتب العلمیة، بیروت)

اب مسلم شریف کی طویل حدیث کا کچھ حصہ پیش خدمت ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں "فلما أصبحنا إذا عبد الرحمن الفزاری قد أغار على ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم، فاستاقه أجمع، وقتل راعيه، قال :فقلت :يا رباح، خذ هذا الفرس فأبلغه طلحة بن عبيد الله، وأخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم أن المشركين قد أغاروا على سرحه، قال :ثم قمت على أكمة، فاستقبلت المدينة، فناديت ثلاثا :يا صباحاه، ثم خرجت فی آثار القوم أرميهم بالنبل وأرتجز، أقول :(البحر الرجز)أنا ابن الأكوع واليوم يوم الرضع، فألحق رجلا منهم فأصك سهما فی رحله، حتى خلص نصل السهم إلى كتفه، قال :قلت :خذها وأنا ابن الأكوع واليوم يوم الرضع قال :فوالله، ما زلت أرميهم وأعقر بهم، فإذا رجع إلى فارس أتيت شجرة، فجلست فی أصلها، ثم رميته فعقرت به، حتى إذا تضايق الجبل، فدخلوا فی تضايقه، علوت الجبل فجعلت أرديهم بالحجارة، قال :فما زلت كذلك أتبعهم حتى ما خلق الله من بعير من ظهر رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا خلفته وراء ظهری، وخلوا بينی وبينه، ثم اتبعتهم أرميهم حتى ألقوا أكثر من ثلاثين بردة، وثلاثين رمحا، يستخفون ولا يطرحون شيئا إلا جعلت عليه آراما من الحجارة يعرفها رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه، حتى أتوا متضايقا من ثنية، فإذا هم قد أتاهم فلان بن بدر الفزاری، فجلسوا يتضحون يعنی يتغدون وجلست على رأس قرن، قال الفزاری :ما هذا الذی أرى؟ قالوا :لقينا من هذا البرح، والله، ما فارقنا منذ غلس يرمينا حتى انتزع كل شیء فی أيدينا، قال :فليقم إليه نفر منكم أربعة، قال :فصعد إلی منهم أربعة فی الجبل، قال :فلما أمكنونی من الكلام، قال :قلت :هل تعرفونی؟ قالوا :لا، ومن أنت؟ قال :قلت :أنا سلمة بن الأكوع، والذی كرم وجه محمد صلى الله عليه وسلم، لا أطلب رجلا منكم إلا أدركته، ولا يطلبنی رجل منكم فيدركنی، قال أحدهم :أنا أظن، قال :فرجعوا، فما برحت مكانی حتى رأيت فوارس رسول الله صلى الله عليه وسلم يتخللون الشجر، قال :فإذا أولهم الأخرم الأسدی، على إثره أبو قتادة الأنصاری، وعلى إثره المقداد بن الأسود الكندی، قال :فأخذت بعنان الأخرم، قال :فولوا مدبرين، قلت :يا أخرم، احذرهم لا يقتطعوك حتى يلحق رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه، قال :يا سلمة، إن كنت تؤمن بالله واليوم الآخر، وتعلم أن الجنة حق، والنار حق، فلا تحل بينی وبين الشهادة، قال :فخليته، فالتقى هو وعبد الرحمن،

قال :فعقر بعبد الرحمن فرسه، وطعنه عبد الرحمن فقتله، وتحول على فرسه ولحق أبو قتادة فارس رسول الله صلى الله عليه وسلم بعبد الرحمن، فطعنه فقتله۔۔۔ ''ترجمہ: جب صبح ہوئی تو عبدالرحمٰن فزاری نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اونٹوں کو لوٹ لیا اوران سب اونٹوں کو ہانک کر لے گیا اوراس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چرواہے کو قتل کر دیا حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا اے رباح یہ گھوڑا پکڑ اوراسے حضرت طلحہ بن عبید اللہ کو پہنچا دے اور رسول اللہ کو خبر دے کہ مشرکوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اونٹوں کو لوٹ لیا ہے حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ پھر میں ایک ٹیلے پر کھڑا ہوا اور میں نے اپنا رخ مدینہ منورہ کی طرف کر کے بہت بلند آواز سے پکارا یا صباحاہ پھر میں ان لٹیروں کے پیچھے ان کو تیر مارتا ہوا اور رجز پڑھتے ہوئے نکلا میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کا دن ان ذلیلوں کی بربادی کا دن ہے۔ میں ان میں سے ایک ایک آدمی سے ملتا اور اسے تیر مارتا یہاں تک کہ تیر ان کے کندھے سے نکل جاتا اور میں کہتا کہ یہ وار پکڑ، میں اکوع کا بیٹا ہوں اور آج کا دن ان ذلیلوں کی بربادی کا دن ہے۔ حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں ان کو لگاتار تیر مارتا رہا اور ان کو زخمی کرتا رہا تو جب ان میں سے کوئی سوار میری طرف لوٹتا تو میں درخت کے نیچے آکر اس درخت کی جڑ میں بیٹھ جاتا پھر میں اس کو ایک تیر مارتا جس کی وجہ سے وہ زخمی ہو جاتا یہاں تک کہ وہ لوگ پہاڑ کے تنگ راستہ میں گھسے اور میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور وہاں سے میں نے ان کو پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ میں لگاتار ان کا پیچھا کرتا رہا یہاں تک کہ کوئی اونٹ جو اللہ نے پیدا کیا ہو اور وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سواری کا ہو ایسا نہیں ہوا کہ اسے میں نے اپنی پشت کے پیچھے نہ چھوڑ دیا ہو حضرت سلمہ کہتے ہیں پھر میں نے ان کے پیچھے تیر پھینکے یہاں تک کہ ان لوگوں نے ہلکا ہونے کی خاطر تیس چادریں اور تیس نیزوں سے زیادہ پھینک دیئے سوائے اس کے کہ وہ لوگ جو چیز بھی پھینکتے میں پتھروں سے میل کی طرح اس پر نشان ڈال دیتا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ پہچان لیں یہاں تک کہ وہ ایک تنگ گھاٹی پر آ گئے اور فلاں بن بدر فزاری بھی ان کے پاس آ گیا سب لوگ دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے بیٹھ گئے اور میں پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ فزاری کہنے لگا یہ کون سا آدمی ہمیں دیکھ رہا ہے؟ لوگوں نے کہا: اس آدمی نے ہمیں بڑا تنگ کر رکھا ہے اللہ کی قسم اندھیری رات سے ہمارے ساتھ ہے اور لگاتار ہمیں تیر مار رہا ہے یہاں تک کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی تھا اس نے سب کچھ چھین لیا ہے۔ فزاری کہنے لگا: تم میں سے چار آدمی اس کی طرف کھڑے ہوں اور اسے مار دیں حضرت سلمہ کہتے ہیں ان میں سے چار آدمی میری طرف پہاڑ پر چڑھے تو جب وہ اتنی دور تک پہنچ گئے جہاں میری بات سن سکیں حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: کیا تم مجھے پہچانتے ہو انہوں

نے کہانہیں، اور تم کون ہو؟ میں نے جواب میں کہا: میں سلمہ بن اکوع ہوں اور قسم ہے اس ذات کی جس نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چہرہ اقدس کو بزرگی عطا فرمائی ہے میں تم میں سے جسے چاہوں ماردوں اور تم میں سے کوئی مجھے نہیں مار سکتا۔ ان میں سے ایک آدمی کہنے لگا کہ ہاں لگتا تو ایسے ہی ہے پھر وہ سب وہاں سے لوٹ پڑے اور میں ابھی تک اپنی جگہ سے چلا ہی نہیں تھا کہ میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سواروں کو دیکھ لیا جو کہ درختوں میں گھس گئے۔ حضرت سلمہ کہتے ہیں کہ ان میں سب سے آگے حضرت اخرم اسدی تھے اور ان کے پیچھے حضرت ابوقتادہ تھے اور ان کے پیچھے حضرت مقداد بن اسور کندی تھے حضرت سلمہ کہتے ہیں: میں نے جا کر اخرم کے گھوڑے کی لگام پکڑی وہ لٹیرے بھاگ پڑے میں نے کہا: اے اخرم! ان سے ذرا بچ کے رہنا ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں مار ڈالیں جب تک کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صحابہ نہ آجائیں۔ اخرم کہنے لگے: اے ابوسلمہ! اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور اس بات کا یقین رکھتے ہو کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے تو تم میرے اور میری شہادت کے درمیان رکاوٹ نہ ڈالو۔ حضرت سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کہتے ہیں: میں نے ان کو چھوڑ دیا اور پھر اخرم کا مقابلہ عبدالرحمٰن فزاری سے ہوا۔ اخرم نے عبدالرحمٰن کے گھوڑے کو زخمی کر دیا اور پھر عبدالرحمٰن نے اخرم کو برچھی مار کر شہید کر دیا اور اخرم کے گھوڑے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اسی دوران میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے شہسوار حضرت ابوقتادہ آگئے تو حضرت ابوقتادہ نے عبدالرحمٰن فزاری کو بھی برچھی مار کر قتل کر دیا۔

(صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب غزوة ذی قرد وغیرہا، جلد3، صفحہ1433، دار إحياء التراث العربی، بیروت)

ملفوظات کا مکمل بیان پیشِ خدمت ہے: ''ایک بار عبدالرحمٰن فزاری کہ کافر تھا، اپنے ہمراہیوں کے ساتھ حضورِ اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اُونٹوں پر آپڑا، چرانے والے کو قتل کیا اور اونٹ لے گیا۔ سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو خبر ہوئی پہاڑ پر جا کر ایک آواز تو دی کہ یَا صَبَاحَاہ یعنی دُشمن ہے مگر اِس کا انتظار نہ کیا کہ کسی نے سنی یا نہیں، کوئی آتا ہے یا نہیں، تنہا اُن کافروں کا تعاقب (یعنی پیچھا) کیا وہ چار سو تھے اور یہ اکیلے، وہ سوار تھے اور یہ پیادہ (یعنی پیدل) مگر نبوی مددان کے ساتھ، اس محمدی شیر کے سامنے سے انہیں بھاگتے ہی بنی۔ اب یہ تعاقب میں ہیں اپنا رَجز پڑھتے جاتے ہیں:

اَنَا سَلَمَۃُ ابْنُ الْاَکوَع　　　　وَالْیَومُ یَومُ الرُّضَّع

(میں سلمہ بن اَکوع ہوں اور تمہاری ذلت وخواری کا دن ہے۔)

ایک ہاتھ گھوڑے کی کُونچوں (ٹخنے کے نیچے موٹے پٹھوں) پر مارتے وہ گرتا ہے سوار زمین پر آتا ہے، دوسرا ہاتھ اس پر پڑتا ہے وہ جہنم جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کافروں کو بھاگنا دشوار ہوگیا۔ گھوڑوں پر سے اپنے اَسباب پھینکنے لگے کہ ہلکے ہو کر زیادہ

بھاگیں۔ یہ اسباب سب ایک جگہ جمع فرماتے اور پھر وہی رَجز پڑھتے ہوئے ان کا تعاقب کرتے اور انہیں جہنم پہنچاتے یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ کافر ایک پہاڑی پر ٹھہرے اُس کے قریب دوسری پہاڑی پر اِنہوں (یعنی حضرت سلمہ بن اکوع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)) نے آرام فرمایا۔ دن ہونے پر وہ (یعنی کفار) اُتر کر چلے، وہ (یعنی حضرت سلمہ بن اکوع (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)) اُسی طرح اُن کے پیچھے اور وہی رَجز وہی قتل یہاں تک کہ گرد اُٹھی۔ یہ قتل وتعاقب کرتے کرتے تھک گئے تھے، اندیشہ ہوا کہ مبادا (یعنی کہیں ایسا نہ ہو کہ) کفار کی مدد آئی ہو۔ جب دامنِ گرد پھٹا تکبیروں کی آوازیں آئیں اور دیکھا کہ حضرت ابوقتادہ مع بعض دیگر صحابہ
(رضی اللہ تعالیٰ عنہم) گھوڑوں پر تشریف لا رہے ہیں۔ اب کیا تھا کفار کو گھیر لیا۔
ابوقتادہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ''فَارِسُ رسولِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم '' کہا جاتا تھا۔ یعنی لشکرِ حضور کے سوار، جس
طرح سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ''رَاجِلُ رَسُوْلِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم '' یعنی لشکرِ اقدس کے پیادے۔
ابوقتادہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے خود بارگاہِ رسالت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں ''اَسَدٌ
مِنْ اُسُدِ اللہِ و رَسُوْلِہٖ'' فرمایا: اللہ ورسول ((عزوجل) و(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)) کے شیروں میں سے ایک شیر۔
اُن کو اِس جہاد کی خبر اُن کے گھوڑے نے دی، تھان (یعنی اصطبل) پر بندھا ہوا چمکا (یعنی جوش میں آکر بھڑکا)۔ اُنہوں نے چُمکارا پھر چمکا۔ فرمایا: واللہ کہیں جہاد ہے۔ گھوڑا کَس کر سوار ہوئے اب یہ تو معلوم نہیں کدھر جائیں؟ باگ چھوڑ دی اور کہا جدھر تو جانتا ہے چل، گھوڑا اُڑا اور یہاں لے آیا۔ اس عبدالرحمٰن فزاری سے پہلے کسی لڑائی میں اُن سے وعدہ جنگ ہولیا تھا یہ وقت اُس کے اِس پورا ہونے کا آیا۔ وہ پہلوان تھا اس نے کُشتی مانگی۔ اُنہوں نے قبول فرمائی، اس محمدی شیر نے خوکِ شیطان (یعنی شیطانی خنزیر) کو دے مارا، خنجر لے کر اُس کے سینے پر سوار ہوئے۔ اُس نے کہا: میری بی بی کے لیے کون ہوگا؟ فرمایا: نار (یعنی آگ) اور اُس کا گلا کاٹ دیا۔ سرکاری اونٹ اور تمام غنیمتیں اور وہ اَسباب کہ جابجا کفار پھینکتے اور سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) راستے میں جمع فرماتے گئے تھے، سب لا کر حاضرِ بارگاہِ انور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا۔''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، صفحہ229---مکتبة المدینہ، کراچی)

جی گھمن صاحب! اب بتائیں عبدالرحمٰن قاری ہے یا فزاری؟ اگر کسی مطبوعہ میں فزاری کی جگہ کسی ناشر نے قاری لکھ دیا ہے تو فقط اس غلطی پر اعلیٰ حضرت پر برسنا کہاں کی عقل مندی ہے؟ جب پورا واقعہ ہی عبدالرحمٰن فزاری کے متعلق ہے اور اسی کو اعلیٰ حضرت بتا رہے ہیں تو پھر آپ کا فزاری کی جگہ قاری لکھ کر لوگوں کو دھوکہ دینا دیانتداری نہیں ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ کی شان میں گستاخی کا الزام

گھمن صاحب مزید احسان الٰہی ظہیر کی نقل مارتے ہوئے لکھتے ہیں:

جو سیدہ عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لئے لکھے:

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار ــــ مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر

یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن مرے دل کی صورت ــــ کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینہ و بر

خوف ہے کشتی ابرو نہ بنے طوفانی ــــ کہ چلا آتا ہے حسن لہلہ کی صورت بڑھ کر

حدائق بخشش، سوم، صفحہ 37

جو اماں جان کو معاف نہ کرے وہ اکابر دیو بند کو کیوں کر معاف کرے گا۔ بعض بریلوی کہہ دیتے ہیں کہ یہ کتاب فاضل بریلوی کی نہیں ہے۔ تو سنئے! آپ کے گھر کے جید افراد تو یہ مانتے ہیں مثلاً:

(1) ان کا نعتیہ دیوان حدائق بخشش تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے۔ انوار رضا، صفحہ 566۔

(2) آپ کے کلام کے تین مجموعے حدائق بخشش کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ انوار رضا، صفحہ 595۔

(3) حدائق بخشش مولانا احمد رضا خان کی تصنیف ہے۔ تحریک آزادی ہند اور سواد اعظم، صفحہ 281۔

(4) حدائق بخشش، حصہ سوم جو اعلیٰ حضرت کے نعت، مدح، منقبت پر مشتمل غیر مرتب اشعار کا مجموعہ ہے۔ فیصلہ مقدسہ، صفحہ 71۔

(5) حدائق بخشش، حصہ سوم مطبوعہ بدایوں 1325، مولانا احمد رضا خان کی۔ فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں، صفحہ 96۔

(6) مولانا بریلوی کے دیوان حدائق بخشش حصہ سوم میں یہ رباعی ملتی ہے۔ خیابانِ رضا، صفحہ 234۔

قارئین کرام! جو احمد رضا خان اماں جی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو معاف نہ کرے وہ کسی اور کو کیوں کرے گا؟

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 50، 51، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! کوئی خدا کا خوف کریں۔ یہ شعر اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کا نہیں اور جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ آپ نے کاپی کر کے کتاب کے صفحے کالے کئے ہیں، یہاں بھی آپ نے احسان الٰہی ظہیر وہابی اور دیگر وہابی دیو بندیوں کا اعتراض نقل

کیا ہے جس کا جواب علمائے اہل سنت نے کئی سال پہلے دے دیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے متعلق جو اشعار لکھے گئے ہیں یہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کے نہیں ہے بلکہ کسی رافضی کے ہیں۔ اس کے متعلق حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں: ''امام احمد رضا بریلوی کا نعتیہ دیوان دو حصے پر مشتمل ہے۔ یہ 1325ھ/1907ء میں مرتب اور شائع ہوا۔ ماہِ صفر 1340ھ/1921ء کو آپ کا وصال ہوا۔ وصال کے دو سال بعد ذوالحجہ 1342ھ/1923ء میں مولانا محمد محبوب علی قادری لکھنوی نے آپ کا کلام متفرق مقامات سے حاصل کر کے حدائق بخشش حصہ سوم کے نام سے شائع کر دیا۔ انہوں نے مسودہ نابھہ سٹیم پریس، نابھہ (پٹیالہ، مشرقی پنجاب بھارت) کے سپرد کر دیا، پریس والوں نے کتابت کروائی اور کتاب چھاپ دی۔ کاتب بدمذہب تھا، اس نے دانستہ یا نادانستہ چند ایسے اشعار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی مدح کے قصیدے میں شامل کر دیئے جو ام زرع وغیرہ مشرکہ عورتوں کے بارے میں تھے، ان عورتوں کا ذکر حدیث کی کتابوں مسلم شریف، ترمذی شریف اور نسائی شریف وغیرہ میں موجود ہے۔

مولانا محمد محبوب علی خاں سے چند ایک تسامح ہوئے:۔

(1) چھپائی سے پہلے انہوں نے اپنی مصروفیات اور پریس والوں پر اعتماد کر کے چھپنے سے پہلے کتابت کو چیک نہ کیا۔

(2) کتاب کا نام حدائق بخشش حصہ سوم رکھ دیا، حالانکہ انہیں چاہیے تھا کہ باقیاتِ رضا یا اسی قسم کا کوئی دوسرا نام رکھتے۔

(3) ٹائٹل پیج پر کتاب کے نام کے ساتھ 1325ھ بھی لکھ دیا، حالانکہ یہ سن پہلے دو حصوں کی ترتیب کا تھا جو مصنف کے سامنے ہی چھپ چکے تھے۔ تیسرا حصہ تو 1342ھ میں مرتب ہو کر شائع ہوا۔ اسی لیے ٹائٹل پیج پر امام احمد رضا بریلوی کے نام کے ساتھ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورحمۃ اللہ علیہ) لکھا ہوا ہے۔ اگر ان کی زندگی اور 1325ھ میں یہ کتاب چھپتی تو ایسے دعائیہ کلمات ہرگز نہ درج ہوتے۔

(4) یہ مجموعہ مرتب کر کے امام احمد رضا بریلوی کے صاحبزادے مولانا مصطفیٰ رضا خاں یا بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں کو دکھائے اور منظوری حاصل کیے بغیر چھاپ دیا۔

(5) کتاب چھپنے کے بعد جیسے ہی صورتِ حال سامنے آئی تھی، اس غلطی کی تصحیح کا اعلان کر دیتے تو صورتِ حال اتنی سنگین نہ ہوتی، لیکن یہ سوچ کر خاموش رہے کہ اہلِ علم خود ہی سمجھ جائیں گے کہ یہ اشعار غلط جگہ چھپ گئے ہیں اور آئندہ ایڈیشن

میں تصحیح کردی جائیگی۔

محدثِ اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی کے صاحبزادے حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں فرماتے ہیں: ''مجھے محبوب الملت (مولانا محمد محبوب علی خاں) کے خلوص سے انکار نہیں اور نہ ہی یہ ماننے کے لیے تیار ہوں کہ انہوں نے امام احمد رضا کی کسی قدیم رنجش کی بناء پر ایسا کیا، لیکن میں اس حقیقت کے اظہار سے بھی اپنے کو روک نہیں پا رہا ہوں کہ محبوب الملت نے کسی سے مشورہ کیے بغیر حدائق بخشش میں تیسری جلد کا اضافہ کرکے اپنی زندگی کا سب سے بڑا تسامح کیا ہے۔ ایک ایسا تسامح جس کی نظیر نہیں ملتی، ایک ایسی فاش غلطی جس کی تنہا ذمہ داری محبوب الملت پر عائد ہوتے ہوئے بھی امام احمد رضا کو مخالفین کے اتہام کی زد سے بچا نہ سکی۔ سوچ کر بتایئے کہ اس میں امام احمد رضا کی کیا غلطی؟ غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو، آنے والا مؤرخ اس طرح کی خوش عقیدگی کو ظلم ہی سے معنون کرے گا۔''

ایک عرصہ بعد دیوبندی مکتبِ فکر کی طرف سے پورے شدومد سے یہ پروپگنڈا کیا گیا کہ مولانا محمد محبوب علی خاں نے حضرت ام المومنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی بارگاہ میں گستاخی کی ہے، لہٰذا انہیں بمبئی کی سنی جامع مسجد سے نکال دیا جائے۔ مولانا محمد محبوب علی خاں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور وہ کچھ کیا جو ایک سچے مسلمان کا کام ہے۔ انہوں نے مختلف جرائد اور اخبارات میں اپنا توبہ نامہ شائع کرایا۔ علامہ مشتاق احمد نظامی (مصنف خون کے آنسو) نے ایک ہفت روزہ کے ذریعے انہیں غلطی کی طرف متوجہ کیا تھا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''آج 9 ذیقعدہ 1374ھ کو بمبئی کے ہفتہ وار اخبار میں آپ کی تحریر حدائق بخشش حصہ سوم کے متعلق دیکھی، جواباً پہلے فقیر حقیر اپنی غلطی اور تساہل کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور اس خطا اور غلطی کی معافی چاہتا ہے اور استغفار کرتا ہے، خدا تعالیٰ معافی بخشے، آمین۔''

اس کے باوجود مخالفین نے اطمینان کا سانس نہ لیا، بلکہ پروپیگنڈا کیا کہ یہ توبہ قابل قبول نہیں ہے۔ اس پر علمائے اہل سنت سے فتوے حاصل کیے گئے کہ ان کی توبہ یقیناً مقبول ہے، کیونکہ انہوں نے یہ اشعار نہ تو ام المومنین کے بارے میں کہے اور نہ لکھے ہیں، ان کی غلطی صرف اتنی تھی کہ کتابت کی دیکھ بھال نہ کر سکے۔ اس کی انہوں نے علی الاعلان اور بار بار توبہ کی ہے اور درِ توبہ کھلا ہوا ہے۔ پھر کسی کے یہ کہنے کا کیا جواز ہے کہ توبہ قبول نہیں۔ یہ فتاویٰ فیصلہ مقدسہ کے نام سے 1375ھ میں چھپ گئے اور تمام شور اور شر ختم ہوگیا، اس میں ایک سو انیس علماء کے فتوے اور تصدیقی دستخط ہیں۔ الحمد للہ! کہ فیصلہ مقدسہ، مرکزی مجلس رضا لاہور نے دوبار چھاپ دیا ہے۔ تفصیلات اس میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

مقامِ غور ہے کہ جو کتاب امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد مرتب ہو کر چھپی ہو، اس میں پائی جانے والی غلطی کی ذمہ داری ان پر کیسے ڈالی جاسکتی ہے؟'' (البریلویۃ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ، صفحہ 139، مکتبہ قادریہ، لاہور)

گھمن صاحب نے بغیر مسئلہ سمجھے آگے بلاوجہ حوالے اس پر دے دیئے کہ حدائق بخشش اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کی کتاب ہے، انہیں اتنا بھی پتہ نہیں چلا کہ مسئلہ کتاب ہونے یا نہ ہونے پر نہیں بلکہ اِشعار ہونے یا نہ ہونے پر ہے۔

اتنی عقل ہوتی تو دیوبندی نہ ہوتے!

گھمن صاحب! آپ نے احسان الٰہی ظہیر کی کتاب ''البریلویہ'' سے نقل مار کر اعلیٰ حضرت پر الزام لگایا کہ انہوں نے معاذ اللہ (عزوجل) حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کی شان میں گستاخی کی ہے اور ہم نے اس الزام کا تفصیلی جواب دے دیا۔ اب ذرا اپنے پیشوا تھانوی صاحب کی طرف نظر کریں کہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو اپنی بیوی پر قیاس کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں: ''ایک ذاکر صالح کو مکشوف (کشف) ہوا کہ احقر (مولانا تھانوی) کے گھر حضرت عائشہ آنے والی ہیں، انھوں نے مجھ سے کہا۔ میرا ذہن معاً اسی طرف منتقل ہوا کہ کمسن عورت ہاتھ آئے گی، اس مناسبت سے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت عائشہ بہت کم عمر تھیں وہی قصہ یہاں ہے۔'' (رسالہ الامداد، ماہ صفر 1335ھ)

یعنی جس طرح حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کنواری تھی، تھانوی صاحب نے اس کشف سے استدلال کیا کہ مجھے بڑھاپے میں کنواری عورت ملے گی۔ پھر تھانوی صاحب کا جملہ ملاحظہ فرمایئے کہ ''میں سمجھ گیا کوئی کمسن عورت ہاتھ آئے گی۔'' اس جملہ میں ''ہاتھ آئے گی'' کا ٹکڑا خصوصیت سے قابل توجہ ہے، اہل ادب اور اہل زبان اچھی طرح واقف ہیں کہ اس کا موقع استعمال کیا ہے؟

مزید سنیئے! دیوبندی مولوی نے خواب دیکھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ تھانوی صاحب کا قرآن کریم (تراویح میں) سننے کے لئے ان کے گھر آئی ہیں اور خود صفوں کے بچھانے کا انتظام کر رہی ہیں۔
(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، صفحہ 89، دارالغوثیہ، سمندری، بحوالہ اصدق الرؤیا، جلد 2، صفحہ 50)

مزید اور سنیئے! تھانوی صاحب فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی کے متعلق کہتے ہیں: ''حضرت نے خواب دیکھا کہ حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ ہم (بیماری سے) اچھے ہوگئے۔
(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، صفحہ 90، دارالغوثیہ، سمندری، بحوالہ افاضات الیومیہ، جلد 8، صفحہ 48)

حضور (علیہ السلام) کو حاضر و ناظر کہنا دیو بندیوں کے نزدیک گستاخی ہے

اپنے مولویوں کے کفریات چھپاتے ہوئے اور اعلیٰ حضرت پر الزام تراشی کرتے ہوئے گھمن صاحب مزید لکھتے ہیں:

جو فاضل بریلوی نبی محترم شفیع امم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاف نہ کرے وہ اکابر دیو بند کو کیسے کرے گا۔

دیکھئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "ان اللہ مستخلفکم فیھا فناظر کیف تعملون" یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین پر بھیجا، پس دیکھنے والا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کو ناظر کہا ہے۔ اور دوسری حدیث میں بخاری، صفحہ 1099 پر ہے: آپ علیہ السلام نے فرمایا "انکم لا تدعون اصم ولا غائبا" کہ تم کسی بہرے اور غائب خدا کو نہیں پکار رہے۔ خدا بہرا نہیں تو سننے والا ہوا اور جب غائب نہیں تو حاضر ہوا۔ اب اللہ تعالیٰ کے لئے حاضر کا مفہوم یہاں سمجھ آتا ہے۔

القصہ نبی پاک علیہ السلام کے فرمودات میں ناظر کا لفظ خدا کے لئے صراحتاً ہے اور حاضر کا لفظ اشارتاً اور مفہوماً ہے۔ مگر فاضل بریلوی کی سنئے وہ لکھتے ہیں:۔

(1) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں شہید و بصیر ہے، اس کو حاضر و ناظر نہ کہنا چاہئے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے اس پر تکفیر کی۔ فتاوی رضویہ قدیم، جلد 6، صفحہ 157، فتاوی رضویہ جدید، جلد 14، صفحہ 688۔

ہم فاضل بریلوی کی تمام ذریت کو کہتے ہیں کہ کس جید عالم و مفتی وفقیہ نے تکفیر کی ہے؟ یہ فاضل بریلوی کا جھوٹ ہے ورنہ اس کی نشاندہی کرو۔ اس لفظ کے استعمال پر باقی بریلوی علماء نے بھی تشدد کا راستہ اختیار کیا ہے۔

(2) بریلوی شیخ القرآن فیض احمد اویسی بہاولپوری نے لکھا ہے کہ جو لفظ مخلوق کے لئے مستعمل ہوا سے اللہ پر استعمال کرنا کفر ہے۔ مثلاً حاضر و ناظر۔ فتاوی اویسیہ، جلد 1، صفحہ 30۔

(3) مفتی عبدالواحد قادری لکھتا ہے کہ ان دونوں اسماء کو ذات الٰہی کی طرف منسوب کرنا شریعت مطہرہ پر جرأت کرنا ہے۔ فتاوی یورپ، صفحہ 98۔

(4) محدث کچھوچھوی لکھتا ہے صاحب درمختار نے بعض فقہا کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا کفر ہے۔

یہ بھی جھوٹ ہے ورنہ کوئی مفتی وفقیہ یہ جرأت کیوں کر سکتا ہے کہ اس کو کفر کہے جو نبی پاک علیہ السلام

کے الفاظ مبارک ہوں۔

(5) ابوالحسنات قادری لکھتے ہیں: یہ خالص جہالت ہے کہ جو حاضر و ناظر اللہ کی ذات کے ساتھ لگاتے ہیں۔ تفسیر الحسنات، جلد 6، صفحہ 6، 78۔

(6) اویسی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں صاحب درمختار رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یا حاضر یا ناظر کہنا کفر نہیں۔ ظاہر ہے کہ نفی کفر مستلزم جواز نہیں، اس لئے ممکن ہے کہ حرام ہو یا مکروہ ہے۔ ندائے یارسول اللہ، صفحہ 35۔

یعنی خدا کو حاضر و ناظر کہنا حرام ہے یا مکروہ ہے۔ القصہ خدا کو حاضر و ناظر کہنے کو حرام، مکروہ، جہالت، کفر، شریعت پر جرأت کرنا وغیرہا قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ لفظ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں تو جو طبقہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاف نہ کرے وہ اکابر دیو بند کو معاف کیسے کر سکتے ہیں؟ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 51۔۔۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب آپ نے جو دو احادیث بیان کر کے اس سے خدا کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کیا ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کو علم کلام کا پتہ ہی کچھ نہیں اور پھر جو علمائے اہلسنت کو چیلنج کئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کتب فقہ کے مطالعہ سے بھی محروم ہے۔ حاضر کے لغوی معنیٰ جسم کے ساتھ موجود ہونا اور ناظر کے معنیٰ آنکھ سے دیکھنا ہے۔ واضح ہوا کہ اللہ (عزوجل) کو حاضر و ناظر کہنا جائز نہیں کہ اللہ (عزوجل) جگہ و جسم سے پاک ہے چنانچہ مجمع الانہر میں ہے "من قال: نہ مکانی زتو خالی نہ توھج مکانی، کفر" ترجمہ: کسی نے یہ کہا کہ کوئی گوشہ یا مکان ایسا نہیں جہاں ذاتِ خدا موجود نہیں، اس نے کفر کیا۔

(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، كتاب السير، باب المرتد، جلد 1، صفحه 691، دار إحياء التراث العربي)

گھمن صاحب آپ نے خود المھند پر ہونے والے اعتراضات کے جواب میں لکھا ہے: "درحقیقت کوئی مقام ایسا نہیں جسے اللہ کا مکان کہا جا سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو لامکان ہے اور وہ زمان و مکان کی قیودات سے منزہ و برتر ہے۔"

(المھند اور اعتراضات کا علمی جائزہ، صفحہ 55، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے جو اللہ عزوجل کو ناظر ثابت کرنے کے لئے حدیث پاک پیش کی ہے اس میں ناظر سے مراد آنکھ سے دیکھنا نہیں بلکہ مخلوق کے اعمال سے باخبر ہونا ہے۔ روح البیان میں علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "النظر قد یراد بہ الفکر المؤدی الی العلم وقد یراد بہ تقلیب الحدقۃ نحو المرئی لیترتب علیہ الرؤیۃ وکل واحد من المعنیین مستحیل فی حقہ تعالی فھو مجاز عن الرؤیۃ التی ھی غایۃ للنظر ای فیری کَیْفَ تَعْمَلُونَ" ترجمہ: بعض اوقات

نظر سے وہ فکر مراد لی جاتی ہے جو علم تک پہنچادے اور کبھی نظر کا مطلب آنکھ کی پتلی کو مرئی کی طرف پھیرنا ہے تا کہ اس پر رویت مرتب ہو جائے اور دونوں ہی معانی اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہیں۔ پس وہ مجاز ہے اس رویت ہے سے جو نظر کی غایت ہے یعنی پس وہ دیکھتا ہے کہ تم کس طرح کے عمل کرتے ہو۔ (روح البیان، جلد3، صفحہ216، دار الفکر، بیروت)

الأسماء والصفات للبیہقی میں امام ابو بکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کی آیات واحادیث نقل کرنے کے بعد نظر کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "النظر فی کلام العرب منصرف علی وجوہ :منها نظر عیان، ومنها نظر انتظار، ومنها نظر الدلائل والاعتبار، ومنها نظر التعطف والرحمة، فمعنی قوله صلی الله علیه وسلم :لا ینظر إلیهم . أی :لا یرحمهم، والنظر من الله تعالی لعباده فی هذا الموضع رحمته لهم، ورأفته بهم، وعائدته علیهم، فمن ذلك قول القائل :انظر إلی نظر الله إلیك، أی :ارحمنی رحمك الله ."قال الشیخ :والنظر فی الآیة الأولی والخبر الأول یشبه أن یكون بمعنی العلم والاختبار، ولو حمل فیهما علی الرؤیة لم یمتنع، قال الله عز وجل ﴿فسیری الله عملكم ورسوله والمؤمنون﴾ فالتأقیت یكون فی المرئی لا فی الرؤیة، یعنی إذا كان عملكم مرئیا له، كما أن التأقیت یكون فی المعلوم لا فی العلم" ترجمہ: کلام عرب میں نظر کئی اعتبار سے استعمال ہوتا ہے ان میں سے ایک نظر عیان دوسرا نظر انتظار تیسرا نظر الدلائل والاعتبار چوتھا نظر تعطف ورحمت۔ پس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کہ وہ ان کی طرف نظر نہیں فرماتا کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان پر رحمت نازل نہیں فرماتا۔ اس جگہ پر اللہ عزوجل کی طرف سے اپنے بندوں کی طرف نظر ہونا ان کے لئے اس کی رحمت اور اس کی طرف سے اپنے بندوں کے ساتھ نرمی واحسان کا ہونا مراد ہے۔ اس کی مثال یہ قول ہے جب کوئی کہے کہ میری طرف نظر کر اللہ عزوجل تیری طرف نظر کرے گا یعنی تو مجھ پر رحم کر اللہ عزوجل تجھ پر رحم کرے گا۔ شیخ نے کہا: پہلی آیت اور پہلی خبر میں نظر علم اور خبر دار رہنے کے مشابہ ہے۔ اور اگر دونوں میں نظر کو رویت پر بھی محمول کیا جائے تو اس میں بھی کوئی مانع نہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے: پس عنقریب اللہ دیکھے گا تمہارے اعمال کو اور اس کا رسول اور ایمان والے۔ پس یہاں پر توقیت (وقت) جس کو دیکھنا ہے اس کے اعتبار سے ہے نہ کہ رویت میں یعنی جب تمہارا عمل اس کے سامنے ہے جیسا کہ توقیت معلوم ہے نہ کہ علم میں۔

(الأسماء والصفات للبیہقی، باب ما جاء فی النظر قال الله عز وجل، جلد2، صفحہ427، مکتبة السوادی، جدة)

اسلاف میں سے کسی بھی مستند بزرگ نے اللہ عزوجل کو حاضر وناظر نہیں کہا ہے۔ حدیث پاک میں اگر ناظر کا لفظ استعمال ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ رب تعالیٰ کو ناظر کہنا شروع کر دیا جائے کہ یہ لفظ ناظر اسم باری تعالیٰ کے طور پر استعمال

نہیں ہوا جیسے **مشکوٰۃ شریف** کی حدیث پاک ہے ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی "إنی طبیب" ترجمہ: میں طبیب ہوں۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا "أنت رفیق واللہ الطبیب" تو رفیق ہے طبیب اللہ عزوجل ہے۔

علامہ مناوی، ملا علی قاری وغیرہ نے اس حدیث کی شرح میں یہی فرمایا کہ یہاں طبیب بمعنی شافی مطلق ہے نہ کہ فن طب سیکھا ہوا لہٰذا اللہ تعالیٰ کو طبیب کہنا شرعاً درست نہیں کہ یہ لفظ طبابت کا پیشہ کرنے والوں پر بھی بولا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو معلم نہیں کہہ سکتے اگرچہ وہ خود فرماتا ہے ﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ کیونکہ معلم عموماً تنخواہ دار مدرسین کو کہا جاتا ہے اور جو لفظ دو معنے رکھتا ہو اچھے اور برے اس کو اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں کرسکتے۔ اسی طرح کا ناظر کا مسئلہ ہے کہ اس کے معروف معنیٰ آنکھ سے دیکھنا ہے، لہٰذا اللہ عزوجل کو ناظر نہیں کہا جائے گا۔

دوسری بخاری شریف کی حدیث پاک سے جو گھمن صاحب نے اللہ عزوجل کے حاضر ہونے کا استدلال کیا ہے وہ انتہائی جاہلانہ اور تحریفانہ ہے۔ اس لئے کہ گھمن نے پوری حدیث نہیں لکھی۔ آگے حضور علیہ السلام کے ارشاد سے واضح تھا کہ رب تعالیٰ حاضر نہیں ہے بلکہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث پاک یہ ہے "إنكم لا تدعون أصم ولا غائبا، ولكن تدعون سمیعا بصیرا" ترجمہ: تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ اسے پکارتے ہو جو سنتا اور دیکھتا ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء إذا علا عقبة، جلد 8، صفحہ 82، دار طوق النجاة، مصر)

حاضر وناظر مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے **علامہ کاظمی شاہ صاحب** (رحمة الله علیه) فرماتے ہیں: "اس کے بعد یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ جب حاضر وناظر کے اصلی معنی سے اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا واجب ہے۔ تو ان لفظوں کا اطلاق بغیر تاویل کے ذات باری تعالیٰ پر کیوں کر ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں حاضر وناظر کوئی نام نہیں اور قرآن وحدیث میں کسی جگہ حاضر وناظر کا لفظ ذات باری تعالیٰ کے لئے وارد نہ ہوا۔ نہ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کرسکتا کہ صحابہ کرام، تابعین یا ائمہ مجتہدین (علیهم الرضوان) نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لئے حاضر وناظر کا لفظ استعمال کیا ہو۔

اور اسی لئے متاخرین کے زمانہ میں بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر کہنا شروع کیا تو اس دور کے علماء نے اس پر انکار کیا بلکہ بعض علماء نے اس اطلاق کو کفر قرار دے دیا۔ بالآخر یہ مسئلہ (کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر کہنا کفر ہے یا نہیں) جمہور علماء کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ اس میں تاویل ہو سکتی ہے، اس لئے یہ اطلاق کفر نہیں اور تاویل یہ کی کہ "حضور" کو مجازاً علم کے معنی میں لیا جائے اور "نظر" کے مجازی معنی رؤیت مراد لئے جائیں۔ اس تاویل کے بعد جب اللہ تعالیٰ کو

حاضر و ناظر کہا جائے گا تو یہ اطلاق علیم، بصیر اور عالم من یری کے معنی میں ہوگا۔ ملاحظہ فرمائیے درمختار اور شامی۔''

(مقالات کاظمی، جلد3، صفحہ155، مکتبہ ضیائیہ، راولپنڈی)

باقی جو گھمن صاحب بار بار کہتے ہیں کہ ثابت کرو تو گھمن صاحب آپ کو چاہئے تھا کہ جب علماء اہل سنت اپنے مؤقف پر بار بار درمختار کا حوالہ دے رہے ہیں تو آپ ایک مرتبہ درمختار کھول کر ہی دیکھ لیتے، بلاوجہ ضد بازی تو نہ کرتے، ہم دیوبندیوں کی طرح جھوٹے تھوڑی ہیں کہ جھوٹے حوالے دیتے رہیں۔ درمختار میں ہے "ویا حاضر یا ناظر لیس یکفر" ترجمہ: یا حاضر یا ناظر کہنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے "(قوله ليس يكفر) فإن الحضور بمعنى العلم شائع ﴿ما يكون من نجوى ثلاثة إلا هو رابعهم﴾ والنظر بمعنى الرؤية ﴿ألم يعلم بأن الله يرى﴾ فالمعنى يا عالم من يرى بزازية" یعنی اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اسلئے کہ حاضر بمعنی جاننا لیا جاتا ہے قرآن پاک میں ہے: جہاں کہیں تین شخصوں کی سرگوشی ہو تو چوتھا وہ موجود ہے۔ اور ناظر بمعنی دیکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تو کیا حال ہوگا کیا نہ جانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

(رد المحتار على الدر المختار، كتاب الجهاد، مطلب المعصية تبقى بعد الردة، جلد4، صفحه 259، دار الفكر، بيروت)

یہاں صحیح مذہب پیش کیا جارہا ہے کہ اللہ (عزوجل) کو حاضر و ناظر کہنے والے کی تکفیر نہیں کی جائے گی کہ اس کی تاویل ہے اور علامہ شامی (رحمة الله عليه) وہ تاویل پیش کررہے ہیں اور کتب فقہ میں "لایکفر" اس صورت میں کہا جاتا ہے جب بعض نے تکفیر کا فرمایا ہو۔ پھر "لایکفر" جب کہا جائے تو اس میں تکفیر کی نفی ہے باقی اس فعل کی ممانعت تو یقینی ہوتی ہے۔

وہابیوں نے بھی رب تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنے کی نفی کی ہے چنانچہ سعودی وہابی ابن باز کا شاگرد عبدالمحسن بن حمد العباد البدر ''شرح سنن أبي داود'' میں لکھتا ہے "هل يجوز وصف الله تبارك وتعالى بحاضر أو ناظر؟ الجواب: الله تعالى شاهد كما جاء، وينبغي التقيد بما جاء في النصوص ولا يخرج عنها" سوال: کیا اللہ (عزوجل) کے لئے حاضر و ناظر کی صفت جائز ہے؟

جواب: اللہ (عزوجل) شاہد ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ مناسب یہی ہے کہ نصوص میں نام مذکور ہیں ان سے باہر نہ نکلا جائے۔

(شرح ابی داود)

انبیاء (علیهم السلام) کو بشر کہنے پر تکفیر کا الزام

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

آگے آیئے! جو طبقہ قرآن پاک پر جھوٹ بولے وہ اکابر دیوبند کو معاف کیسے کرے گا۔ بریلوی عالم مولوی نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں: قرآن پاک میں جابجا انبیاء کو بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ خزائن العرفان، صفحہ 5۔

اور مفتی احمد الدین توگیری سیفی نے انوار سیفیہ، حصہ عقائد کے صفحہ 117 پر بھی یہی کچھ لکھا ہے۔ اب دیکھئے یا تو اس قرآن پر جھوٹ کہئے یا پھر صحابہ کرام کی تکفیر کیجئے کیوں کہ ابوداؤد شریف، جلد2، کتاب العلم میں باب کتابۃ العلم میں روایت موجود ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ علیہ السلام کے سارے فرمان لکھتے تھے وہ کہتے ہیں کہ قریش نے مجھے اور کہا کہ "ورسول الله بشر (الخ) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں۔ الخ۔

تو دیکھئے قریشی صحابہ کرام نے بشر کہا اور شمائل ترمذی، باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد گرامی ہے "كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بشر امن البشر" شمائل ترمذی، صفحہ 23۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بشر کہا۔ تو اگر قرآن نے یہ کہا ہے کہ بشر کہنے والا کافر ہے تو صحابہ کرام پر فتویٰ کفر لگے گا اور قرآن نے نہیں کہا تو مراد آبادی کا قرآن پر جھوٹ۔ تو جو صحابہ کرام کی تکفیر اور قرآن پر جھوٹ بولیں وہ اکابر دیوبند کو کیسے معاف کرسکتے ہیں؟

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 53، 54، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے پھر الزامات کی بوچھاڑ کی اور دھکے سے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی تکفیر ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ گھمن صاحب نے جو مفتی نعیم الدین مراد آبادی (رحمة الله عليه) کا حوالہ لکھا ہے اسے دوبارہ پڑھیں، اس میں کہاں لکھا ہے کہ حضور (علیه السلام) کو بشر کہنا کفر ہے۔ مفتی صاحب کے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ حضور (علیه السلام) کو بشر کہنا کفر ہے بلکہ آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ انبیاء (علیهم السلام) کے فضائل و کمالات کا انکار کرکے انہیں اپنے جیسا بشر کہنا کفار کا طریقہ ہے۔ مفتی صاحب کی پوری عبارت یوں ہے: ''اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے اِنکار کا پہلو نکلتا ہے اس لئے قرآنِ پاک میں جابجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا اور درحقیقت انبیاء کی شان میں ایسا لفظ ادب سے دور اور کُفّار کا دستور ہے۔''

اور یہ بالکل صحیح ہے کہ کفار انبیاء (علیھم السلام) کو اپنے جیسا بشر کہتے تھے جیسا کہ دیوبندی، وہابی حضور (علیہ السلام) کے فضائل وکمالات کا انکار کرتے ہوئے انہیں اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے ﴿فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: تو اس کی قوم کے سردار جو کافر ہوئے تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں نے سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔
(سورۃ ہود، سورۃ 11، آیت 27)

مفتی نعیم الدین مرادآبادی (رحمۃ اللہ علیہ) اس آیت کے تحت مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس گمراہی میں بہت سی اُمّتیں مبتلا ہو کر اسلام سے محروم رہیں، قرآنِ پاک میں جا بجا ان کے تذکرے ہیں۔ اس اُمّت میں بھی بہت سے بدنصیب سیدِ انبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بشر کہتے اور ہمسری کا خیالِ فاسد رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی سے بچائے۔''
(تفسیر نعیمی، فی تفسیر، سورۃ ہود، سورۃ 11، آیت 27)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں ''کسی کو جائز نہیں کہ حضور کو اپنے مثل بشر کہے کیونکہ جو کلمات اصحاب عزّت وعظمت بہ طریقِ تواضع فرماتے ہیں ان کا کہنا دوسروں کے لئے روا نہیں ہوتا، دوئم یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فضائل جلیلہ ومراتبِ رفیعہ عطا فرمائے ہوں اس کے ان فضائل ومراتب کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصفِ عام سے ذکر کرنا جو ہر کہ ومِہ میں پایا جائے ان کمالات کے نہ ماننے کا مُشعِر ہے، سوم یہ کہ قرآنِ کریم میں جا بجا کُفّار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ وہ انبیاء کو اپنے مثل بشر کہتے تھے اور اسی سے گمراہی میں مبتلا ہوئے پھر اس کے بعد آیت ﴿یُوْحٰۤى اِلَیَّ﴾ میں حضور سید عالَم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مخصوص بالعلم اور مکرم عند اللہ ہونے کا بیان ہے۔''
(سورۃ الکھف، سورۃ 18، آیت 110)

مفتی صاحب کے اس کلام سے واضح ہوا کہ حضور (علیہ السلام) کو فقط بشر کہنا کفر نہیں بلکہ حضور (علیہ السلام) کو اپنے جیسا بشر کہنا کفار کا طریقہ ہے۔ شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) سے بھی خزائن العرفان کی اسی عبارت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے جواباً فرمایا: ''آپ نے (یعنی سائل نے) لکھا ہے کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک انبیائے (علیھم الصلوٰۃ والسلام) کو بشر کہنا کفر ہے، یہ غلط ہے۔ اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ نہیں۔ حضرات انبیائے کرام (علیھم الصلوٰۃ والسلام) بشر تھے اور ان کی بشریت سے انکار کرنا کفر ہے۔ اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ نبی کا بشر ہونا ضروری ہے۔

وہابیوں سے ہمارا اختلاف اس میں نہیں کہ ہم بشریت سے انکار کرتے ہیں۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ ہمارے جیسے بشر تھے، ان کی تعریف اتنی کرو جتنی بڑے بھائی کی کرتے ہو، سو اس میں بھی کمی کرو جیسا کہ تقویۃ الایمان میں ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام ہم جیسے بشر نہیں، ان کی ظاہری صورت ہم سے بدرجہا اعلیٰ واحسن اور ان کی ذات بدرجہا افضل و اعلیٰ، ارفع واکمل، بڑا بھائی تو بڑا بھائی کسی کا باپ بھی انبیائے کرام کے ہم منصب نہیں۔ خزائن العرفان میں مطلقاً یہ نہیں لکھا کہ انبیائے کرام کو بشر کہنا کفار کا طریقہ ہے بلکہ یہ تحریر فرمایا قرآن کریم میں جا بجا کفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ وہ انبیا کو اپنے مثل بشر کہتے تھے اور اسی سے گمراہی میں مبتلا ہوئے۔

اور یہ بات اپنی جگہ پر حق ہے کہ کفار نے انبیا کو جھٹلانے کے لئے عام طور پر یہی کہا کہ ہمارے مثل بشر ہیں۔ میری یادداشت میں بارہ تیرہ جگہ کفار کا یہ قول قرآن کریم میں مذکور ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ کفار انبیائے کرام کی نبوت ورسالت سے انکار کے لئے عام طور پر یہی کہتے تھے کہ یہ ہمارے مثل بشر ہے۔ ان کے ایمان نہ قبول کرنے میں یہی وسوسہ آڑے آیا۔ کھلے کافروں کی طرح وہابی بھی حضرات انبیائے کرام کے فضائل وکمالات سے انکار کے لئے یہی کہتے ہیں وہ ہمارے مثل ہیں۔ اسی لئے ان کا رد کیا جاتا ہے۔

ایک خاص بات یہاں یہ ہے آیت کریمہ ﴿اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ میں خطاب مشرکین سے ہے اور یہ بات وہابی جماعت کے بانی مولوی اسماعیل دہلوی کو بھی تسلیم ہے۔ تقویۃ الایمان کے اخیر میں مولوی اسماعیل دہلوی کا ایک خط چھپا ہے، جس میں لکھتے ہیں ''ولا یخفی ان المخاطبین انما انا بشر مثلکم هم المشرکون'' اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ''بشر مثلکم'' کا خطاب مشرکین کی طرف ہے۔ ان سب کا حاصل یہ نکلا کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں یہ مذکور ہے کہ نبی ہمارے مثل ہیں، اسکے قائل مشرکین ہیں اور جہاں کہیں یہ ہے کہ تم فرما دو میں تمہارے مثل بشر ہوں اس کے مخاطب بھی مشرکین ہی ہیں۔ اس تخصیص میں جو نکتہ ہے وہ یہی ہے کہ مسلمان کو اس کی اجازت نہیں کہ انبیائے کرام کو اپنے مثل بشر کہیں۔''
(فتاوٰی شارح بخاری، جلد 1، صفحہ 343، مکتبہ برکات المدینہ، کراچی)

قرآن پر جھوٹ باندھنے کا الزام

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

ایک اور مثال قرآن پر جھوٹ کی۔ فاضل بریلوی نے داڑھی منڈے کے لئے کہا ہے کہ قرآن عظیم میں اس پر لعنت ہے۔ احکام شریعت، صفحہ 190۔

حالانکہ کسی آیت میں صراحۃً اس کا ذکر ہی نہیں۔ جو قرآن پر جھوٹ بولے وہ ہمیں کب معاف کرے گا؟

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 54، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھسن صاحب! آپ اعلیٰ حضرت کا کلام نہیں سمجھ پائے، قرآن وحدیث کو کیا سمجھیں گے؟ جس پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی لعنت ہے اس پر خدا کی بھی لعنت ہے اور داڑھی منڈوانا تغیر خلق اللہ ہے یعنی اللہ (عزوجل) کی بناوٹ میں تبدیلی کرنا ہے اور حدیث میں اس پر لعنت کی گئی ہے۔ صحابی رسول حضرت ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بھی گدنے اور گدوانے والیوں کے متعلق کہا ان پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی لعنت ہے اور قرآن میں ان کا بیان ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ''ان بے بصیرتوں کو اگر کبھی کھلی آنکھوں سے قرآن عظیم کی زیارت نصیب ہوتی تو جانتے کہ داڑھی بڑھانے کی طرف اشارہ اس میں ایک دو نہیں بلکہ بکثرت آیات کریمہ میں موجود ہے اس میں دو طریق ہیں: اول طریق عموم: یہ دو وجہ پر ہے:۔

وجہ اول: کہ صحابہ کرام وائمہ اعلام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) امثال مقام میں استعمال فرماتے رہے۔ آیت: قال اللہ (عزوجل) ﴿مَآ اٰتٰیکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰیکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ جو کچھ یہ رسول کریم تمہیں دے اختیار کرو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔

آیت: قال تعالیٰ ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ﴾ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اپنے علما کی۔

آیت: قال (عزوجل) ﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾ جو رسول کے فرمانے پر چلا اس نے اللہ کا حکم مانا۔

رب تبارك وتعالیٰ ان آیات اور ان کے امثال میں نبی کا حکم بعینہٖ اپنا حکم اور نبی کی اطاعت بعینہٖ اپنی اطاعت بتاتا ہے تو تمام احکام کہ احادیث میں ارشاد ہوئے سب قرآن عظیم سے ثابت ہیں جو اخلاقی حکم حدیث میں ہے کتاب اللہ اس سے ہرگز خالی نہیں اگرچہ بظاہر تصریح جزئیہ ہماری نظر میں نہ ہو۔ احمد و بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ سب ائمہ اپنی مسند وصحاح میں حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے راوی کہ انھوں نے فرمایا ''لعن اللّٰہ الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللّٰہ'' اللہ کی لعنت بدن گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور منہ کے بال نوچنے والیوں اور خوبصورتی کے لئے دانتوں میں کھڑکیاں بنانے والیوں اللہ کی بنائی چیز بگاڑنے والیوں پر۔

یہ سن کر ایک بی بی خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: میں نے سنا ہے آپ نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی؟ فرمایا ''مالی لا العن من لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وھو فی کتاب اللّٰہ'' مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے لعنت فرمائی اور جس کا بیان قرآن عظیم میں ہے۔

ان بی بی نے کہا: میں نے قرآن اول سے آخر تک پڑھا اس میں کہیں اس کا ذکر نہ پایا۔ فرمایا ''اِنْ کُنْتِ قَرَاْتِیْہِ لَقَدْ وَجَدْتِیْہِ اما قرات ﴿مَآ اٰتٰیکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰیکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾'' اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا یہ بیان اس میں ضرور پاتیں۔ کیا تم نے یہ آیت نہ پڑھی کہ جو رسول تمہیں دے وہ لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔

انہوں نے عرض کی: ہاں۔ فرمایا ''فانہ قد نھی عنہ'' تو بے شک نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان حرکات سے منع فرمایا: منکر دیکھے کہ اس کا خیال وہی ان بی بی کا خیال اور ہمارا جواب بعینہٖ حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا جواب ہے یا نہیں؟ یہ بی بی ام یعقوب اسدیہ ہیں کبار تابعین وثقات مصالحات سے ہونے میں تو کلام نہیں اور حافظ الشان نے فرمایا: صحابیہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ بہر حال ان کی فضیلت وصلاح قبول حق پر باعث ہوئی سمجھ لیں اور اس کے بعد حدیث کو حضرت عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کرتیں ''کما رواہ البخاری من طریق عبدالرحمٰن بن عابس عنھا رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما'' جیسا کہ امام بخاری نے عبدالرحمٰن بن عابس کے طریقہ سے۔ اس نے بی بی صاحبہ سے حضرت عبداللہ ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے۔

ابنائے زمانہ سے گزارش کرنی چاہئے کہ '' عدلامردانگی زین زن بیاموز'' (اے دل! اس عورت سے مردانہ جرأت سیکھ۔) ''ولکن الھدایۃ لن تنالا بلافضل من المولی تعالی'' لیکن تو ہرگز ہدایت نہیں پا سکے گا اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر۔

ایک بار عالم قریش سے سیدنا امام شافعی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مکہ معظمہ میں فرمایا: مجھ سے جو چاہو پوچھو میں قرآن سے جواب دوں گا۔ کسی نے سوال کیا: احرام میں زنبور کو قتل کرنے کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم ﴿مَآ اٰتٰیکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰیکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ وحدثنا سفین بن عیینہ عن عبدالملك بن عمیر بن ربعی بن حراش عن حذیفۃ بن الیمان عن النبی صلی اللّٰہ تعالی تعالی علیہ وسلم انہ قال اقتدوا بالذین من بعدی ابوبکر وعمر حدثنا سفین عن مسعر بن کدام عن قیس بن مسلم عن طارق بن شہاب عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ تعالی عنہ انہ امر بقتل المحرم الزنبور ذکرہ الامام السیوطی فی الاتقان ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، جو کچھ تمہیں رسول کریم عطا

فرمائیں اسے لےلواور جس سے تمہیں منع فرمائیں اس سے باز رہو۔ہم سے سفیان بن عیینہ نے فرمایا اس نے عبدالملک بن عمیر سے اس نے ربعی بن حراش سے اس نے حذیفہ بن یمان سے انھوں نے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت کی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہمیں حدیث پہنچی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ان دو کی پیروی کرو جو میرے جانشین ہونگے۔ ہم سے سفیان بن مسعر بن کدام نے بیان کیا انھوں نے قیس بن مسلم سے انھوں نے طارق بن شہاب سے روایت کیا اور ہمیں امیر المومنین عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے حدیث پہنچی کہ انہوں نے احرام باندھے ہوئے کو قتل زنبور کا حکم دیا۔امام سیوطی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اسے الاتقان فی علوم القرآن میں ذکر فرمایا۔"

(فتاوی رضویہ، جلد22، صفحہ 628، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

داڑھی منڈوانا بھی تغیر خلق اللہ میں داخل ہے موجب لعنت ہے چنانچہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) ایک جگہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہی وہ آیہ کریمہ ہے جس کی رو سے حضور پرنور سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے زنان مذکورہ پر لعنت فرمائی اور اس کی علت یہی خدا کی بنائی چیز بگاڑنی بتائی، بعینہٖ یہی کیفیت داڑھی منڈانے کی ہے۔منہ کے بال نوچنے والیاں تغیر خلق اللہ کرتی ہیں یوں ہی داڑھی منڈوانے والے تو یہ سب اسی ﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ (تو وہ اللہ تعالیٰ کی بناوٹ میں تبدیلی کرینگے۔) میں داخل اور شیطان کے محکوم اور اللہ و رسول کے ملعون ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی اکلیل فی استنباط التنزیل میں زیر آیہ کریمہ فرماتے ہیں "یستدل بالآیۃ علی تحریم الخصاء والوشم وما یحری محراہ من الوصل فی الشعر وبرد الاسنان والتنمص وھو نتف الشعر من الوجہ" آیۃ مذکورہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ خصی کرنے، بدن گودنے اور ان جیسے دیگر اعمال مثلاً بال جوڑنے، دانتوں میں کشادگی پیدا کرنے اور چہرے کے بال نوچنے کی حرمت پر۔

تفسیر مدارک شریف میں ہے "﴿فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ﴾ بالخصاء اوالوشم او تغیر الشیب بالسواد والتخنث اہ باختصار" اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو تبدیل کریں گے یعنی خصی کرنے، بدن گدوانے سفید بالوں کو سیاہ کرنے اور زنانہ اوصاف اپنانے میں۔(مختصراً عبارت مکمل ہوئی)۔

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں زیر حدیث مذکور "المغیرات خلق اللہ" (اللہ کی بناوٹ کو بدلنے والی عورتیں۔) فرماتے ہیں "علت و حرمت مثلہ و حلق لحیہ و امثال آں نیز ھمیں ست" مثلہ یعنی حلیہ بگاڑنا اور داڑھی مونڈنے یا منڈوانے اور اس قسم کے دوسرے کام کرنے کے حرام ہونے کی یہی علت اور سبب ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد22، صفحہ635، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

اللہ (عزوجل) کی شان میں بے ادبی کا الزام

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

جو خدا کو معاف نہ کرے وہ ہمیں کیسے معاف کرے گا؟ فاضل بریلوی وہابیوں کے جھوٹے خدا کے عنوان سے لکھتے ہیں: وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے۔۔۔۔جس کا بہکنا، بھولنا، سونا، اونگھنا، غافل رہنا، ظالم ہونا حتی کہ مرجانا سب کچھ ممکن ہے۔کھانا پینا پیشاب کرنا، پاخانہ پھیرنا، ناچنا، تھرکنا نٹ کی طرح کلا کھیلنا، عورتوں سے جماع کرنا، لواطت جیسی خبیث بے حیائی کا مرتکب ہونا، حتی کہ مخنث کی طرح خود مفعول ہونا کوئی خباثت کوئی فضیحت اس کی شان کے خلاف نہیں، وہ کھانے کا منہ اور بھرنے کا پیٹ اور مردی اور زنی دونوں علامتیں بالفعل رکھتا ہے۔صمد نہیں جو جوف دار ھکل ہے۔سبوح قدوس نہیں خنثیٰ مشکل ہے۔فتاوی رضویہ، جلد 1، صفحہ 745۔

یہی فاضل بریلوی دوسری جگہ لکھتا ہے: تمہارا خدا بھی زنا کرا سکے ورنہ دیوبند میں چکلہ والی فاحشات اس پر قہقہے اڑائیں گی کہ نکھٹو تو ہمارے برابر بھی نہ ہوسکا پھر کاہے پر خدائی کا دم مارتا ہے۔اب آپ کے خدا میں فرج بھی ضرور ہوئی ورنہ زنا کاہے میں کرا سکے۔خنثی خدا کے پجاریو۔

آگے لکھتا ہے: یوں تو ایک خدائن ماننی پڑے گی جو اس کی وسعت رکھے اور ایک بڑا ڈبل خدا ماننا ہوگا جو دوسری ہوس بھر سکے۔

پھر آگے لکھتا ہے: ایک رنڈی کہ فاسقوں کی محفل میں رقص کرتی ہے، لحظہ لحظہ کس قدر اپنی جہتیں بدلتی ہے، اگر ان کا معبود یوں ہی نہ گھوم سکا تو رنڈی سے بھی گیا گزرا۔اللہ جھوٹ سے پاک ہے، صفحہ 161، 162، 163۔

بریلوی کہتے ہیں کہ یہ تمہارے علماء نے لکھا ہے، ہم دعوے سے کہتے ہیں ایک بچے سے لے کر بڑے علماء تک کسی نے بھی یہ لکھا ہو تو دکھاؤ ورنہ "موتوا بغیظکم"

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 55، 56، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

ہر تیسرا چوتھا دیوبندی وہابی اپنی کتاب کے صفحے سیاہ کرنے کے لئے اس طرح کی چند عبارتیں ڈال کر خوب نمبر بناتا ہے اور اعلیٰ حضرت پر زبان درازی کرتا ہے لیکن انہیں اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ ذرا اپنی عقل استعمال کرلیں جو ان میں نہ ہونے کے برابر ہے۔چلو عقل نہیں تو کسی سنی سے پوچھ لیں کہ اعلیٰ حضرت نے یہ کیوں کہا ہے تو ہم اسے بتائیں کہ تمہارے بڑے پیشوا

اسماعیل دہلوی نے کہا تھا کہ اللہ (عزوجل) جھوٹ بول سکتا ہے، اگر ایسا نظریہ نہ رکھا جائے تو بندے کی طاقت رب تعالیٰ سے زیادہ ہو جائے گی کہ بندہ تو جھوٹ بول سکتا ہے رب تعالیٰ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اعلیٰ حضرت نے پورا رسالہ اس نظریہ کے رد میں لکھا اور پھر نقلی دلائل دینے کے بعد عقلی دلائل دیئے کہ اگر یہ قاعدہ اپنا لیا جائے کہ جو انسان کرسکتا ہے وہی رب تعالیٰ کرسکتا ہے تو پھر کئی قباحتیں آئیں گی انسان پیشاب کرسکتا، جماع کرسکتا، کھیل کود سکتا ہے، سو سکتا ہے جبکہ رب تعالیٰ یہ نہیں کر پائے گا۔ پھر ایسا اعتقاد رکھنے والوں کو بطور زجر فرمایا: ''اگر دہلوی ملا کی یہ دلیل سچی ہو تو دو خدا، دس خدا، ہزار خدا، بیشمار خدا ممکن ہو جائیں، وجہ سنئے جب یہ اقرار پایا کہ آدمی جو کچھ کر سکے خدا بھی اپنی ذات کیلئے کرسکتا ہے، اور معلوم کہ نکاح کرنا، عورت سے ہم بستر ہونا، اس کے رحم میں نطفہ پہنچانا قدرت انسانی میں ہے تو واجب کہ ملاجی کا موہوم خدا بھی یہ باتیں کر سکے ورنہ آدمی کی قدرت تو اس سے بھی بڑھ جائے گی، اور جب اتنا ہو چکا تو وہ آفتیں جن کے سبب اہل اسلام اتخاذ ولد کو محال جانتے تھے، امام وہابیہ نے قطعا جائز مان لیں۔ آگے نطفہ ٹھہرنے اور بچہ ہونے میں کیا زہر گھل گیا ہے، وہ کون سی ذلت وخواری باقی رہی ہے جن کے باعث انہیں مانتے جھجکنا ہوگا بلکہ یہاں آ کر خدا کا عاجز رہ جانا تو سخت تعجب ہے کہ یہ تو خاص اپنے ہاتھ کے کام ہیں جب دنیا بھر میں بزعم ملاجی سب کے لئے اس کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں تو کیا اپنی زوجہ کے بارے میں تھک جائیگا آخر بچہ نہ ہونا یوں ہوتا ہے کہ نطفہ استقرار نہ کرے اور خدا استقرار پر قادر ہے، یا یوں کہ منی نا قابل عقد وانعقاد یا مزاج رحم میں کوئی فساد یا خلل آسیب مانع اولاد تو جب خدائی ہے کیا ان موانع کا ازالہ نہ کر سکے گا، بہر حال جب امور سابقہ ممکن ٹھہرے تو بچہ ہونا قطعا ممکن اور خدا کا بچہ خدا ہی ہوگا۔ قال اللہ تعالیٰ ﴿قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِيْنَ﴾ تو فرما اگر رحمان کے لئے کوئی بچہ ہے تو میں سب سے پہلے پوجنے والا ہوں۔

تو قطعا دو خدا کا امکان ہوا اگر چہ منافی گیر ہو کر امتناع بالغیر ٹھہرے اور جب ایک ممکن ہو تو کروڑوں ممکن کہ قدرت خدا کو انتہا نہیں ''ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم'' خامسا: ملائے دہلی کا خدائے موہوم کہاں کہاں آدمی کی حرص کرے گا، آدمی کھانا کھاتا ہے، پانی پیتا ہے، پاخانہ پھرتا ہے، پیشاب کرتا ہے، آدمی قادر ہے کہ جس چیز کو دیکھنا نہ چاہے آنکھیں بند کر لے، سننا نہ چاہے کانوں میں انگلیاں دے لے، آدمی قادر ہے کہ آپ کو دریا میں ڈبو دے، آگ سے جلا لے، خاک پر لیٹے، کانٹوں پر لوٹے، رافضی ہو جائے، وہابی بن جائے، مگر ملائے ملوم کا مولائے موہوم یہ سب باتیں اپنے لئے کرسکتا ہوگا، ورنہ عاجز ٹھہرے گا اور کمال قدرت میں آدمی سے گھٹ رہے گا۔

اقول: (میں کہتا ہوں) غرض خدائی سے ہر طرح ہاتھ دھو بیٹھنا ہے نہ کرسکا تو حضرت کے زعم میں عاجز ہوا اور عاجز خدا نہیں کرسکا تو ناقص ہوا ناقص خدا نہیں۔ محتاج ہوا محتاج خدا نہیں۔ ملوث ہوا ملوث خدا نہیں۔ تو شمس وامس کی طرح اظہر واز ہر کہ دہلوی بہادر کا یہ قول ابتر حقیقۃ انکار خدا کی طرف منجر ﴿مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾ ''والعیاذ باللہ من اضل الشیطن'' انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صحیح قدر نہیں کی۔ اور شیطان کی گمراہی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔

مگر سبحان ربنا ہمارا سچا خدا سب عیبوں سے پاک اور قدرت علی المحال کی تہمت سراپا ضلال سے بکمال منزہ عالم اور عالم کے اعیان اعراض، ذوات، صفات، اعمال، اقوال، خیر شر صدق کذب حسن قبیح سب اسی کی قدرت کاملہ وارادہ الٰہیہ سے ہوتے ہیں نہ کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہ کسی کی قدرت اس کی قدرت کے ہمسر، نہ اپنے لئے کسی عیب پر قادر ہونا اس کی شان قدوسی کے لائق و درخور۔ ''**تعالٰی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا، وسبحن اللہ بکرۃ واصیلا، والحمد للہ حمدا کثیرا**'' اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں، صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تقدیس وپاکیزگی ہے اور تمام اور کثیر حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔۔۔۔۔۔۔'' (فتاوی رضویہ، جلد 15، صفحہ 367۔۔۔، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

پھر محسن صاحب کی پیش کی گئی عبارت میں کئی ایسے عقائد ونظریات ہیں جن کا ذکر وہابی دیوبندی کتب میں ہے چنانچہ عبارت پیش کی جاتی ہے اور اس میں جو نمبر نگ ہے آخر میں اس کے حوالے درج ہیں۔ دراصل اعلیٰ حضرت نے یہود ونصاری، فلاسفہ، نیچریہ سب کے عقائد جو رب تعالیٰ کے متعلق ہیں انہیں لکھا، اس کے بعد وہابیوں اور دیوبندیوں نے جو رب تعالیٰ کے متعلق کہا ہے اسے لکھا ہے۔ اعلیٰ حضرت کا پورا کلام مع وہابیوں کی کتب کے حوالوں سے ملاحظہ ہو: ''وہابیوں کے جھوٹے خدا:۔ وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے جسے (1) مکان، زمان، جہت، ماہیت، ترکیب عقلی سے پاک کہنا بدعت حقیقیہ کے قبیل سے اور صریح کفروں کے ساتھ گننے کے قابل ہے، جس کا سچا ہونا کچھ ضرور نہیں جھوٹا بھی ہوسکتا ہے۔ ایسے کہ (2) جس کی بات پر اعتبار نہیں، نہ اُس کی کتاب قابلِ استناد نہ اُس کا دین لائق اعتماد، ایسے کو جس (3) میں ہر عیب ونقص کی گنجائش ہے جو اپنی مشیخت بنی رکھنے کو قصداً عیبی بننے سے بچتا ہے، چاہے تو ہر گندگی میں آلودہ ہو جائے، ایسے کو جس (4) کا علم حاصل کئے حاصل ہوتا ہے اس کا علم اس کے اختیار میں ہے چاہے تو جاہل رہے، ایسے کو جس (5) کا بہکنا، بھولنا، سونا، اونگنا، غافل رہنا، ظالم ہونا حتی کہ مر جانا سب کچھ ممکن ہے کھانا، پینا، پیشاب کرنا، پاخانہ پھرنا، ناچنا، تھرکنا، نٹ کی طرح کلا کھیلنا، عورتوں سے جماع کرنا، لواطت جیسی خبیث بے حیائی کا مرتکب ہونا حتیٰ کہ مخنث کی طرح خود مفعول بننا، کوئی خباثت کوئی فضیحت اُس کی شان (6) کے

خلاف نہیں، وُہ کھانے (7) کا مُنہ اور بھرنے کا پیٹ اور مردی وزنی کی دونوں علامتیں بالفعل رکھتا ہے صمد نہیں جوف دار کھگل ہے، سبوح قدوس نہیں، خنثٰی مشکل ہے یا کم از کم اپنے آپ کو ایسا بنا سکتا ہے اور یہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو (8) جلا بھی سکتا ہے ڈبو بھی سکتا ہے زہر کھا کر یا اپنا گلا گھونٹ کر بندوق مار کر خودکشی بھی کر سکتا ہے اُس کے ماں باپ جورو بیٹا سب (9) ممکن ہیں بلکہ ماں باپ ہی سے (10) پیدا ہوا ہے ربڑ کی طرح پھیلتا (11) سمٹتا ہے برمھا کی طرح چومکھا (12) ہے، ایسے کو جس (13) کا کلام فنا ہو سکتا ہے جو بندوں کے خوف کے باعث جھوٹ (14) سے بچتا ہے کہ کہیں وُہ مجھے جھوٹا نہ سمجھ لیں، بندوں سے پُراچھا کر پیٹ بھر کر جھوٹ بک سکتا ہے، ایسے کو جس کی خبر کچھ ہے (15) اور علم کچھ، خبر سچی ہے تو علم جھوٹا، علم سچا ہے تو خبر جھوٹی۔ ایسے کو جو سزا (16) دینے پر مجبور ہے نہ دے تو بے غیرت ہے، معاف کرنا چاہے تو حیلے ڈھونڈھتا ہے، خلق کی آڑ لیتا ہے، ایسے کو جس کی خدائی کی اتنی حقیقت کہ جو شخص ایک پیڑ کے پتے گن دے اُس کا شریک ہو جائے، جس نے اپنا سب سے بڑھ کر مقرب ایسوں کو بنایا جو اس کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں جو چُوڑھوں چماروں سے لائق تمثیل ہیں، ایسے کو جس نے اپنے کلام میں خود شرک بولے اور جا بجا بندوں کو شرک کا حکم دیا۔ قرآن عظیم تو فرمائے ﴿أَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ انہیں اللہ و رسول نے اپنے فضل سے دولتمند کر دیا۔ اور مسلمانوں کو اس کہنے کی ترغیب دے کہ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُوْلُهُ﴾ ہمیں اللہ کافی ہے اب دیتے ہیں اللہ و رسول ہمیں اپنے فضل سے۔

اور وہابیہ کا خدا اسمٰعیل دہلوی کے کان میں پھونک جائے کہ ایسا کہنے والا مشرک ہے۔ قرآن عظیم تو جبریل امین کو بیٹا دینے والا فرمائے کہ اُنہوں نے حضرت مریم سے کہا ﴿إِنَّمَا أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا﴾ میں تو تیرے رب کا رسول ہُوں اس لئے کہ میں تجھے سُتھرا بیٹا دُوں۔ یعنی مسیح (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) رسول بخش ہیں اور وہابیہ کا خدا اُن کے کان میں ڈال جائے کہ رسول بخش کہنا شرک ہے۔

قرآن عظیم تو اس گستاخ پر جس نے کہا تھا رسول غیب کیا جانے حکم کفر فرمائے کہ ﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ﴾ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد۔ اور وہابیہ کا خدا اسمٰعیل دہلوی کو یہی ایمان سُجھائے کہ رسول غیب کیا جانے اور وہ بھی اس تصریح کے ساتھ کہ اللہ کے دئے سے مانے جب بھی شرک ہے۔ اب کہئے اگر رسول کو غیب کی خبر مانے تو وہابی خدا کے حکم سے مشرک، نہ مانے تو قرآن عظیم کے حکم سے کافر، پھر مفر کدھر، یہی ماننے بنے گی کہ یہ مسلمانوں کے خدا کے احکام ہیں جس نے قرآن کریم محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر اتارا اور وہ وہابیہ کے خدا کہ جس نے تقویۃ الایمان

اسمٰعیل دہلوی پر اتاری، ہاں وہابیہ کا خدا وُہ ہے جس کے سب سے اعلیٰ رسول کی شان اتنی ہے جیسے قوم کا چودھری یا گاؤں کا پدھان جس نے حکم دیا ہے کہ رسولوں کو ہرگز نہ ماننا رسولوں کا ماننا نرا خبط ہے وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ یہ ہے وہابیوں کا خدا، کیا خدا ایسا ہوتا ہے لا الٰہ الّا اللہ کیا وُہ خدا کو جانتے ہیں، حاش للہ ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾

(1) ایضاح الحق، اسمٰعیل دہلوی مطبع فاروقی 1297ھ، دہلی، مع ترجمہ، صفحہ 35 و 36۔

(2) دیکھو سبحٰن السبوح، تنزیہ دوم، دلیل دوم۔

(3) رسالہ یکروزی اسمٰعیل دہلوی، ص 145۔

(4) تقویۃ الایمان، اسمٰعیل دہلوی، مطبع فاروقی، دہلی 1293ھ ص 20۔

(5) دیکھو یکروزی، ص 145 مع کوکبہ شہابیہ و سبحٰن السبوح، طبع بار سوم، ص 64 تا 67 و دامان باغ سبحٰن السبوح، ص 154 تا 156 او پیکان جانگداز، ص 161 وغیرہ۔

(6) یکروزی مردود مع مذکورہ ردود۔

(7) دیکھو مضمون محمود حسن دیو بندی مطبوع پرچہ نظام الملک 25 اگست مع رسالہ الہبیۃ الجباریہ علٰی جہالۃ الاخباریہ و پیکان جانگداز وغیرہ۔

(8) یکروزی مردود مع مذکورہ ردود۔

(9) ایضاً یکروزی و مضمون محمود حسن دیو بندی مع سبحٰن السبوح، صفحہ 47 و 48 و 66 و دامان باغ، صفحہ 158 وغیرہا، اور جورو بیٹے کا امکان ایک دیوبندی اپنے رسالہ ادلہ واہیہ، صفحہ 142 میں صراحۃً مان گیا دیکھو پیکان جانگداز صفحہ 176۔

(10) یکروزی و مضمون محمود حسن دیو بندی مع دامان باغ سبحٰن السبوح، ص 157

(11) یکروزی و محمود حسن مع پیکان جانگداز، ص 175۔

(12) یکروزی و محمود حسن مع پیکان جانگداز، ص 176۔

(13) یکروزی مع سبحٰن السبوح، ص 83۔

(14) یکروزی مع سبحٰن السبوح، ص 82۔

(15) رسالہ تقدیس دیو بندی، ص 36۔

(16) یہاں سے شروع بیان دیو بندیاں تک سب اقوال تقویۃ الایمان اسمٰعیل دہلوی کے ہیں جو بار ہادکھا کر رَد کردئے گئے۔"

(فتاوٰی رضویہ، جلد15، صفحہ545۔۔۔، رضافائونڈیشن، لاہور)

گھمن صاحب کے نرالے استدلال

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

بریلوی مناظرین یوں کہہ دیتے ہیں جی یہ باتیں آپ کی تحریروں میں تو نہیں ہیں، مگر آپ کی تحریروں سے لازم آتی ہیں تو جواباً ہم عرض کرتے ہیں کہ کبھی وہ دوربین اپنے گھر کی طرف بھی لگائی ہے، اگر نہیں تو عبارات ہم بتلاتے ہیں اور وہ لازم آنے والی دوربین ادھر بھی لگائیں:۔

(1) فاضل بریلوی کنزالایمان میں سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 20 کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: بے شک اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ کنزالایمان، صفحہ 7

(2) فاضل بریلوی لکھتے ہیں: یہ قضیہ بے شک حق تھا کہ جس پر انسان قادر ہے اس متناہی اشیاء پر مولیٰ (عزوجل) قادر ہے۔ اللہ جھوٹ سے پاک ہے، صفحہ 150۔

(3) فاضل بریلوی کے مسلک کے حکیم مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں: انبیاء کرام ارادۃً گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کرسکتے ہیں اور نہ اس کے بعد ہاں نسیاناً خطاءً صادر ہوسکتے ہیں۔ جاء الحق، صفحہ 427۔

اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ فاضل بریلوی کہتے ہیں کبیرہ گناہ سات سو ہیں۔ ملفوظات، صفحہ 137، مکتبۃ المدینہ، کراچی

جب ان لوگوں نے خدا سے لے کر امام اعظم تک کسی کو بھی معاف نہ کیا تو علماء دیو بند رحمۃ اللہ کو کیسے معاف کریں؟ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 56، 57، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے یہاں اپنے مولویوں کی جہالت پر پردہ ڈالنے کے لئے جو بے تکی کوشش کی ہے وہ مضحکہ خیز ہے۔ دو تین حوالے دے کر یہ ثابت کرنا چاہا کہ اس سے بہت کچھ ثابت ہوتا ہے لیکن کچھ ثابت نہیں کر پائے۔ گھمن صاحب کو چاہیے تھا کہ اپنے اوپر ہونے والے اعتراض کو دور کرتا نہ کہ ہم پر باطل الزام لگاتا۔ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کا ترجمہ سے پتہ نہیں گھمن صاحب کیا ثابت کرنا چاہ رہے ہیں شاید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ (عزوجل) جب سب کچھ کرسکتا ہے تو یہ ثابت ہوا وہ

جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ یہ گھمن صاحب کا نرالا استدلال ہوگا کہ اعلیٰ حضرت نے واضح کردیا ہے کہ جھوٹ اللہ (عزوجل) کی ذات سے محال ہے اور تحت قدرت نہیں۔

اعلیٰ حضرت کی جو آدھی عبارت پیش کی گئی وہ پوری یوں ہے: "یہ قضیہ بیشک حق تھا کہ جس پر انسان قادر ہے اس سب اور اس کے علاوہ نامتناہی اشیاء پر مولیٰ (عزوجل) قادر ہے وہ بقدرت ظاہر یہ عطائیہ اور حق بقدرت حقیقیہ ذاتیہ مگر اس حق کو یہ ناحق کوش کس طرح باطل محض کی طرف لے گیا انسان کا کسی فعل کو کرنا کسب کہلاتا ہے انسان کی قدرت ظاہر یہ صرف اس قدر ہے، قدرت حقیقیہ خلق وایجاد میں اس کا حصہ نہیں وہ خاص مولیٰ (عزوجل) کی قدرت ہے، تو اس کلمہ حق کا حاصل یہ تھا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے اللہ (عزوجل) اسکے خلق اور پیدا کرنے پر قادر ہے کہ وہ کسب نہ ہوگا مگر بقدرت خدا اس دل کے اندھے نے یہ بنالیا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے، رحمٰن بھی خود اپنے لئے اس کے کسب پر قادر ہے" سبحٰن اللہ رب العرش عما یصفون "(پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔) اندھے نے نہ جانا کہ کسی کا کسی شے پر قادر ہونا "صحۃ الشیء منہ" ہے نہ کہ "صحۃ الشیء علیہ" اور صاف گھڑ لیا کہ "ما یصح علی العبد یصح علی اللہ" جو بندے پر جاری ہو سکے خدا پر بھی جاری ہوسکتا ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا ضلالت وشیطنت بے انتہا ہے ﴿وَ سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ﴾ اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔"

(فتاوٰی رضویہ، جلد15، صفحہ458، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ایک جگہ فرماتے ہیں: "وجہ سُنئے وہابیہ کے طور پر خدا کیلئے بیٹا ہونا عقلاً محال نہیں ان کا امام صاف مان رہا ہے کہ جو کچھ انسان کرسکتا ہے خدا بھی اپنے لئے کرسکتا ہے تو واجب ہُوا کہ خدا عورت سے نکاح بعدہ جماع بعدہ اس کے رحم میں اپنے نطفے کا ایقاع کرسکے ورنہ قدرت میں انسان سے گھٹ جو رہے گا، اور جب یہاں تک ہولیا تو اب نطفہ ٹھہرانے اور بچّہ بنانے اور پیدا کرانے میں کیا زہر گھل گیا کہ ان سے عاجز رہے گا دنیا بھر کی ماؤں کے ساتھ یہ افعال کررہا ہے، اپنی زوجہ کے بارے میں کیوں تھک رہے گا، آخر وہابیہ کا ایک پُرانا امام ابن حزم غیر مقلّد ظاھری المذھب مدعی عمل بالحدیث منہ بھر کر بک گیا کہ خدا کے بیٹا ہوسکتا ہے۔ ملل ونحل میں کہتا ہے "انہ تعالٰی قادر ان یتخذ ولد اذلو لم یقدر لکان عاجزا" بیشک اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اولاد رکھے کیونکہ اگر اس پر قادر نہ ہوا تو عاجز ہوگا۔"

(فتاوٰی رضویہ، جلد15، صفحہ459، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

مفتی احمد یار خان (رحمۃ اللہ علیہ) کی عبارت پر پتہ نہیں کیا اعتراض کررہے ہے جبکہ مفتی صاحب نے صحیح فرمایا ہے کہ انبیاء

(علیھم السلام) وحی سے قبل قصداً گناہ کبیرہ سے معصوم ہیں۔ گھمن صاحب نام ہی کے متکلم ہیں انہیں علم کلام کی کتب کا پتہ نہیں کہ
اس میں بھی یہی لکھا ہے چنانچہ شرح عقائد نسفیہ میں ہے"ان الانبیاء معصومون عن الکذب خصوصا فیما یتعلق
بامر الشرائع و تبلیغ الاحکام وارشاد الامۃ اما عمدا فبالاجماع واما سھوا فعند الاکثرین و فی عصمتھم عن
سائر الذنوب تفصیل وھو انھم معصومون عن الکفر قبل الوحی و بعدہ بالاجماع و کذا عن تعمد الکبائر عند
الجمھور" یعنی انبیاء (علیھم السلام) جھوٹ سے پاک ہیں خصوصاً ایسا جھوٹ جو شریعت، تبلیغِ احکام، ارشادِ امت کے متعلق
ہو۔ قصداً بالاجماع ممنوع ہے اور غلطی سے سرزد ہونا اکثر علماء کے نزدیک ممکن ہے۔ بقیہ تمام گناہوں کے متعلق تفصیل ہیں۔
انبیاء (علیھم السلام) قبل وحی او بعد وحی کفر سے بالاجماع معصوم ہوتے ہیں اور جمہور علماء کے نزدیک قصداً کبیرہ گناہ سے بھی معصوم
ہوتے ہیں۔ (شرح العقائد النسفیۃ، صفحہ170، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

یہ یاد رہے کہ مفتی احمد یار خان نعیمی (رحمۃ اللہ علیہ) نے صراحت کی ہے کہ حضور (علیہ السلام) کے متعلق امت کا اجماع
ہے کہ آپ سے کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے کوئی بھی صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا۔

انکشافِ حق کا مصنف خلیل احمد بریلوی ہے یا دیوبندی؟

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

بات چل رہی تھی کہ بریلوی زعماء نے فاضل بریلوی کی خوب تردید کی ہے۔ اس میں ایک قابل ذکر
شخصیت مولانا خلیل احمد خان برکاتی ہیں جنہوں نے حق کے بیان کا حق ادا کر دیا اور بتایا کہ فاضل بریلوی نے تکفیر
کر کے غلطی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں دو مسئلے اعلیٰ حضرت نے امت مرحومہ کے سامنے ایسے پیش کئے جو ان سے قبل کسی
امام، عالم، کسی ولی کو نہ سوجھے۔ دونوں مسئلوں کی بناء پر ہندوستان کے مسلمین میں جابجا جھگڑے اور فساد
، نااتفاقیاں، بغض، کینہ، بوگوئی، ایذائے مسلمین وغیبت و بہتان بری طرح پھیلے۔ رب تعالیٰ رحم فرمائے گھر گھر
اختلاف، بھائی بھائی کا دشمن ومخالف بن گیا۔ وہ دو مسئلے جو فاضل بریلوی نے پیش کئے وہ یہ ہیں:۔

(1) تمام علماء دیوبند، تمام علماء مدرسہ قادریہ بدایوں کی تکفیر۔

(2) مسئلہ اذان ثانی یعنی جمعہ کی اذان خطبہ کا باہر یعنی مسجد سے خارج ہونا۔ انکشاف
حق، صفحہ 13، 14۔

ایک جگہ لکھتے ہیں: ان کو قطع و برید وتحریف کا ایسا چسکا پڑ گیا ہے کہ کوئی عبارت کسی کی پوری نقل نہیں

فرماتے۔ علماء بدایوں فاضل بریلوی کے لئے صاف صاف بتا رہے ہیں کہ ان کو قطع و برید وتحریف عبارت غیر کا
چسکا پڑ گیا ہے۔ انکشاف حق، صفحہ 189۔

قارئین ذی وقار! ہم نے اختصار سے حسام الحرمین کا جواب عرض کر دیا ہے کہ جو سلیم الفطرت لوگوں
کے لئے کافی ہے۔ مگر ہماری ٹکر جس گروہ سے ہے وہ سب بھیڑیں ہیں، اس لئے ہمیں تفصیل سے اس پر کچھ لکھنا
ہے۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 57، 58، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب یہ تو ہم ثابت کریں گے کہ اصلی بھیڑیں دیوبندی ہیں اور یہ کس طرح جھوٹ اور تحریفات کا سہارا لیتے
ہیں۔ آج قارئین بھی جان جائیں گے قطع برید کا چسکا اعلیٰ حضرت کو نہیں دیوبندی مولویوں کو ہے۔ یہ جو دو حوالے دے کر گھمن
صاحب نے بڑی چیخ وپکار کی ہے اور مفتی خلیل کا نام پیش کیا اور انکشاف حق کتاب کا حوالہ دیا ہے، اس کی اصل ہم قارئین کو بتاتے
ہیں اور فیصلہ ان پر چھوڑتے ہیں کہ جھوٹا کون ہے اور سچا کون ہے؟ انکشافِ حق کتاب نری جھوٹ وفریب اور دھوکہ دہی ہے جو
دیوبندیوں کی پرانی عادت ہے۔ مولوی خلیل احمد بدایونی بجنوری ایک بھروپیا شخص تھا جو درحقیقت دیوبندی تھا لیکن بریلوی بن کر
دھوکہ دیتا رہا، خود اس کے بیٹے دیوبندیوں، وہابیوں کے مدرسے میں پڑھتے تھے۔ بلکہ خود خلیل احمد بجنوری بھی اہل سنت کے کسی
مدرسہ سے فارغ نہ تھا۔ جب علماء اہل سنت نے اس کی فریب کاریاں دیکھیں تو مفتی اعظم ہند علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی
(رحمۃ اللہ علیہ) نے اس کے متعلق ایک مدلل فتویٰ اس کے غیر سنی ہونے پر تحریر فرمایا جس کی تائید وتصدیق 180 مشہور علمائے
کرام نے کی۔ جب خلیل بجنوری کا بھانڈا پھوٹا تو پھر اس کی دیوبندیت کھل گئی اور اس نے "انکشاف حق" کتاب لکھ کر واضح طور
پر خود کو دیوبندی ظاہر کر دیا۔ خلیل بجنوری کی یہ کتاب نری جاہلانہ تصنیف ہے۔ اس کا مقدمہ بھی تقریباً پچاس صفحات تک دیوبندی
مولویوں کا ہے۔ دنیا کی یہ واحد کتاب ہوگی جو منسوب تو بریلوی عالم کی طرف ہے لیکن اس کے مقدمے دیوبندیوں نے لکھے ہیں
اور یہ کتاب دیوبندی مکاتب سے ہی ملتی ہے اور انٹرنیٹ میں بھی دیوبندی سائیٹس پر ہے۔

مقالات شارح بخاری جلد 2 میں علامہ شریف الحق امجدی (رحمۃ اللہ علیہ) نے خلیل احمد بجنوری کی مکاری کا پردہ
چاک کیا ہے۔

اس "انکشافِ حق" کا تفصیلی جواب بھی سنی عالم دین قبلہ غلام محمد خاں صاحب ناگپوری نے بنام "عجائب انکشاف"
دیا۔ اس میں خلیل احمد بجنوری کی جہالتوں کا علمی رد کیا۔ اس کتاب کے مقدمہ میں مولانا محمد حسن علی رضوی صاحب نے مولوی
خلیل بجنوری کا تعارف پیش کیا ہے، وہ مختصراً قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے:۔

مولانا محمد حسن علی رضوی بریلوی لکھتے ہیں: ''پاکستانی دیوبندیوں وہابیوں نے اپنی دانست میں کوئی بہت بڑا تیر مارا کہ ہندوستان کے ایک قطعی غیر معروف وغیر معتبر وغیر مستند مولوی خلیل بجنوری خودساختہ بدایونی کی ایک پرفریب وشدید مغالطہ آمیز کتاب ''انکشاف حق'' پاکستان میں لاکر فیصل آباد (لائلپور) سے شائع کردی اور بے چارے مولوی خلیل بجنوری کو بریلویوں کا مفتی اعظم اور اعلیٰ حضرت کا پیروکار بنا کر پیش کیا اور شدید مغالطہ دینا چاہا، حالانکہ اکابر ومشاہیر علماء وفقہاء ومشائخ اہل سنت شہزادہ اعلیٰ حضرت شیخ الشیوخ امام العلماء مولانا شاہ محمد مصطفی رضا خان صاحب قبلہ نوری رضوی سجادہ نشین آستانہ عالیہ رضویہ بریلی شریف کو مفتی اعظم مانتے اور کہتے ہیں۔ مولوی خلیل بجنوری کو آج تک سنی بریلوی علماء تو کیا کبھی دیوبندی وہابی مولویوں نے بھی مفتی اعظم نہ مانا نہ لکھا۔ الغرض مولوی خلیل کو رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کیا۔ کیونکہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی غنیمت ہوتا ہے۔ اور پھر مولوی خلیل کو سنی بریلوی اور سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا پیروکار ظاہر کیا گیا، پاک وہند کا کوئی مائی کا لال دیوبندی ثابت نہیں کرسکتا کہ مولوی خلیل بجنوری نے دارالعلوم جامعہ رضویہ منظر اسلام یا رضوی دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں تعلیم حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی ہو یا کسی سنی بریلوی، رضوی دارالعلوم میں تحصیل علم کی ہو یا امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ یا آپ کے صاحبزادگان سیدنا حجۃ الاسلام مولانا محمد حامد رضا خان صاحب بریلوی، سیدنا مفتی اعظم مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہما یا خلفاء وتلامذہ اعلیٰ حضرت میں سے کسی سے شرف بیعت وخلافت اور سند تحصیل علم اس کو حاصل ہو۔ البتہ ابتدائی تعلیم کچھ عرصہ بریلی شریف میں حاصل کی پھر علامہ سید محمد خلیل محدث امروہوی کے مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ چلا گیا اور اس کے بعد مدت مدید گوشہ گمنامی میں رہا اور غالباً جعلسازی اور فریب کاری کی ٹریننگ حاصل کرتا رہا، پھر مولوی ابراہیم میتی پوری فریدی کے توسط سے بڑے مکارانہ انداز میں انتہائی متشدد سنی بن کر 1947ء میں بدایوں میں نمودار ہوا اور سنیوں بریلویوں میں اپنا اعتماد بحال کرنے اور اپنا اثرورسوخ قائم کرنے کے لئے بظاہر بہت سخت گیر اور متصلب سنی بنا رہا اور دھوکہ ومغالطہ دینے کے لئے مارہرہ شریف کے ایک بزرگ حضرت مولانا سید اولاد رسول محمد میاں صاحب مارہروی (رحمۃ اللہ علیہ) کا مرید بھی ہوگیا تاکہ قادری برکاتی ہونے کی ڈگری بھی مل جائے۔

یہ شخص ضلع بجنور کے ایک گاؤں منداور کا ہونے کے باوجود خود کو بدایونی لکھنے لگا۔ جعلسازی کے تحت جس زمانہ میں سخت گیر متشدد سنی بنا ہوا تھا، اپنی نجی محفلوں میں شہزادہ اعلیٰ حضرت سیدنا امام حجۃ الاسلام شیخ الانام شاہ محمد حامد رضا خان

صاحب بریلوی، حضور سیدنا مفتی اعظم امام العلماء مولانا شاہ مصطفی رضا خان صاحب بریلوی، حضور صدر الصدور صدر الشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی صاحب اعظمی رضوی، حضرت صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی قدست اسرارہم جیسے بزرگوں اور اکابر اہل سنت پر خفیہ تنقید کرتا رہتا اور کسی کے پیچھے نماز بھی نہ پڑھتا، بلکہ اپنے آپ کو اپنی خام خیالی میں بڑوں سے بڑا سنی اور اکابرین کا اکابر سمجھتا اور پس پردہ اپنی نجی محفلوں میں بڑی عیاری سے نانوتوی، گنگوہی، تھانوی وغیرہ کی تعریفیں بھی کرتا اور ناواقف لوگوں کے دلوں میں ان کی اہمیت بٹھاتا۔

اکابر علماء اہلسنت ان کی نقل وحرکت اور خفیہ کرتوتوں پر نظر رکھے ہوئے تھے اور اس کے ظاہر وباطن کا بنظر غائر جائزہ لیتے رہے۔ مولوی خلیل بجنوری کی عیاری ومکاری کے بہت سے کوائف ہمیں فقیہ زماں حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر دارالافتاء جامعہ اشرفیہ یونیورسٹی مبارک پور اعظم گڑھ یوپی (تلمیذ ارشد حضرت محدث اعظم پاکستان) اور مولوی خلیل بجنوری کے خصوصی شاگرد حضرت مولانا مظہر حسن برکاتی جو بدایوں ہی کے رہنے والے ہیں اور دوسرے سنی علماء بدایوں سے حاصل ہوئے۔ جب مولوی خلیل بجنوری کی عیاری ومکاری اور فریب کاری کا راز طشت از بام ہونے لگا تو پھر بھی علماء اہلسنت نے تحمل اور ضبط سے کام لیا بالخصوص مولانا قاضی شمس العلماء مفتی شمس الدین رضوی محدث جونپوری (رحمۃ اللہ علیہ)، فقیہ زماں حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی مدظلہ، محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ اعظمی (ابن حضرت صدر الشریعہ)، حضرت علامہ مفتی غلام محمد خان صاحب ناگپوری، حضرت علامہ مفتی رضوان الرحمن، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد مشاہد رضا خان صاحب پیلی بھیتی ابن حضرت شیر بیشہ اہل سنت شیر رضا، اور نبیرہ اعلیٰ حضرت مظہر مفتی اعظم حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان صاحب قادری ازہری فاضل جامع ازہر مصر جیسے جلیل القدر علماء اہلسنت نے مولوی خلیل بجنوری کے پاس آمنے سامنے گفتگو کی شکوک وشبہات ہوتے تو زائل ہوجاتے، مگر مولوی خلیل بجنوری عیاری ومکاری اور فریب کاری کے ایک مستقل پلان اور چارٹ پر عمل کررہا تھا، لہٰذا علماء اہلسنت کی مخلصانہ مساعی کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا، دلائل سے عاجز آگیا۔ آمنے سامنے گفتگو میں منہ پر مہر سکوت لگ گئی مگر وہی مرغ کی ایک ٹانگ ہانکتا رہا ہے۔ مشاہیر وممتاز علماء اہل سنت نے متعدد بار مولوی خلیل بجنوری کی مسجد محلہ سوتھہ بدایوں پہنچ کر اس پر اتمام حجت کیا، ہر بار لاجواب ومبہوت ہوا۔ بدایوں شہر علماء اہل سنت کے نعرہ حق سے گونجنے لگا۔ مولوی خلیل کا عجز اور بے بسی ولاچاری سب پر اچھی طرح ظاہر ہوگئی۔

اس دوران یہ راز بھی منکشف ہوا کہ مولوی خلیل سنیوں کو بہکانے اور ورغلانے کے لئے جو بظاہر پکا سنی بنا ہوا تھا، پس پردہ اس کے دونوں لڑکے دیوبندیوں اور وہابیوں کے مدرسوں میں زیرِ تعلیم ہیں، بڑا لڑکا عتیق احمد مشہور دیوبندی مفتی کفایت اللہ دہلوی کے مدرسہ امینیہ میں اور دوسرا لڑکا فضیل ظفر احمد میاں دارالندہ لکھنو میں زیرِ تعلیم ہے۔

مذکورہ بالا صورتحال سے مولوی خلیل بجنوری کے پیر خانہ مارہرہ شریف خانقاہ عالیہ برکاتیہ قادریہ کے سجادہ نشین صاحب کو بھی آگاہ کیا اور انہوں نے خود براہ راست اور علماء اہل سنت کے توسط سے گفتگو کر کے اچھی طرح یقین کر لیا کہ مولوی بجنوری چھپا رستم ہے۔ بظاہر سنی قادری برکاتی اور اندرون خانہ دیوبندی وہابی بجنوری ہے۔ بالآخر بزم قاسمی برکاتی بدایوں کے اراکین کی طرف سے مولوی خلیل بجنوری سے متعلق ایک اہم استفتاء اکابر علماء اہل سنت مفتیانِ شریعت کی خدمت میں پیش کیا گیا اور 30 ربیع الآخر 1401ھ بروز یک شنبہ حضرت علامہ نازش فقہاء نائب مفتی اعظم هند علامہ متی محمد شریف الحق امجدی (تلمیذ ارشد حضرت سید محدث اعظم پاکستان) صدر دارالافتاء جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے مولوی مذکور پر ایک مدلل و محقق طویل فتویٰ مبارکہ صادر فرمایا جس پر 180 مشہور و ممتاز علماء کرام مفتیانِ عظام اہل سنت کی تائید و تصدیقات ثبت ہیں۔ اور یہ کہ مولوی خلیل بجنوری کے پیر خانہ کے سجادہ نشین صاحب نے اس کے دل و دماغ چھپی ہوئی دیوبندیت و وہابیت اور عقائد باطلہ کے پیش نظر اس کی بیعت کو فسخ کرتے ہوئے سلسلہ عالیہ برکاتیہ سے خارج کر دیا اور یہ متفقہ فتویٰ بنام "شرعی فیصلہ" خدام بزم قاسمی برکاتی نے بدایوں شریف یوپی بھارت سے چھپوا کر اراکین کمیٹی مسجد جعفری عقب گھنٹہ گھر بدایوں یوپی کی طرف سے شائع کر دیا اور بزم قاسمی برکاتی بدایوں اور بزم رضائے مصطفیٰ بدایوں نے اس کی اشاعت میں سرگرم و فعال کردار ادا کیا۔

اور پھر جب عوام و خواص اہلسنت میں مصنوعی سنی جعلی قادری بناسپتی برانڈ برکاتی کا پول کھل گیا، اس کے تمام تر مریدین اس سے منحرف ہو گئے، اس کی ناپاک بیعت کو توڑ کر اہل بدایوں نے شیخ الشیوخ شیخ العلماء حضرت قبلہ مفتی اعظم شہزادہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد مصطفی رضاخان صاحب سجادہ نشین خانقاہ عالیہ رضویہ بریلی شریف کو دعوت دی 9 مارچ 1981ء چار بجے دن حضور سیدنا مفتی اعظم قبلہ شہزادہ اعلیٰ حضرت نے بدایوں میں نزول اجلال فرمایا اور جناب رئیس احمد صاحب کی کوٹھی پر قیام فرمایا اور ہزاروں افراد گروہ در گروہ حاضر ہو کر شرف بیعت سے مشرف ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ میں داخل ہوئے اور مولوی خلیل بجنوری کے منحرف سیکڑوں مریدین بھی سیدنا مفتی اعظم قدس سرہ العزیز سجادہ نشین بریلی کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔" (مقدمہ عجائبِ انکشاف، صفحہ 49---مجلس اتحادِ اسلامی، کراچی)

چلو ایک لمحہ کے لئے مان لیا جائے کہ مولوی خلیل دیوبندی نہیں سنی تھا تو جب اس نے حسام الحرمین کا انکار کیا تو سنی کا ہے کا رہا؟ اگر کوئی سنی معاذ اللہ دیوبندی یا وہابی ہو جائے تو اس سے حسام الحرمین کی حیثیت کو کیا فرق پڑتا ہے؟ کئی ایسے سنی علماء ہیں جو پہلے دیوبندی یا وہابی تھے بعد میں سنی ہو گئے جیسے مولانا حشمت علی خان پہلے اشرف علی تھانوی کے مرید حافظ عبدالغفار سے پڑھتے تھے لیکن جب اعلیٰ حضرت کی تصنیف "تمهيد الايمان" پڑھی تو دیوبندیت چھوڑ کر ایسے سنی عالم بنے کہ دیوبندیت و وہابیت کا رد کرتے رہے۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی بھی دیوبندی مدرسہ میں پڑھتے تھے بعد میں زبردست سنی بنے کہ رد وہابیت کرتے رہے۔ صاحبزادہ سید فیض الحسن آلو مہار دیوبندی وہابی مجلس احرار کی روح رواں تھے، دیوبندی امیر شریعت مولوی عطاء اللہ بخاری اور دوسرے اکابر دیوبند کے ساتھ ان کے گہرے قریبی روابط و مراسم تھے بالآخر محدث اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد صاحب قدس سرہ کی برکت سے اور حضرت علامہ ابوداؤد مولانا الحاج محمد صادق صاحب کی محنت و کوشش سے یہ بھی دیوبند کی گستاخانہ عبارات پر ان کی تکفیر کرنے لگے۔ مولانا معین الدین نزهت مراد آبادی حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے والد ماجد تھے مگر بانی مدرسہ دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی کے مرید ہو گئے تھے، پھر جب انہیں تحذير الناس کی کفریہ عبارات دکھائی گئیں تو انہوں نے نانوتوی کی بیعت فسخ کی اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (رحمة الله عليه) کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور حسام الحرمین کی تائید کی۔ اب اگر ان علماء کی پچھلی زندگی کو کوئی دیوبندی وہابی اپنے مذہب پر حجت بنائے تو اسے بیوقوف ہی کہیں گے، اسی طرح اگر کوئی سنی سے وہابی، دیوبندی ہو جائے تو ہم اہل سنت اس کی زمانہ سنیت کی زندگی کو حجت نہیں بنائیں گے بلکہ اسے مردود ٹھہرائیں گے۔ لہٰذا اگر خلیل بجنوری سنی بھی تھا تو حسام الحرمین کی تائید نہ کر کے سنی نہ رہا، اب اس کا قول و فعل ہم پر حجت نہیں۔

پھر دیوبندی خلیل بجنوری کا بڑا جھوٹ و بہتان دیکھیں کہ یہ لکھ دیا کہ اعلیٰ حضرت نے تمام علماء مدرسہ قادریہ بدایوں کی تکفیر کی ہے جبکہ یہ صریح بہتان ہے۔ دوسرا اعلیٰ حضرت پر یہ بہتان باندھا کہ ان کا جمعہ کی اذانِ ثانی کے مسجد سے باہر پڑھنے کے فتوی نے ہندوستان میں انتشار پھیلایا، جبکہ یہ انتشار کا باعث نہیں بلکہ اصلاح کا باعث ہوا اور آپ نے کثیر دلائل سے واضح کیا کہ مسجد میں اذان دینا خلافِ سنت ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ اہل سنت کا ایک مستند عالم و مفتی حضور قبلہ مفتی محمد خلیل خان برکاتی قادری ہیں۔ ان کے بھی مرشد حضور سید محمد میاں (رحمة الله عليه) تھے اور یہی خلیل بجنوری کے سابقہ مرشد تھے۔ دیوبندی خلیل بجنوری کے ساتھ بھی برکاتی

لکھ کر مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ عام لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ مفتی خلیل وہی اہل سنت کا مفتی خلیل خان برکاتی ہے جبکہ اہل سنت کے مفتی محمد خلیل خان برکاتی صاحب واضح انداز میں اکابر دیوبند کی تکفیر کرتے تھے چنانچہ اپنے فتاوٰی خلیلیہ میں فرماتے ہیں: ''یہ نانوتوی صاحب وہی ہیں جو اپنی کتاب میں صاف لکھ چکے ہیں کہ خاتم النبیین کے معنی سب سے پچھلا نبی سمجھنا جاہلوں کا خیال ہے اہل فہم کا نہیں ہے۔ اسے فضیلت میں کچھ دخل نہیں، ایسے ویسوں کے اوصاف کی طرح ہے وغیرہ وغیرہ اور اس عبارت میں تو اندر کے دل کی لاکر کھول دی۔ ظاہر ہے کہ جب بعد زمانہ اقدس کوئی نبی پیدا ہوا تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب سے آخری نبی نہ ہوں گے۔ اس سے صاف روشن ہے کہ خاتم النبیین سے نانوتوی صاحب نے مطلقاً کفر کیا اور اسی کتاب میں ختم زمانی کی نسبت خود کہا تھا اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ تو اپنے منہ آپ ہی کافر ہوئے یا نہیں؟ تو علماء اہلسنت اور مسلمانوں نے اس سے بڑھ کر نانوتوی صاحب کو اور کیا کہا ہے جس پر ان کے چیلوں نے غل مچا رکھا ہے؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی خلیلیہ، جلد 1، صفحہ 168، ضیاء القرآن، لاہور)

براھین قاطعہ کی کفریہ عبارت پر کلام کرتے ہوئے مفتی خلیل صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ''اکابر وہابیہ کا یہ وہ کفر ہے جو عرب تا عجم، ہند تا حرم طشت از بام ہے اور اس کا کفر قطعی ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ اس عبارت میں وسعت علم کو حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے ماننا ایسا شرک کہا جس میں ایمان کا کوئی حصہ نہیں۔۔۔''

(فتاوی خلیلیہ، جلد 1، صفحہ 168، ضیاء القرآن، لاہور)

اشرف علی تھانوی کی کفریہ عبارت پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تھانوی نے اس عبارت میں صاف صاف کھلے لفظوں میں علم غیب کی دو قسمیں کیں، ایک محیط کل کا علم، جو ہر غیب کو تفصیلاً محیط ہو، جس سے ایک بھی فرد خارج نہ رہے۔ اور حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے اس کا ثبوت عقلاً ونقلاً، عقلی ونقلی دلیلوں سے باطل مانا۔ اور دوسرا علم بعض غیب۔ اس کو رسول کے لئے وہ ثابت مان سکتا ہے کہ اول کو عقل ونقل سے باطل کہہ چکا ہے، اب یہی علم غیب کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے ہے اسی کو کہتا ہے کہ ''اس میں حضور (علیہ السلام) کی کیا تخصیص، ایسا علم تو ہر بچے، پاگل، چوپائے کو ہوتا ہے۔ نبی اور ان میں وجہ فرق کیا ہے۔'' مسلمانوں یہ حرف بہ حرف اس کے لفظوں کا کھلا مفاد ہے۔ اسی کی نسبت تھانوی نے ایک خانگی سوال گڑھا اور اسکا جواب بسط البیان میں دیا اور صاف صاف بحمد اللہ تعالیٰ خود اپنے کفر کا اقرار کرلیا۔ یہی حکم حرمین طیبین کے علمائے اہل سنت نے دیا۔ یہ اس کفر پر پردہ ڈالتے ہیں مگر جس کے دل میں ذرہ بھر انصاف ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ یہ مونہہ بھر کی گالی ہے اور یقیناً کفر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی خلیلیہ، جلد 1، صفحہ 169، ضیاء القرآن، لاہور)

''انکشافِ حق'' کتاب کے جھوٹ و باطل ہونے پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ اس میں لکھا ہے کہ ظفر الدین بہاری (رحمۃ اللہ علیہ) بھی اعلیٰ حضرت کے دیوبند کی تکفیر کے فتویٰ کو درست نہ مانتے تھے چنانچہ انکشافِ حق کے صفحہ 13 پر لکھا ہے: ''احمد رضا خاں صاحب کے کئی قریبی لوگ مثلاً مولانا ظفر الدین بہاری المعروف بہ ملك العلماء وغیرہ تکفیر کے فتویٰ کو درست نہ جانتے تھے۔''

(انکشافِ حق، صفحہ 12، انجمن اہلسنت والجماعت، ممبئی)

جبکہ ظفر الدین بہاری (رحمۃ اللہ علیہ) خود اہل سنت کی طرف سے وہابی دیوبندیوں اور دیگر گمراہ فرقوں سے مناظرہ کرتے رہے ہیں۔ ظفر الدین بہاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد 2، صفحہ 210 سے لے کر 238 تک اسماعیل دہلوی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی اور اشرف علی تھانوی کا شدومد سے رد کیا اور ان کے کفریات کو نقل کیا ہے۔ نانوتوی صاحب کے کفر کے متعلق لکھتے ہیں: ''انہیں جیسے کلمات کفریہ کی وجہ سے کہ ان عبارتوں میں صاف خاتم النبیین کا انکار ہے اور ہر طبقہ زمین میں ایک رسول خاتم الانبیاء ماننا ہے۔ علماء اسلام نے نانوتوی صاحب کے کفر کا فتویٰ دیا اور ان کے رد میں مضامین لکھے، کتابیں تصنیف فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت نے ابھی ان کے رد میں بارہ 12 کتابیں تصنیف وتالیف کیں۔''

(حیاتِ اعلی حضرت، جلد 2، صفحہ 226، کشمیر انٹرنیشنل پبلیشرز، لاہور)

ظفر الدین بہاری (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں: ''وہابیہ کی دوسری شاخ دیوبندی ہے۔ اس نے اللہ (عزوجل) ورسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان میں سخت توہین وتنقیص کے کلمات لکھے، چھاپے، جس کی وجہ سے علمائے حرمین شریفین نے دیوبندی کی تکفیر فرمائی۔ مطالعہ ہو رسالہ مبارکہ حسام الحرمین۔ ان دونوں شاخوں کے عقائد وخیالات رسالہ الاستمداد میں بحوالہ کتب وہابیہ جمع کردیئے گئے ہیں۔''

(فتاوی ملك العلماء، صفحہ 229، نوری کتب خانہ، لاہور)

المختصر یہ کہ دیوبندیوں کا خلیل بجنوری دیوبندی کو سنی بنا کر پیش کرنا اور جگہ جگہ اس کی مردود کتاب **''انکشافِ حق''** کا حوالہ دینا دھوکہ دہی ہے۔ دیوبندیوں سے گزارش ہے کہ اب آپ بڑے ہو جائیں یہ بچگانہ حرکتیں چھوڑ دیں۔ یہ پندرہویں صدی ہے، اب یہ جھوٹ وفریب نہیں چلے گا۔ ہر کوئی چوزہ نہیں ہوتا جو دیوبندی چوزے بنے ہوئے ہیں انہی کو چوزے بنائیں۔

حضور (علیہ السلام) کا اپنی امت کے احوال پر باخبر ہونا کیا شدید توہین ہے؟

گھمن صاحب نے مزید کئی صفحات پر بلاوجہ فلسفہ جھاڑا اور یہ باور کروایا کہ اہل دیوبند کے نزدیک بھی گستاخِ رسول کافر ہے۔ پھر الٹا اہل سنت وجماعت کو گستاخِ رسول ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اہل بدعت حضرات ایسی صفات آپ علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں جو آپ کی ہیں ہی نہیں اور

کذب بنتی ہیں اور ساتھ ساتھ وہ تحقیر وتوہین پر بھی مشتمل ہیں۔ مثلاً مفتی احمد یار نعیمی گجراتی لکھتا ہے: تاریک راتوں میں تنہائی کے اندر جو کام کیے جاویں وہ بھی نگاہ مصطفیٰ علیہ السلام سے پوشیدہ نہیں۔ جاء الحق، صفحہ 72۔

دوسری جگہ یہی مفتی صاحب لکھتے ہیں: ہم لوگ گھر کی کوٹھڑی میں چھپ کو جو کام کریں وہ بھی حضور علیہ السلام کی نظر سے غائب نہیں۔ شان حبیب الرحمٰن، صفحہ 34، آیت نمبر 15۔

یہ کہیں بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں اور نہ کسی ذمہ دار عالم نے اور نہ کسی فقیہ نے مگر مفتی صاحب جھوٹ پر جھوٹ بولتے چلے گئے اور ہمارے خیال میں اس میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید توہین وتحقیر ہے کہ رات کو چھپ کر میاں بیوی گھر میں ہمبستری کریں اور نبی پاک علیہ السلام اس ننگی حالت میں ان کو دیکھیں العیاذ باللہ۔ کوئی مولوی پیر یہ بات اپنے لئے گوارا نہیں کرے گا اور کہے گا کہ تم نے میری توہین کردی مگر نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کیسے برداشت کرلی گئی؟ ہم برملا یہ اعلان کرتے ہیں یہ صفات آپ علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا کذب اور توہین ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 64، 65، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

دیوبندی مذہب پر ہزار تف ہے کہ ان کے نزدیک حضور (علیہ السلام) کے علم شیطان سے کم ہونا، نبی (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں پاگلوں کے برابر ٹھہرانا عین ایمان بلکہ ایمان فروز باتیں ہیں اور حضور (علیہ السلام) کا اپنی امت کے احوال پر باخبر ہونا شدید توہین ہے۔ پتہ نہیں دیوبندیوں کے ہاں توہین کس چیز کا نام ہے؟ حضور (علیہ السلام) کا اپنی امت کے اعمال واحوال دیکھنا قرآن وحدیث اور علمائے اسلاف سے ثابت ہے۔ قرآن پاک کی یہ آیت دلیل ہے ﴿یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

(سورة الاحزاب، سورة 33، آیت 45)

طبرانی، حلیة الاولیاء کتاب الفتن کی حدیث پاک ہے "عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله عز وجل قد رفع لي الدنيا فأنا أنظر إليها وإلى ما هو كائن فيها إلى يوم القيامة كأنما أنظر إلى كفي هذه، جليان من أمر الله عز وجل جلاه لنبيه كما جلاه للنبيين قبله" ترجمہ: بیشک اللہ نے میرے سامنے دنیا اٹھائی تو میں دیکھ رہا ہوں دنیا اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کچھ، ایسا جیسا کہ اپنی اس ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔ یہ اللہ کی طرف سے روشنی ہے جو اس نے میرے لئے کی ہے جیسے مجھ سے پہلے انبیاء کے لئے کی تھی۔

(حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، فمن الطبقة الأولى من التابعين، حدير بن كريب۔۔، جلد6، صفحہ 101، دار الكتب العلمية، بیروت)

امام جلا ال الدین سیوطی (رحمة الله علیه) الحاوی للفتاوٰی میں لکھتے ہیں "قال المتكلمون المحققون من أصحابنا أن نبينا صلى الله عليه وسلم حي بعد وفاته، وأنه يسر بطاعات أمته ويحزن بمعاصي العصاة منهم" ترجمہ: ہمارے اصحاب میں سے محقق متکلمین فرماتے ہیں کہ نبی اکرم (صلی الله علیه وآله وسلم) اپنی وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اور اپنی امت کی نیکیوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور امت کے گناہگاروں کے گناہوں پر غمگین ہوتے ہیں۔

(الحاوی للفتاوی، کتاب البعث، سبحث النبوات، جلد2، صفحہ180، دار الفکر، بیروت)

صاحب روح البیان علامہ اسماعیل حقی (رحمة الله علیه) فرماتے ہیں "ومعنى شهادة الرسول عليهم اطلاعه على رتبة كل متدين بدينة وحقيقة التي هو عليها من دينه وحجابه الذى هو به محجوب عن كمال دينه فهو يعرف ذنوبهم وحقيقة ايمانهم واعمالهم وحسناتهم وسياتهم واخلاصهم ونفاقهم وغير ذلك بنورالحق" ترجمہ: مسلمانوں پر حضور اقدس (صلی الله علیه وآله وسلم) کی شہادت کے یہ معنی ہیں کہ حضور اکرم (صلی الله علیه وآله وسلم) ہر دین دار کے دین کے مرتبوں پر اور وہ اپنے دین میں جس حقیقت پر ہیں اس پر اور وہ حجاب جس کے سبب دین کے کمال سے محجوب ہوگیا ہے سب پر مطلع اور خبردار ہیں۔ تو وہ امت کے گناہوں، ان کے ایمان کی حقیقتوں، ان کے اعمال، ان کی نیکیوں، برائیوں اور ان کے اخلاص ونفاق، سب کو نور حق کے ذریعہ جانتے پہچانتے ہیں۔

(روح البیان، فی تفسیر، سورة البقرة، سورت2، آیت 143، جلد1، صفحہ248، دار الفکر، بیروت)

امام ابن حاج مکی المدخل میں اور امام احمد قسطلانی مواهب لدنیه شریف میں فرماتے ہیں "قد قال علماؤ نار حمهم الله تعالى ان الزائر يشعر نفسه بانه واقف بين يديه صلى الله تعالى عليه وسلم كما هو في حياته اذلافرق بين موته وحياته صلى الله تعالى عليه وسلم اعنى فى مشاهد ته لا مته و معرفته باحوالهم ونيّا تهم وعزائمهم وخواطر هم وذلك عنده جلى لا خفاء فيه فإن قلت :هذه الصفات مختصة بالله تعالى .فالجواب :إن من انتقل إلى عالم البرزخ من المؤمنين يعلم أحوال الأحياء غالبا" ترجمہ: بے شک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زائر اپنے نفس کو آگاہ کردے کہ وہ حضور اقدس (صلی الله علیه وآله وسلم) کے سامنے حاضر ہے جیسا کہ حضور کی حیاتِ ظاہر میں، اس لیے کہ حضور اقدس (صلی الله علیه وآله وسلم) کی حیات ووفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں، نیتوں، ارادوں اور دل کے خطروں کو پہچانتے ہیں اور یہ سب حضور پر روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔ اگر تو

کہے کہ یہ صفات تو رب تعالیٰ کے ساتھ متصف ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ مومنین میں سے کوئی جب عالم برزخ میں منتقل ہوتا ہے تو وہ غالباً زندوں کے احوال جانتا ہے۔

(المواهب اللدنية ،المقصد العاشر ،الفصل الثاني ،جلد3،صفحه595،المكتبة التوفيقية، القاهرة،مصر)

اس پر کثیر دلائل علماء کرام نے دیئے ہیں کہ اللہ (عزوجل) کی عطا سے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دنیا کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ پھر بھی وہابی نہیں مانتے تو لیجئے شیخ شیوخ علمائے ہند مولانا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کا کلام پیش خدمت ہے کہ وہ مدارج شریف میں فرماتے ہیں "ذکر کن اُو را و درود بفرست بروے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وباش در حال ذکر گویا حاضر ست پیش او در حالتِ حیات و می بینی تو او را متادب باجلال و تعظیم و هیبت و امید بداں که وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم می بیند و می شنود کلام ترا زیرا که وے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متصف است بصفات اللّٰہ ویکے از صفات الهی آنست که انا جلیس من ذکرنی" ترجمہ: ان کی یاد کر اور ان پر درود بھیج، ذکر کے وقت ایسے ہو جاؤ گویا تم ان کی زندگی میں ان کے سامنے حاضر ہو اور ان کو دیکھ رہے ہو، پورے ادب اور تعظیم سے رہو، ہیبت بھی ہو اور امید بھی، اور جان لو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) **تمہیں دیکھ رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں۔** کیونکہ وہ صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہیں اور اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ جو مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔

(مدارج النبوۃ، باب یازدہم، جلد2، صفحہ261، مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر)

دیوبندی ایڈووکیٹ محمد عبدالمجید صدیقی اپنی کتاب "عین الیقین" میں احتشام الحسن کاندھلوی دیوبندی کے حوالے سے لکھتا ہے: "جمہور علماء محققین کا بیان ہے کہ حضرت پیغمبر اعظم و آخر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ابداً ابداً الی یوم القیامۃ کی حیات اور وفات میں کوئی فرق نہیں۔ **آپ اب بھی اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں**، ان کی حالتوں، نیتوں، ارادوں اور دل کے خیالوں تک سے اللہ پاک نے آپ کو باخبر کیا ہوا ہے اور یہ سب امور آپ پر اس طرح روشن اور واضح فرمائے ہوئے ہیں کہ ان میں کوئی پوشیدگی باقی نہیں۔ پس اس بارگاہ عالی کی حضوری میں حرکات وسکنات اور نیات وخیالات تک کی سخت نگرانی اور نگہبانی کرو۔ تجلیات مدینہ، از الحاج مولانا احتشام الحسن کاندھلوی، صفحہ 90۔"

(عین الیقین، صفحہ23، مطبع فیروز سنز، لاہور)

باقی جو گھسن صاحب نے جو جماع کرتے ہوئے دیکھنے کا گندہ مطلب نکال کر بلاوجہ صحیح نظریہ کو گستاخی ٹھہرایا۔ اس کا مختصر اور جامع جواب پیش خدمت ہے:۔

قرآن پاک میں اللہ (عزوجل) فرماتا ہے ﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ

مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جائے۔

(سورۃ الانعام، سورۃ6، آیت75)

اس آیت کی تفسیر میں درمنثور اور سمرقندی وغیرہ میں ہے "روى عن عطاء أنه قال :لما رفع إبراهيم في ملكوت السماوات، أشرف على عبد يزني فدعا عليه، فهلك .ثم أشرف على آخر يزني فدعا عليه، فهلك .ثم رأى آخر فأراد أن يدعو عليه، فقال له ربه عز وجل : يا إبراهيم، فإنك مستجاب لك، وإني من عبدي على إحدى ثلاث خلال :إما أن يتوب فأتوب عليه، وإما أن أخرج منه ذرية طيبة، وإما أن يتمادى فيما هو فيه، فأنا من ورائه أي أنا قادر عليه" یعنی حضرت عطاء (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں میں اٹھایا گیا تو انہوں نے ایک بندے کو زنا کرتے ہوئے ہوئے دیکھا تو اس پر دعا کی تو وہ زانی مر گیا۔ پھر دوسرے بندے کو زنا کرتے دیکھا تو اس پر بھی دعا کی تو وہ بھی مر گیا۔ پھر تیسرے کو یہی زنا کرتے دیکھا تو اس پر دعا کرنے کا ارادہ کیا تو رب تعالیٰ نے فرمایا: اے ابراہیم (علیہ السلام) تیری دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ بے شک میرے بندے کی تین حالتیں ہیں: یا تو وہ توبہ کرتا ہے تو میں اس کی توبہ قبول کرتا ہوں، یا اس کی اولاد میں نیک اولاد پیدا کرتا ہوں یا وہ جس کام میں لگا ہوتا ہے اسے اسی میں چھوڑ دیتا ہوں اور میں اس پر قادر رہوں۔

(بحر العلوم، فی تفسیر، سورۃ الانعام، سورۃ6، آیت75)

یہاں ابراہیم (علیہ السلام) کو یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ زنا ہے میاں بیوی نہیں ہیں۔ اب گھسن صاحب کیا کہیں گے کہ یہاں کیا معاذ اللہ ابراہیم (علیہ السلام) ان لوگوں کو زنا کرتے دیکھتے رہے؟ نہیں نہیں بالکل نہیں۔ یہاں آپ نے سر کی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا یا بطور کشفیہ اس پر دونوں روایتیں ہیں۔ اگر سر کی آنکھوں کو مراد لیا جائے تو اس میں صرف وہ چیزیں دیکھنا آتا ہے جسے دیکھنا عقلاً اور عرفاً صحیح ہو یعنی ستر عورت اس میں نہیں آتا جیسا کہ حضور (علیہ السلام) کے دیکھنے کے متعلق بخاری شریف کی حدیث پاک ہے کہ آپ نے نماز کے دوران جنت و دوزخ کا ملاحظہ فرمایا اس کے تحت امام قسطلانی فرماتے ہیں "(ما من شيء لم أكن أريته) بضم الهمزة أي مما يصح رؤيته عقلا كرؤية الباري تعالى ويليق عرفا مما يتعلق بأمر الدين وغيره (إلا رأيته) رؤية عين حقيقة حال كوني (في مقامي)" یعنی کوئی ایسی شے نہیں جو دیکھی جا سکتی ہو یعنی جس کا دیکھنا عقلاً صحیح ہو (صرف اسے دیکھا) جیسے اللہ (عزوجل) کا دیکھنا ہے اور جس کا تعلق دین کے ساتھ ہو وغیرہ۔ میں نے اس شے کو دیکھا یعنی اس مقام پر کھڑے ہو کر حقیقی طور پر دیکھا۔

(إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري، كتاب العلم، جلد1، صفحه184، المطبعة الكبرى الأميرية، مصر)

اگر رؤیت کشفیہ مراد ہے تو اسمیں ان دونوں کا بھی استثناء نہیں ہوتا بلکہ سب کچھ دیکھنا مراد ہوتا ہے اور دیکھنے سے مراد حقیقی دیکھنا نہیں ہوگا۔ لہٰذا اہل سنت کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں کہ حضور (علیہ السلام) میاں بیوی کے معاملہ کو دیکھتے ہیں۔ حضور (علیہ السلام) وہ دیکھتے ہیں جس کا دیکھنا عقلاً و عرفاً صحیح ہو۔

اللہ عزوجل مخلوق کے اعمال سے باخبر ہے تو کیا کوئی دیوبندی یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ میاں بیوی کو ہمبستری کرتے بھی دیکھتا ہے۔ نعوذ باللہ۔

گھمن صاحب نے مزید صفحے اس پر بڑھائے کہ نبی (علیہ السلام) کی شان میں گستاخی کرنا کفر ہے اور اس پر اپنے مولویوں کے اقوال بھی پیش کئے تا کہ پتہ چل جائے دیوبندیوں میں بھی گستاخی رسول کو کافر ہی کہا جاتا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ گستاخی کرنے والا دیوبندی نہ ہو، اگر دیوبندی ہو تو پھر اس کے مقتدا تاویلیں کر لیتے ہیں اور جو انہیں کافر کہے اسے انگریزوں کا ایجنٹ قرار دے دیتے ہیں۔

حضور (علیہ السلام) کو راعی کہنا کیسا؟

پھر بے ربط کتاب میں گھمن صاحب لکھتے ہیں:

قارئین ذی وقار! اب ہم بریلوی مسلک کے ہاں بھی توہین رسالت کا مسئلہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں چونکہ ایک دھوکہ یہ لوگ یہ بھی دیتے ہیں کہ ہم عاشق ہیں۔ آج کی تحریر سے یہ واضح ہو جائے گا کہ عشق رسالت کے محض نعرے ہیں حقیقت کچھ نہیں۔

(1) بریلوی جید عالم احمد سعید کاظمی صاحب لکھتے ہیں: صریح توہین میں نیت کا اعتبار نہیں۔ راعنا کہنے کی ممانعت کے بعد اگر کوئی صحابی نیت توہین کے بغیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راعنا کہتا تو وہ ﴿وَاسۡمَعُوۡا وَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ کی قرآنی وعید کا مستحق قرار پایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ نیت توہین کے بغیر بھی حضور کی شان میں توہین کا کلمہ کہنا کفر ہے۔ گستاخ رسول کی سزا قتل، صفحہ 24۔

یعنی اب جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راعی کہے وہ کافر ہے۔

(2) سوال: اگر کوئی شخص سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امت کا چرواہا کہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: یہ توہین آمیز لفظ ہے۔ کہنے والا توبہ و تجدید ایمان کرے۔ کفریہ کلمات کے بارے میں سوال

وجواب۔ از الیاس عطار، صفحہ 204

(3) مولوی فیض احمد اویسی صاحب بہاولپوری لکھتے ہیں: اللہ جل شانہ کو گوارنہ ہوا، اس لئے راعنا بولنے سے نہ صرف روک دیا بلکہ آئندہ یہ لفظ بولنے والا نہ صرف کافر بلکہ سخت عذاب میں مبتلا کرنے کی وعید شدید بتائی اور سنائی۔ بے ادب بے نصیب، صفحہ 15۔

راعی کا لفظ بولنے پر اویسی صاحب کفر کا فتویٰ دے رہے ہیں۔

اب آیئے! فاضل بریلوی کے ہاں چلتے ہیں وہ لکھتے ہیں: اللہ کا محبوب امت کا راعی کس پیار کی نظر سے اپنی پالی ہوئی بکریوں کو دیکھتا اور محبت بھرے دل سے انہیں حافظ حقیقی کے سپرد کر رہا ہے۔ ختم النبوۃ، صفحہ 71۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: اس کے سچے راعی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ اللہ جھو، سے پاک ہے، صفحہ 111۔

اب بریلوی کبھی بھی اس اصول کی طرف نہیں آئیں گے کیونکہ پتہ ہے کہ یہ لفظ جس پر فتویٰ کفر ہم نے دیا ہے وہ فاضل بریلوی صاحب نے لکھا ہے۔ یہ ہے ان کے عشق و محبت کے جھوٹ کی داستان۔ شاید کوئی کہے کہ فتویٰ کفر تو لفظ راعنا پر ہے اور فاضل بریلوی نے راعی لکھا ہے تو جواباً عرض ہے کہ راعنا معنی ہمارا چرواہا اور راعی کا معنی چرواہا، اور ہمارا چرواہا کہنے سے صرف چرواہا کہنا زیادہ سخت ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 74، 75، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

اعلیٰ حضرت نے دیوبندی وہابیوں کی ایسی مت ماری ہے کہ یہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے اور زبردستی یہ باور کرواتے ہیں کہ دیوبندی عاشق ہیں اور اہل سنت و جماعت گستاخ و مشرک و بدعتی ہیں۔ اس پر یہ دیوبندی اور وہابی اس طرح کی ہیرا پھیری کرتے ہیں اور مختلف پیرائے میں کی گئی باتوں کو جوڑ کر گستاخی ثابت کرتے ہیں۔ جبکہ ان کے گھر سے گواہی ہے کہ اعلیٰ حضرت کبھی گستاخِ رسول نہیں ہو سکتے چنانچہ وہابیہ دیوبندیہ کے مذہب کے امام ابوالکلام آزاد نے کہا: ''مولانا احمد رضا خان ایک سچے عاشقِ رسول گزرے ہیں، میں تو یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ ان سے توہینِ نبوت ہو۔''

(بحوالہ امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، صفحہ 96)

گھمن صاحب کو اتنا پتہ نہیں کہ راعی کا معنیٰ صرف چرواہا نہیں ہے بلکہ راعی نگہبان، مہربان، حاکم وغیرہ کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ المنجد میں راعی کا معنیٰ یوں بیان کیا گیا ہے ''الراعی: بہت الفت کرنے والا حاکمِ قوم۔''

(المنجد، صفحہ 299، خزینۃ علم و ادب، لاہور)

چرواہے کا معنیٰ یوں بیان کیا گیا ہے"راعی الماشیۃ: چرواہا۔ مویشی کا نگہبان۔

(المنجد، صفحہ299، خزینۃ علم و ادب، لاہور)

حضور(علیہ السلام) اپنی امت کے نگہبان، اپنی امت پر مہربان ہیں۔ اگر کوئی حضور(علیہ السلام) کو راعی کہے گا تو یہ دیکھا جائے گا اس نے کس پیرائے میں کہا ہے، اگر کسی نے آقا(علیہ السلام) کو امت کا راعی کہا تو اس کا فقط یہی معنی ہو گا امت کا نگہبان، مہربان۔ یہی اعلیٰ حضرت کے فرمان کا مطلب ہے۔ اس معنی کو مزید دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے:۔

راعی کے نگہبان معنی ہونے پر مسلم شریف کی حدیث پاک ہے"عن ابن عمر، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم أنہ قال :ألا کلکم راع، وکلکم مسئول عن رعیتہ۔۔۔"ترجمہ: حضرت ابن عمر(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: تم سب نگہبان ہو اور تم سے تمہاری رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔

(صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الإمام العادل۔۔، جلد3، صفحہ1459، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

حضرت عمر فاروق(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو امت کا راعی کہا گیا ہے چنانچہ الشیخ احمد المحلاوی اپنی کتاب بشریات السلامۃ من أهوال القیامۃ میں لکھتے ہیں"روی (ابن سعد) فی طبقاتہ أن عمر رضی اللہ عنہ کان فی سفر، فلما کان قریبًا من الروحاء سمع صوت راعٍ فی جبل، فعدل إلیہ ونادی عمر :یا راعی الغنم، فقال لہ الراعی وقد عرفہ: نعم یا راعیھا؛ یعنی یا راعی الأمۃ۔۔۔ إن سیرۃ عمر رضی اللہ عنہ شاھدٌ صدقٍ علی أن الوالی المسلم راعٍ مشفق" یعنی طبقات ابن سعد میں مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایک مرتبہ سفر میں جب روحاء کے قریب پہنچے تو پہاڑ میں چرواہے کی آواز سنی تو اس کی طرف چل پڑے اور حضرت عمر فاروق نے پکارا، اے بکریوں کے چرواہے۔ چرواہے نے حضرت عمر فاروق(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو پہچان لیا اور کہا جی اے راعی یعنی اے امت کے راعی۔ بے شک سیرت عمر فاروق(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس پر سچی دلیل ہے کہ مسلمانوں کا والی نگہبان اور شفیق ہوتا ہے۔ (بشریات السلامۃ)

حاکم کے معنیٰ میں بھی راعی استعمال ہوتا ہے چنانچہ یک روایت میں اللہ(عزوجل) کو راعی کہا گیا ہے چنانچہ التمھید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید میں ابوعمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی (المتوفی463ھ)، اعلام النبوۃ میں ابو الحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی، تاریخ دمشق میں ابن عساکر، الکامل فی التاریخ میں ابن الأثیر، العقد الفرید میں ابن عبدربہ الأندلسی، الإستیعاب فی معرفۃ الأصحاب میں ابن عبدالبر نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق ساتھ تھے کہ حضرت عباس(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بارش کے لئے دعا کی جس میں یہ بھی فرمایا"اللھم أنت الراعی"ترجمہ: اے ہمارے رب تو راعی ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب، جلد2، صفحہ816، دار الجیل، بیروت)

احیاء العلوم میں امام غزالی(رحمۃ اللہ علیہ) یہ دعا نقل کرتے ہیں"اللھم أصلح الراعی والرعیۃ"ترجمہ: اے ہمارے رب! حاکم اور رعایا کی اصلاح فرما۔ (إحیاء علوم الدین، جلد1، صفحہ169، دار المعرفۃ، بیروت)

پتہ چلا کہ حضور(علیہ السلام) کو راعی کہنا کفر نہیں بلکہ راعی کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے جو حضور(علیہ السلام) کو راعی کہا اس سے مراد شفیق حاکم و نگہبان ہے۔ البتہ حضور(علیہ السلام) کو چرواہا کہنا یا اس پیرائے میں راعی کہنا جس میں چرواہے کا معنی پیدا ہوتا ہو تو وہ ضرور کفر ہے اور ایسا اعلیٰ حضرت اور علمائے اہلسنت نے ہرگز نہیں کہا ہے۔

حضور(علیہ السلام) کو"تو" کہنا بے ادبی ہے تو کیا اعلیٰ حضرت نے حضور کو"تو" کہا؟

گھمن صاحب مزید الزامات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

مثال نمبر2: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو"تو" کہنا گستاخی ہے۔

(1) فاضل بریلوی کے والد صاحب نقی علی خان صاحب لکھتے ہیں:"اگر ہندی اپنے باپ یا بادشاہ خواہ کسی واجب التعظیم کو"تو" کہے گا تو شرعا بھی گستاخ و بے ادب اور تعزیر و تنبیہ کا مستوجب ٹھہرے گا۔ اصول الرشاد، صفحہ 228۔

(2) مولوی حنیف رضوی لکھتے ہیں: ہمارے دیار میں کسی معظم و بزرگ بلکہ ساتھی اور ہمسر کو بھی"تو" کہنا خلاف ادب اور گستاخی قرار پائے گا۔ مقدمہ اصول الرشاد، صفحہ 35۔

(3) مفتی اقتدار احمد نعیمی بریلوی لکھتے ہیں: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف نام لے کر یا "تو"، "تا" کر کے۔۔ ہی پکارنا ہے تو تجھ میں اور ابوجہل وابولہب اور دیگر کفار وخبثاء میں کیا فرق رہے گا؟ العطایا الاحمدیہ، جلد5، صفحہ 158۔

(4) مکتبہ ضیاء القرآن والوں نے کنزالایمان کا خصوصی ایڈیشن شائع کیا، اس کے صفحہ 1100 اور انوار کنزالایمان کے صفحہ 528 پر لکھا ہے: اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صیغہ واحد حاضر میں مخاطب فرمایا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ترجمہ کرتے وقت اردو میں وہی الفاظ استعمال کئے جائیں، اردو زبان میں تو کہہ کر اپنے بڑے کو مخاطب کرنا گستاخی ہے۔

(5) بریلوی پیر طریقت ڈاکٹر سرفراز محمدی آستانہ ترنول شریف لکھتے ہیں: قرآن پاک میں رسول کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے صیغہ واحد میں مخاطب فرمایا لیکن اردو میں ترجمہ کرتے وقت لازمی تو نہیں کہ وہی الفاظ استعمال کئے جائیں کیونکہ اردو میں کسی بھی معزز و محترم ہستی کو لفظ ''تو'' سے مخاطب کرنا گستاخی کے زمرے میں شمار ہوتا ہے۔ اگر یہی لفظ ذات باری تعالیٰ کے لئے ہو تو قابل گرفت نہیں کہ مقصد شرک سے اجتناب ہوتا ہے لیکن نبی اکرم، نور مجسم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے استعمال کرنا سراسر بے ادبی میں شمار ہوگا۔ انوار کنز الایمان، صفحہ 28۔

اب دیکھئے فاضل بریلوی کی طرف انہوں نے سورۃ القارعہ، پارہ نمبر 30، سورۃ نمبر 101 میں آیت نمبر 3 ﴿وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ﴾ کا ترجمہ کیا ہے اور تو نے کیا جانا کیا ہے دہلانے والی۔ اور آیت نمبر 10 ﴿وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ﴾ کا ترجمہ کیا ہے اور تو نے کیا جانا کیا ہے نیچا دکھانے والی۔ کنز الایمان، صفحہ 1081۔

(2) سورۃ منافقون، آیت نمبر 4 کا ترجمہ دیکھئے ﴿وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ﴾ اور جب تو نہیں دیکھے، ان کے جسم تجھے بھلے معلوم ہوں۔ کنز الایمان، صفحہ 998۔

(3) سورۃ زمر کی آیت نمبر 21 کا ترجمہ دیکھئے ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا۔ کنز الایمان، صفحہ 828۔

(4) سورۃ مائدہ کی آیت نمبر 41 ﴿يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ....وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا (الاية)﴾ اے رسول تمہیں غمگین نہ کریں اور جسے اللہ گمراہ کرنا چاہے تو ہر گز تو اللہ سے اس کا کچھ نہ بنا سکے۔ کنز الایمان، صفحہ 205، 206۔

یہی چار مثالیں بہت ہیں ورنہ اور بھی کئی ہیں۔ اب بریلوی حضرات سے پوچھ لیجئے کیا اپنے اصولوں پر کاربند ہوگے تو یقیناً ان کو سانپ سونگھ جائے گا اور کاٹو تو خون نہیں والی مثال نظر آئے گی۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 75۔۔۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے مسئلہ سمجھا نہیں اور گھوم گھما کر کفر ثابت کر دیا۔ اگر غور سے جزئیات کو پڑھتے تو پتہ چل جاتا ہے کہ علمائے کرام نے ''تو'' اس صورت میں منع کیا ہے کہ جب امتی اپنے نبی (علیہ السلام) کو ''تو'' کہے یہ نہیں کہا کہ رب تعالیٰ کا نبی (علیہ السلام) کو ''تو'' کہنا بے ادبی ہے۔ پھر گھمن صاحب نے جو چند آیات پیش کی ہیں ان میں ہر جگہ خطاب حضور (علیہ السلام) سے نہیں ہے۔ قرآن پاک میں جہاں بھی خطاب کی ضمیر آئی ہے اس میں یہ ضروری نہیں کہ خطاب حضور (علیہ السلام) سے ہو کیونکہ

بعض اوقات ضمیر واحد کی ہوتی ہے لیکن خطاب لوگوں سے ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ رب تعالیٰ کی شان نبی اکرم سے ارفع و اعلیٰ ہے، رب تعالیٰ کا نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ''تو'' کہہ کر مخاطب کرنا اس کے معبود ہونے کی شایانِ شان ہے۔ مفتی نعیم الدین مراد آبادی (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت آدم (علیہ السلام) کے واقعہ کے تحت فرماتے ہیں: ''انبیاء (علیہم السلام) کو ظالم کہنا اہانت و کفر ہے جو کہے وہ کافر ہو جائے گا اللہ تعالیٰ مالک و مولیٰ ہے جو چاہے فرمائے اس میں ان کی عزت ہے دوسرے کی کیا مجال کہ خلاف ادب کلمہ زبان پر لائے اور خطاب حضرت حق کو اپنی جرأت کے لئے سند بنائے، ہمیں تعظیم و توقیر اور ادب و طاعت کا حکم فرمایا ہم پر یہی لازم ہے۔'' (خزائن العرفان، فی تفسیر، سورۃ البقرہ، سورۃ 2، آیت 35)

اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے کنز الایمان ترجمہ میں درجات کے حساب سے ترجمے کئے ہیں یعنی اللہ (عزوجل) کا مقام و مرتبہ سب سے بڑا ہے اس لئے جب اللہ (عزوجل) نے حضور (علیہ السلام) سے خطاب کیا ہے تو وہاں ترجمہ کبھی ''تو'' کیا اور کبھی ''اے محبوب'' کیا۔ لیکن جہاں انبیاء (علیہم السلام) سے ان کے امتیوں نے کلام کیا ہے، فرشتوں نے کلام کیا ہے تو وہاں ''تو'' کی بجائے ادباً ''آپ'' لکھا ہے۔ چند آیات میں اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

☆ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کے حواریوں کے متعلق قرآن پاک میں ہے ﴿فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: پھر جب عیسیٰ نے اُن سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف حواریوں نے کہا۔ ہم دین خدا کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

☆ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی قوم کے متعلق قرآن پاک میں ہے ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ بولے اے موسیٰ ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں ہیں تو آپ جائیے اور آپ کا رب تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

☆ جادوگروں نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا ﴿قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: بولے اے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا ہم ڈالنے والے ہوں۔

☆ حضرت یوسف (علیہ السلام) کے بھائیوں نے حضرت یعقوب سے عرض کی ﴿قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ﴾ ترجمہ کنز الایمان: بولے اے ہمارے باپ آپ کو کیا ہوا کہ یوسف کے معاملے میں

ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔

☆ حضرت یوسف (علیہ السلام) سے قیدیوں نے خواب کی تعبیر یوں پوچھی ﴿وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ اور اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان داخل ہوئے ان میں ایک بولا میں نے خواب دیکھا کہ شراب نچوڑتا ہوں اور دوسرا بولا میں نے خواب دیکھا کہ میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں جن میں سے پرند کھاتے ہیں ہمیں اس کی تعبیر بتایئے بیشک ہم آپ کو نیکوکار دیکھتے ہیں۔

☆ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) سے فرشتوں نے یوں عرض کیا ﴿قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ﴾ ترجمہ کنزالایمان: انہوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں۔

☆ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابل حضرت خضر کا درجہ کم تھا اس مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ملاحظہ ہو کہ آپ نے موسیٰ (علیہ السلام) کے لئے آپ کا ترجمہ کیا اور حضرت خضر کے لئے تم کا۔ ﴿قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: کہا آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھہر سکیں گے۔

جواباً موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا ﴿قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: کہا عنقریب اللہ چاہے تو تم مجھے صابر پاؤ گے اور میں تمہارے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

اسی طرح جہاں اللہ عزوجل نے عمومی خطاب کیا وہاں کاف ضمیر کا ترجمہ ''تمہاری، تیری'' کیا ہے اور جہاں خاص نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خطاب ہے وہاں اے محبوب ترجمہ کیا ہے۔ چند آیات پیش خدمت ہیں:۔

☆ ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور بیشک ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں اتاریں اور ان کے منکر نہ ہوں گے مگر فاسق لوگ۔

☆ ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو۔

☆ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ ترجمہ کنزالایمان: اے

لوگو بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اُتارا۔

☆ ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور ان پر محافظ و گواہ تو ان میں فیصلہ کرو اللہ کے اُتارے سے اور اے سننے والے ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا ہوا حق چھوڑ کر ہم نے تم سب کے لئے ایک ایک شریعت اور راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا اس میں تمہیں آزمائے تو بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو تم سب کا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے تو وہ تمہیں بتادے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔

☆ ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں بیشک تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا تو تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو۔

☆ ﴿بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: روشن دلیلیں اور کتابیں لے کر اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کر دو جو ان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔

☆ ﴿لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک کتاب اتاری جس میں تمہاری ناموری ہے تو کیا تمہیں عقل نہیں۔

☆ ﴿وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور بیشک ہم نے اتاریں تمہاری طرف روشن آیتیں اور کچھ ان لوگوں کا بیان جو تم سے پہلے ہو گزرے اور ڈر والوں کے لئے نصیحت۔

☆ ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اے محبوب یونہی تمہاری طرف کتاب اتاری تو وہ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی اس پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ ان میں سے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں سے منکر نہیں ہوتے مگر کافر۔

قربان جاؤں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) تیرے عشقِ رسول اور ادبِ رسول پر۔ اللہ (عزوجل) آپ کے عشقِ مصطفیٰ کے صدقے سے مجھ غریب اور قارئین کو عشقِ مصطفیٰ اور ادبِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) عطا فرمائے۔ آمین، ثم آمین۔

گھمن صاحب آپ وقت کے مجدد عاشقِ رسول کا رد کر رہے ہیں اپنی علمی حیثیت کا پتہ نہیں تو کم از کم ان کی حیثیت کا ہی لحاظ کر لیں، چاند کی طرف منہ کر کے تھوک پھینکیں تو تھوک واپس منہ کی طرف آتی ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی دیوبندی یہ سوچ رہا ہو کہ جا گھمن! تو نے صحیح دلیل ہی نہیں دی، اللہ (عزوجل) کا کلام نقل کر دیا جبکہ اعلیٰ حضرت کے نعتیہ کلام میں "تو" کا لفظ استعمال ہے جیسے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) کا کلام ہے:

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا
تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دُھلیں
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا
تیری سرکار میں لاتا ہے رضاؔ اُس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اس نعت میں اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تو، تیرا کہا ہے۔ اس پر بھی جواب ملاحظہ ہو کہ نعت وسلام و شاعری میں حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تو، تم، تمہارا، تیرا کہنا بے ادبی نہیں ہے کہ ادب و بے ادبی کا دار و مدار عرف پر ہے اور عرفاً نثری طور پر کسی بزرگ کو تو، تم، تیرا کہنا بے ادبی بطور نظم یہ بے ادبی نہیں ہے۔ نعت گوئی کے فن میں ضمائر یعنی "تو" اور "تم" کا استعمال بڑے بڑے شعراء اپنے کلام میں کرتے آئے ہیں اور نعتیہ کلام کے علاوہ بڑے

بادشاہوں اور محبوبوں کے لئے بھی "تو" اور "تم" کا استعمال کرتے آئے ہیں۔ اردو کا کوئی بھی ایسا شاعر چاہے وہ سنی ہو یا دیوبندی یا غیر دینی الغرض ہر کسی شاعر نے بارگاہِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کمالِ ادب و احترام ملحوظ رکھنے کے باوجود ان ضمائر کا استعمال کیا ہے۔ چند حوالے پیشِ خدمت ہیں:۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا کلام ہے:

شفیع عاصیاں ہو تم وسیلہ بے کساں ہو تم
تمہیں چھوڑا اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ
کرم فرماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم
ہمارے جرم وعصیاں پر نہ جاؤ یا رسول اللہ

قاسم نانوتوی دیوبندی کا کلام ہے:

مدد کر اے کرم احمد کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار
یہ ہے اجابت حق کو تری دعا کا لحاظ
قضائے مبرم و مشروط کی نہیں ہے پکار
خدا ترا تو جہاں کا ہے واجب الطاعت
جہاں کو تجھ سے تجھے اپنے حق سے ہے سروکار

رشید احمد گنگوہی دیوبندی کا کلام ہے:

یاشفیع العباد خذ بیدی — انت فی الاضطرار معتمدی
دستگیری کیجئے میری نبی — کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
لیس لی ملجاء سواک اغث — مسنی الضر سیدی سندی
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ — فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
لیتنی کنت ترب طیبتکم — فالتثمت النعال ذاک قدی

کاش ہو جاتا مدینہ کی میں خاک نعلِ بوسی ہوتی کافی آپ کی

میر تقی میر کا شعر ہے:

کھینچوں ہوں نقصانِ دینی یارسول
تیری رحمت ہے یقینی یارسول

نظیر اکبر آبادی کا شعر ہے:

تم شہ دنیا و دیں ہو یا محمد مصطفیٰ
سرگروہِ مرسلیں ہو یا محمد مصطفیٰ

بہادر شاہ ظفر کا شعر ہے:

واللیل تیرے گیسوئے مشکیں کی ہے قسم
والشمس ہے ترے رُخِ پُر نور کی قسم

داغ دہلوی کا شعر ہے:

حشر میں امتِ عاصی کا ٹھکانہ ہی نہ تھا
بخشوانا تجھے مرغوب ہوا، خوب ہوا

حالی کا شعر ہے:

اے خاصہ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

ڈاکٹر اقبال کا شعر ہے:

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں
شیرازہ ہوا ملتِ مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے

ظفر علی خان کا شعر ہے:

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

حفیظ جالندھری کا شعر ہے:

سلام اے ظلِ رحمانی سلام اے نورِ یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوحِ پیشانی

المختصر یہ کہ علماء وشعراء نے حضور (علیہ السلام) کی شان میں جب کلام لکھا ہے تو اس میں تو، تم، تیرا، تمہارا الفاظ کا استعمال کیا ہے، یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ شاعری زبان میں یہ الفاظ استعمال کرنا بے ادبی نہیں ہے۔

نبی پاک (علیہ السلام) کی طرف لاعلمی کی نسبت کرنا

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

مثال نمبر 3: بریلویوں کے بہت بڑے عالم مفتی فیض احمد اویسی بہاولپوری لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر فعل اور قول اور عمل مبنی بر حکمت ہوتا ہے، اس سے آپ کی لاعلمی یا عدم اختیار ثابت کرنا جاہلوں یا نبوت کے گستاخوں کا کام ہے۔ رسائل اویسیہ، جلد 4، لاعلمی میں علم، صفحہ 15۔

یعنی آپ علیہ السلام کی طرف لاعلمی کی نسبت کرنا گستاخی ہے۔ آیئے دیکھئے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب غلام قادیانی کا رد کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں کہ: یہ جو (تم نے) لکھا ہے کہ قیامت سات ہزار سال پہلے نہیں آسکتی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سات ہزار سال کی تحدید جو آپ نے لگادی ہے یہ منافی ہے ﴿لا یجلیہا لوقتہا الا ھو﴾ کے اور ان احادیث کہ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لاعلمی بیان فرمائی۔ شمس الہدایہ، صفحہ 66۔

یہاں پیر صاحب نے نبی پاک علیہ السلام کے لئے لاعلمی کی نسبت کی۔ اب اصول بریلوی کی روشنی میں یہ گستاخی ہے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی، مگر اب بریلوی اصول نہ جانے کیوں خاموش ہے کیوں پیر صاحب یا ان کی اولاد کے خلاف آواز نہیں اٹھتی۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 78، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

دونوں بزرگوں نے جو فرمایا وہ اپنی اپنی جگہ درست ہے، گھمن صاحب کو خود اصل مسئلہ سمجھ نہیں آیا۔ حضور (علیہ السلام)

کے لئے عطائی علم غیب کی نفی کرتے ہوئے کہنا کہ انہیں کسی چیز کا علم نہیں تھا جیسا کہ دیوبندی، وہابیوں کا باطل عقیدہ ہے یہ گستاخی ہے۔نفی غیب پر جو دیوبندی وہابی چند واقعات کو دلیل بناتے ہیں اس میں حضور (علیہ السلام) کے نہ بیان کرنے میں کئی حکمتیں تھیں ۔دوسرا یہ کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور (علیہ السلام) کا علم نزول قرآن کے ساتھ ساتھ بڑھتا گیا اور ختم قرآن پر ماکان و مایکون کا آپ کو علم ہو گیا، اس کے بعد کسی واقعہ کو نفی غیب پر دلیل بنانا بالکل باطل ہے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) قادیانی کا رد کر رہے ہیں کہ قیامت کے وقت کے متعلق تو حضور (علیہ السلام) نے صراحۃً نہیں بتایا تو تو کیسے بتا سکتا ہے؟

پیر مہر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو فرمایا وہ قیامت کے علم کے متعلق ہے اور قیامت کا علم علوم خمسہ میں سے ہے جس کے بارے میں بعض روایات ہیں کہ اس کا علم صرف اللہ (عزوجل) کو ہے چنانچہ مجمع الزوائد میں ہے "عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال أوتیت مفاتیح کل شیء إلا الخمس ﴿إن اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الأرحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بأی أرض تموت إن اللہ علیم خبیر﴾ "ترجمہ: حضرت ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: مجھے ہر چیز کی کنجیاں عطا ہوئیں سوا ان پانچ کے: بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینھ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب علامات النبوۃ، باب فیما أوتی من العلم صلی اللہ علیہ و سلم، جلد8، صفحہ471، دار الفکر، بیروت)

کنزالعمال کی حدیث پاک ہے "عن علی رضی اللہ عنہ قال لم یغم علی نبیکم صلی اللہ علیہ و سلم شیء إلا خمس من سرائر الغیب ھذہ الآیۃ فی آخر لقمان ﴿إن اللہ عندہ علم الساعۃ﴾ إلی آخر السورۃ" ترجمہ: حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا تمہارے نبی (علیہ السلام) سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے مگر علوم خمسہ جس کا ذکر اس آیت میں ہے: بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینھ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

(کنز العمال، کتاب التفسیر، سورۃ لقمان، جلد2، صفحہ587، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

ان احادیث کے سبب بعض علماء کا یہ مؤقف ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پانچ علوم کے علاوہ ہر غیب کا علم عطا کیا گیا تھا اور بعض نے فرمایا کہ آپ کو یہ پانچ علوم بھی عطا فرما دیئے گئے تھے اور جتنی بھی احادیث میں ان علوم خمسہ کی نفی آئی وہ

تکمیل قرآن سے قبل پر محمول ہیں۔علامہ بیجوری (رحمۃ اللہ علیہ) شرح بُردہ شریف میں فرماتے ہیں "لم یخرج صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من الدنیا الابعد ان اعلمہ اللہ تعالیٰ بھذہ الامور ای الخمسہ" ترجمہ: نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو ان پانچ غیبوں کا علم دے دیا۔

(حاشیۃ الباجوری علی البردۃ، تحت البیت فان من جودك الدنیا الخ، صفحہ92، مصطفی البابی، مصر)

علامہ شنوانی نے جمع النھایۃ میں اسے بطور حدیث بیان کیا کہ "قد ورد ان اللہ تعالیٰ لم یخرج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حتی اطلعہ علی کل شیء" ترجمہ: بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ حضور کو تمام اشیاء کا علم عطا نہ فرمایا۔

(جمع النھایۃ، ماخوذ از فتاوی رضویہ، جلد29، صفحہ473، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

علامہ عشماوی کتاب مستطاب عجب العجاب شرح صلاۃ سیّدی احمد بدوی کبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں فرماتے ہیں "قیل انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوتی علمھا (ای الخمس) فی اخر الامر لکنہ امر فیھا بالکتمان و ھذا القیل ھو الصحیح" ترجمہ: کہا گیا کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو آخر میں ان پانچوں غیبوں کا بھی علم عطا ہو گیا مگر ان کے چھپانے کا حکم تھا اور یہی قول صحیح ہے۔

(عجب العجاب شرح صلوۃ سید احمد کبیر بدوی، ماخوذ از فتاوی رضویہ، جلد29، صفحہ477، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

لہٰذا ان دلائل کی روشنی میں ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کو علوم خمسہ کا بھی علم عطا کیا گیا تھا۔ پھر بھی اگر کوئی حضور علیہ السلام سے قیامت کے علم کی نفی کرے تو وہ گستاخ نہیں بشرطیکہ کہ دلائل کی روشنی میں کرے نہ کہ وہابی جاہلوں و بے ادبوں کی طرح کہتا پھرے کہ حضور علیہ السلام کو تو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ ان کے ساتھ آگے کیا ہونے والا ہے۔ معاذ اللہ عزوجل۔

حضور (علیہ السلام) کے علاوہ کسی کو رحمۃ للعالمین کہنا

رشید احمد گنگوہی سے سوال ہوا: لفظ رحمتہ للعالمین مخصوص آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ہے یا ہر شخص کو کہہ سکتے ہیں؟

جوابا گنگوہی صاحب نے کہا: "لفظ رحمتہ للعالمین صفت خاصہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نہیں ہے۔ بلکہ دیگر اولیاء و انبیاء اور علماء ربانیین بھی موجب رحمت عالم ہوتے ہیں اگرچہ جناب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب میں اعلیٰ ہیں۔ اگر دوسرے پر اس لفظ کو بتاویل بول دیوے تو جائز ہے۔"

(فتاوی رشیدیہ، صفحہ 218، ناشر محمد علی کارخانہ اسلامی کتب اردو بازار کراچی)

گنگوہی صاحب اپنے پیر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ) کو بھی رحمۃ اللعالمین کہتے تھے جیسا کہ دیوبندیوں کی کتب قصص اکابر، صفحہ 111، افاضات الیومیہ، جلد 1، صفحہ 161، اشرف السوانح، جلد 3، صفحہ 155 میں مذکور ہے۔

گنگوہی صاحب کا یہ نظریہ صریح غلط تھا۔ رحمۃ للعالمین صرف حضور (علیہ السلام) خاصہ ہے۔ حضور (علیہ السلام) کا رحمۃ للعالمین ہونا ایسا ہی خاصہ ہے جیسے آپ (علیہ السلام) کا آخری نبی ہونا، آپ کو کثیر معجزات عطا کئے جانا وغیرہ آپ کے خصائص میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے جب آپ (علیہ السلام) کو تمام انبیاء (علیہم السلام) سے افضل کہا تو اس میں یہی دلیل دی کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ اللہ (عزوجل) نے حضور (علیہ السلام) کو رحمۃ للعالمین فرمایا اور جو تمام عالموں کے لئے رحمت ہو لازم ہے کہ وہ تمام جہان سے افضل ہو۔ اب کسی اور کو رحمۃ للعالمین کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تمام جہان سے افضل ہے۔

مفاتیح الغیب میں امام فخر الدین رازی حضور (علیہ السلام) کے افضل ہونے پر دلائل دیتے ہوئے فرماتے ہیں "أجمعت الأمة على أن بعض الأنبياء أفضل من بعض ، وعلى أن محمداً صلى الله عليه وسلم أفضل من الكل ، ويدل عليه وجوه أحدها : قوله تعالى ﴿وَمَا أرسلناك إلاَّ رَحْمَةً للعالمين﴾ فلما كان رحمة لكل العالمين لزم أن يكون أفضل من كل العالمين" ترجمہ: امت کا اس پر اجماع ہے کہ بعض انبیاء (علیہم السلام) بعض سے افضل ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام انبیاء (علیہم السلام) سے افضل ہیں اور اس پر کثیر دلائل ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ اللہ (عزوجل) کا ارشاد ہے: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ جب آپ تمام عالموں کے لئے رحمت ہیں تو لازم ہوا آپ تمام عالمین سے افضل ہیں۔

(التفسیر الکبیر، جلد 6، صفحہ 521، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

السراج المنیر میں محمد بن احمد الخطیب الشربینی (المتوفی 977ھ) فرماتے ہیں "﴿ورفع بعضهم﴾ وهو محمد صلى الله عليه وسلم ﴿درجات﴾ على غيره بعموم الدعوة وختم النبوّة به ، والأتباع الكثيرة فى الأزمان الطويلة وينسخ جميع الشرائع ، وبكونه رحمة للعالمين وبتفضيل أمته على سائر الأمم ، وبالمعجزات المتكاثرة المستمرّة" ترجمہ: اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا، وہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جنہیں دیگر انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت سب سے بڑا درجہ عطا کیا گیا۔ (اس بڑے درجہ ملنے کے درج ذیل خصائص ہیں) ختم نبوت، امت کا کثیر ہونا کثیر زمانہ میں، پچھلی شریعتوں کا ختم کرنا، رحمۃ للعالمین ہونا، امت محمدیہ کا سب امت سے افضل ہونا، کثیر معجزات عطا ہونا ایسے معجزات جو جاری ہیں۔

(السراج المنیر فی الاعانة علی معرفة بعض معانی کلام ربنا الحکیم الخبیر، جلد 1، صفحہ 139، دار الکتب العلمیة، بیروت)

التفسیر المنیر میں وہبۃ بن مصطفیٰ الزحیلی لکھتے ہیں "﴿فضلنا﴾ بتخصيصه بمنقبة ليست لغيره ﴿منهم من كلم الله كموسى ورفع بعضهم﴾ أى محمدا صلى الله عليه وسلم درجات على غيره بعموم الدعوة ، وأنه رحمة للعالمين ، وختم النبوة ، وتفضيل أمته على سائر الأمم ، والمعجزات المتكاثرة "یعنی حضور (علیہ السلام) کو اللہ (عزوجل) نے درج ذیل خصائص کے ساتھ فضیلت دی جو کسی اور کو نہیں دی گئی۔ ان میں کسی سے اللہ (عزوجل) نے کلام فرمایا جیسے موسیٰ (علیہ السلام) ہیں اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا یعنی ہمارے پیارے آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں جن سب سے بڑا درجہ عطا فرمایا عمومی دعوت کے ساتھ، وہ رحمۃ للعالمین ہیں، آخری نبی ہیں، حضور (علیہ السلام) کی امت سب امتوں سے افضل ہیں، آپ کے معجزات کثیر ہیں۔

(التفسیر المنیر، جلد 3، صفحہ 5، دار الفکر، بیروت)

ثابت ہوا کہ رحمۃ للعالمین ہونا حضور (علیہ السلام) کا ایسا خاصہ ہے جس میں کوئی نبی بھی شریک نہیں چہ جائیکہ کسی غیر نبی کو اس میں شریک کیا جائے۔

گھمن صاحب گنگوہی صاحب کے اس غلط عقیدہ کو چھپاتے ہوئے لکھتے ہیں:

مثال نمبر 4: کسی اور کو رحمۃ للعالمین کہنے پر بریلوی اکابرین میں صف ماتم بچھا ہے۔

(1) بریلوی علامہ ارشد القادری صاحب رئیس التحریر لکھتے ہیں: خدا کی پناہ حبیب خدا کی شان یکتائی پر اس سے زیادہ سنگین حملہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ تبلیغی جماعت، صفحہ 67، مکتبہ نبویہ، لاہور۔

(2) بریلوی ضیغم اہل بدعت حسن علی رضوی اس بات کو سنگین گستاخی قرار دیتے ہیں وہ لکھتے ہیں: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت اور رفعت شان کو گھٹا کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک عظیم وجلیل صفت پر ڈاکہ مارنا مقصود تھا۔ محاسبہ دیوبندیت، جلد 1، صفحہ 198۔

(3) بریلوی مناظر اعظم جنید زمان مولوی عمر اچھروی لکھتے ہیں: نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، اب اور کون سے عالمین ہیں جن کے یہ بھی رحمت بن سکتے ہیں جیسا کہ رب العالمین کہنے کے بعد تمام عالمین میں کسی دوسرے رب کی ضرورت نہیں، اگر کوئی مانے تو اس نے شرک فی التوحید کیا ہے ایسے ہی رحمۃ للعالمین کے اقرار کے بعد کوئی عالمین کی رحمت نہیں کہلا سکتا اور اگر کوئی تسلیم کرے تو

مشرک فی الرسالت ہوگا۔مقیاس حقیقت، صفحہ 198،199۔

(4) بریلوی جید عالم مفتی خلیل احمد خان برکاتی لکھتے ہیں: مسلمانوں کے نزدیک رحمۃ للعالمین ہونا قطعاً یقیناً خاص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت خاصہ ہے جس میں اور انبیاء بھی شریک نہیں۔ فیصلہ ہفت مسئلہ توضیحات وتشریحات، صفحہ 305۔

یعنی مسلمان تو کسی اور کو نہیں کہتے باقی کافر کسی اور کو بھی رحمۃ للعالمین کہتے ہیں۔

(5) مفتی عبدالوہاب خلیفہ مفتی اعظم بریلویہ فی الہند لکھتے ہیں: ہر مسلمان کا قرآن کریم پر ایمان ہے کہ رحمۃ للعالمین صرف اور صرف صفت خاصہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ صاعقۃ الرضا علی اعداء المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ 311۔

یعنی کسی اور کو رحمۃ للعالمین کہنے والا آپ کی صفت خاصہ کا منکر اور منکر قرآن ہے۔

(6) مفتی احمد میاں برکاتی لکھتے ہیں: رحمۃ للعالمین نہ ہوگا مگر رسول الی العالمین۔ ملفوظات مشائخ مارہرہ، صفحہ 110۔

یعنی رحمۃ للعالمین وہی ہوگا جو تمام عالمین کا رسول ہوگا۔

(7) مولوی ظفر الدین بہاری لکھتا ہے: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس صفت میں رحمۃ للعالمین میں سب ملاؤں کو شریک کردیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر سید العالمین کیوں کر مان سکتے ہیں؟ حیات اعلیٰ حضرت، جلد 2، صفحہ 404۔

یعنی کسی اور کے لئے یہ لفظ استعمال کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سید العالمین ہونے کا انکار ہے۔

اب آیئے دیکھئے شانِ رسالت پر ڈاکہ ڈالنے والا، توہین کرنے والا، شان ومقام وعظمت مصطفیٰ پر سنگین حملہ کرنے والا آپ کی شان کو گھٹانے والا کون ہے۔

(8) پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نے اپنے مقدمہ اور ترتیب سے ایک کتاب اپنے مکتبہ سے چھاپی ہے اس میں ہے:

شہہ سلیمان رحمۃ للعالمین　　رحمۃ للعالمین قطب الوریٰ

تحفۃ الابرار، صفحہ 306،307۔

یہ خواجہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے لکھا گیا ہے۔

(9) قادری کتب خانہ لاہور سے کتاب چھپی ہے۔ اردو ترجمہ ملک فضل الدین نقشبندی مجددی نے کیا ہے اور فنی تدوین کتاب کی مولوی محمد عالم مختار حق نے کی ہے۔ اس میں ہے:

شاہ گیلانی ترا حق در وجود　　رحمۃ للعالمین آوردہ است

تحفہ قادریہ، صفحہ 49۔

اس میں شیخ گیلانی کو رحمۃ للعالمین لکھا ہے۔

(10) للہ شریف کی خانقاہ کے ایک آدمی صاحبزادہ محمد حسین للہی صاحب نے لکھا، خواجہ تونسوی کی شان میں: شاہ سلیمان رحمۃ للعالمین۔

دوسری جگہ خواجہ شریف کی شان بیان کرتے ہیں: رحمۃ للعالمین قطب الوریٰ۔ تذکرہ حضرت سلیمان تونسوی، صفحہ 12۔

(11) ماہنامہ ضیائے حرم کے ایڈیٹر خواجہ عابد نظامی نے پیش لفظ لکھ کر ایک کتاب ضیاء القرآن سے چھپوائی، جس کا ترجمہ خواجہ حسن نظامی کے مرید اور خلیفہ سید محمد ارتضی المعروف ملا واحدی ایڈیٹر ماہنامہ نظام المشائخ دہلی نے خواجہ صاحب کے حکم سے کیا۔ اس میں ہے: صحبۃ الصالحین نور ورحمۃ للعالمین۔ راحۃ القلوب، صفحہ 81۔

صالحین کی صحبت نور اور رحمۃ للعالمین ہے۔

(12) بریلویوں کا بہت بڑا اسکالر جناب شمس بریلوی لکھتا ہے: حضرت خواجہ راستیں لقب یافتہ وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین ملک الفقراء والمساکین نظام الحق والشرع والھدیٰ والدین۔ فوائد الفواد، صفحہ 57، مدینہ پبلیشنگ کمپنی کراچی۔

خواجہ نظام الدین کو رحمۃ للعالمین کا لقب دیا گیا ہے۔

(13) پیر جماعت علی شاہ کہتے ہیں اولیاء کے متعلق کہ: یہ مقبولان بارگاہ ایزدی رحمۃ للعالمین کی شان میں جلوہ گر تھے۔ سیرت امیر ملت، صفحہ 609۔

(14) بریلوی جید عالم دین مولوی غلام جہانیاں صاحب لکھتے ہیں: الٰہی بحرمۃ شیخ المشائخ سلطان العاشقین رحمۃ للعالمین۔ محبوب الٰہی حضرت نظام الحق والدین محمد بن احمد بخاری چشتی ہے رضی اللہ عنہ۔ ہفت اقطاب، صفحہ 70۔

(15) مولوی اشرف جلالی کا رسالہ ماہنامہ جلالیہ میں ہے۔ خواجہ باقی باللہ کی تعریف میں ہست ذات

خواجہ باقی رحمۃ للعالمین ۔جلالیہ، شمارہ نمبر 12، دسمبر 2011، صفحہ 26۔

قارئین گرامی قدر! حوالے اور بھی لکھے جاسکتے ہیں مگر یہی کافی ہیں ۔ہمارا سوال ہے کہ اگر توہین رسالت کے متعلق تمہارے اصول درست ہیں تو جن بریلوی زعماء اکابرین نے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔کیا وہ منکر قرآن، شان رسالت کے ڈاکو، عظمت گھٹانے والے ہیں؟ اگر نہیں تو معلوم ہوا کہ تمہارا عشق ومحبت کا دعویٰ صرف دعویٰ ہی ہے حقیقت کچھ نہیں۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 78۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب نے رشید احمد گنگوہی کی غلطی چھپانے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا ہے اور صوفی قسم کے لوگوں کو بریلویوں کا اکابر بنا دیا ہے اور کئی علماء کا نام زبردستی شامل کرلیا ہے جیسے امیر جماعت علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اقبال فاروقی صاحب اور اشرف جلالی صاحب۔ اقبال فاروقی صاحب اور جلالی صاحب نے خود یہ نہیں کہا اور پیر جماعت علی شاہ صاحب نے بھی اولیاء کو رحمۃ للعالمین نہیں کہا بلکہ حضور رحمۃ للعالمین کا مظہر کہا ہے۔ باقی جن علماء نے تسامحا بطورِ مبالغہ کے بعض کو رحمۃ للعالمین کہا ہے ہم ان کی تائید نہیں کرتے اور واضح کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ غلطی کی ہے۔ اکابرین علمائے اہل سنت نے جو فرمایا ہے کہ کسی ولی یا عالم کو رحمۃ للعالمین نہیں کہہ سکتے، یہ بالکل صحیح ہے۔

گھمن صاحب ہم نے کہہ دیا کہ جنہوں نے یہ کہا ہے وہ غلط ہے، اب آپ بھی مان جائیں کہ رشید احمد گنگوہی نے جو کہا تھا وہ غلط ہے۔

گھمن صاحب! اکابر پرستی دیوبندیت میں ہے کہ اپنے مولویوں کے کفر، گمراہی اور اغلاط کو چھپانا شروع سے آپ کا وصف ہے۔ تمہارے اکابرین کو کچھ علم ہوتا تو اتنی بڑی بڑی غلطیاں نہ کرتے، یہ تم لوگوں نے فقط اپنی انا کا مسئلہ بنایا ہوا ہے اور زبردستی انہیں بہت بڑا عالم ظاہر کیا ہوا ہے۔

لفظ ''ذنب'' کا ترجمہ گناہ کرنا

گھمن صاحب نے اس کے بعد کئی صفحات ''ذنب'' والے مسئلہ پر کالے کردیئے جس کا پیچھے تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ یہاں پھر گھمن صاحب نے یہ شوشہ چھوڑا کہ ذنب کا ترجمہ گناہ اعلیٰ حضرت کے والد صاحب سمیت کئی علماء نے کیا ہے اور اہل سنت کے نزدیک حضور (علیہ السلام) کی طرف گناہ کی نسبت بے ادبی ہے۔ گھمن صاحب پھر اصل مسئلہ کو نہیں سمجھے۔ ذنب کا معنیٰ گناہ ضرور ہے لیکن یہاں گناہ حقیقی معنیٰ میں نہیں جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ اگر کسی نے قرآن کی آیت میں موجود لفظ ''ذنب'' کا

ترجمہ گناہ کیا تو یہ جائز ہے، لیکن اگر یہ کہے کہ حضور (علیہ السلام) سے معاذ اللہ گناہ سرزد ہوئے ہیں تو یہ بے ادبی ہے۔ مفتی شریف الحق امجدی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ''بہت سے مترجمین نے اس آیت میں ''ذنب'' کا ترجمہ گناہ ہی کیا ہے۔ ترجمے میں کلمات قرآن کا لفظی ترجمہ جائز ہے۔ لیکن ترجمہ سے خارج اپنے بیان میں اس کو انہیں الفاظ سے ذکر کرنا ممنوع ہے۔'' (فتاوی شارح بخاری، جلد1، صفحہ362، مکتبہ برکات المدینہ، کراچی)

فصل ہفتم: دیوبندی مناظرین کے لئے گھمن صاحب کے عجیب وغریب نکات

گھمن صاحب نے زیادہ سمجھدار بنتے ہوئے دیوبندی مناظرین کے لئے کچھ نکات مرتب کئے جو بالکل فضول و ہیں جن کا موضوع کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، ہاں مناظرے میں ٹائم پاس کرنے کے لئے اور جلد شکست نہ ہونے کے لئے یہ نکات ضرور دیوبندیوں کے لئے مفید ہیں۔ لیکن آخر کار ان میں بھی دیوبندیوں کو ہمیشہ کی طرح ناکامی کا ہی دیکھنا پڑے گا۔

(1) سب سے پہلے اعلیٰ حضرت کے ایمان وکفر پر بات ہوگی پھر حسام الحرمین پر

گھمن صاحب کا پہلا نکتہ یہ تھا:

سب سے پہلے فاضل بریلوی کے کفروایمان پر بات ہوگی پھر حسام الحرمین پر کیوں کہ مصنف کا ذکر اور حالات کتاب سے پہلے ہوتے ہیں۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 93، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہ گھمن صاحب کی خوب چالاکی ہے کہ اس سے پہلے کہ لوگوں کو دیوبندی مولویوں کے کفریات پتہ چلیں، اعلیٰ حضرت کی شخصیت پر حملہ کردو اور جس طرح گھمن صاحب نے اوپر اعلیٰ حضرت پر فضول اعتراضات کرکے اپنا اور قارئین کا وقت برباد کیا ہے، اسی طرح مناظرے میں چند گھنٹے اسی پر لگادو تا کہ مناظرے کا وقت گزر جائے اور ہمارے مولویوں کی گستاخیاں بچ جائیں۔ اعلیٰ حضرت کے ایمان پر تو خود ان اکابر دیوبندیوں نے بھی کوئی شک نہیں کیا تھا بلکہ عاشق رسول ہی کہا تھا اور اعلیٰ حضرت کی تمام تصانیف میں آج تک کوئی مائی کا لال ایسا پیدا نہیں ہوا جو یہ ثابت کردے کہ فلاں عبارت کفریہ ہے۔ وہابی دیوبندی فقط دعویٰ کرتے ہیں، ثابت آج تک نہیں کر پائے، علمائے اہلسنت نے مناظروں میں ان کی بولتیاں بند کروادی ہیں جیسا کہ مناظرہ جھنگ میں سرکاری افسروں کی موجودگی میں نام نہاد سپاہ صحابہ کا لیڈر حق نواز جھنگوی کو اشرف سیالوی صاحب کے ہاتھوں عبرتناک شکست ہوچکی ہے۔

پھر اگر اعلیٰ حضرت کی شخصیت پر بھی بات کرو تو ہمارے پاس تمہارے معتبر علماء کے دلائل موجود ہیں جنہوں نے اعلیٰ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو سراہا ہے۔ دیوبند کے محدث انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: ''جب بندہ ترمذی شریف اور دیگر کتب احادیث کی شروح لکھ رہا تھا۔ تو حسب ضرورت احادیث کی جزئیات دیکھنے کی ضرورت درپیش آئی تو میں نے شیعہ حضرات واہل حدیث حضرات و دیوبندی حضرات کی کتابیں دیکھیں مگر ذہن مطمئن نہ ہوا۔ بالآخر ایک دوست کے مشورے سے مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی کتابیں دیکھیں تو میرا دل مطمئن ہو گیا کہ اب بخوبی احادیث کی شروح بلا جھجک لکھ سکتا ہوں۔ تو واقعی بریلوی حضرات کے سرکردہ عالم مولانا احمد رضا خان صاحب کی تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا خان صاحب ایک زبردست عالم دین اور فقیہ ہیں۔''

(رسالہ دیوبند ،صفحہ 21،جمادی الاول 1330ھ، بحوالہ طمانچہ ،صفحہ 39، سفید و سیاہ ،صفحہ 114)

دوسرا یہ کہ جب جج فیصلہ کرتا ہے تو جج پر اعتراض نہیں کیا جاتا کہ جج صاحب آپ خود کیا ہیں بلکہ جو فیصلہ کیا ہے وہ فیصلہ چیلنج ہوتا ہے۔ گھمن صاحب! اگر کوئی شخص آپ سے تین طلاقوں کا مسئلہ پوچھنے آئے کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہیں، اب کیا شرعی حکم ہے؟ آپ جب تک غیر مقلد نہ ہوں گے تب تک یقیناً یہی کہیں گے کہ تینوں طلاقیں ہو چکی ہیں، اب رجوع نہیں ہو سکتا۔ اس پر مرد اگر آپ کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دے کہ مولوی صاحب آپ نے میرا گھر برباد کیا ہے۔ تو یقیناً آپ یہی کہیں گے کہ گھر میں نے برباد نہیں کیا بلکہ تم نے خود برباد کیا ہے، میں نے تو فقط شرعی حکم بتایا ہے۔ گھمن صاحب! اسی طرح اعلیٰ حضرت نے بھی فقط شرعی حکم بتایا ہے کفریات آپ کے علماء نے کہے تھے۔

گھمن صاحب! اگر آپ پھر بھی حسبِ عادت بضد ہیں کہ نہیں پہلے مصنف کے کردار پر کلام ہونا چاہئے تو گھمن صاحب آپ کے کردار کا ہی پوسٹ مارٹم کر لیتے ہیں جس کا رزلٹ یہ نکلتا ہے کہ آپ کتاب لکھنے کے قابل نہیں ہیں، کیونکہ بغیر جھوٹ و بہتان کے آپ کوئی کتاب نہیں لکھ سکتے۔ آپ کی ہر کتاب جھوٹ و بہتان اور گالی گلوچ سے بھری پڑی ہے، لہٰذا آپ کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق آپ کی کتب بھی معتبر نہیں کیونکہ آپ کی شخصیت خود معتبر نہیں۔

(2) حسام الحرمین کی عبارات اکٹھی پیش کی جائیں

گھمن صاحب نے دوسرا نکتہ یہ رکھا:

بریلوی مناظر حسام الحرمین کی عبارات من وعن اکٹھی اصل کتب سے دکھائے گا۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 93، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہ نکتہ بھی بہت پرانا ہے اور اہل سنت من وعن اکٹھی عبارات دکھاتے رہے ہیں، اور قاسم نانوتوی کی جو تین عبارتیں

مختلف تھیں ان کا خلاصہ وہی بنتا ہے جو حسام الحرمین میں موجود ہے۔ علمائے اہلسنت مناظروں میں یہ کہتے ہیں کہ جو خلاصہ ان تینوں عبارتوں کا اعلیٰ حضرت نے کیا ہے تم اسے غلط ثابت کرو، اگرچہ وہ تین عبارتیں بھی اپنی اپنی جگہ کفریہ ہیں، اس پر مزید کلام آگے آئے گا۔

(3) حسام الحرمین کے منکر کے متعلق کیا حکم ہے؟

الیاس گھمن مزید تیسرا نکتہ لکھتا ہے:

حسام الحرمین کے احکام جو ہمارے متعلق ہیں، اس کے منکر کا حکم بتانا ہوگا۔ (یعنی جن جن حضرات نے ہمارے اکابر کو مسلمان لکھا انہیں کافر لکھ کر دینا ہوگا۔)

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 93، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہ نکتہ اس لئے لکھا ہے کہ دیوبندیوں نے بعض علمائے اہلسنت کی طرف یہ جھوٹ منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اکابر دیوبند کی تعریف کی ہے جیسے پیر مہر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ)، قمر الدین سیالوی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہ جبکہ یہ صریح جھوٹ و بہتان ہے اور ہرگز ثابت نہیں ہے۔ یہ دیوبندیوں نے اپنی کتب میں خود سے لکھ دیا ہے کوئی مستند حوالہ نہیں ہے جس پر تفصیلی کلام آگے آئے گا۔ اگر کہیں دیوبندیوں کے پاس ایک دو صلح کلی مولویوں کی عبارات ہوں تو وہ ہمارے لئے قابل حجت نہیں، ایک دو عبارات تو ہمارے پاس دیوبندیوں کی بھی ہیں جنہوں نے ان عبارات کے خلاف کہا ہے۔ باقی ہمارے علمائے کرام کا فیصلہ آج بھی اٹل ہے کہ جو کوئی حسام الحرمین میں موجود دیوبندیوں کی کفریہ عبارات پر مطلع ہو کر انہیں کفریہ نہ سمجھے وہ خود کافر ہے۔

(4) مناظرہ بریلوی اصول وقواعد کو سامنے رکھ کر ہوگا

چوتھا اور آخری نکتہ گھمن صاحب نے یہ دیا:

گفتگو بریلوی اصول وقواعد کو سامنے رکھ کر ہوگی۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 93، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! آپ کے اصولوں پر دیوبندی مناظر خاک عمل کریں گے جب ان اصولوں میں ہی تضاد ہے۔ آپ نے یہاں لکھا ہے بریلوی اصولوں کے مطابق مناظرہ ہوگا اور بریلوی اصول تو یہ ہے کہ کفریہ عبارات پر گفتگو ہو حالانکہ آپ نے

اوپر پہلا پوائنٹ ہی اس کے برخلاف لکھا یعنی یہ کہ پہلے اعلیٰ حضرت کی شخصیت پر گفتگو ہو۔

پھر ذرا بیچارے دیوبندی مناظرین کو بریلوی اصول وقواعد بتا بھی دیں۔ ایسا نہ ہو کہ پورے مناظرے میں دیوبندی اسی بات پر ذلیل ہوتے رہے ہیں کہ بریلوی اصول کیا ہیں؟

فصل ہشتم: دیوبندی اکابر کے متعلق علمائے اہل سنت کا موقف

اس کے بعد گھمن صاحب نے سینکڑوں کے حساب سے مستند علماء کرام کے تکفیر کے فتاوی چھوڑ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ بریلوی علماء میں سے کئی مستند علماء دیوبند کی تکفیر نہیں کرتے تھے، یہ ان کا باطل دعویٰ تھا، جسے ثابت کرنے کے لئے انہوں نے ایسی عبارات نقل کی جسے پڑھ کر یقیناً آپ کو بھی ہنسی آئے گی کہ جس سنی عالم نے تھانوی، گنگوہی، نانوتوی کے ساتھ اگر رسماً مولانا لکھ دیا ہے، گھمن صاحب نے اس پر دلیل بنالی کہ دیکھو فلاں نے بھی مولانا لکھا ہے جس سے ثابت ہوا وہ انہیں کافر نہیں کہتا تھا، حالانکہ یہ ایسی بونگی دلیل ہے کہ مولانا تو ہر گمراہ سے گمراہ مولوی کے ساتھ بھی رسمی طور پر لکھ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک دو عالموں کی کتاب میں کمپوزر کی غلطی سے (رحمة الله عليه) لکھا گیا جسے دلیل بنالیا گیا۔ پھر ایک جگہ تو انتہائی عجیب حرکت کی کہ علامہ اقبال فاروقی (رحمة الله عليه) کی عبارت سے باطل استدلال کیا کہ وہ نانوتوی کی تعظیم کرتے تھے جبکہ اقبال فاروقی صاحب (رحمة الله عليه) وہ ہستی ہیں جنہوں نے خود "حسام الحرمين" کا اردو ترجمہ کیا ہے۔ ایک شخص جو حسام الحرمين کا ترجمہ کرنے والا ہے اس سے یہ کیسے متوقع ہے کہ وہ حسام الحرمين کا منکر ہو؟

گھمن صاحب کی مختصر اوہ عبارات پیش خدمت ہیں:۔

قاسم نانوتوی کے متعلق مولانا نور بخش توکلی کا موقف

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

اکابر اربعہ کا مقام بریلوی کتب سے: الفضل ما شہدت بہ الاعداء کے اصول سے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے اکابر کو اللہ کریم نے وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ غیر بھی ان کی تعریف لکھنے پر مجبور تھے۔ اور ان کا مقام بریلوی علماء میں بھی مسلم ہے۔ ہم حیران ہیں کہ اگر بریلوی حسام الحرمین کو سچا مانتے ہیں تو اپنے بریلوی اکابرین میں سے کس کس کو کافر کہیں گے؟ کیونکہ بہار شریعت جو کہ بقول عبد المجید خان سعیدی پسند فرمودہ اعلیٰ حضرت ہے۔ نبوت عند الشیخین، صفحہ 16۔

اس میں ہے جو کسی کافر کے لئے اس کے مرنے کے بعد مغفرت کی دعا کرے یا کسی مردہ مرتد کو مرحوم یا مغفور۔۔۔ کہے وہ کافر ہے۔ بہار شریعت حصہ اول، صفحہ 44، جنتی زیور، صفحہ 161۔

(1) بریلوی جید علامہ نور بخش توکلی صاحب نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کا نام یوں لکھا ہے: مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔ سیرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ 666۔۔۔

توکلی صاحب تو گئے مگر یہ جید بریلوی علماء وزعما جو اس کتاب کی تعریف وتوثیق کر رہے تھے ان کے کفر میں اگر کوئی بریلوی شک کرے تو وہ بھی گیا۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 93، 96، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

قطع نظر اس کے کہ یہ کمپوزر کی غلطی ہوسکتی ہے کہ اس نے غلطی سے نانوتوی کے ساتھ (رحمة الله عليه) لکھ دیا۔ لیکن دیوبندی یہ ثابت کریں کہ نور بخش صاحب نے قاسم نانوتوی کے کفر پر مطلع ہونے کے باوجود انہیں (رحمة الله عليه) کہا تھا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جس کسی عالم نے بھی دیوبندیوں کی تعریف کی ہو وہ کافر ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ ثابت کرو کہ وہ اس دیوبندی کے کفر پر مطلع ہو گیا تھا پھر بھی اسے کافر نہ کہا۔ اعلیٰ حضرت یہی فرماتے تھے جو ان کے کفر پر مطلع ہو کر انہیں کافر نہ کہے وہ کافر ہے چنانچہ فرماتے ہیں: ''دیوبندیوں کے کفر کا پانی ان کے سر سے گزر گیا ہے جس کا حال کتاب مستطاب "حسام الحرمين شریف" سے ظاہر ہے یہ لوگ اللہ و رسول (جل وعلا وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم) کو شدید گالیاں دے چکے اور ان پر اب تک قائم ہیں، ان علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق نام بنام ان سب کی تکفیر کی اور صاف فرمایا "من شك في كفره و عذابه فقد كفر" جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ جو ان کے اقوال پر مطلع ہو کر ان کے کافر ہونے میں شک بھی کرے وہ خود کافر۔''

(فتاوی رضویہ، جلد 14، صفحہ 371، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

قاسم نانوتوی کے متعلق عبد الحیٔ لکھنوی کا موقف

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

مفتی عبد الحمید خان سعیدی بریلوی لکھتے ہیں: دیوبندی حضرات خوش فہمی سے سنی عالم دین حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی کثرت تصانیف کی بنا پر اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایں خیال است ومحال است وجنوں۔۔۔ الخ۔ تنبیہات، صفحہ 124۔

اب دیکھئے مولانا لکھنوی لکھتے ہیں: مولوی محمد قاسم النانوتوی هو فاضل كامل مستعد

جید۔۔۔نانونة بلدة من اضلاع سهار نفور و مدفنه فی بلدة دیوبند فرحمه الله ۔مقدمہ عمدة الرعایہ،صفحہ 29۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 96، 97، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب نے صریح تحریف کا ارتکاب کیا۔لکھنوی صاحب کی اصل عبارت اتنی تھی ''مولوی محمد قاسم النانوتوی هو فاضل کامل مستعد جید ''اس کے بعد بقیہ عبارت کسی دیوبندی نے اس کے حاشیہ میں لکھی تھی۔لکھنوی صاحب جہاں حاشیہ خود لکھتے تھے وہاں ''منہ'' لکھتے تھے اور اس عبارت کے ساتھ کچھ نہیں لکھا ہے۔جس کا واضح مطلب ہے کہ یہ کسی دیوبندی کی ہے کیونکہ یہ کتاب دیوبندی مکتبہ امدادیہ، ملتان کی چھپی ہے۔

عبدالحی لکھنوی (رحمۃ اللہ علیہ) سے ثابت ہے کہ انہوں نے قاسم نانوتوی کے عقیدے کو باطل وقبیح کہا تھا چنانچہ آپ نے فتویٰ ''اغلاط ابطال قاسمیہ'' کی تصدیق کی تھی اور یہ وہ فتویٰ ہے جس میں قاسم نانوتوی کے عقیدے کو باطل وقبیح کہا گیا تھا اور کئی علماء نے اس کی تصدیق کی تھی۔ان تصدیق کرنے والوں میں عبدالحئی بھی تھے۔یہ فتویٰ کئی کتب میں موجود ہے۔

پیر کرم شاہ صاحب اور تحذیر الناس

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

پیر کرم شاہ بھیروی لکھتے ہیں: حضرت قاسم العلوم کی تصنیف لطیف مسمی بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غور و تامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف وسرور حاصل ہوا علماء حق کے نزدیک حقیقت محمد یہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام متشبہات سے ہے اور اس کی صحیح معرفت انسانی حیطہ سے خارج ہے۔لیکن جہاں تک فکر انسانی کا تعلق ہے، حضرت مولانا قدس سرہ کی یہ نادر تحقیق کئی شپرہ چشموں کے لئے سرمہ بصیرت کا کام دے سکتی ہے۔الخ۔۔۔ جسٹس کرم شاہ کا تنقیدی جائزہ، صفحہ 23۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 97، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

کرم شاہ صاحب کی اس عبارت کی وجہ سے علمائے کرام نے ان کی شدید گرفت فرمائی، لیکن ان کے متابعین کا کہنا ہے کہ آپ نے غلط فہمی کا شکار ہو کر کتاب کی تعریف اولاً کردی بعد میں ماہنامہ ضیائے حرم شمارہ اکتوبر 1986 کے صفحہ 29 پر ندامت وافسوس کا اظہار کیا اور صفحہ 22 پر نانوتوی کی عبارت کو خاتم النبیین کے اجماعی مفہوم کے مخالف قرار دیا۔مزید 1977 میں سورۃ طلاق کی تفسیر کرتے ہوئے اثر ابن عباس کو موضوع اور من گھڑت قرار دیا۔پیر کرم شاہ صاحب کے موقف میں آنے والی تبدیلی کی تصدیق ڈاکٹر خالد محمود نے اپنی کتاب مطالعہ بریلویت میں بھی کی ہے کہ آخر کار پیر کرم شاہ صاحب نے

سابقہ موقف چھوڑ کر دیوبندی حضرات کو تکفیر کا صدمہ پہنچایا ہے۔

پروفیسر حافظ احمد بخش جنہوں نے کرم شاہ صاحب کی سیرت پر تین جلدوں میں کتاب بنام ''جمال کرم'' لکھی اس میں لکھا ہے: ''ایک مخصوص مکتبہ فکر کے بعض شاطر اور چالاک لوگوں نے امام اہلسنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کی کردار کشی کرتے ہوئے حضرت ضیاء الامت (رحمۃ اللہ علیہ) کے مکتوب کا سہارا لینے کی کوشش کی تو آپ نے فوراً اس کا نوٹس لیا اور نانوتوی موصوف کی عبارات کے خطرناک نتائج اور مضر اثرات سے پردہ کشائی کرتے ہوئے ایک طرف اپنے پہلے موقف سے رجوع فرمایا تو دوسری طرف مجدد وقت الشاہ احمد رضا خاں (رحمۃ اللہ علیہ) کو انتہائی حسین انداز میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔''

(جمال کرم، جلد1، صفحہ695، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

جب کرم شاہ صاحب نے اپنی عبارت سے رجوع کر لیا تھا اور یہ بات کئی کتب سے ثابت ہے، اس کے باوجود گھمن صاحب کی سوئی ادھر ہی اڑی ہے اور دیوبندیوں کو اندھیرے میں رکھ رہے ہیں۔

عبدالباری فرنگی محلی کا دیوبند کے متعلق موقف

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھتے ہیں: ہمارے اکابر نے اعیان علماء دیوبند کی تکفیر نہیں کی ہے۔جو حقوق اسلام کے ہیں، اس سے ان کو بھی کبھی محروم نہیں رکھا ہے۔کلیات مکاتیب رضا، جلد 1، صفحہ 390۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 99، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

دیوبندی عبدالباری فرنگی محلی کی اس عبارت سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں جبکہ اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ عبدالباری اور ان کے اکابر نے دیوبندیوں کی کفریہ عبارات کو غیر کفریہ کہا ہے۔دراصل عبدالباری کے بڑوں تک دیوبندیوں کی یہ کفریہ عبارات نہیں پہنچی تھیں اور عبدالباری فرنگی محلی (رحمۃ اللہ علیہ) پر جب حقیقت حال کھل گئی تو انہوں نے توبہ کرتے ہوئے اپنا وہی موقف قائم کیا جو اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کا تھا۔عبدالباری فرنگی محلی کا پورا بیان شہزادہ اعلیٰ حضرت قبلہ مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا (رحمۃ اللہ علیہ) کی کتاب ''الطاری الداری'' میں یوں موجود ہے: ''اب غور کے بعد یہ خیال آتا ہے کہ اس سے اس طرح توبہ کرسکتا ہوں کہ عبارت اپنی لکھوں اور اس کے بعد لکھوں کہ اس کا مطلب اگر یہ ہے کہ جو مولوی احمد رضا خاں صاحب نے تحریر فرمایا ہے تو میں اس سے بصدق دل توبہ کرتا ہوں۔مولانا آپ اس کا احساس نہیں کرسکتے کہ میری اس جسارت توبہ پر کس قدر مجھ پر ہر چہار طرف سے یورش ہے۔میں اس کو علامت قبولیت توبہ سمجھتا ہوں۔اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔میں نے اسی وجہ سے ایک

تحریر(اخبار) ''ہمدم'' میں اس رجسٹری کے واپس کرنے پر بھی لکھدی ہے۔ اس قدر التماس ہے کہ ہمارے اکابر نے اعیان علمائے دیوبند کی تکفیر نہیں کی ہے۔ اس واسطے جو حقوق اہل اسلام کے ہیں، ان سے ان کو کبھی محروم نہیں رکھا ہے۔ مولوی قاسم صاحب کے نام کے خط و کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ ہم نے ارادہ کرلیا ہے کہ اب جس کے نام کا جو لقب کسی نے ہمارے اکابر سے لکھا ہے اسی کی اتباع میں لکھا کرونگا، اس سے زیادہ و کمی نہ کرونگا اور اس کے مماثل کے لئے بھی ایسا ہی لقب لکھونگا۔''

(الطاری الداری لھفوات عبد الباری، صفحہ 16، حسنی پریس بریلی)

اس عبارت میں واضح طور پر عبدالباری فرنگی محلی (رحمۃ اللہ علیہ) نے توبہ کی ہے اور کہا ہے کہ آئندہ کبھی قاسم نانوتوی اور دیگر دیوبندیوں کی تعظیم وغیرہ نہیں کروں گا۔ دیوبندی ساری عبارت چھوڑ کر فقط یہ عبارت نقل کرتے ہیں۔ یہ عبارت ہمارے خلاف نہیں ہے، اسلئے کہ ہمارا مؤقف یہ ہے کہ ان دیوبندیوں کے کفریات پر جو مطلع ہو کر انہیں کافر نہ کہے وہ کافر ہے۔ دیوبندیوں کی یہ کفریہ عبارتیں عبدالباری کے اکابرین کے بعد کی ہیں۔ ہوسکتا ہے عبدالباری (رحمۃ اللہ علیہ) کے کسی اکابر کے دور میں قاسم نانوتوی موجود ہو لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان کے کسی اکابر نے نانوتوی کی کفریہ عبارت کو دیکھ کر صحیح کہا ہو۔

کسی بدمذہب مولوی کے ساتھ لفظ ''مولانا'' لکھنا

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

پروفیسر ڈاکٹر مسعود لکھتے ہیں: مولانا گنگوہی۔ فتاوٰی مظہریہ، صفحہ 356، 357، 361۔۔۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود صاحب لکھتے ہیں: مولانا اشرف علی تھانوی صاحب۔ فتاوٰی مظہریہ، صفحہ 446۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: مولانا اشرف علی تھانوی۔ تذکرہ مظہر مسعود، صفحہ 450۔''

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 100، 102، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب کو اور کوئی دلیل نہیں ملی تو لفظ ''مولانا'' سے استدلال کرنا شروع کردیا۔ انہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ لفظ ''مولانا'' بطور رواج لکھا جاتا ہے۔ پروفیسر مسعود صاحب خود بھی اکابر دیوبند کی تکفیر کے قائل تھے اور ان کے والد صاحب نے بھی حسام الحرمین کی تصدیق فرمائی ہے، ملاحظہ ہو فتاوٰی مظہریہ۔

خود دیوبندی اہل سنت علماء کے نام کے ساتھ مولانا، مولوی لکھتے ہیں، کیا دیوبندی جس کے ساتھ مولانا، یا مولوی لکھیں تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ حق پر ہیں اور دیوبندی باطل پر؟ پھر اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کے متعلق تو دیوبندیوں کے اکابرین نے نہ صرف مولوی، مولانا لکھا بلکہ صراحۃً ان کی تعظیم کی۔ چند حوالے پیش خدمت ہیں:۔

اکابر دیوبند کا امام احمد رضا خان کی شان و عظمت کا معترف ہونا

دیوبندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مفتی محمد حسن بیان کرتے ہیں: ''حضرت تھانوی نے فرمایا، اگر مجھے مولوی احمد رضا صاحب بریلوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقعہ ملتا، تو میں پڑھ لیتا۔''

(حیات امداد، صفحہ 38 طبع کراچی، انوار قاسمی صفحہ 389)

خیر المدارس ملتان کے صدر مدرس دیوبندی شیخ المعقولات مولوی محمد شریف کشمیری نے مفتی غلام سرور قادری کو ایک مباحثہ میں مخاطب کر کے کہا کہ: ''تمہارے بریلویوں کے بس ایک عالم ہوئے ہیں اور وہ مولانا احمد رضا خان، ان جیسا عالم میں نے بریلویوں میں نہ دیکھا ہے اور نہ سنا ہے وہ اپنی مثال آپ تھا اس کی تحقیقات علماء کو دنگ کر دیتی ہیں۔''

(الشاہ احمد رضا بریلوی، صفحہ 82، مکتبہ فریدیہ، ساہیوال)

تبلیغی جماعت کے بانی مولوی الیاس کے متعلق محمد عارف رضوی لکھتے ہیں: ''کراچی میں ایک عالم دین نے جن کا تعلق مسلک دیوبند سے تھا۔ فرمایا تھا کہ تبلیغی جماعت کے بانی مولانا محمد الیاس صاحب فرماتے تھے۔ اگر کسی کو محبت رسول سیکھنی ہو تو مولانا (احمد رضا) بریلوی سے سیکھے۔''

(بحوالہ امام احمد رضا فاضل بریلوی اور ترک موالات، صفحہ 100)

جماعت اسلامی کے بانی مولوی مودودی لکھتے ہیں: ''مولانا احمد رضا خان صاحب کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی نظر رکھتے تھے۔ اور ان کی فضیلت ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔ نزاعی مباحث کی وجہ سے جو تلخیاں پیدا ہوئیں وہی دراصل ان کے علمی کمالات اور دینی خدمات پر پردہ ڈالنے کی موجب ہوئیں۔''

(ہفت روزہ شہاب، 25 نومبر 1962ء، بحوالہ سفید و سیاہ، صفحہ 112)

گھمن صاحب نے اس پوری کتاب میں اعلیٰ حضرت پر گالی گلوچ کی ہے جبکہ دیوبند کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں: ''مولانا احمد رضا خان کو تکفیر کے جرم میں بُرا کہنا بہت ہی بُرا ہے کیونکہ وہ بہت بڑے عالم اور بلند پایہ محقق تھے۔ مولانا احمد رضا خان کی رحلت عالم اسلام کا ایک بہت بڑا سانحہ ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔''

(رسالہ ہادی دیوبند، صفحہ 20، ذوالحج 1369ھ، بحوالہ سفید و سیاہ، صفحہ 116، طمانچہ صفحہ 41، 42)

مزید اگر اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کی شان دیکھنی ہو تو مولانا کاشف اقبال مدنی صاحب کی کتاب ''اعلیٰ حضرت غیروں کی نظر میں'' دیکھیں، یہ جزئیات بھی انہی کی کتاب سے لئے گئے ہیں۔

اس کے علاوہ الیاس گھمن نے بعض علماء کے اقوال پیش کئے جن میں دیوبندی مولویوں کی تعریفات ہیں، ہم بار بار

کہہ رہے ہیں کہ ان علماء کرام کو ان کفریہ عبارتوں کا پتہ نہیں تھا اسلئے اس طرح کے تعظیمی الفاظ کہہ دیئے، اس لئے ہم ان پر کوئی حکم نہیں لگاتے۔ ہاں اگر کوئی سنی چاہے خود کو بریلوی کہے، چاہے پیر ہو یا عالم اگر ان کفریات پر مطلع ہونے کے باوجود انہیں کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔

ابھی تک صلح کلی مولویوں میں۔ سے بھی کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ صاف کہہ دے کہ میں حسام الحرمین کو نہیں مانتا، جب کہے گا تو خود کافر ہو جائیگا، پھر اس کا حوالہ دینا ہمیں مضر نہیں ہوگا کہ وہ ہم میں سے نہیں ہوگا۔

دیو بندیوں کے بڑے بڑے مولویوں کو تو اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) کے متعلق سب پتہ تھا، اسکے باوجود انہوں نے اعلیٰ حضرت کی تعریفات کی ہیں، گھمن صاحب! آپ ان پر کیا حکم لگائیں گے ذرا بتا دیں؟

کیا خلیفہ اعلیٰ حضرت ظفر الدین بہاری دیو بند کی تکفیر کے مخالف تھے؟

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

مفتی خلیل احمد خان قادری برکاتی لکھتے ہیں: خود فقیر نے جامع مسجد بریلی کے امام و مدرسہ منظر الاسلام کے محدث فقیر کے بڑے بھائی مولانا عبد العزیز خان صاحب مرحوم کے مکان پر مولوی ظفر الدین صاحب موصوف کی زبان سے سنا تھا چنانچہ فرمایا کہ علماء دیو بند کی تکفیر صحیح نہیں، ان کا یہ عقیدہ نہیں ہے مجھ کو خوب تحقیق ہو چکی ہے، ان کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں۔ چنانچہ بھائی مرحوم سے اس باب میں گفتگو ہوئی یہاں تک کہ بھائی صاحب خاموش ہو گئے۔ مولانا موصوف نے بڑے شد و مد کے ساتھ یہی فرمایا کہ تکفیر کا مسئلہ چلے گا نہیں، ان حضرات کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں جو ہمارا عقیدہ ہے وہی ان کا عقیدہ ہے، یہاں تک کہ بقول مولوی حبیب الرحمٰن صاحب مولانا ظفر الدین صاحب نے مولوی سہیل صاحب جو مولوی اشرف علی صاحب کے مرید تھے، اقتداء میں نماز بھی ادا کی تھی۔

انکشاف حق، صفحہ 150۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 100، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

یہاں وہی مردود کتاب ''انکشافِ حق'' کا حوالہ دے کر صفحوں کی تعداد بڑھائی ہے جبکہ ہم اس پر تفصیلی کلام پیچھے کر آئے ہیں۔ یہاں کہا گیا کہ مولانا ظفر الدین بہاری (رحمة الله عليه) اکابر دیو بند کی تکفیر کے مخالف تھے جبکہ یہ صریح جھوٹ ہے آپ ان کی تکفیر کرتے تھے جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ مزید مولانا ظفر الدین بہاری (رحمة الله عليه) کے فتاویٰ سے ایک فتویٰ پیش کیا جاتا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ دیو بندی مولویوں کا رد کرتے تھے چنانچہ آپ سے سوال ہوا: ''زید جو عمرو (سنی) کے نزدیک وہابی ہے، یہ کہتا ہے کہ ہم وہابی نہیں۔ جو عقیدہ عمرو کا ہے وہی عقیدہ ہمارا ہے اور دلیل میں (دیو بندیوں کی کتاب جو

حسام الحرمین کے بعد لکھی گئی) ''المھند'' کو پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر ہم وہابی ہوتے تو کتاب مذکور کو نہ مانتے۔ حالانکہ ہم اس کو مانتے اور صحیح جانتے ہیں، جس طرح تم صحیح جانتے اور مانتے ہو۔ لیکن عمرو جس طرح رشید احمد، اشرف علی اور اسماعیل وغیرہ کی مصنفہ کتابوں کے متعلق پوچھتا ہے کہ تم اسے وہابی سمجھتے ہو اور کتابوں کو باطل سمجھتے ہو یا نہیں؟ تو وہ کہتا ہے کہ ہم انہیں وہابی یا ان کی کتابوں کو برا نہیں سمجھتے۔ لیکن ہاں اس پر عمل بھی نہیں کرتے۔ نہ معلوم انہوں نے کس مصلحت سے ایسا لکھا؟ تو اس صورت میں زید سنی یا وہابی کس گروہ میں اس کا شمار ہوگا؟''

جواباً آپ فرماتے ہیں: ''زید اگر عیار نہیں تو احمق ہے اور احمق نہیں تو عیار ہے کہ اپنی عیاری دکھاتا اور عقل و نقل سب کے خلاف بات بتاتا ہے۔ اس سے پوچھا جائے کہ ان کتابوں کو حق سمجھتے ہو یا ناحق؟ اگر حق سمجھتے ہو تو کیوں حق کے مطابق عقیدہ نہیں رکھتے اور اگر ناحق سمجھتے ہو تو پھر کس طرح اچھا جانتے ہو؟ تو کیا اچھا اور برا حق اور ناحق کے درمیان کوئی حد فاصل ہے؟ قال تعالیٰ ﴿ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِ اِلا الضَلالَ ﴾ حق کے بعد نہیں مگر گمراہی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔''

(فتاوی ملك العلماء، صفحه 228،231، نوری كتب خانه، لاہور)

مزید ظفر الدین بہاری (رحمة الله عليه) فرماتے ہیں: ''کوئی دیندار وہابیہ سے میل جول رکھنا کیسے پسند کر سکتا ہے؟ خود وہابیہ کے افعال سے سبق لے سکتے ہیں کہ کوئی سنی ان کے کبرا، ان کے فضلا کے حق میں وہی الفاظ استعمال کرائے جو انہوں نے ہمارے حضور اقدس (صلى الله عليه وآله وسلم) کی شان میں استعمال کئے ہیں، پھر دیکھئے ایک جگہ اپنے کا ساتھ کیسا حق نباہتے ہیں؟ اسی طرح ملتے جلتے ہیں یا منہ پھلا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ کسی وہابی کے سامنے کہہ دیکھئے کہ مولوی اسماعیل و قاسم، رشید احمد و اشرف علی سا علم تو ہر گدھے، کتے، سور کو ہے۔ یہ کہہ کر ان کے اخلاق دیکھئے۔ حیف صد حیف کہ وہ لوگ جس قدر اپنے علماء کی عزت کریں، افسوس ہمارے سنی بھائی اپنے نبی (صلى الله عليه وآله وسلم) کی بھی وقعت و عظمت اپنے دل میں اتنی نہ رکھیں۔''

(فتاوی ملك العلماء، صفحه 230، نوری كتب خانه، لاہور)

پیر مہر علی شاہ صاحب اور دیو بند

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

بریلویوں کی مستند زمانہ کتاب مہر منیر میں ہے: مولوی اشرف علی تھانوی جو ہر مسئلہ کو خالص شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ مہر منیر 268۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 102، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

گھسن صاحب نے پوری عبارت سمجھے بغیر تھانوی صاحب کی تعریف ثابت کردی۔ سید شاہ عبدالحق گیلانی صاحب کی یہ بات غیر واضح ہے کہ وہ پیر مہر علی شاہ صاحب اور دیگر سنی علماء راسخین کے متعلق یہ کہہ رہے ہیں یا تھانوی صاحب کے متعلق۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ سارے دیوبندی تحریک خلافت کے ساتھ تھے اور اشرف علی تھانوی تحریک خلافت کے مخالف تھے۔ پیر سید شاہ عبدالحق گیلانی صاحب نے جب پیر مہر علی شاہ صاحب، سید دیدار علی شاہ صاحب، مولوی محمد علی مونگھیری رحمہم اللہ کا موقف ثابت کیا تو بطور تائید تھانوی کا نام لکھ دیا۔ پوری عبارت یوں ہے: ''حضرت قبلہ عالم قدس سرہ اور بعض دیگر علمائے راسخین مثلاً سید دیدار علی شاہ لاہوری (رحمۃ اللہ علیہ)، جناب مولوی محمد علی مونگھیری (رحمۃ اللہ علیہ) صوبہ بہار کے علاوہ مولوی اشرف علی تھانوی جو ہر مسئلہ کو خالص شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے، ترکی سلطنت کو اسلامی خلافت کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم ان حضرات کی مکمل ہمدردی اس وقت تک ترکوں کے ساتھ رہی جب تک ان کی انقلاب پسند جماعت نے برسر اقتدار آکر اس بات کا اعلان نہ کردیا کہ ہماری حکومت کا کوئی مذہب نہیں۔''

(مہر منیر، صفحہ 268، باہتمام حضرت پیر سید شاہ عبد الحق گیلانی سجادہ نشین گولڑہ شریف)

یہاں سنی علماء کے ساتھ (رحمۃ اللہ علیہ) لگایا اور تھانوی کے ساتھ نہیں لگایا۔ دوسری جگہ انہوں نے ہی رشید احمد گنگوہی پر تنقید کی کہ گنگوہی نے ابن عبدالوہاب کی تعریف کی تھی چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''تعجب ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی فتاوٰی رشیدیہ میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کو عمدہ تحریر کرتے ہیں حالانکہ ان میں سے ایک عقیدہ کی براہ راست زد خود مولوی صاحب کے اپنے شیخ اور پیرومرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذات گرامی پر پڑتی ہے۔ جن کا ارشاد ہے:

شفیعِ عاصیاں ہو تم وسیلہ بے کساں ہو تم
تمہیں چھوڑا اب کہاں جاؤں بتاؤ یارسول اللہ
کرم فرماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم
ہمارے جرم وعصیاں پر نہ جاؤ یا رسول اللہ

نیز فرماتے ہیں:

کہے ہے شوقِ نبی یہ آکر چلو مدینے چلو مدینے
میں ہوں گا دل سے تمہارا رہبر چلو مدینے چلو مدینے
ہلاکتِ امداد اب تو آئی جو فوجِ عصیاں نے کی چڑھائی

نجات چاہو تو اے برادر چلو مدینے چلو مدینے

اور مولوی رشید احمد گنگوہی کے برادر طریقت مولوی اشرف علی تھانوی اپنی کتاب شیم الحبیب تم الطیب میں فرماتے ہیں:

یاشفیع العباد خذ بیدی — انت فی الاضطرار معتمدی
دستگیری کیجئے میری نبی — کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
لیس لی ملجاء سواک اغث — مسنی الضر سیدی سندی
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ — فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی
لیتنی کنت ترب طیبتکم — فالتثمت النعال ذاک قدی
کاش ہو جاتا مدینہ کی میں خاک — نعل بوسی ہوتی کافی آپ کی

(مہر منیر، صفحہ 263، باہتمام حضرت پیر سید شاہ عبد الحق گیلانی سجادہ نشین گولڑہ شریف)

خود پیر مہر علی شاہ صاحب نے کئی مقامات پر ابن عبدالوہاب نجدی اور اسماعیل دہلوی اور دیگر وہابیوں کا خوب شد و مد سے رد بھی کیا۔ مولوی رشید احمد گنگوہی کے شاگرد حسین علی سے پیر مہر علی شاہ صاحب نے علم غیب کے مسئلہ پر مناظرہ کیا اور اسے بھگا دیا۔ ملاحظہ ہو مہر منیر صفحہ 437۔

گھسن صاحب لکھتے ہیں:

پیر مہر علی شاہ صاحب لکھتے ہیں: فرقتین اسماعیلیہ و خیر آباد سے شکر اللہ سعیہم راقم دونوں کو ماجور و مثاب جانتا ہے۔ فتاوٰی مہریہ، صفحہ 9۔

فرقہ اسماعیلیہ سے اشارہ اکابر دیوبند کی طرف ہے۔ مزید لکھتے ہیں: میرے خیال میں فریقین از علماء کرام متنازعین اہل السنۃ والجماعت سے ہیں آنحضرت کو بالاسماء العظمہ واجب اور ضروری اعتقاد رکھتے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں: فریقین کو تحریر ہذا سنا کر آپس میں ملا دیں اور ایک دوسرے کو برا نہ کہیں۔ فتاوٰی مہریہ، صفحہ 5، 6۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 102، 103، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

اس میں اشارہ دیوبند کی طرف نہیں بلکہ ''فتاوٰی مہریہ'' میں شروع میں اس کی صراحت ہے کہ ملتان سے دربار پیران پیر کے مشہور بزرگ اور سجادہ نشین حضرت مخدوم صدرالدین شاہ صاحب گیلانی نے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات پاک پر لفظِ بشر کے اطلاق اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حاضر و ناظر ہونے کے متعلق بعض علمائے وقت کے باہم اختلاف

پر حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا مسلک دریافت کیا تو جواب میں آپ نے فرمایا حضور (علیہ السلام) کے متعلق اپنا وہی عقیدہ لکھا جو اہل سنت کا ہے اور وہابیوں کا رد کیا۔ پوری عبارت یوں ہے: ''میرے خیال میں فریقین از علمائے کرام متنازعین اہل سنت والجماعت سے ہیں اور ذکرِ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بالاسماء المعظمہ واجب اور ضروری اعتقاد کرتے ہیں۔ لہٰذا ان سے ہرگز ہرگز متصور نہیں کہ معاذ اللہ فرقہ ضالہ نجدیہ وہابیہ کی طرح صرف لفظِ بشر کا اطلاق جائز کہیں۔ البتہ ان کا خیال ہے بقصد تحقیر لفظ بشر کا استعمال ناجائز اور بغیر اس کے جائز۔ مگر میری رائے وہی ہے جو اوپر بیان کر چکا ہوں کہ صرف بشر کا اطلاق بغیر انضمامِ کلماتِ تعظیم نہ چاہیئے کہ بوجہ شیوع عرف وقصد فرقہ ضالہ صرف بشر کہنے میں ایہام امر ناجائز کا ہے۔''

(فتاوی مہریہ، صفحہ 6، باہتمام حضرت پیر سید شاہ عبد الحق گیلانی سجادہ نشین گولڑہ شریف)

گھمن صاحب اس کے بعد پھر بے تکی باتیں کرنا شروع ہوگئے کہ اہل سنت کے دو گروپ ہوگئے وغیرہ جنہیں یہاں بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

پیر نصیر الدین گولڑوی لکھتے ہیں: ہمارے حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ کسی کلمہ گو کو کافر یا مشرک کہنے کے حق میں نہیں تھے اور نہ کبھی آپ نے کسی دیوبندی کو کافر اور مشرک قرار دیا۔ راہ رسم ومنزل، صفحہ 266۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 105، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

پیر مہر علی شاہ صاحب تک دیوبندیوں کی یہ کفریہ عبارتیں پہنچی نہیں تھیں، اسلئے آپ نے دیوبند کی تکفیر نہیں کی تھی۔ ہم بار بار کہہ رہے ہیں کہ گھمن صاحب یہ دلائل پیش کریں کہ جس میں مستند علمائے اہل سنت نے تکفیری عبارتوں کے متعلق کہا ہو کہ یہ عبارات کفریہ نہیں ہیں۔ یہ گھمن صاحب ساری زندگی ثابت نہیں کر سکتے۔ علامہ سید احمد سعید کاظمی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ''ہمارے مخالفین میں سے آج تک کوئی شخص اس امر کا ثبوت پیش نہیں کر سکا کہ فلاں مسلم بین الفریقین بزرگ کے سامنے علمائے دیوبند کی عبارات متنازعہ فیھا پیش کی گئیں اور انہوں نے ان کو صحیح قرار دیا، یا تکفیر سے سکوت فرمایا۔ علاوہ ازیں یہ کہ جن اکابر امت مسلم بین الفریقین کی عدم تکفیر کو اپنی برأت کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے ممکن کہ انہوں نے تکفیر فرمائی ہو اور منقول نہ ہوئی ہو کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ کسی کی کہی ہوئی ہر بات منقول ہو جائے۔ لہٰذا تکفیر کے باوجود عدم نقل کے احتمال نے اس آخری سہارے کو بھی ختم کر دیا۔''

(الحق المبین، صفحہ 49، قدیم، صفحہ 50 جدید ایڈیشن، نعمان اکادمی، جہانیاں منڈی)

حکیم محمود احمد برکاتی کون تھا؟

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

حکیم محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں: مولانا معین الدین اجمیری نے ایک استفتاء کے جواب میں کہا کہ حضرات شاہ اسماعیل، مولانا محمد قاسم، مولانا رشید احمد کافر ہیں؟ تحریر فرمایا تھا کہ یہ حضرات مسلمان اور مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔ مولا حکیم سید برکات احمد سیرت وعلوم، صفحہ 184۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 105، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب عوام کو دھوکہ دینے کے لئے جس کے ساتھ بھی برکاتی لکھا ہوتا ہے اسے سنی بنا کر پیش کرتے ہیں۔ حکیم محمود احمد برکاتی سنی نہیں تھا بلکہ دیوبندی جماعت اسلامی کا آدمی تھا۔ جماعت اسلامی کی طرف سے الیکشن 2013 کی مہم میں قتل ہوا۔ گھمن صاحب کا انہیں سنی بنا کر پیش کرنا صریح دھوکہ ہے۔ پھر جبکہ حکیم محمود احمد دیوبندی ہیں تو ان کا قول وفعل ہم پر کوئی حجت نہیں ہے اور یہ بات صریح جھوٹ ہے کہ معین الدین اجمیری (رحمۃ اللہ علیہ) ان اکابر دیوبند کو مسلمانوں کا پیشوا جانتے تھے، وہ بھی تکفیر کے قائل تھے جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔

ادریس کاندھلوی دیوبندی کا کفریہ عبارات کے متعلق مؤقف

گھمن صاحب نے بہت زور لگایا کہ اکابر دیوبند کی کفریہ عبارات پر پردہ ڈال کر انہیں ولی اللہ ثابت کر دیا جائے، اس کے لئے انہوں نے علمائے اہل سنت کے کلام سے بھی ٹوٹے پھوٹے استدلال کئے جن کا اوپر جواب دے دیا گیا۔ اب دیوبندیوں کے بہت بڑے مولوی کا ہی حوالہ پیش کیا جاتا ہے جس میں انہوں نے واضح طور پر ان عبارات کو ناپسند کیا ہے۔ مولوی محمد ادریس دیوبندی کاندھلوی کہتا ہے: ''میں صراطِ مستقیم، براہین قاطعہ، حفظ الایمان، رسالہ امداد اور مرثیہ محمود الحسن نامی کتابوں کے مصنفین اور علمائے دیوبند کا عقیدت مند ہوں۔ لیکن ان کی عبارات میرے دل کو نہیں لگ سکی ہیں۔''

(ماہنامہ تجلی دیوبند، اگست، دسمبر 1957ء)

ایک اور دیوبندی مولوی ماہر القادری کہتا ہے: ''ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض محدین (دیوبندی وہابی) علماء سے لفظوں میں بے احتیاطی ضرور ہوگئی ہے۔ بات قرینہ اور خوبصورتی کے ساتھ محتاط انداز میں کہنی چاہیئے تھی۔ ہمیں اعتراف ہے کہ لفظوں کی بے احتیاطی اور بدسلیقگی کے باعث خود ان کے مشن کو نقصان پہنچا ہے۔''

(ماہنامہ فاران کراچی، بابت جون صفحہ 19، جون 1957ء، ماخوذ از دیوبندی مذہب، صفحہ 574، ضیاء القرآن، لاہور)

فصل نہم: الیاس گھمن کے جھوٹ

گھمن صاحب نے ایک ہیڈنگ بنائی ''اعلیٰ حضرت کے جھوٹ'' اس میں گھمن صاحب نے زبردستی اعلیٰ حضرت کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی جبکہ اس میں یہ خود جھوٹے ثابت ہوئے، اس لئے راقم الحروف نے یہ فصل الیاس گھمن کے جھوٹ کے نام کی بنادی۔

گھمن صاحب الزام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

قارئین گرامی قدر! اس عنوان پر لکھنا بھی ضروری ہے کہ جب سارے مسئلے کا راوی ہی جھوٹا ہو تو حسام الحرمین کے جو احکام اکابر دیوبند کے متعلق ہیں، خود ہی جھوٹ کا پلندہ ثابت ہو جائیں گے۔ اسلئے ہم نے چند سطور ان جھوٹوں کے جو احمد رضا نے بولے اکٹھا کر کے لکھ دی ہیں اور بجائے کچھ نیکی کمانے کے ان جھوٹوں کی وجہ سے فاضل بریلوی لعنۃ اللہ علی الکاذبین کی زد میں بری طرح آتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

گھمن صاحب! یہ تو آگے قارئین جان جائیں گے کہ جھوٹ کی لعنت کس پر برستی ہے؟ گھمن صاحب آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ اعلیٰ حضرت نہ تو راوی ہیں اور نہ وہ تنہا ہیں، علماء حرمین اور ہندوستان کے تین سو سے زیادہ علماء آپ کے ساتھ ہیں اور اعلیٰ حضرت سے پہلے بھی ہندوستان کے علمائے کرام نے اکابر دیوبند کی تکفیر کی ہے۔ ساری تاریخ کو یکسر نظر انداز کر کے فقط اعلیٰ حضرت پر الزام تراشیاں کر کے اکابر دیوبند کے کفریات کو مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل نہیں کیا جا سکتا۔

پہلا جھوٹ: قیامت والے دن ماں کی نسبت سے پکارے جائیں گے یا باپ کی نسبت سے؟

(1) فاضل بریلوی لکھتے ہیں: لوگ اپنی ماؤں کی طرف نسبت کر کے پکارے جائیں گے۔ احکام شریعت، مسئلہ نمبر 97، حصہ 2، صفحہ 204۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں "انکم تدعون یوم القیامۃ باسمائکم و اسماء ابائکم (الحدیث)" احکام شریعت، حصہ 1، مسئلہ 21، صفحہ 91۔

یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے والدوں کے نام سے پکارے جاؤ گے۔ اب دیکھئے یہ تو حدیث ہے لہٰذا سچ ہوا: اور پہلا قول فاضل صاحب کا ہے جو یقیناً جھوٹ ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 106، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں جو گھمن صاحب نے اپنے گمان فاسد میں اعلیٰ حضرت کو جھوٹا ثابت کیا ہے وہ بالکل باطل ہے۔ اعلیٰ حضرت نے

دو مختلف اقوال تو بیان کئے ہی نہیں ہیں بلکہ صرف ایک قول بیان کیا ہے کہ لوگ اپنی ماؤں کے نام سے پکارے جائیں گے اور دوسری جگہ جو گھمن صاحب نے حدیث نقل کی ہے یہ اس پر نہیں ہے کہ لوگ قیامت والے دن کس کے نام سے پکارے جائیں گے بلکہ اعلیٰ حضرت نام رکھنے کے متعلق کلام کرتے ہوئے اس حدیث پاک کو نقل کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ بچوں کے اچھے نام رکھے جائیں، لیکن گھمن صاحب نے صرف آدھی مطلب کی حدیث پاک نقل کر کے باطل استدلال کیا پوری حدیث پاک یوں ہے" انکم تدعون یوم القیامۃ باسمائکم واسماء ابائکم فاحسنوا اسماء کم " بے شک تم روز قیامت اپنے اور اپنے والدوں کے نام سے پکارے جاؤ گے، تو اپنے نام اچھے رکھو۔ (احکام شریعت، حصہ 1، صفحہ 88، نظامیہ کتب گھر، لاہور)

باقی یہ کہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کس دلیل پر کہہ دیا کہ لوگ اپنی ماؤں کے نام سے پکارے جائیں گے تو یہ بھی حدیث پاک سے ثابت ہے چنانچہ امام طبرانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے روایت کی ہے "عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إن اللہ یدعو الناس یوم القیامۃ بأمہاتہم ستراً منہ علی عبادہ" ترجمہ: حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے مروی ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ (عزوجل) پوشیدہ طور پر لوگوں کو قیامت کے دن ان کی ماں کے نام سے پکارے گا۔ (المعجم الکبیر، باب العین، عبید بن أبی ملیکۃ، عن ابن عباس، جلد 11، صفحہ 122، القاہرۃ)

اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض علماء اس طرف ہیں کہ ماؤں کی نسبت سے پکارے جائیں گے اور بعض نے کہا کہ باپوں کی نسبت پکارے جائیں گے، علامہ ابن بطال، علامہ ابن حجر عسقلانی، علامہ عبدالرؤف مناوی وغیرہ نے اسے اختیار کیا ہے۔ بعض نے کہا کہ عمومی طور پر باپ کی نسبت سے پکارے جائیں گے لیکن جس کا نسب زنا، لعان وغیرہ کی وجہ سے والدہ کی طرف منسوب ہوگا وہ والدہ کی نسبت سے پکارا جائے گا اور بعض کو خصوصی طور پر بطور شان والدہ کی نسبت سے پکارا جائے گا جیسے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں۔ بہر حال یہ مسئلہ مختلف فیہ لیکن گھمن صاحب کی کم علمی واضح ہے اور ان کا خود جھوٹ واضح ہے کہ اپنی کم علمی انہیں نظر نہ آئی الٹا اعلیٰ حضرت پر جھوٹ کا الزام لگا دیا۔ اس طرح مختلف اقوال میں ایک کو ترجیح دینا اگر جھوٹ ہے تو پھر دنیا کا کوئی عالم سچا نہیں رہے گا۔

دوسرا جھوٹ: داڑھی منڈے پر لعنت

گھمن صاحب نے دوسرا جھوٹ پھر وہی داڑھی منڈے پر لعنت ہونے والا لکھا جس کا پیچھے جواب ہو چکا ہے لیکن گھمن صاحب لگتا ہے کمزور حافظے کے مالک ہیں یا صفحے بڑھانے کے لئے بار بار ایک بات کرتے جا رہے ہیں۔

تیسرا جھوٹ: شیطان اور جھوٹ

گھمن صاحب کا تیسرا جھوٹ ملاحظہ ہو چنانچہ لکھتے ہیں:

فاضل بریلوی شیطان کے متعلق لکھتے ہیں: وہ کذب کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا۔ احکام شریعت، حصہ 1، مسئلہ نمبر 39، صفحہ 135۔

کون نہیں جانتا کہ اس نے آدم وحوا علیہما السلام سے جھوٹ بولا تھا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں، حالانکہ تھا دشمن۔ یہ بھی جھوٹ ہوا۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 107، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب بوکھلا گئے ہیں اور انہیں دعویٰ اور دلیل میں فرق بھی سمجھ نہیں آتا۔ اعلیٰ حضرت نے یہ کب فرمایا کہ شیطان نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اعلیٰ حضرت کا پورا کلام ملاحظہ ہو: ''وہابیہ گمراہ نہ ہوں گے تو ابلیس بھی گمراہ نہ ہوگا کہ اس کی گمراہی ان سے ہلکی ہے۔ وہ کذب کو اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتا اسی لئے اس نے ﴿اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ﴾ استثنا کر دیا تھا۔ یہ اللہ (عزوجل) پر جھوٹ کی تہمت رکھتے ہیں ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ﴾''

(احکام شریعت، حصہ 1، صفحہ 132، نظامیہ کتب گھر، لاہور)

یہاں اعلیٰ حضرت یہ نہیں فرما رہے کہ شیطان جھوٹ نہیں بولتا بلکہ ایک مسئلہ کے اعتبار سے فرما رہے ہیں کہ وہابیوں نے جھوٹ کی نسبت اللہ (عزوجل) کی طرف کر کے اتنی گمراہی مول لی اور اس کے برعکس شیطان دیکھیں کہ اس نے اللہ (عزوجل) کی طرف جھوٹ کی نسبت نہیں کی بلکہ خود بھی جھوٹ نہیں بولا اور صاف کہہ دیا کہ تیرے مخلص بندوں پر میرا زور نہیں۔

چوتھا جھوٹ: کوئی رسول شہید ہوا یا نہیں؟

چوتھا جھوٹ بولتے ہوئے گھمن صاحب لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں رسول کوئی شہید نہ ہوا۔ ملفوظات، حصہ 4، صفحہ 398۔

جبکہ قرآن کہتا ہے ﴿کُلَّمَا جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰۤی اَنۡفُسُکُمُ اسۡتَکۡبَرۡتُمۡ فَفَرِیۡقًا کَذَّبۡتُمۡ وَفَرِیۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ﴾ جب بھی ان کے پاس رسول لایا وہ چیز جو ان کے نفوس نہیں چاہتے تھے تو ایک گروہ تم میں سے ان کو جھٹلا دیتا اور ایک قتل کر دیتا۔ یہ بھی فاضل بریلوی کا جھوٹ ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 107، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

ملفوظات کی پوری عبارت یوں تھی۔ عرض: ''رسولوں میں سے کون شہید کیا گیا؟ ارشاد: ''انبیاء البتہ شہید کیے گئے۔

رسول کوئی شہید نہ ہوا ﴿یَقۡتُلُوۡنَ النَّبِیّٖنَ﴾ فرمایا گیا نہ کہ ''یَقۡتُلُوۡنَ الرُّسُلَ''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، صفحہ 463، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

کئی مستند علمائے کرام کا یہ مؤقف ہے کہ کوئی رسول شہید نہیں کیا گیا۔ انہوں نے قرآن پاک کی ان دو آیات سے استدلال کیا ﴿اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا﴾ بیشک ضرور ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے۔ ﴿اِنَّهُمۡ لَهُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ﴾ بیشک انہیں کی مدد ہوگی۔ ان آیات میں اللہ (عزوجل) نے خبر دی کہ وہ رسولوں کی مدد کرے گا اور جس کی رب تعالیٰ مدد کرے وہ شہید نہیں کیا جاسکتا۔ گھمن صاحب نے جو آیت پیش کی ہے اس کی تاویل یہ ہے کہ اس میں قتل سے مراد حقیقی طور پر شہید کرنا نہیں بلکہ شہید کرنے کی کوشش کرنا ہے جیسے کفار نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش کی تھی۔ تفسیر الماتریدی میں محمد بن محمد بن محمود ابو منصور الماتریدی (المتوفی 333ھ) فرماتے ہیں ''ویقول بعض الناس: إنهم قتلوا الأنبياءَ ولم يقتلوا الرسل لقوله ﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا﴾ ولقوله ﴿إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنصُورُونَ﴾ أخبر أنه ينصرهم، ومن كان الله ناصره فهو لا يقتل'' ترجمہ: بعض نے فرمایا کہ انبیاء (علیہم السلام) شہید کئے گئے، رسل (علیہم السلام) شہید نہیں کئے گئے۔ اللہ (عزوجل) کے اس فرمان کے سبب: بیشک ضرور ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے۔ اور اس فرمان کے سبب: بیشک انہیں کی مدد ہوگی۔ اللہ عزوجل نے خبر دی کہ رسولوں کی مدد کی جائے گی تو جس کا ناصر رب تعالیٰ ہو وہ قتل نہیں کیا جاسکتا۔

(تفسیر الماتریدی (تأویلات أهل السنة)، جلد 1، صفحہ 507، دار الکتب العلمیة، بیروت)

جب اس مسئلہ میں علمائے کرام کے دو مؤقف ہیں اور اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) نے ایک مؤقف کو اختیار کیا تو اسے جھوٹ کہنا گھمن صاحب کی نہ صرف جہالت ہے بلکہ بغض کی علامت ہے۔ گھمن صاحب آپ وقت کے مجدد کا رد کرنے کے لئے نکلے ہیں اور آپ کی علمی حیثیت یہ ہے کہ بدیہی مسائل کا آپ کو پتہ نہیں۔ درحقیقت میری یہ کتاب آپ کے لئے بہت فائدہ مند ہے کہ آپ کو اپنی علمی حیثیت پتہ چل رہی ہے۔

پانچواں جھوٹ: وہابیوں کے متعلق اعلیٰ حضرت کی پیشین گوئی

گھمن صاحب پانچواں جھوٹ بولتے ہوئے لکھتے ہیں:

(اعلیٰ حضرت نے فرمایا) ان شاء اللہ وہابیہ کی دعوت بند ہوگی اور اہل سنت کی ترقی ہوگی۔

ملفوظات، حصہ 1، صفحہ 140۔

جبکہ ہوا الٹا ہے۔ ترقی تو اللہ (عزوجل) نے ہمیں دی ہے جن کو یہ وہابی کہہ رہا ہے۔ کیونکہ ہمارے

مدارس علماء ومشائخ میں اضافہ ہوا، یہ تو علمی یتیم ہی رہے۔ یہ بھی جھوٹ ہوا۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 107، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب کی کم علمی ملاحظہ ہو انہیں پیشین گوئی کے متعلق بھی علم نہیں، کئی بزرگ پیشین گوئیاں کرتے ہیں اگر وہ پوری نہ ہوں تو کیا وہ جھوٹے ہو گئے؟ ہاں مرزا قادیانی اپنی پیشین گوئیوں کے سبب ضرور جھوٹا ثابت ہوا تھا کہ اس نے نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے بطور دلیل پیشین گوئیاں کی تھیں جو پوری نہیں ہوئیں اور یہ اس کے جھوٹے ہونے کی دلیل تھیں۔

باقی اعلیٰ حضرت کی پیشین گوئی ہرگز غلط نہیں ہوئی، اعلیٰ حضرت کے دور میں بھی اور آپ کے بعد میں کئی عرصہ تک وہابیت ایک گالی بنی رہی اور لوگ ان سے نفرت کرتے تھے، اپنی مسجدوں میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ لیکن جب اہل سنت نے اپنے بچوں کے عقائد کی طرف توجہ چھوڑ دی تو نہ صرف وہابیت بلکہ اور بھی گمراہ عقیدے پروان چڑھنا شروع ہو گئے۔ لیکن آج بھی یہ سب اہل سنت کے مقابل آٹے میں نمک برابر بھی نہیں ہیں دیوبندی وہابی دونوں مل کر بھی اہل سنت و جماعت کی تعداد کے برابر نہیں ہیں، یہی اعلیٰ حضرت کی پیشین گوئی کی تصدیق ہے۔

پھر گھمن صاحب نے اپنے گمان فاسد میں ترقی فقط پاکستان کے مدارس کی تعداد میں زیادتی کو سمجھ رکھا ہے۔ گھمن صاحب! اپنے مدارس سے غیر ملکی افغانی پٹھانوں کو نکال کر پھر اپنی تعداد اور اہل سنت کے طلبہ کی تعداد نوٹ کریں۔ پھر آپ کو ہوش آئے گا۔ پھر دیوبندی مدارس کی تعداد چار پانچ سو زائد ہونا کئی سال پرانی رپورٹ ہے اور وہ بھی فقط پاکستان کی ہے۔ انڈیا، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک کی رپورٹ کا کچھ پتہ نہیں۔ لیکن گھمن صاحب نے وہی پرانی رپورٹ لے کر پوری دنیا میں اپنی ترقی سمجھ لی ہے۔ الحمد للہ (عزوجل) دعوت اسلامی نے دیوبندیت کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے، دن بدن مدارس و جامعات و کتب میں اضافہ ہو رہا ہے اگر آج اگر اہل سنت اور دیوبندیت مدارس کی گنتی ہو تو ان شاء اللہ (عزوجل) اہلسنت مدارس زیادہ ہوں گے۔

دوسرا یہ کہ اہل سنت و جماعت اپنی مساجد و مدارس کی رجسٹریشن نہیں کرواتی کہ اسے ضروری نہیں سمجھتی، جبکہ وہابی، دیوبندی اپنی مساجد و مدارس کی رجسٹریشن کرواتے ہیں اور یہ اس وجہ سے کرواتے ہیں کہ ایک تو انہیں حکومت سے مالی امداد مل جاتی ہے اور دوسرا یہ کہ قانونی طور پر دیوبندی، وہابی کسی ایسی جگہ مسجد و مدرسہ نہیں کھول سکتے جہاں اہل سنت کی اکثریت ہو، دیوبندی، وہابی قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اہل سنت کے علاقوں میں مسجد و مدرسہ کھول لیتے ہیں اور اس ڈر سے کہ کہیں کوئی قانونی کاروائی نہ کر لے فوراً دو نمبر طریقے سے رجسٹریشن کروا لیتے ہیں۔

ان شاء اللہ (عزوجل) وہابیت ضرور آنے والے وقت میں ختم ہو گی آج ان وہابی، دیوبندیوں کی تنظیموں پر پابندیاں لگ گئی ہے اور دہشت گرد ثابت ہو چکی ہیں، حکومتی اداروں میں بھی سب کو ان کی کرتوتوں کا پتہ ہے۔ تاریخ گواہ ہے خارجیوں نے ہر دور میں ایک وقت میں بہت اٹھان لی ہے لیکن بعد میں نیست و نابود بھی ہو گئے۔

چھٹا جھوٹ: جھوٹی کتابیں اور مطبع

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

فاضل بریلوی لکھتے ہیں: میرے والد ماجد وجد امجد پیر و مرشد قدست اسرارہم وخود حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسماء طیبہ سے کتابیں گھڑیں، ان کے نام نہاد مطبع تراش لئے، فرضی صفحوں کے نشان سے عبارتیں تصنیف کر لیں، جس کی مختصر جدول یہ ہے:

ہدایۃ البریہ، تحفۃ المقلدین، ہدایۃ الاسلام۔ رسائل رضویہ، جلد 2، صفحہ 492۔

یعنی یہ کتابیں ان دیوبندیوں نے گھڑی ہیں جبکہ خود ہی لکھتے ہیں: اپنے والد صاحب کے حالات میں کہ ہدایۃ البریہ الی الشریعۃ الاحمدیہ کہ دس فرقوں کا رد ہے۔ یہ کتابیں مطبع صادق سیتاپور میں طبع ہوئیں۔ مقدمہ جواہر البیان، صفحہ 8۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: یہ کتاب دیوبندی حضرات نے گھڑی ہے، والد صاحب کے نام پر تو جھوٹ ثابت ہو گیا یا پہلی بات جھوٹ ہے یا دوسری۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 108، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب لگتا ہے آپ ہوش میں نہیں ہیں۔ اعلیٰ حضرت تین باتوں کا ذکر کر رہے ہیں:۔1 کتابیں گڑھ لیں۔ 2 نام نہاد مطبع تراش لئے۔ 3 فرضی صفحوں کے نشان سے عبارتیں تصنیف کر لیں۔

ان تینوں باتوں کا مطلب یہ ہے کہ کبھی تو پوری کتاب ہی جھوٹ گڑھ لی اور کبھی کتاب کا نام وہی تھا مطبوعہ کوئی اور لکھ دیا اور عبارتیں اپنی مطلب کی گڑھ لیں۔

ھدایۃ البریہ آپ کے والد صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی کتاب ہے اور وہ صبح صادق سیتاپور سے چھپی تھی اور دیوبندیوں نے اسی نام کی کتاب مطبوعہ لاہور سے چھاپی اور اس میں فرضی صفحوں کے نشان سے اپنے مطلب کی عبارتیں گڑھ لیں۔ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے ان دونوں کی نشاندہی کی ہے جب والد صاحب کی کتاب کا ذکر کیا تو واضح کر دیا کہ وہ کتاب سیتاپور

سے چھپی ہے اور جب دیوبندیوں کی چھپی کتاب کا ذکر کیا تو ساتھ مطبوعہ لاہور لکھا تھا اور ساتھ جھوٹی من پسند عبارت مسئلہ علم غیب، مسئلہ تبدیل گورستان بحمایت گنگوہی صاحب ساتھ صفحہ نمبر کے لکھا تھا، جسے گھمن صاحب نے نہیں لکھا۔ فتاوٰی رضویہ میں ایک جگہ اس کی وضاحت ہے چنانچہ تمہید خالص الاعتقاد میں ہے: ''صفحہ 11 اور صفحہ 20 پر ہدایۃ البریہ مطبوعہ صبح صادق کے علاوہ ایک ہدایۃ البریہ مطبوعہ لاہور اعلیٰ حضرت کے والد روح اللہ روحہ کے نام سے گڑھی اور اپنی تراشیدہ عبارتیں اس کی طرف منسوب کردیں کہ صفحہ 13 میں فرماتے ہیں، صفحہ 41 میں فرماتے ہیں اور سب محض بناوٹ۔''

(فتاوٰی رضویہ، جلد29، صفحہ 422، رضافاؤنڈیشن، لاہور)

ساتواں جھوٹ: اعلیٰ حضرت کا اسماعیل دہلوی کے متعلق مؤقف

گھمن صاحب مزید الزامات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عرض: اسماعیل دہلوی کو کیسا سمجھنا چاہئے؟

ارشاد: میرا مسلک یہ ہے کہ وہ یزید کی طرح ہے، اگر کوئی کافر کہے منع نہ کریں گے اور خود کہیں گے نہیں۔ ملفوظات، صفحہ 138۔

دو باتیں لکھیں: 1۔ اگر کوئی کافر کہے تو منع نہیں کریں گے۔ 2۔ خود کافر نہیں کہیں گے۔ جبکہ تمہید ایمان میں لکھا ہے علما محتاطین انہیں کافر نہ کہیں۔ حسام الحرمین مع تمہید ایمان، صفحہ 132۔

کیا یہ روکنا نہیں تو یہ ملفوظات کی بات بھی جھوٹ ہوئی۔

دوسری بات کہ خود کافر کہیں گے نہیں، یہ بھی جھوٹ ہے، اس لئے کہ کوکبۃ الشہابیہ میں تو شاہ صاحب رحمۃ للہ علیہ کے بارے میں لکھا: بلاشبہ جماہیر فقہاء کرام واصحاب فتویٰ واکابر واعلام کی تصریحات واضحہ پر یہ سب کے سب مرتد کافر باجماع آئمہ ان تمام کفریات ملعونہ سے بالتصریح توبہ ورجوع اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھنا فرض۔ الکوکبۃ الشہابیۃ، صفحہ 60۔ تو دوسری بات بھی جھوٹ ہوئی۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 109، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب کچھ تو اپنی عزت کا لحاظ کریں، آپ کو تو متکلم اسلام کہنا ہی درست نہیں کہ آپ کو کفرِ لزومی والتزامی کا ہی پتہ نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے جو الکوکبۃ الشہابیہ میں کفریات گنوائے اس کے بعد یہ کہا ہے کہ فقہائے کرام کے نزدیک ایسا کہنے والا کافر و مرتد ہے۔ گھمن صاحب آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ کتب فقہ میں فقہائے کرام نے لزومی کفر پر بھی

تکفیر کی ہے اور متکلمین نے صرف التزامی کفر پر تکفیر کی ہے۔ اسماعیل دہلوی کے جو کفریات ہیں وہ لزومی ہیں۔ اسلئے اعلیٰ حضرت نے فقہائے کرام واصحاب فتویٰ کی قید لگائی ہے اور آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ کفر لزومی ہو یا التزامی دونوں صورتوں میں توبہ وتجدید ایمان کا حکم دیا جاتا ہے۔ درمختار میں ہے"مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا ومافیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ (ای تجدید الاسلام) وتجدید النکاح (ای احتیاطا) مزیدا من الشامی بین الھلالین" ترجمہ: جس بات کے کفر ہونے میں علماء متفق ہوں اس سے اعمال اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اور اولاد، اولادِ زنا قرار پاتی ہے، اور جس بات کفر ہونے میں اختلاف ہو وہاں احتیاطاً توبہ استغفار یعنی تجدید اسلام، اور تجدید نکاح کا حکم کیا جائے گا۔

(درمختار، کتاب الجہاد، باب المرتد، جلد4، صفحہ 7-246، دار الفکر، بیروت)

اعلیٰ حضرت نے اپنی تحقیق پر فرمایا کہ میں اسماعیل دہلوی کو کافر نہیں کہتا اور محتاط علماء کو بھی چاہئے کہ اسے کافر نہ کہیں۔ البتہ کوئی اپنی تحقیق کی روشنی میں اسے کافر کہے تو اسے منع نہیں کروں گا۔

آٹھواں جھوٹ: اعلیٰ حضرت کا استاد

گھمن صاحب ایک اور اعلیٰ حضرت پر جھوٹ باندھتے ہیں:

ایک جگہ فرماتے ہیں: میرا کوئی استاد نہیں۔ سیرت امام احمد رضا، صفحہ 12۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: میرے استاد صاحب مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ علیہ۔ ملفوظات، حصہ 1، صفحہ 35۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 110، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

علمائے اہل سنت سچ ہی فرماتے ہیں کہ بغیر جھوٹ بولے اور ہیرا پھیری کیے دیوبندی اور وہابی مذہب نہیں چل سکتا، کیونکہ ان کے مذہب میں سوائے گستاخیوں کے اور کچھ نہیں اور اپنے باطل عقیدہ پر پردہ ڈالنے کے لئے دوسروں پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔ یہاں دیکھیں گھمن صاحب نے دیانتداری کا قتل کردیا اور سب کچھ جاننے کے باوجود کہہ دیا کہ اعلیٰ حضرت نے ایک جگہ کہا ہے میرا کوئی استاد نہیں اور دوسری جگہ استاد بتلایا ہے۔ جبکہ اعلیٰ حضرت نے جہاں کہاں ہے کہ میرا کوئی استاد نہیں وہاں واضح الفاظ ہیں کہ آپ سے پوچھا گیا کہ ریاضی میں آپ کا کون استاد ہے؟ پورا حوالہ ملاحظہ ہو: ''امام احمد رضا خان بریلوی کو علمِ ریاضی میں کہاں تک کمال حاصل تھا اور یہ علم آپ نے کہاں سے حاصل کیا تھا؟ ان سوالات کے سلسلے میں ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جس میں جملہ امور کا شافی جواب ہے۔ ایک مرتبہ سید سلیمان اشرف صاحب بہاری پروفیسر دینیات علی گڑھ کالج نے اعلیٰ

حضرت کی خدمت میں اس مضمون کا خط لکھا کہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین صاحب جو علمِ ریاضی میں جرمن، انگلینڈ وغیرہ ممالک کی ڈگریاں اور تمغہ جات حاصل کیئے ہوئے ہیں، عرصہ سے حضور کی ملاقات کے مشتاق ہیں، پھر چونکہ وہ ایک جنٹل مین ہیں، اس لئے آپ کی خدمت میں آتے ہوئے جھجک محسوس کرتے ہیں، لیکن اب میرے کہنے اور اپنے اشتیاقِ ملاقات کے سبب حاضر ہونے کے لئے آمادہ ہو چکے ہیں، لہٰذا اگر وہ پہنچیں تو انہیں باریابی کا موقع دیا جائے۔ اعلیٰ حضرت نے مولانا کو جواب بھیجا کہ وہ بلا تکلف تشریف لے آئیں۔ چنانچہ وہ چار روز کے بعد ڈاکٹر سر ضیاء الدین بریلی پہنچ کر اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔۔۔۔ نماز کے بعد دورانِ گفتگو میں اعلیٰ حضرت نے ایک قلمی رسالہ پیش کیا، جس کو دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب حیرت و استعجاب میں ہو گئے اور بولے کہ میں نے اس علم کو حاصل کرنے کے لئے بارہا غیر ممالک کے سفر کیئے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں۔ میں تو اپنے آپ کو اس وقت بالکل طفلِ مکتب سمجھ رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر یہ بتائیں کہ اس فن میں آپ کے استاد کون ہے؟ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرا کوئی استاد نہیں ہے۔ میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے جمع، تفریق، ضرب اور تقسیم کے چار قاعدے صرف اسلیئے سیکھ لئے تھے کہ ترکہ (وراثت) کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے۔ شرح چغمینی شروع کی تھی کہ حضرت والد ماجد نے فرمایا کہ اس میں اتنا وقت کیوں صرف کرتے ہو، مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ سے یہ علوم تم کو خود ہی سکھا دیئے جائیں گے۔''

(سیرتِ مجدد دین و ملت امام احمد رضا، صفحہ 12، ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور)

نواں جھوٹ: زمین و آسمان کی پیدائش

گھمن صاحب مزید لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ''رب العزت تبارک وتعالیٰ نے چار روز میں آسمان اور دو دن میں زمین یکشنبہ تا چہار شنبہ آسمان اور پنجشنبہ تا جمعہ زمین بنائی۔ ملفوظات، صفحہ 22۔

جبکہ قرآن مجید میں ہے۔ سورۃ حم سجدہ آیت نمبر 10، 11، 12 کا ترجمہ دیکھیے، تم فرماؤ! کیا تم لوگ اس کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین بنائی اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ وہ ہے سارے جہاں کا رب اور زمین میں اس کے اوپر سے لنگر ڈالا اور اس میں برکت رکھی اور اس کے بسنے والے کے لئے روزیاں مقرر کی یہ چار دن ہیں۔ (یعنی زمین اور زمین پر یہ سارا کچھ چار دن میں ہوا) ٹھیک جواب پوچھنے والوں کے لئے پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا اور وہ دھواں تھا تو اس نے آسمان و زمین سے فرمایا دونوں حاضر ہو چاہے خوشی سے چاہے ناخوشی سے دونوں نے عرض کی رغبت کے ساتھ حاضر ہیں، تو پھر سات آسمان کر دیئے دو دن میں۔

پتہ چلا آسمان دو دن میں زمین اور اس سے متعلقات چار دن میں جبکہ اعلیٰ حضرت کا اعلیٰ جھوٹ آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 110، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! اعلیٰ حضرت نے چار روز میں زمین کا پیدائش ہی کا کہا ہے۔ پوری عبارت ملاحظہ ہو: ''رب العزت تبارت وتعالیٰ نے چار روز میں زمین اور دو دن میں آسمان (بنایا)۔ (پ 24: السجدۃ 9، تفسیر ابن عباس، سورہ یونس، تحت الایۃ، 3 ص 218) یک شنبہ تا چہار شنبہ (یعنی اتوار تا بدھ) زمین، و پنجشنبہ (یعنی جمعرات) تا جمعہ آسمان نیز اس جمعہ میں بیّن العصر والمغرِب (یعنی عصر و مغرب کے درمیان) آدم علٰی نَبِیِّنَا وَ عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام کو پیدا فرمایا۔ (المستدرک للحاکم، الحدیث 4050، ج 3، ص 409، ملخصًا۔)''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، صفحہ 57، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

دسواں جھوٹ: حضور علیہ السلام سے گائے کا گوشت کھانا ثابت ہے یا نہیں؟

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

فاضل بریلوی لکھتے ہیں: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس (گائے) کا گوشت تناول فرمانا ثابت نہیں۔ ملفوظات، حصہ 1، صفحہ 33۔

جبکہ ان کے صاحبزادے لکھتے ہیں: حدیث مسلم کتاب الزکوۃ کہ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لئے گوشت گاؤ (یعنی گائے کا گوشت) صدقہ میں آیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا اور حضور سے عرض کیا گیا یہ صدقہ ہے کہ بریرہ کو آیا ہے۔ فرمایا: اس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ۔ اس سے بظاہر تناول فرمانا معلوم ہوتا ہے۔ حاشیہ ملفوظات مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، صفحہ 68۔

آپ دیکھیں یہ بھی فاضل بریلوی کا جھوٹ ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 110، 111، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

دیوبندیوں نے اکابر دیوبند کے کفریات چھپانے کے لئے اپنی دین کے ساتھ ساتھ اپنی عقل بھی اپنے اکابر پر قربان کر دی ہے۔ گھمن صاحب کو مسئلہ سمجھ ہی نہیں آرہا ہے اور جھوٹ جھوٹ کا وظیفہ پڑھتے جا رہے ہیں۔ گھمن صاحب! اعلیٰ حضرت فرما رہے ہیں کہ حضور (علیہ السلام) کا گائے کا گوشت کھانا ثابت نہیں اور جو شہزادہ اعلیٰ حضرت فرما رہے ہیں اس میں بھی اعلیٰ حضرت کا رد نہیں کہ بلکہ وہاں بھی بظاہر کھانے کا کہہ رہے۔ گھمن صاحب اگر آپ تھوڑی تکلیف کرتے اور مسلم شریف کی حدیث دیکھ لیتے تو آپ کو مزید واضح ہو جاتا کہ وہاں بھی کھانے کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ فرمایا ہے ''ھو لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ'' اس

حدیث کے تحت میں نے کافی شروح وکتب فقہ دیکھیں مجھے کوئی ایسا جزئیہ نہیں ملا جس میں لکھا ہو کہ حضور (علیہ السلام) نے اس گائے کے گوشت کو کھایا تھا۔ پھر اگر مسلم شریف کے اس حصے کو آگے پیچھے موجود احادیث کے ساتھ بغور دیکھا جائے تو اس میں واضح ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں کوئی ایک گوشت متعین نہیں ہے بلکہ بعض میں مرغی کے گوشت کا ذکر ہے بعض میں مطلقا گوشت کا ذکر ہے اور ایک میں گائے کے گوشت کا ذکر ہے۔ بلکہ امام ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ اس مسئلہ میں گائے کے گوشت کی بجائے بکری کا گوشت لیا جائے چنانچہ فرماتے ہیں "واللحم المذکور وقع فی بعض الشروح أنه كان لحم بقر وفيه نظر بل جاء عن عائشة تصدق على مولاتي بشاة من الصدقة فهو أولى أن يؤخذ به "یعنی جو گوشت مذکورہ ہے بعض شروح میں ہے کہ وہ گائے کا گوشت تھا اور اس میں کلام ہے بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے حوالے سے ہے کہ انہوں نے آزاد کردہ عورت کو بکری صدقہ کی تھی تو اولیٰ یہ ہے کہ بکری کا گوشت ہی لیا جائے۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری، باب لا یکون بیع الأمة طلاقا، جلد9، صفحہ406، دار المعرفة، بیروت)

لہٰذا اعلیٰ حضرت نے جو فرمایا وہ واقعی ہی تحقیقی بات ہے کہ حضور (علیہ السلام) سے گائے کا گوشت کھانا ثابت نہیں۔

گھمن صاحب کو چاہئے تھا کہ اعلیٰ حضرت کے اس فرمان کا جواب دیتے اور اس پر احادیث وروایات پیش کرتے کہ فلاں روایت میں واضح لکھا ہے کہ آپ (علیہ السلام) نے گائے کا گوشت کھایا، لیکن گھمن صاحب کی عقل اس طرف گئی ہی نہیں اور اپنی جہالت واضح کردی کہ جو شخص اپنی تحقیق میں کہے کہ حضور (علیہ السلام) سے گائے کا گوشت کھانا ثابت نہیں وہ جھوٹا ہے۔

گیارواں جھوٹ: مصر کے میناروں کی تاریخ

مزید گھمن صاحب لکھتے ہیں:

فاضل بریلوی ایک جگہ مصر کے میناروں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان کی تعمیر حضرت آدم علیہ السلام سے 14 ہزار برس پہلے ہوئی۔ ملفوظات، حصہ 1، صفحہ 96۔

آگے لکھتے ہیں: آدم علیہ السلام کی تخلیق سے بھی تقریبا پونے چھ ہزار برس پہلے کے بنے ہوئے ہیں۔ ملفوظات، حصہ 1، صفحہ 95۔

اب ایک بات تو جھوٹ ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 111، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب یہاں آپ نے خود جھوٹ بولا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے 14 ہزار برس کا تو کہا ہی نہیں۔ پوری عبارت

ملاحظہ ہو: "اس طوفان میں دو عمارتیں مثل گنبد ومنارہ باقی رہ گئی تھیں جنہیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اُس وقت روئے زمین پر سوائے ان کے اور عمارت نہ تھی۔ امیر المؤمنین حضرت مولیٰ علی (کَرَّمَ اللہُ تَعَالیٰ وَجْھَہٗ، الْکَرِیْم) سے انہیں عمارتوں کی نسبت منقول ہے "بُنِیَ الْھَرَمَانُ------ اَلنَّسْرُفِی سَرْطَانَ "یعنی دونوں عمارتیں اس وقت بنائی گئیں جب ستارہ نسر نے برج سرطان میں تحویل کی تھی۔ نسر دو ستارے ہیں: نسرِ واقع ونسرِ طائر اور جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے نسرِ واقع مراد ہوتا ہے۔ ان کے دروازے پر ایک گدھ کی تصویر ہے اور اسکے پنجہ میں گنگچہ ہے جس سے تاریخِ تعمیر کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ کہ جب نسرِ واقع برجِ سرطان میں آیا اس وقت یہ عمارت بنی جس کے حساب سے بارہ ہزار چھ سو چالیس سال ساڑھے آٹھ مہینے ہوتے ہیں کہ ستارہ چونسٹھ برس قمری سات مہینے ستائیس دن میں ایک درجہ طے کرتا ہے اور اب برجِ جدی کے سولھویں درجہ میں ہے تو جب سے چھ برج ساڑھے پندرہ درجے سے زائد طے کرگیا۔ آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی تخلیق سے بھی تقریباً پونے چھ ہزار برس پہلے کے بنے ہوئے ہیں کہ ان کی آفرینش (یعنی تخلیق) کو سات ہزار برس سے کچھ زائد ہوئے۔ لاجَرم (یعنی ضرور) یہ قومِ جن کی تعمیر ہے کہ پیدائشِ آدم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے پہلے ساٹھ ہزار برس زمین پر رہ چکی ہے۔"

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ 1، صفحہ129، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

بارواں جھوٹ: خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ

گھمن صاحب مزید لکھتے ہیں:

فاضل بریلوی لکھتے ہیں کہ خودکشی کرنے والے اور اپنے ماں باپ کو قتل کرنے والے اور باغی ڈاکو کہ ڈاکہ میں مارا گیا ان کے جنازے کی نماز نہیں۔ ملفوظات، حصہ 1، صفحہ 98۔

دوسری جگہ خودکشی کرنے والے کے متعلق لکھتے ہیں: اس کے جنازے کی نماز پڑھی جائے گی۔ فتاویٰ افریقہ، مسئلہ 39، صفحہ 42۔

اب ایک بات تو جھوٹ ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 111، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب اگر آپ کسی صحیح حاکمِ وقت کے دور میں ہوتے تو آپ کو تعزیرا سزا ملنی تھی اور آپ پر کتابیں لکھنے کی پابندی لگنی تھی کہ اتنی ہیرا پھیری خود کرتے ہو اور الزام اعلیٰ حضرت پر لگاتے ہو۔ اعلیٰ حضرت نے ملفوظات میں قصاص میں قتل کئے جانے اور خودکشی کئے جانے دونوں کے متعلق کہا کہ ان کی نماز پڑھی جائے گی اور بقیہ کے متعلق کہا نہیں پڑھی جائے گی۔

پوری عبارت یوں ہے: ’’عرض: اس شخص پر جو قصاص میں قتل کیا گیا، نماز پڑھی جائے؟

ارشاد: ہاں، جیسے خودکشی کرنے والے کی۔ اپنے ماں باپ کو قتل کرنے والے اور باغی ڈاکو کہ ڈاکہ میں مارا گیا، ان کے جنازہ کی نماز نہیں۔‘‘

(ملفوظات اعلی حضرت، حصہ 1، صفحہ 132، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

گھمن صاحب نے کمال چالاکی سے پہلے سوال کے ساتھ لفظ ’’جیسے‘‘ اس طرح غائب کیا جیسے دیوبندیوں اور وہابیوں کی نام نہاد جہادی تنظیموں نے جہاد کے نام پر چندے غائب کئے ہیں۔ دوسرا آپ لفظ ’’کی‘‘ کو ختم کر کے ’’اور‘‘ لکھ دیا اور عبارت الٹ کر دی۔ اگر جھوٹ کا عالمی ایوارڈ کا مقابلہ ہو تو احسان الٰہی ظہیر اور خالد محمود کے بعد گھمن صاحب! آپ کا نام آئے گا۔ احسان الٰہی ظہیر اور خالد آپ سے بھی دو ہاتھ آگے تھے۔ آپ کو ابھی اس مقام پر پہنچنے کے لئے اسی طرح جھوٹ و بہتان کا بازار مزید گرم کرنا پڑے گا۔

تیرہواں جھوٹ: چھوٹی اور بڑی مسجد کی حد بندی

گھمن صاحب مزید لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت سے پوچھا گیا نمازی کے آگے سے کتنی دور سے گزرنا چاہئے؟ تو بتایا کہ چھوٹی مسجد میں، مکان وغیرہ میں تو جائز ہی نہیں، مگر بڑی مسجد میں جائز ہے اور بڑی مسجد وہ ہے جو 47، 48 گز مساحت کی ہو۔ ملخصا عرفان شریعت، مسئلہ نمبر 38، صفحہ 14۔

جبکہ دوسری جگہ فرماتے ہیں: بڑی مسجد سوائے مسجد خوارزم جس کا ایک ربع چار ہزار ستون پر ہے، یا مسجد حرم شریف ہے۔ ملخص ملفوظات، حصہ 1، صفحہ 99۔ اب ایک تو جھوٹ ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 112، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب آپ کو اگر کتب فقہ سے شغف ہوتا تو آپ کو پتہ ہوتا کہ مسجد کبیر کے متعلق دو اقوال ہیں۔ علامہ شامی نے چالیس ہاتھ والی مسجد کو مسجد کبیر کہا ہے اور نوازل، بزازیہ، شرح منیہ وغیرہ میں مسجد کبیر کو مثل مسجد خوارزم شمار کیا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے عرفانِ شریعت میں سائل کے سوال کے مطابق خاص صورت میں آسانی کے لئے علامہ شامی والا قول اختیار کیا اور دیگر مقامات پر بعدِ تحقیق مسجد خوارزم والا قول اختیار کیا اور یہی آپ کا اپنا مؤقف تھا۔ کتب فقہ میں ایسے کئی جزئیات ملتے ہیں کہ فقیہ ایک جگہ ایک قول کو آسانی کے تحت اختیار کرتا ہے اور دوسری جگہ دوسرے قول کو اختیار کر لیتا ہے جبکہ وہ مفتی بہ مذہب کے خلاف نہ ہو جیسا صاحب درمختار نے مسجد میں سوال کرنے اور اس پر دینے کے متعلق لکھا ”ویحرم فیه السؤال، ویکره الإعطاء

مطلقا“ ترجمہ: مسجد میں سوال مکروہ ہے اور دینا بھی مطلقا مکروہ ہے۔

(درمختار مع رد المحتار، کتاب الصلوٰۃ، فروع أفضل المساجد، جلد 1، صفحہ 659، دار الفکر، بیروت)

حظر واباحت کے باب میں رخصت دیتے ہوئے یوں فرمایا ”یکرہ إعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقاب الناس فی المختار کما فی الاختیار ومتن مواهب الرحمن“ ترجمہ: مسجد میں سائل کو دینا مکروہ ہے۔ لیکن اگر وہ لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے تو مختار یہ ہے کہ مکروہ نہیں جیسا کہ اختیار اور مواہب الرحمٰن کے متن میں ہے۔

(درمختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فرع یکرہ إعطاء سائل المسجد ---، جلد 6، صفحہ 417، دار الفکر، بیروت)

چودہواں جھوٹ: اعلیٰ حضرت اور سردی کا بخار

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

ارشاد فرمایا کہ اس بار مجھے 34 دن کامل بخار رہا۔ کسی وقت کم نہ ہوا۔ انہوں نے عرض کیا جاڑا (بخار میں سردی بھی لگتی ہے) بھی آتا ہے؟ اس پر ارشاد ہوا جاڑا، طاعون اور وبائی امراض جس قدر ہیں اور نابینائی، و یک چشمی، برص، جذام وغیرہ کا مجھ سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وعدہ ہے کہ یہ امراض تجھے نہ ہوں گے۔ ملفوظات، حصہ 4، صفحہ 414۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: میری عادت ہے بخار میں سردی بہت معلوم ہوتی ہے۔ ملفوظات، حصہ 2، صفحہ 414۔

ان میں سے کوئی بات تو جھوٹی ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 112، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب فقط اتنا ہی کہوں گا شرم بھی کسی چیز کا نام ہے۔ پوری عبارت یوں ہے: ’’ایک روز بعد نماز ظہر باہر تشریف فرما ہوئے۔ عالی جناب، فواضلِ اکتساب مولوی چودھری عبدالحمید خاں صاحب رئیس سہاور مصنف ”کنز الاخرۃ“ بھی حاضر تھے۔ ان سے ارشاد فرمایا کہ اِس بار مجھے 34 دن کامل بخار رہا۔ کسی وقت کم نہ ہوا۔ انہوں نے عرض کیا: جاڑا (یعنی سردی کا بخار) بھی آتا تھا؟ اِس پر ارشاد ہوا: جاڑا، طاعون اور وبائی اَمراض جس قدر ہیں اور نابینائی و یک چشمی، برص، جُذام وغیرہ کا مجھ سے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا وعدہ ہے کہ یہ امراض تجھے نہ ہوں گے جس پر میرا ایمان ہے۔‘‘

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ 4، صفحہ 480، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

گھمن صاحب آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں یا پتہ ہے بس گھومے ہوئے ہیں کہ جاڑا کے بخار کا مطلب سردی کا بخار ہوتا

ہے، نہ یہ کہ بخار میں سردی لگنا۔ کسی اردو لغت میں دیکھ لیتے تو پتہ چل جاتا کہ جاڑا کا مطلب سردی کا موسم، بخار، ہوتا ہے۔

گھمن صاحب تھک گئے

گھمن صاحب آخر میں لکھتے ہیں:

اس قسم کے کافی احمد رضا کے جھوٹ دیکھے جاسکتے۔ جن سے یہ بات معلوم ہوجائے گی، جو جھوٹا ہو، اس کی حسام الحرمین میں اکابر اہل السنۃ دیوبند پر لگائے گئے فتووں کا کیا اعتبار ہوگا۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 112، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! آپ یہ نہ کہیں کے اس قسم کے مزید جھوٹ اعلیٰ حضرت کے دیکھے جاسکتے ہیں، بلکہ آپ یوں کہیں کہ میں مزید اس طرح کے جھوٹ اعلیٰ حضرت پر باندھ سکتا ہو لیکن اب میں جھوٹ بول بول کر تھک گیا ہوں، اب مزید جھوٹ اس باب میں بولنے کی ہمت نہیں ہے۔ ساری زندگی پڑی ہے جھوٹ بولنے کے لئے۔

باب سوم: اکابر دیوبند کی کفریہ عبارات

گھمن صاحب گھومتے گھوماتے اب اصل موضوع کی طرف آئے ہیں۔ اس باب میں گھمن صاحب نے اپنی تمام تر توانائی اس پر ضائع کردی کہ کسی طرح اکابرِ دیوبند کی کفریہ عبارات کو غیر کفریہ ثابت کر کے مذہب دیوبند بچا لیا جائے۔ اس لئے گھمن صاحب نے حسبِ عادت بہتان بازیوں سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) نے اکابرِ دیوبند کی غیر کفریہ عبارات کو تحریفات کے ذریعے کفریہ ثابت کیا تھا چنانچہ گھمن صاحب لکھتے ہیں:

ہم نے بقدر کفایت گفتگو پیچھے مقدمہ اور اجمالی جائزہ میں کردی ہے اسی کو ہی مدنظر رکھ لیا جائے تو حسام الحرمین کا کافی وشافی جواب ہوسکتا ہے۔ مگر قدرے تفصیل اس لئے لکھ رہے ہیں تا کہ فاضل بریلوی کا دجال وکذاب ہونا آفتاب کی طرح روشن ہوجائے۔ حسام الحرمین میں ہمارے اکابر اربعہ کی چار عبارتیں قطع و برید کر کے پیش کی گئی ہیں، سب سے پہلے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کی عبارت ہے۔ پھر قطب الارشاد حضرت گنگوہی کی پھر فخر المحدثین حضرت سہارنپوری پھر حکیم الامت حضرت تھانوی کی عبارت ہے رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ ہم ترتیب سے ہر ایک پر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 114، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب پچھلے باب میں جھوٹ و بہتان کے دریا بہانے کے بعد یہاں کتنی بے باکی سے ایسا کہہ رہے ہیں۔ یہاں الزام لگایا کہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے عبارات میں تحریفات کی تھیں، آگے آپ دیکھیں گے کہ عبارات میں تحریف تھی یا نہیں؟ دراصل قاسم نانوتوی کی تین کفریہ عبارتیں تھیں اعلیٰ حضرت نے ان تینوں کو اکٹھا کر کے جو ان کا خلاصہ بنتا تھا وہ لکھا۔ بقیہ مولویوں کی عبارتیں ویسی ہی ہیں۔ آگے حقیقت سے پردہ اٹھے گا۔ گھمن صاحب نے قاسم نانوتوی ہی کی عبارتیں لے کر سارے صفحے کالے کردیئے اور اس طرح ادھر ادھر کی ماریں کہ قارئین با آسانی جان جائیں گے کہ انہوں نے وقت ہی ضائع کیا ہے۔

فصل اول: قاسم نانوتوی کی کفریہ عبارات

قاسم نانوتوی نے "تحذیر الناس" کتاب اس وجہ سے لکھی کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا ایک قول تھا: سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح نبی ہے، حضرت آدم کی طرح آدم، حضرت نوح کی طرح نوح اور حضرت

ابراہیم کی طرح ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کی طرح عیسیٰ (علیھم السلام)

علمائے کرام نے اس اثر کا انکار کیا اور کہا کہ یہ قرآن وحدیث کے بالکل مخالف ہے کہ اس میں حضور (علیہ السلام) کے خاتم النبیین ہونے پر زد پڑتی ہے اور آپ کا خاتم النبیین ہونا قطعی طور پر ثابت ہے۔ قاسم نانوتوی صاحب نے محقق بنتے ہوئے معنی خاتم النبیین کو ہی تختہ مشق بنالیا اور اثر ابن عباس کو صحیح ثابت کرتے ہوئے خاتم النبیین کا معنی یہ گڑھ لیا کہ اس سے مراد حضور علیہ السلام کا انبیاء میں آخری ہونا نہیں بلکہ بالذات آخری نبی ہونا ہے آپ باعتبار کمال آخری نبی ہیں۔ لہٰذا حضور علیہ السلام کے بعد اگر کوئی جدید نبی اس زمین یا دیگر زمینوں میں آجائے تو حضور علیہ السلام کی خاتمیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لئے کہ یہ جدید نبی بوصف نبوت بالعرض ہوگا اور کمالات میں حضور سے کمتر ہوگا۔ قاسم نانوتوی صاحب لکھتے ہیں: ''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں "ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین" فرمانا اس صورت کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجیے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہوسکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور قد وقامت وشکل و رنگ وحسب ونسب وسکونت وغیرہ اوصاف میں، جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں، کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا؟ دوسرے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب نقصان قدر کا احتمال، کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔ باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل کو جھوٹے دعوے کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے۔ پر جملہ "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ" اور جملہ "وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ" میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو مستدرک قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی و بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لئے اور بیسیوں موقع تھے .... بلکہ بنائے خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہوجاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہوجاتا ہے۔''

(تحذیر الناس، صفحہ3-4، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند،ضلع سہارنپور)

صفحہ 14 اور 15 پر لکھا: ''غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے ---بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

(تحذیر الناس، صفحہ14، 15، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند،ضلع سہارنپور)

مولانا شریف الحق امجدی صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) تحذیر الناس کی ان عبارتوں پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''نانوتوی صاحب نے دیدہ دانستہ بالقصد وارادہ تحذیر الناس کی ان عبارتوں میں مندرجہ ذیل قطعی یقینی ایسے کفریات کا ارتکاب کیا جس میں کسی قسم کے ذرہ برابر شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں جس میں کسی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں نہ تاویل قریب کی نہ تاویل بعید کی۔

(1) قرآن مجید کے ارشاد خاتم النبیین کے معنی سب میں پچھلا نبی، آخری نبی خود حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بتائے، صحابہ کرام نے بتائے، پوری امت نے بتائے اور اس پر پوری امت نے قطعی یقینی اجماع کر لیا کہ خاتم النبیین کے صرف یہی معنی ہیں، وہ بھی اس تصریح کے ساتھ کہ اس میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کی ذرہ برابر کوئی گنجائش نہیں، اس کو نانوتوی صاحب نے عوام بمعنی ناسمجھ لوگوں کا خیال بتایا۔

(2) حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نافہم عوام میں داخل کیا۔

(3) اس اعلیٰ درجہ کے وصف مدح کو مقام مدح میں ذکر کے قابل نہ ہونے سے انکار کیا اور اس کو وصف مدح ماننے سے بھی انکار کیا۔

(4) اسے فضیلت سے بالکلیہ خالی کہا۔

(5) اسے ایسے ویسے گئے گزرے لوگوں کے احوال میں داخل کیا۔

(6) اسے اللہ (عزوجل) کے کلام معجز نظام کے منافی کہا۔

(7) اسے قرآن کے تناسب اور ارتباط میں مخل مان کر کہا۔

(8) اسے جھوٹے مدعیان نبوت کے جھوٹے دعوائے نبوت کے سد باب کے لئے نہیں مانا۔ اس آیت مبارکہ کو اس کا موقع نہیں مانا۔

(9) اسے بنائے خاتمیت ماننے سے انکار کیا۔ بنائے خاتمیت دوسری بات پر رکھا۔

(10) خاتم النبیین کا معنی اپنے جی سے یہ گڑھا: آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سوائے آپ کے اور انبیاء موصوف بوصف نبوت بالعرض۔

(11) حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانہ میں جدید نبی پیدا ہونے کی خاتمیت محمدی کے منافی نہیں مانا۔

اب ناظرین سے سوال ہے: کیا اتنے کفریات کے ارتکاب کے باوجود بھی تحذیر الناس کے مصنف نانوتوی صاحب مسلمان ہی رہے؟ کیا اب بھی ان کی تکفیر فرض نہیں تھی؟ اس کا فیصلہ آپ حضرات پر چھوڑتا ہوں۔''

(مقالات شارح بخاری، جلد2، صفحہ 35، 36، دائرۃ البرکات، گھوسی)

اثر ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی فنی حیثیت

اس سے پہلے کہ قاسم نانوتوی صاحب کی کفریہ عبارات پر مزید کلام کیا جائے پہلے حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنھما) کے اس قول کی فنی حیثیت پر کلام ہو جائے کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی یہ روایت صحیح بھی ہے یا نہیں؟ قاسم نانوتوی صاحب اگر اس اثر کے تحت علمائے کرام کے اقوال کو اچھی طرح پڑھ کر اپنی من مانی نہ کرتے تو شاید اتنا بڑا کفر بولنے سے بچ جاتے۔ مگر نانوتوی صاحب کو محقق بننے کا شوق تھا اس لئے اس اثر کو صحیح قرار دیتے ہوئے خود غلط ہو گئے۔ لیکن حیرت ہے ان دیوبندیوں پر کہ آج بھی ان کے سامنے علمائے اسلاف کے اقوال اس اثر کے متعلق موجود ہیں لیکن یہ دیوبندی ان اقوال کو نظر انداز کر کے نانوتوی صاحب کو ہی صحیح قرار دینے پر زور آزمائی کرتے ہیں۔ گھمن صاحب لکھتے ہیں:

مولوی احمد رضا نے یہ الزام لگایا کہ یہ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اب ہم تفصیلاً مولوی احمد رضا کے دجل سے پردہ اٹھائیں گے۔ ہوا یہ کہ ہندوستان میں بعض حضرات کی طرف سے حدیث ابن عباس کی تردید اور انکار ہونے لگا اور وہ حدیث واثر یہ ہے کہ زمینیں سات ہیں اور ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح نبی تمہارے آدم کی طرح آدم اور نوح تمہارے نوح کی طرح اور ابراہیم تمہارے ابراہیم کی طرح اور عیسیٰ تمہارے عیسیٰ کی طرح موجود ہیں۔ اس اثر وحدیث کو چونکہ علماء امت نے صحیح قرار دیا۔ اس لئے حضرت حجۃ الاسلام نے لوگوں کو اس حدیث کے انکار سے بچانے کے لئے ایک کتاب لکھی جس کا نام "تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس" اس کتاب کو پڑھ کر اپنے تو اپنے مخالفین بھی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس میں مولانا رحمہ اللہ نے ختم نبوت کی ایسی تشریح کی جس سے منکرین ختم نبوت کا منہ بھی بند ہو گیا اور اس اثر کے انکار کا راستہ بھی بند ہو گیا۔ مگر خدا برا کرے تعصب کا اس نے یہاں بھی اپنا رنگ دکھایا۔ جس شخصیت نے پنڈتوں اور دھریوں اور آریہ سماج سے مناظرے کر کے سرکار کی نبوت و

ختم نبوت پر پہرا دیا اسی کو متعصبین نے منکر نبوت ٹھہرا دیا۔

آیئے ہم جائزہ لیتے ہیں کہ جو الزام اس ولی اللہ پر اہل بدعت نے لگایا اس الزام میں اہل بدعت پھنسے خود نظر آتے ہیں اور بریلوی فتاویٰ سے امت کے مقتداء اکابر بھی نہیں بچ سکے۔ اب ہم نمبروار ان اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں جو حجۃ الاسلام پر کئے جاتے ہیں۔

اعتراض نمبر 1۔ سید تبسم شاہ بخاری لکھتے ہیں: اس اثر کو صحیح ماننے سے جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل اور نظیر ہونے کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے۔ وہیں ختم نبوت کے اجماعی عقیدے پر بھی زد پڑتی ہے۔ ختم نبوت اور تحذیر الناس، صفحہ 41۔۔۔۔ (اسی طرح کے چند اور حوالے گھمن نے دیئے جسے نقل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ انس رضا)

(گھمن صاحب لکھتے ہیں) ان عبارات کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو اس اثر ابن عباس کی تصحیح کرے وہ ختم نبوت کا منکر ہے۔ اب دیکھئے اس فتوے کی زد میں اکابرین امت بھی آتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ بریلوی علامہ غلام رسول سعیدی لکھتا ہے: امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، امام بخاری اور امام مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ حافظ ذہبی نے بھی کہا ہے یہ حدیث صحیح ہے۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی نے اس حدیث کو دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ کتاب الاسماء والصفات، صفحہ 390، 389۔ تبیان القرآن، جلد 12، صفحہ 92۔

سعیدی صاحب آگے لکھتے ہیں: حافظ عماد الدین بن عمر بن کثیر شافعی متوفی 774ھ نے اپنی تفسیر میں سات زمینوں سے متعلق اثر ابن عباس کو امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات کے حوالے سے نقل کیا ہے اور اس کی سند پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ تبیان القرآن، جلد 12، صفحہ 93۔

علامہ عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس کے راوی صحیح قول کی بنیاد پر صحیح ہیں اور اس کی سند کو ارباب تصحیح نے صحیح قرار دیا ہے اور اصحاب ترجیح کے جم غفیر نے اس پر سکوت کیا ہے، یا اس اثر کو قبول نہ کرنا ناپسندیدہ بات ہے۔

مولانا لکھنوی آگے مستدرک حاکم سے ایک مختصر روایت نقل کرتے ہیں "عن ابن عباس قال فی کل ارض نحو ابراھیم ھذا حدیث علی شرط البخاری و مسلم" یعنی ابن عباس سے مروی ہے ہر زمین میں ابراہیم علیہ السلام جیسے افراد ہیں۔ یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ زجر الناس، صفحہ 5۔

الختصر یہ سارا رسالہ دیکھنے کے قابل ہے جو کئی صفحات پر مشتمل ہے اور تقریباً سارا اس کی سند کو صحیح ثابت

کرنے پر دلائل ہیں۔ مولانا لکھنوی اس اعتراض کا کہ یہ اثر شاذ ہے یہ جواب دیتے ہیں، اگرچہ اس دور میں کوئی لوگوں نے اس بات سے دھوکہ کھایا ہے۔ لیکن اہل علم کے ہاں یہ اعتراض معتبر نہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ ہر شاذ منکر مردود نہیں ہوتی بلکہ اس میں مقبول بھی ہوتی ہیں۔۔۔۔۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 114، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! آپ نے قاسم نانوتوی اور لکھنوی صاحب کی دو کتابیں پڑھ کر ہی اعتبار کر لیا کہ یہ روایت صحیح ہے اور قاسم نانوتوی نے جو اس حدیث کو صحیح ثابت کر کے خاتم النبیین کے معنی جو اپنے پاس سے گڑھے ہیں، آپ اسی پر ہی لٹ گئے اور الٹا علمائے اہل سنت پر برس پڑے۔ آپ نے اپنی لاعلمی میں یہ سمجھ لیا کہ نانوتوی صاحب کے ساتھ کثیر محدثین وعلماء ہیں اس لئے آپ نے بغیر سوچے سمجھے چند محدثین کے نام لکھ دیئے جنہوں نے اس سند کو صحیح کہا تھا۔ لیکن گھمن صاحب آپ کو دیگر علوم کے ساتھ ساتھ اصول حدیث کا بھی کچھ پتہ نہیں ہے۔ اگر آپ اصول حدیث پر مبنی کوئی اردو کی چھوٹی سے چھوٹی کتاب پڑھ لیتے تو آپ کو پتہ ہوتا کہ سند کا صحیح ہونا اور حدیث کا صحیح ہونا دونوں میں فرق ہے۔ حدیث کو صحیح کہنا تجربہ کار محدثین کا کام ہے نہ کہ جمعہ جمعہ آٹھ دن دو تین کتابیں پڑھ کر محدث بن کر صحیح وغلط کی نشاندہی کرنا شروع ہو جائے۔ علمائے کرام نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے اور متن کو ضعیف کہا ہے۔ بعض نے متن کو صحیح کہہ کر اس کی تاویل کی ہے۔ آپ نے جتنی محنت ادھر ادھر کتابوں سے کاپی کر کے کئی صفحے بڑھائے ہیں، اتنی ہی محنت آپ اس حدیث کے تحت مستند علمائے کرام ومحدثین کا کلام دیکھ لیتے تو آپ کو پتہ چل جاتا کہ اس روایت کی اصل کیا ہے؟ لیجئے فقیر اس روایت کے متعلق آپ کو معلومات دیتا ہے:۔

اس روایت کے متعلق علمائے کرام ومحدثین کے درج ذیل ارشادات ہیں:۔

(1) اس اثر کی سند پر کلام ہے۔

(2) بعض علماء نے اس کے بارے میں سکوت اختیار کرنے کا کہا۔

(3) بعض محدثین نے اس اثر کی سند کو صحیح کہا اور متن کو ضعیف کہا ہے۔

(4) بعض نے اس اثر کو اسرائیلی روایت کہہ کر غیر معتبر قرار دیا ہے۔

(5) بعض نے اس اثر کو صحیح کہہ کر اس کی تاویل کی کہ اس سے مراد حقیقۃً انبیاء نہیں بلکہ نیک شخصیات ہیں۔

تاریخ کے کسی ایک بھی مستند عالم نے اس روایت کو صحیح کہہ کر وہ شرح بیان نہیں کی جو قاسم نانوتوی صاحب نے اپنی مرضی سے ایسی شرح کر دی جو ان کی پکڑ کا باعث ہوگی، یہی انجام ہوتا ہے جب انسان اپنی عقل کو کل سمجھ لے اور بزرگوں کو کم علم

سمجھے جیسے نانوتوی نے تحذیر الناس میں اس اثر کے متعلق اہل علم حضرات کی تاویلات کو کسی کھاتے میں شمار نہیں کیا۔ لیکن گھمن صاحب اس خوش فہمی میں ہیں کہ قاسم نانوتوی نے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اس مسئلہ میں دیوبندیوں کے لئے افسوس کی بات یہ ہے کہ دیوبندیوں کے ہم عقائد غیر مقلدوں کے بڑے مولویوں نے بھی اس اثر کا رد کیا ہے اور دیوبندیوں کا ساتھ نہیں دیا۔ اب تفصیل ملاحظہ ہو:۔

(1) یہ اثر اپنی سند کے ساتھ کچھ یوں ہے۔ امام حاکم روایت کرتے ہیں "أخبرنا أحمد بن يعقوب الثقفي، ثنا عبيد بن غنام النخعي، أنبأ علي بن حكيم، ثنا شريك، عن عطاء بن السائب، عن أبي الضحى، عن ابن عباس رضي الله عنهما، أنه قال ﴿**الله الذي خلق سبع سماوات ومن الأرض مثلهن**﴾ قال: سبع أرضين في كل أرض نبي كنبيكم وآدم كآدم، ونوح كنوح، وإبراهيم كإبراهيم، وعيسى كعيسى هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه" ترجمہ: ہمیں خبر دی احمد بن یعقوب ثقفی نے انہیں حدیث بیان کی عبید بن غنام نخعی نے، انہیں خبر دی علی بن حکیم نے انہیں حدیث بیان کی شریک نے انہوں نے کہا عطا بن سائب سے مروی ہے اور عطا کو ابوضحیٰ سے مروی ہے اور انہیں حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی برابر زمینیں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح نبی ہے، حضرت آدم کی طرح آدم، حضرت نوح کی طرح نوح اور حضرت ابراہیم کی طرح ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کی طرح عیسیٰ (علیہم السلام)۔ یہ حدیث سند صحیح ہے اور امام بخاری ومسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔

(المستدرك على الصحيحين، كتاب التفسير، تفسير سورة الطلاق بسم الله الرحمن الرحيم، جلد 2، صفحہ 535، دار الكتب العلمية، بیروت)

اس سند میں علماء نے شریک اور عطاء بن السائب پر کلام کیا ہے کہ شریک کثیر خطا کرتا تھا اور مدلس تھا۔ اور عطاء بن سائب وفات سے پہلے مختلط ہو گئے تھے اور شریک نے بعدِ اختلاط ان سے سماع کیا تھا۔ ابجد العلوم میں وہابی مولوی صدیق حسن بھوپالی لکھتا ہے "وفي إسناده عطاء بن السائب وهو من المختلطين كما صرح به النووي في مقدمة شرحه لمسلم. وقال الحافظ في التقريب: صدوق. وفي هدى الساري مقدمة فتح الباري: اختلط فضعفوه بسبب ذلك. وقال يحيى بن معين: لا يحتج بحديثه وما روى عنه البخاري إلا متابعا في مقام واحد مع أبي بشر ولم يخرج عنه مسلم. وقال الحاكم في: باب الكسوف من المستدرك: لم يخرجاه بسبب عطاء بن السائب.

انتھی. والعجب من الحاکم کیف حکم بصحته؟ مع علمه بأن الشیخین لم یخرجا حدیث عطاء وھذا الأثر من روایته فما أحقه بالتضعیف وقال المنذری فی کتاب الترغیب :عطاء بن السائب الثقفی قال أحمد :ثقة ورجل صالح من سمع منه قدیما کان صحیحا ومن سمع منه حدیثا لم یکن بشیء ورواية شعبة والثوری وحماد بن زید عنه جیدة زاد فی التھذیب :ممن سمع منه قدیما قبل أن یتغیر :شعبة وشریك وحماد لکن قال یحیی بن معین :جمیع من روی عن عطاء روی عنه فی الاختلاط إلا شعبة وسفیان فثبت أن شریکا سمع منه فی حالة الاختلاط والتغیر دون قبل ذلك وھذا الأثر الضعیف من روایة شریك عن عطاء" ترجمہ:اس سند میں عطاء بن سائب ہیں اور وہ مختلطین میں سے ہیں جیسا کہ امام نووی نے مقدمہ شرح مسلم میں اس کی صراحت کی ہے۔ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں کہا کہ یہ صدوق ہیں اور ھدی الساری مقدمہ فتح الباری میں فرمایا:انہیں اختلاط ہوگیا تھا جس کے سبب علماء نے انہیں ضعیف کہا۔یحیٰ بن معین نے فرمایا:ان کی حدیث کو دلیل نہ بنایا جائے۔جو امام بخاری نے ایک جگہ ان کی روایت نقل کی ہے وہ متابعت کے ساتھ ابی بشر کے ساتھ ہے اور امام مسلم نے ان سے کوئی حدیث نہیں لی۔امام حاکم نے مستدرک میں کسوف کے باب میں میں کہا بخاری ومسلم نے اس حدیث کو عطا بن سائب کے سبب روایت نہیں کیا۔عجیب بات ہے کہ امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کیسے کہہ دیا؟ حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ شیخین نے حدیث عطا بن سائب کو روایت نہیں کیا تو یہ روایت ضعیف کی زیادہ حقدار ہے۔منذری نے کتاب ترغیب میں فرمایا:عطاء بن سائب ثقفی کے متعلق امام احمد نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہیں جو ان سے قدیما روایت کرے وہ صحیح ہے اور جو ان سے بعد میں سنے وہ کوئی شے نہیں ہے۔شعبہ اور ثوری اور حماد بن زید نے جو ان سے روایات لی وہ جید ہیں۔تہذیب میں مزید فرمایا:جنہوں نے قدیما ان کے تغیر سے پہلے ان سے سنا ان میں شعبہ اور شریک اور حماد ہیں لیکن یحیٰ بن معین نے کہا کہ تمام روایات جو عطاء بن سائب سے مروی ہیں وہ اختلاط کی حالت میں ہیں مگر شعبہ اور سفیان نے اختلاط سے قبل سنی ہیں۔تو ثابت ہوا کہ شریک نے اختلاط کی حالت میں سنی ہیں تو یہ اثر شریک کا عطاء سے روایت کرنے کے سبب ضعیف ہے۔

(ابجد العلوم،صفحہ230،231، دار ابن حزم)

(2) حضرت ابن عباس(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)سمیت کئی علماء نے اس روایت کے متعلق سکوت کا حکم ارشاد فرمایا اور اس کی شرح بیان نہیں کی۔تفسیر القرآن العظیم میں ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی(المتوفی 774ھ) لکھتے ہیں"قال ابن جریر حدثنا عمرو بن علی، حدثنا وکیع حدثنا الأعمش عن إبراھیم بن مھاجر عن مجاھد عن ابن عباس

فی قوله تعالی :سبع سماوات ومن الأرض مثلھن قال :لو حدثتکم بتفسیرھا لکفرتم، وکفرکم تکذیبکم بھا، وحدثنا ابن حمید :حدثنا یعقوب بن عبد الله بن سعد القمی الأشعری عن جعفر بن أبی المغیرة الخزاعی عن سعید بن جبیر قال :قال رجل لابن عباس الله الذی خلق سبع سماوات ومن الأرض مثلھن الآیة. فقال ابن عباس :ما یؤمنك إن أخبرتك بھا فتکفر" یعنی حضرت ابن عباس(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)نے اللہ(عزوجل)کے اس فرمان:اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی برابر زمینیں۔کے متعلق فرمایا:اگر میں تمہیں اس کی تفسیر بیان کردوں تو ضرور تم کفر کر بیٹھو اور تمہارا کفر کرنا اس کی تکذیب کرنا ہے۔حضرت ابن عباس سے دوسری روایت میں مروی ہے۔قرآن پاک میں ہے:اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی برابر زمینیں۔حضرت ابن عباس فرماتے ہیں:تمہیں کون سی چیز مومن رکھے گی اگر میں تمہیں اس کی خبر دوں تو تم اس کا انکار کردو گے۔

(تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر)،جلد8،صفحہ178،دار الکتب العلمیة،بیروت)

العلو للعلی الغفار فی إیضاح صحیح الأخبار وسقیمھا میں شمس الدین ابوعبداللہ الذہبی(المتوفی 748ھ) فرماتے ہیں"وروی عن عطاء بن السائب مطولا بزیادة غیر أننا لا نعتقد ذلك أصلا فقال البیھقی أخبرنا الحاکم أنبأنا أحمد بن یعقوب الثقفی حدثنا عبید بن غنام حدثنا علی بن حکیم حدثنا شریك عن عطاء بن السائب عن أبی الضحی عن ابن عباس (ومن الأرض مثلھن) قال سبع أرضین وفی کل أرض نبی کنبیکم وآدم کآدمکم ونوح کنوح وإبراھیم کإبراھیم وعیسی کعیسی شریك وعطاء فیھما لین لا یبلغ بھما رد حدیثھما وھذه بلیة تحیر السامع کتبتھا استطرادا للتعجب وھو من قبیل اسمع واسکت" یعنی عطاء بن سائب سے طویلا روایت کیا گیا جبکہ ہم اس روایت پر اصلا اعتقاد نہیں رکھتے،(وہ روایت یہ ہے)امام بیہقی نے فرمایا ہمیں خبر دی حاکم نے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی احمد بن یعقوب ثقفی نے انہیں حدیث بیان کی عبید بن غنام نخعی نے،انہیں خبر دی علی بن حکیم نے انہیں حدیث بیان کی شریک نے انہوں کہا عطا بن سائب سے مروی ہے اور عطا کو ابوضحیٰ سے مروی ہے اور انہیں حضرت ابن عباس(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا:اللہ ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی برابر زمینیں۔حضرت ابن عباس نے فرمایا سات زمینیں ہیں اور ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح نبی ہے،حضرت آدم کی طرح آدم،حضرت نوح کی طرح نوح اور حضرت ابراہیم کی طرح ابراہیم اور حضرت عیسیٰ کی طرح عیسیٰ علیہم السلام۔شریک اور عطا اس روایت میں لین ہیں کہ ان

دونوں تک اس حدیث کا رد نہیں پہنچا۔ یہ روایت آزمائش ہے سننے والے کو حیران کرنے والی ہے۔ اسے لکھتے ہوئے تعجب ہوا اور یہ روایت اس قبیل سے ہے کہ اسے سنا جائے اور خاموشی اختیار کی جائے۔

(العلو للعلی الغفار فی إیضاح صحیح الأخبار وسقیمها، صفحه75، مکتبة أضواء السلف، الریاض)

الأجوبة الکافیة عن الأسئلة الشامیة میں محمد بن یوسف بن محمد بن سعد الحید ری التونسی الکافی المالکی (المتوفی 1380) فرماتے ہیں "هذا الحدیث ومثله مما یجب الإیمان بظاهره ولا دخل للعقل فی شیء من ذلك" ترجمہ: یہ حدیث ان احادیث کی طرح ہے کہ جن کے ظاہر پر ایمان رکھنا واجب ہے اور عقل کو اس میں دخل نہیں ہے۔

(الأجوبة الکافیة عن الأسئلة الشامیة، صفحه34۔۔۔۔مطبعة السعادة، مصر)

(3) علماء کی ایک تعداد نے اس حدیث کے متن کو شاذ وضعیف کہا ہے اس وجہ سے کہ یہ خاتم النبیین کے معنی کے مخالف ہے اور یہ روایت حضرت ابن عباس کا ذاتی قول ہے اور حضور (علیه السلام) کے ارشاد سے اس کا خلاف ثابت ہے کہ آپ نے واضح کیا کہ زمین کے نیچے مخلوق نہیں بلکہ پانی، آگ وغیرہ ہے۔ امام جلال الدین سیوطی (رحمة الله علیه) لکھتے ہیں "أخرج أبو یعلی عن جابر بن عبد الله :أن النبی صلی الله علیه و سلم سئل ما تحت هذه الأرض ؟ قال : الماء قیل :فما تحت الماء ؟ قال :ظلمةقیل :فما تحت الظلمة ؟ قال :الهواء قیل :فما تحت الهواء ؟ قال : الثری قیل :فما تحت الثری ؟ قال :انقطع علم المخلوقین عند علم الخالق" یعنی ابو یعلیٰ نے حضرت جابر (رضی الله تعالیٰ عنه) سے مروی کیا کہ رسول اللہ (صلی الله علیه وآله وسلم) سے پوچھا گیا کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی۔ عرض کیا گیا پانی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا اندھیرا۔ کہا گیا اندھیرے کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا ہوا۔ کہا گیا ہوا کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا ثریٰ۔ کہا گیا تحت الثریٰ کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا: خالق کے علم کے سامنے مخلوق کا علم منقطع ہو جاتا ہے۔

(الدر المنثور، جلد5، صفحه552، دار الفکر، بیروت)

فتحُ البیان فی مقاصد القرآن میں وہابی مولوی صدیق حسن بھوپالی اس روایت کو غیر معتبر ثابت کرکے لکھتا ہے "وعن جابر بن عبد الله فی حدیث طویل یرفعه إلی النبی صلی الله علیه وسلم :ثم قال :یا محمد ما تحت هذه؟ یعنی الأرض قال :خلق، قال :فما تحت الأرض؟ قال :الماء قال :فما تحت الماء ؟ قال :ظلمة قال :فما تحت الظلمة؟ قال :الهواء، فقال :فما تحت الهواء ؟ ففاضت عینا رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال : انقطع علم الخلائق أیها السائل، فقال :صدقت أشهد أنك رسول الله، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم :

أتدرون من هذا؟ قالوا :الله ورسوله أعلم قال :هذا جبریل "الحدیث مختصراً أخرجه الحافظ ابن کثیر بسنده، وأخرجه ابن مردویه أیضاً عنه بطوله، وهذا الحدیث یرد ما قاله ابن عباس رضی الله تعالی عنه إن کان قد صح قوله" یعنی حضرت جابر (رضی الله تعالیٰ عنه) طویل حدیث حضور (علیه السلام) کے حوالے سے روایت کرتے ہیں پھر رسول اللہ (صلی الله علیه وآله وسلم) سے پوچھا گیا کہ زمین کے نیچے کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: پانی۔ عرض کیا گیا پانی کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا اندھیرا۔ کہا گیا اندھیرے کے نیچے کیا ہے؟ فرمایا ہوا۔ کہا گیا ہوا کے نیچے کیا ہے؟ تو حضور (علیه السلام) کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے اور آپ نے فرمایا اس کے بعد مخلوق کا علم منقطع ہو گیا اے پوچھنے والے۔ سائل نے کہا آپ نے سچ کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ (عزوجل) کے رسول ہیں۔ رسول اللہ (صلی الله علیه وآله وسلم) نے صحابہ کرام سے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کون تھے؟ صحابہ کرام نے عرض کی اللہ (عزوجل) اور اس کا رسول (صلی الله علیه وآله وسلم) زیادہ جانتا ہے۔ فرمایا: یہ جبرائیل تھے۔ یہ حدیث مختصر ہے حافظ ابن کثیر نے اپنی سند کے ساتھ اسے روایت کیا اور ابن مردویہ نے اسے اسی طرح طویلا روایت کیا۔ اگر حضرت ابن عباس (رضی الله تعالیٰ عنه) کا قول صحیح بھی ہو تو اس حدیث نے حضرت ابن عباس (رضی الله تعالیٰ عنه) کے اس قول کا رد کر دیا ہے۔

(فتحُ البیان فی مقاصد القرآن، جلد14، صفحه198، المکتبة العصریه، بیروت)

السیرة الحلبیة میں علی بن ابراہیم بن احمد الحلبی (المتوفی 1044ھ) فرماتے ہیں "قال البیهقی : إسناده صحیح لکنه شاذ بالمرة:أی لأنه لا یلزم من صحة الإسناد صحة المتن، فقد یکون فیه مع صحة إسناده ما یمنع صحته فهو ضعیف" یعنی امام بیہقی نے فرمایا کہ اس اثر کی سند صحیح ہے لیکن یہ روایت شاذ ہے۔ یعنی اس کی سند صحیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا متن بھی صحیح ہو۔ یہ ہوتا ہے کہ صحیح سند میں کوئی ایسی وجہ ہوتی ہے جو اس حدیث کو ضعیف کر دیتی ہے۔

(السیرة الحلبیة، جلد1، صفحه213، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(4) علماء کی بہت بڑی تعداد نے اس اثر کو اسرائیلی روایت کہہ کر نا قابل اعتبار ٹھہرایا ہے۔ **الأسرار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة المعروف بالموضوعات الکبری** میں ملا علی قاری (المتوفی 1014ھ) فرماتے ہیں "حدیث الأرضون سبع فی کل أرض نبی کنبیکم یروی عن ابن عباس قال ابن کثیر بعد عزوه لابن جریر وهو محمول إن صح نقله أی عن ابن عباس رضی الله عنهما أنه أخذه من الإسرائیلیات وذلك وأمثاله إذا لم یصح سنده إلی المعصوم فهو مردود علی قائله" یعنی سات زمینوں کے متعلق روایت کہ ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح نبی ہے یہ حضرت ابن عباس (رضی الله تعالیٰ عنه) سے مروی ہے۔ ابن کثیر نے اس کی نسبت ابن جریر کی طرف کرنے کے بعد فرمایا: اگر یہ نقل صحیح

ہے تو اس پر محمول کیا جائے گا کہ حضرت ابن عباس نے اسے اسرائیلیات سے لیا ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ جس کی سند معصوم کی طرف صحیح نہ ہو تو وہ قائل پر مردود ہے۔ (الأسرار المرفوعة فی الأخبار الموضوعة ،صفحہ96، دار الأمانة / مؤسسة الرسالة،بیروت)

یہی کچھ فتح البیان فی مقاصد القرآن میں وہابی مولوی صدیق حسن بھوپالی نے لکھا ہے ''قال ابن كثير هذا وأمثاله إذا لم يصح سنده إلى معصوم فهو مردود على قائله انتهى، وتصحيح الحاكم له ليس بذاك قال السيوطی :ولم أزل أتعجب من تصحيح الحاكم له حتى رأيت البيهقی قال :إسناده صحيح، لكن شاذ بمرة انتهى، ولا يلزم من صحة الإسناد صحة المتن فقد يصح الإسناد ويكون فی المتن علة وشذوذ تقدح فی صحته، قاله القسطلانی، وقال فی البداية؛ هذا محمول إن صح نقله على أن ابن عباس أخذه من الإسرائيليات ونحوه، قال السخاوی فی المقاصد الحسنة :ومثله فی تفسير روح البيان وزاد نقلاً عن السيوطی أنه قال : يمكن أن يؤول على أن المراد بهم الذين كانوا يبلغون الجن عن أنبياء البشر، ولا يبعد أن يسمى كل منهم باسم النبی الذی يبلغ عنه انتهى ونحوه فی إرشاد الساری والحاصل أن الأثر المذكور وإن صح فهو موقوف شاذ، والشاذ لا يحتج به كما قال الطيبی فی الخلاصة وغيره فی غيرها ولفظها، والموقوف هو مطلق ما روی عن الصحابی من قول أو فعل متصلاً كان أو منقطعاً، وهو ليس بحجة على الصحيح، وقال النووی فی شرح مسلم :الموقوف ليس بحجة على المختار عند الغزالی وهو الصحيح انتهى .قال الخفاجی :الذی نعتقد أن الأرض سبع ولها سكان من خلقه يعلمهم الله تعالى انتهى، وهذا أعدل الأقوال وأحوطها، وقال النيسابوری : ذكر الثعالبی فی تفسيره فصلاً فی خلق السموات والأرض وأشكالهم وأسمائهم أضربا عن إيرادها لعدم الوثوق بمثل تلك الروايات انتهى، وما جاء عن كعب ووهب وأمثالهما فی هذا الباب فكلها لا يعتد به لأنهم أخذوه من الإسرائيليات ''

(فتحُ البیان فی مقاصد القرآن،جلد14،صفحہ198،المکتبة العصریہ،بیروت)

شرح العقيدة الواسطية میں غیر مقلد مولوی عبداللہ بن محمد الغنیمان لکھتا ہے ''وما ذكره من أقوال السلف الظاهر أنه مأخوذ عن أهل الكتاب، وأهل الكتاب لا يجوز الاعتماد عليهم فی مثل هذه الأشياء ، فالراجح أنها سبع طبقات ليس بينها فضاء ، كل واحدة تحت الأخرى كما قال الله جل وعلا، ويكفينا هذا، أما ما ذكره الحافظ ابن كثير ورواه ابن جرير وغيره عن ابن عباس رضی الله عنهما أنه سئل عن ذلك فقال للسائل :لو أخبرتك

لكفرت، وفی رواية أخرى أنه قال :فی كل أرض من هذه الأراضين مثلما على وجه هذه الأرض، حتى ذكر فی كل أرض نبی مثل النبی الذی جاء على وجه هذه الأرض، فهذا من الكذب، بل هذا من زنادقة أهل الكتاب الذی أرادوا به إفساد عقائد المسلمين، فإذا صح عن ابن عباس أنه قاله فقد نقله عن أمثال كعب الأحبار وغيره من الذين ينقلون عن كتب المتقدمين من اليهود ''یعنی اسلاف کے اقوال میں سے جو ذکر کیا گیا تو ظاہر یہ ہے کہ یہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے اور اس طرح کی باتوں میں اہل کتاب پر اعتماد جائز نہیں ہے۔ راجح یہ ہے کہ زمین کے سات طبقوں کے درمیان فضا نہیں ہے ہر ایک دوسرے کے نیچے ہے جیسا کہ اللہ (عزوجل) نے فرمایا اور ہمیں یہی کافی ہے۔ باقی جو حافظ ابن کثیر، ابن جریر وغیرہ نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے حوالے سے نقل کیا کہ جب زمینوں کے متعلق ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا اگر میں تمہیں اس کی خبر دوں تو تم ضرور کفر کردو اور دوسری روایت میں ہے کہ ہر زمین اس زمین کی طرح ہے یہاں تک ذکر ہے کہ ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح ایک نبی ہے تو یہ جھوٹ ہے بلکہ زنادقہ اہل کتاب میں سے ہے جنہوں نے اس سے مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر یہ روایت حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے صحیح مروی ہے تو انہوں فقط دوسری روایتوں کی طرح اسے کعب احبار وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ جو متقدمین یہودیوں کی روایات نقل کرتے تھے۔ (شرح العقيدة الواسطية،جلد11،صفحہ8)

روح المعانی میں شہاب الدین محمود بن عبداللہ الحسینی الالوسی (المتوفی 1270ھ) فرماتے ہیں ''هذا حديث لا شك فی وضعه وهو من رواية الواقدی الكذاب'' ترجمہ: اس حدیث کے جھوٹے ہونے میں کوئی شک نہیں اور یہ واقدی کذاب کی روایتوں میں سے ہے۔ (روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ،جلد 14 ،صفحہ338، دار الکتب العلمیة ،بیروت)

(5) بعض علماء نے متن کو صحیح کہہ کر اس کی تاویل کی ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ ہر زمین پر انبیاء ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں نیک ہستیاں ہیں جو ممتاز ہیں جیسے اس زمین پر انبیاء علیہم السلام ممتاز ہیں۔ روح المعانی میں شہاب الدین محمود بن عبداللہ الحسینی الالوسی (المتوفی 1270ھ) فرماتے ہیں ''أقول لا مانع عقلا ولا شرعا من صحته، والمراد أن فی كل أرض خلقا يرجعون إلى أصل واحد رجوع بنی آدم فی أرضنا إلى آدم عليه السلام، وفيه أفراد ممتازون على سائرهم كنوح وإبراهيم وغيرهما فينا ''یعنی میں کہتا ہوں کہ اس کی صحت کو ماننا عقلاً اور شرعاً کوئی مانع نہیں ہے اور مراد یہ ہے کہ ہر زمین میں مخلوق ہے جو اصل ایک کی طرف لوٹتی ہے جیسی ہماری زمین میں تمام حضرت آدم (علیہ السلام) کی

اولا د ہیں۔ان زمینوں میں ممتاز افراد ہیں جیسے ہماری زمین میں حضرت نوح وابراہیم (علیهما السلام) وغیرہ جیسے افراد ممتاز ہیں۔

(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی ،جلد14،صفحه338،دار الکتب العلمیة ،بیروت)

بعض علماء نے فرمایا کہ بشری رسولوں کی طرف سے بقیہ زمینوں میں موجود جنوں کی تبلیغ کے لئے جن مبلغ جاتے تھے ان کے فقط نام بشری نبیوں کے نام پر ہوتے تھے۔السیرۃ الحلبیة میں علی بن ابراہیم بن أحمد الحلبی اورروح البیان میں علامہ اسماعیل حقی (رحمة الله علیهما) فرماتے ہیں ”قال الحافظ السیوطی :ویمکن أن یؤول علی أن المراد بهم النذر الذین کانوا یبلغون الجن عن أنبیاء البشر.ولا یبعد أن یسمی کل منهم باسم النبی الذی یبلغ عنه هذا کلامه :أی وحینئذ کان لنبینا صلی الله علیه وسلم رسول من الجن اسمه کاسمه“ یعنی امام سیوطی نے فرمایا: ممکن ہے کہ اس کی تاویل یوں کی جائے (کہ دیگر زمینوں میں موجود نوح،ابراہیم وغیرہ کا مطلب ہے) کہ ان سے مراد ڈرسنانے والے (مبلغ) ہیں جو بشری انبیاء(علیهم السلام) کی طرف سے جنوں کو تبلیغ کرتے تھے اور یہ کوئی بعید نہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا نام اسی نبی کے نام پر ہو جس کی طرف سے وہ تبلیغ کررہا ہے۔یعنی اس معنی کے لحاظ سے ہمارے نبی(علیه السلام) کی طرف سے جنوں میں سے ایک مبلغ تھا جس کا نام آپ کے نام پر ہی تھا۔

(السیرۃ الحلبیة،جلد1،صفحه213،دار الکتب العلمیة ،بیروت)

علمائے کرام کے جو پانچ اقوال پیش کئے گئے ہیں ان میں اگر ایک دو کو مرجوح قرار بھی دیا جائے بلکہ بالفرض سب کے اقوال کو بھی ترک کردیا جائے تو کم ازکم اتنا ضرور واضح ہے کہ قاسم نانوتوی کی تحقیق خودساختہ اور بغیر دلیل ہے جس پر اسلاف میں سے کسی ایک مستند عالم کی بھی تائید موجود نہیں ہے۔

اس کے علاوہ عقلا بھی اثر ابن عباس صحیح سمجھ نہیں آتا،کیا اس زمین کے علاوہ بقیہ جو چھ زمینیں ہیں ان میں ہر زمین پر بھی سات آسمان ہیں؟ اگر ان میں بقول نانوتوی رسول ہیں تو کیا حضرت محمد (صلی الله علیه وآله وسلم)سمیت دیگر انبیاء(علیهم السلام) پر بھی وہی کتابیں نازل ہوئی جو اس زمین پر نازل ہوئیں یعنی دوسری زمینوں میں بھی قرآن پاک نازل ہوا ہے؟ کیا وہاں بھی اس زمین کی طرح مدینہ ہے؟ کیا قیامت والے دن ہر زمین سے اس زمین کی طرح انبیاء(علیهم السلام) اٹھیں گے؟ کیا جب ہمارے پیارے آقا(صلی الله علیه وآله وسلم) شفاعت کے لئے سجدہ کریں گے تو دوسری زمینوں میں جو بقول نانوتوی محمد ہیں وہ بھی سجدہ ریز ہوں گے اور اپنی اپنی زمین والوں کی شفاعت کریں گے؟ الغرض اس طرح کے اور کئی ایسے سوال ہیں جو شرع کے ساتھ ساتھ عقلا بھی درست نہیں لگتے۔کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس پر کثیر صحیح روایات موجود ہوتیں۔

اس تحقیق کے بعد قارئین پر واضح ہوگیا کہ گھمن صاحب جو اندھی تقلید میں قاسم نانوتوی کی تعریفوں کے پل باندھ

رہے ہیں درحقیقت علمائے اسلاف کے کلام سے بے خبر ہیں یا باخبر ہیں لیکن قاسم نانوتوی کو بچانے کے چکر میں انہیں ان کے کلام کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔اس روایت کو بغیر کسی تاویل کے صحیح کہنا اور خاتم النبیین کے اپنے پاس سے معنیٰ گڑھنا کسی سے ثابت نہیں ہے۔گھمن صاحب نے اتنا بڑا جھوٹ بولا کہ تحذیر الناس کی اپنوں کے علاوہ غیروں نے بھی تعریف کی جبکہ اشرف علی تھانوی واضح کہتے ہیں کہ تحذیر الناس کے ساتھ موافقت پورے ہندوستان میں صرف مولانا عبدالحیٔ نے کی چنانچہ فرماتے ہیں: ”جس وقت مولانا (قاسم نانوتوی) نے تحذیر الناس لکھی ہے، کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کیساتھ موافقت نہیں کی،بجز مولانا عبدالحیٔ صاحب کے۔“

(الافاضات الیومیه،جلد5،صفحه 296،اداره تالیفات اشرفیه،ملتان)

تاریخ سے واضح ہے کہ پہلے مولانا عبد الحئی نے شخصیت سے متاثر ہوکر تحذیر الناس سے موافقت کی بعد میں یہ بھی اس کے مخالف ہوگئے تھے جیسا کہ پیچھے کہا گیا کہ ابطال قاسمیہ میں عبدالحیٔ لکھنوی نے بھی تصدیق کی ہے۔اسی طرح دیوبندیوں کے بہت بڑے مولوی انور شاہ کشمیری نے بھی فیض الباری میں قاسم نانوتوی کا رد کیا ہے۔اب گھمن صاحب کے باطل اصول کے مطابق سارا ہندوستان قاسم نانوتوی کے مخالف ہوکر انگریزوں کا ایجنٹ ہوگیا اور اکیلے نانوتوی صاحب خودساختہ محقق وعاشق بن بیٹھے۔

تحذیر الناس نے ختم نبوت کے دروازے بند کئے یا کھولے؟

پھر گھمن صاحب ایک اور جھوٹ بولتے ہوئے کہتے ہیں کہ تحذیر الناس نے ختم نبوت کے دروازے کو بند کردیا جبکہ ہوا یہ کہ قادیانیوں نے قاسم نانوتوی کی ہی عبارت لے کر غلام احمد قادیانی کو نبی ثابت کیا اور آج بھی وہ قاسم نانوتوی کے نام کے ساتھ (رحمة الله علیه) لکھتے ہیں اور اپنے حق ہونے پر بطور دلیل تحذیر الناس کی یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔قادیانیوں کی ایک ویب سائیٹ پر ہے: ”بانی دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی: ”عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔۔۔میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی۔۔۔اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدیہ میں کچھ فرق نہ آئے گا۔“ تحذیر الناس صفحہ 3،28۔

یہی عقیدہ حضرت بانی جماعت احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدی موعود اور جماعت احمدیہ کا ہے۔حضرت بانی جماعت احمدیہ فرماتے ہیں: ”تمام نبوتیں اس پر ختم ہیں اور اس کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔مگر ایک قسم کی نبوت ختم نہیں

یعنی وہ نبوت جو اس کی کامل پیروی سے ملتی ہے اور جو اس کے چراغ میں سے نور لیتی ہے وہ ختم نہیں۔ کیونکہ وہ محمدی نبوت ہے یعنی اس کا ظل ہے اور اسی کے ذریعہ سے ہے اور اسی کا مظہر ہے اور اسی سے فیض یاب ہے۔'' چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 340۔''

(http://askahmadiyyat.org/questions/reality-of-ijma-umma/different-meaning-of-khatmun-nabiyee/)

قادیانیوں کی کتاب ''آیت خاتم النبیین اور جماعت احمدیہ کا مسلک'' میں لکھا ہے: ''حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی فرماتے ہیں: ''اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصفِ نبوت لیجئے جیسا کہ اس ہیمپدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ صلعم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی، افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ رسالہ تحذیر الناس، صفحہ 28۔

(قادیانی نانوتوی کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے) اس عبارت سے ظاہر ہے کہ اگرچہ حضرت مولانا کا ذاتی عقیدہ یہ تھا کہ کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوگا بلکہ حضرت عیسےٰ (علیہ السلام) ہی تشریف لاویں گے لیکن یہ عقیدہ اس بنا پر نہیں تھا کہ آپ کے نزدیک نئے نبی کا پیدا ہونا خاتمیت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف تھا۔ اس کے برعکس آپ کا یہ ایمان تھا کہ خاتمیت محمدی بحثیت زمانہ نہیں۔ بلکہ بحثیت مقام ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض آپ کے بعد کوئی نیا نبی بھی پیدا ہو جو کلی طور پر آپ کے تابع ہو اور نئی شریعت لانے والا نہ ہو تو اس سے آنحضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خاتمیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

(آیت خاتم النبیین اور جماعت احمدیہ کا مسلک، صفحہ 22،23، نظارت اشاعت لٹریچر)

ان دونوں جزئیات سے پتہ چلا کہ تحذیر الناس کتاب نے نبوت کے دروازے کھلے اور قادیانیوں کے عقائد کو تقویت دی۔ جب قادیانیوں کو پاکستانی قانون میں کافر قرار دیا جا رہا تھا اس وقت بھی قادیانیوں نے اپنے دفاع میں یہی تحذیر الناس کی عبارت پیش کی تھی چنانچہ صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری لکھتے ہیں: ''یہی وہ دل آزار تشریح ہے جس نے انیسویں صدی کی آخری دہائی میں ملّتِ اسلامیانِ ہند میں تفرقہ ڈالا اور ایک نئے فرقے کو جنم دیا۔ آگے چل کر تحذیر الناس کی اسی عبارت نے مرزا غلام قادیانی کذاب کی جھوٹی نبوت کے دعوے کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کی جس کو آج تک قادیانی بطورِ دلیل پیش کرتے چلے آئے ہیں، حتیٰ کہ 7 ستمبر 1974ء کو جب پاکستان کی قومی اسمبلی میں قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے لئے دلائل دیئے جا رہے تھے، تو قادیانیوں کے نمائندہ مرزا طاہر نے اپنے مسلمان ہونے کے دفاع میں مولوی قاسم نانانوی صاحب

کی ان عبارات کو بطورِ دلیل پیش کیا جس کا جواب مفتی محمود صاحب سمیت کسی دیوبندی عالم سے نہ بن پڑا۔ البتہ مولانا شاہ احمد نورانی اور علامہ عبد المصطفیٰ الازہری (علیہما الرحمۃ) نے گرج دار آواز میں کہا کہ ہم اس عبارت کے محرر اور اس کے قائل دونوں کو ایسا ہی کافر سمجھتے ہیں جیسا قادیانیوں کو اور یہ کہ اس سلسلے میں امام احمد رضا کا مرتبہ اور علماے حرمین شریفین کا تصدیق شدہ فتویٰ حسام الحرمین اسمبلی میں پیش کیا جا چکا ہے۔ مزید حیرت وافسوس کی بات یہ ہے کہ جناب مفتی محمود صاحب کی جماعت جمیعت علماے اسلام ہی کے دو معزز ارکان مولوی غلام غوث ہزاروی اور مولوی عبد الحکیم صاحبان نے قادیانیت کے خلاف پیش کردہ قرار داد پر قومی اسمبلی میں موجود ہونے کے باوجود دستخط نہیں کیے لیکن نہ تو مفتی محمود صاحب نے، نہ ان کی جماعت نے اور نہ ہی کسی دیوبندی عالم نے ان دونوں کے خلاف کوئی تادیبی کارروائی کی یا بیانِ مذمت دیا یا اخبارات میں مضمون لکھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد 14 مارچ 1949ء کو قانون ساز اسمبلی میں قراردادِ مقاصد پاس ہونے کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی باقاعدہ تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریکِ تحفظِ ختم نبوت میں غالب اکثریت اہلِ سنت کے علما و مشائخ اور عوام کی تھی جسے ہزاروں کارکنانِ اہلِ سنت نے 53-1952ء میں اپنی نقدِ جان پیش کر کے اور اسیری کی صعوبتیں برداشت کر کے کامیاب بنایا اور بالآخر یہ جدوجہد 7 ستمبر 1974ء کو امام احمد رضا قدس سرہ کے خلیفہء اجل، مبلغِ اسلام حضرت علامہ مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی (رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ) کے نامور فرزند حضرت علامہ مولانا شاہ محمد احمد نورانی صدیقی (علیہ الرحمۃ) کی سیاسی قیادت میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں آئینی فتح پر منتج ہوئی اور عالمِ اسلام میں پہلی بار پاکستان کو یہ قابلِ فخر اعزاز حاصل ہوا کہ بیسویں صدی کے اس مسیلمہ کذاب اور اس کی ذریت کو غیر مسلم (کافر) قرار دیا گیا۔'' (ویب سائیٹ)

غیر مقلد وہابی بھی قاسم نانوتوی کی عبارت کو کفریہ قرار دیتے ہیں چنانچہ وہابیوں کی ویب سائیٹ پر ہے ''دیوبندی اکثر یہ باور کروانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اہلحدیث اور قادیانی ایک ہی ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی کون تھا؟ ختم نبوت کے انکار پر دیوبندیوں اور قادیانیوں کا اتفاق ہے۔ مرزا قادیانی لکھتا ہے: اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آ سکتا اور بغیر شریعت نبی ہو سکتا ہے مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔ پس اس بناء پر میں امتی ہوں اور نبی بھی۔ تجلیات الٰہیہ، صفحہ 25۔

مولانا قاسم نانوتوی مدرسہ دیوبند کے بانیوں میں سے ہیں، اپنی کتاب تحذیر الناس ص 28 پر لکھتے ہیں۔ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا۔''

(http://www.sirat-e-mustaqim.net/Hanfiat-Or-Qadyaniat.php)

گھسن صاحب! یہاں تو وہابیوں نے بھی اس عبارت کو کفریہ کہا ہے۔ اب آپ انہیں بھی انگریزوں کا ایجنٹ کہہ دیں!

یہ کہنا کہ ہر طبقہ میں ایک خاتم ہے

گھسن صاحب لکھتے ہیں:

یعنی اس اثر کے مضمون کو درست سمجھنا کہ باقی طبقات ارض میں انبیاء کرام مثل انبیاء کرام علیہم السلام موجود ہیں تو یہ ختم نبوت کا انکار ہے۔ جبکہ مولانا غلام دستگیر قصوری لکھتے ہیں: ہر ایک کی خاتمیت اضافی ہے یعنی ان زمینوں میں جو نبی ہیں، ان کی خاتمیت ان زمینوں کے اعتبار سے ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت اس زمین میں مبعوث ہونیوالے انبیاء کے اعتبار سے ہے۔ تبیان القرآن، جلد 12، صفحہ 94۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: ہم آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل کے ممتنع بالذات ہونے کے اس جہان دنیا میں قائل ہیں، پس اگر کوئی اور جہاں ہو اور اس میں سوائے اس دنیا کے انبیاء مبعوث ہوں اور ہر ایک ان کا خاتم ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل نبی اور خاتم ہونے میں ہو تو اس کے ممتنع ہونے پر ہم حکم نہیں کرتے۔ تقدیس الوکیل، صفحہ 134۔

مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: جس طرح ایک خاتم الرسل اس طبقہ میں ہے اسی طرح سے ایک ایک خاتم ہر طبقہ میں ہے۔ مجموعہ فتاویٰ اردو، جلد 1، صفحہ 20۔

تو قصوری صاحب اور مولانا لکھنوی نے مختلف زمینوں میں اور انبیاء مان لئے تو بریلویوں کو چاہئے تھا کہ ان کے خلاف بھی منکر ختم نبوت ہونے کی وجہ سے کتاب لکھ دی جاتی۔ مگر ایسا کیوں نہیں؟ اگر یہی جرم مولانا کا ہو تو ان پر فتویٰ کفر اور یہی جرم قصوری اور مولانا لکھنوی کا ہو انہیں معافی آخر کیوں؟ بینوا یا اہل بدعت۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 120، 121، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

دیگر زمینوں میں بھی خاتم ہونے کا کہنا درست نظریہ نہیں ہے۔ لہٰذا مولانا غلام دستگیر قصوری اور عبدالحئی لکھنوی (رحمہما اللہ) کا یہ قول ان کا ذاتی ہے جو درست نہیں۔ لیکن ان کی تکفیر اس وجہ سے نہیں کی جاتی کہ انہوں نے "خاتم النبیین" کے معنی میں تبدیلی نہیں کی۔ جبکہ قاسم نانوتوی صاحب نے "خاتم النبیین" کے معنی ہی کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اس زمین کے علاوہ بقیہ چھ زمینوں میں تمام خاتم ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تمام صفاتِ کمالیہ میں شریک اور ہم مثل ہیں تو وہ شخص کافر و مرتد ہے۔ غلام دستگیر صاحب اور عبدالحئی لکھنوی صاحب نے بقیہ زمینوں میں جو

خاتم کا کہا اس میں یہ نہیں کہا کہ وہ حضور (علیہ السلام) کی تمام صفاتِ کمالیہ میں شریک اور ہم مثل ہیں۔

کیا پیر مہر علی شاہ صاحب نے امکانِ نظیر کے قائل کو ماجور و مثاب کہا؟

گھسن صاحب لکھتے ہیں:

سید تبسم شاہ بخاری لکھتے ہیں: ایک اور مسئلہ یہ نکلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظیر ممکن ہے، اس عقیدے سے بھی ختم نبوت پر زد پڑتی ہے۔ ختم نبوت اور تحذیر الناس، صفحہ 25۔

ایک جگہ لکھتے ہیں: نظیر کو محال نہ مانا بلکہ ممکن مانا تو آپ ختم نبوت کے منکر اور کذب الٰہیہ کے قائل ٹھہرے اور یہ بھی کفر ہے۔ دیوبندیوں سے لاجواب سوالات، صفحہ 1052۔

پیر مہر علی شاہ صاحب نے جبکہ امکان نظیر کے قائلین کو ماجور و مثاب لکھا ہے۔ دیکھئے فتاویٰ مہریہ، صفحہ 9۔

تو کیا ختم نبوت کا منکر ماجور و مثاب ہوتا ہے؟

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 121، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

پیر مہر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے امکان نظیر کے قائلین کو ہرگز ماجور و مثاب نہیں فرمایا ہے۔ دراصل فتاویٰ مہریہ پیر مہر علی شاہ صاحب کے بعد ترتیب دیا گیا ہے اور اس میں کئی مقامات پر فتویٰ کے شروع میں اس فتویٰ کی مختصر تاریخ فتاویٰ مہریہ کو ترتیب دینے والے نے لکھی ہے۔ اس مسئلہ امتناع نظیر میں مرتب نے پہلے اپنے الفاظ میں تاریخ بیان کی ہے اور یہ الفاظ انہی کے ہیں نہ کہ مہر علی شاہ صاحب کے۔ پوری عبارت قارئین کے سامنے پیش کی جاتی ہے: "مسئلہ امتناع نظیر: آپ (پیر مہر علی شاہ صاحب) سے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نظیر کے امتناع کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپ نے اصل مدعا شروع کرنے سے پہلے فرمایا کہ اس مقام پر امکان یا امتناع نظیر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا مقصود ہے نہ تصویب یا تغلیط کسی کی فرقتین اسماعیلیہ و خیر آبادیہ میں سے شکر اللہ سعیہم۔ راقم سطور دونوں کو ماجور و مثاب جانتا ہے۔ فانما الاعمال بالنیات ولکل امراء مانوی" (فتاویٰ مہریہ، صفحہ 9، گولڑہ شریف، اسلام آباد)

صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ عبارت مرتب کے ہے وہ خود اس فتویٰ کی تاریخ بتا رہے ہیں اور اپنی طرف سے پیر مہر علی شاہ صاحب نے جو فتویٰ دیا ہے اسے لکھ رہے ہیں۔ اس پیرے کے بعد پیر مہر علی شاہ صاحب کا فتویٰ شروع ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے واضح طور پر اپنا مؤقف وہی رکھا جو اہل سنت و جماعت کا ہے اور اس پورے فتویٰ میں امکانِ نظیر کے قائلین کے حق میں کوئی

دعائیہ کلمات نہیں فرمائے۔

پیر مہر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) جیسی علمی شخصیت سے یہ متصور نہیں کہ اسماعیل دہلوی جیسے شخص کے باطل عقیدہ کو صحیح کہہ دیں حالانکہ جانتے ہیں کہ فضل حق خیر آبادی (رحمۃ اللہ علیہ) نے دلائل قاہرہ باہرہ سے اسماعیل دہلوی کے اس نظریے کی تردید کی ہے اور خود مہر علی شاہ صاحب نے مذکورہ عبارت کے آگے فضل حق خیر آبادی والا ہی نظریہ اپنایا ہے اور اسماعیل دہلوی کے عقائد ونظریات کی کئی مقامات پر تردید کی ہے۔

امکانِ نظیر کی بات اسماعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں لکھی ہے اور پیر مہر علی شاہ صاحب "تقویۃ الایمان" کو مردود کتاب تصور کرتے تھے چنانچہ پیر مہر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی کتاب "اعلاءُ کلمۃ اللہ فی بیان ما اھل بہ لغیر اللہ" میں اسماعیل دہلوی کی کتاب "تقویۃ الایمان" اور اس کے عقائد کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "الحاصل مابین اصنام و ارواح کمل فرقیست بین و امتیازیست باھر پس آیات و اردہ فی حق الاصناف رابرانبیاء و اولیاء صلوات اللہ و سلامہ علیھم اجمعین حمل نمودن کما فی تقویۃ الایمان تحریفی است قبیح و تخریبی است شنیع" الحاصل بتوں اور کاملین کی ارواح میں فرق واضح ہے اور امتیاز غالب ہے۔ پس جو آیات بتوں کے متعلق وارد ہیں ان کو انبیاء واولیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم پر حمل کرنا یہ قرآن مجید کی تحریف ہے جو قبیح تحریف ہے اور دین کی بہت بُری تخریب ہے جیسا کہ تقویۃ الایمان کی عبارتوں میں ہے۔"
(اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان ما اہل بہ لغیر اللہ، صفحہ113، اعلیٰ حضرت نیٹ ورک)

حضور (علیہ السلام) کے بعد کسی کو نبی فرض کرنا

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

مولوی عمر اچھروی لکھتے ہیں: احناف کا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کے بعد کسی کو نبی فرض کرنا بھی کفر ہے۔ مقیاس حقیقت، صفحہ 198۔

جبکہ آپ علیہ السلام نے فرمایا "لو کان بعدی نبی لکان عمر" (اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا) اور دوسری حدیث یوں ہے "لو عاش ابراھیم لکان نبیا" (اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے) جیسے ارشادات عالیہ کا کیا بنے گا؟ تو نبی علیہ السلام نے بھی تو نبوت کو فرض کیا ہے۔ اب اچھروی کے ایمان کی خیر مناؤ۔

کاظمی لکھتا ہے اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اگر بالفرض محال بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی نبی

پیدا ہو تو خاتمیت محمدی میں ضرور فرق آئے گا۔ مقالات کاظمی، صفحہ 298۔

ہمارا سوال ہے کہ کاظمی وغیرہ دیگر بریلوی حضرات جو کاظمی کے ہم مشرب تھے یا ہیں ان کا کیا بنے گا؟ یہ سب اعتراضات تھے تو حجۃ الاسلام پر اور پھنستے بریلوی ملاں جا رہے ہیں۔ کیا کاظمی کافر ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟
(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 122، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! آپ کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے لگتا ہے آپ اپنی عقل کو زیادہ استعمال کر کے اسے تکلیف نہیں دیتے۔ یہ جو دو احادیث آپ نے پیش کی ہیں یہ تو ہمارے مؤقف کی تائید کرتی ہیں کہ دیکھیں حضور (علیہ السلام) کے بعد کوئی نبی ہو ہی نہیں سکتا، اگر ہوتا تو وہ عمر و ابراہیم ہوتے۔ جبکہ نانوتوی کا کہنا کہ "بالفرض اگر آپ کے بعد بھی کوئی نبی آجائے تو آپ کی خاتمیت کو کوئی فرق نہیں پڑتا" یہ ختم نبوت پر سیدھا سیدھا اٹیک ہے۔ یہی علامہ کاظمی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) فرما رہے ہیں کہ بالفرض محال حضور (علیہ السلام) کے بعد کوئی نبی پیدا ہوگا تو خاتمیت پر ضروری فرق آئے گا۔

علامہ اچھروی صاحب کے کلام کا مطلب یہ نہیں کہ مطلقا کسی کو نبی فرض کرنا کفر ہے بلکہ آپ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو نبی فرض کر کے ایسا نتیجہ نکالنا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضور (علیہ السلام) کے بعد بھی کوئی نبی ہو سکتا ہے تو یہ کفر ہے جیسا کہ نانوتوی صاحب نے کیا ہے۔

نبوت میں ذاتی اور عرضی کی تقسیم کرنا

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

مولوی غلام نصیر الدین سیالوی لکھتا ہے: مولانا سرفراز خان صاحب صفدر نے یہ بات ثابت کرنے کے لئے مولوی قاسم نانوتوی ختم نبوت زمانی کے قائل تھے، فرمایا حضرت نانوتوی نے منطقی طور پر ختم نبوت ثابت کی ہے۔ کیونکہ نانوتوی صاحب نے فرمایا ہے ما بالعرض کا سلسلہ ما بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔

دوسرے انبیاء وصف نبوت کے ساتھ بالعرض متصف ہیں حضور علیہ السلام بالذات متصف ہیں لہٰذا سلسلہ نبوت آپ پر ختم ہو گیا۔ سرفراز صاحب قاسم نانوتوی کی اس عبارت کو ختم نبوت زمانی پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں حالانکہ اس طرح تو باقی انبیاء علیہم کی نبوت سے تو انکار ہو جائے گا۔ عبارات اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، جلد 1، صفحہ 198۔

یعنی نبی پاک علیہ السلام کو بالذات نبی ماننا اور باقی کو بالعرض ماننا یہ انبیاء کی نبوت و رسالت کا انکار

ہے۔ مولوی احمد سعید کاظمی لکھتے ہیں: حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ودیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت میں ذاتی اور عرضی کی تفریق کرنا قرآن مجید کی متعدد آیات کے خلاف ہے۔ مقالات کاظمی، حصہ 3، صفحہ 531۔۔۔۔

القصہ بریلوی اصول یہ ہے کہ ذاتی اور عرضی کی تقسیم کرنا انکار نبوت ہے۔

الجواب: یہ حجۃ الاسلام کی اپنی اصطلاح ہے اور اصطلاحات اپنی اپنی ہوسکتی ہیں۔ پیر کرم شاہ بھیروی لکھتے ہیں "لا مشاحة فی الاصطلاح" تحذیر الناس میری نظر میں، صفحہ 40۔

یعنی اصطلاحات کے بنانے میں کوئی جھگڑا نہیں۔ یعنی حضرت کی بات کا مطلب یہ ہے کہ نبی پاک علیہ السلام کو نبوت کسی کے وسیلے سے نہیں ملی اور باقی انبیاء کو نبوت آپ علیہ السلام کے وسیلے سے ملی اسی کو حضرت نے بالذات وبالعرض کا نام دیا ہے اور یہ بات تو بریلوی حضرات کو بھی مسلم ہے۔ ہم آگے چل کر اس کو تفصیلا عرض کرتے ہیں۔ سردست ذاتی وعرضی کے معنی عرض کرتے ہیں۔ علماء نے اس کے کئی معنی لکھے ہیں۔ آپ شرح مطالع ہی ملاحظہ فرمالیتے تو مسئلہ حل ہوجاتا، اس میں ہے "الخامس ان یکون دائم الثبوت للموضوع و مالا یدوم ھو العرضی" یعنی ذاتی کا پانچواں معنی یہ ہے کہ چیز اپنے موضوع کے لئے ہمیشہ ہمیشہ ثابت ہو اور جو چیز ہمیشہ نہ ہو وہ عرضی ہے۔

اور آپ کی نبوت آپ کو شروع سے ہی ملی یہ آپ ہی کا وصف ہے کیونکہ دوام کا معنی بھی یہ کیا جاتا ہے کسی چیز کا تمام اوقات میں موجود رہنا۔ تو جب رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ وصف نبوت تمام انبیاء سے قبل ملا ہے اور آپ شروع ہی سے نبی تھے یعنی آپ کی روح مبارکہ بھی شروع ہی سے نبی تھی۔ تو یہی نبوت کے بالذات ہونے کی دلیل ہے اور باقی انبیاء کی نبوت کے بالعرض ہونے کی۔۔۔۔ تو نبوت کا ذاتی اور عرضی کی طرف تقسیم کرنا بالکل درست ہے۔ ان معنوں میں جو ہم نے عرض کئے۔ ملخصا چراغ سنت۔

باقی آپ کے فتاوی میں کون کون بریلوی پھنستا ہے۔ آیئے دیکھئے! آپ کے عطا محمد نقشبندی جامعہ اسلامیہ عربیہ خیر المعاد ملتان کے شیخ الحدیث لکھتے ہیں: علامہ سلیمان جمل کے نزدیک نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالاصالت یعنی اصل اور مستقل نبی ورسول ہونے کے لحاظ سے داعی تھے اور دیگر انبیاء کرام نے آپ کے نائب و خلیفہ ہونے کی حیثیت سے دعوت دی۔ خلاصۃ الکلام، صفحہ 53۔

یہاں نبی پاک علیہ السلام کو اصل نبی قرار دیا گیا اور باقی سب کو نائب۔۔۔۔۔ مولوی عبد المجید خان

سعیدی لکھتا ہے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت میں بھی اصل اور واسطہ ہیں۔۔۔۔۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 122۔۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھسن صاحب اپنے بڑوں کی تقلید میں نانوتوی کی غلطی کو چھپانے کے لئے خلیفہ ونائب اور واسطہ کو نبوت عرضی کے معنی میں کھینچ لائے۔ نبوت کے ذاتی وعرضی ہونا ایک خودساختہ باطل عقیدہ تھا جو نانوتوی صاحب نے نکالا جبکہ خلیفہ ونائب اور واسطہ ہونا ایک الگ نظریہ ہے دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دیوبندی بھی عجیب قوم ہے ختم ونیاز کو یہ کہہ کر حرام قرار دے دیا کہ صحابہ کرام (علیهم الرضوان) سے ثابت نہیں اور یہاں نبوت کی دو قسمیں کردیں۔ اب ان سے کوئی پوچھے کیا یہ قرآن وحدیث اور صحابہ کرام سے ثابت ہے؟ قاسم نانوتوی نے جو نبوت کی دو قسمیں بیان کی ہیں کہ ایک نبوت ذاتی ہے اور ایک نبوت عرضی ہے، یہ تقسیم بالکل باطل ومردود ہے۔ نفسِ نبوت میں تمام انبیاء برابر ہیں، البتہ فضائل میں بعض کو بعض پر ترجیح ہے۔ انبیاء (علیهم السلام) کا حضور (علیه السلام) کے نائب ہونے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ان کی نبوت عارضی تھی۔

علمائے اسلاف نے یہ صراحت کی ہے کہ نفس نبوت میں تمام انبیاء (علیهم السلام) برابر ہیں چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک ہے "عن أبی سعید، عن النبی صلی الله علیه وسلم، قال: لا تخیروا بین الأنبیاء" ترجمہ: حضرت ابو سعید (رضی الله تعالیٰ عنه) سے مروی ہے رسول اللہ (صلی الله علیه وآله وسلم) نے فرمایا: انبیاء (علیهم السلام) کے مابین فضیلت نہ دو۔ (صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب إذا لطم المسلم یهودیا عند الغضب، جلد9، صفحه13، دار طوق النجاة، مصر)

اس حدیث اور اسی طرح کی دیگر احادیث کی شرح میں محدثین نے یہی فرمایا کہ نفس نبوت میں تمام انبیاء برابر ہیں البتہ بعض ذات وخصائص کے اعتبار سے بعض انبیاء سے افضل ہیں چنانچہ امام نووی اور علامہ عینی، امام جلال الدین سیوطی، ملا علی قاری (رحمهم الله) فرماتے ہیں "أن النهی مختص بالتفضیل فی نفس النبوة فلا تفاضل فیها وإنما التفاضل بالخصائص وفضائل أخری ولا بد من اعتقاد التفضیل فقد قال الله تعالی تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض" ترجمہ: یہ ممانعت مختص ہے نفسِ نبوت میں فضیلت پر کہ نفسِ نبوت میں کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت خصائص وفضائل میں ہے۔ فضائل میں اعتقاد ضروری ہے کہ اللہ (عزوجل) نے فرمایا: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ (المنهاج شرح صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی معجزات النبی صلی الله علیه وسلم، جلد15، صفحه38، بیروت)

امام قسطلانی (رحمة الله علیه) لکھتے ہیں "فی نفس النبوة إذ لا تفاضل فیها. نعم بعض النبیین أفضل من بعض" یعنی نفسِ نبوت میں کوئی فضیلت نہیں۔ ہاں بعض نبی بعض سے افضل ہیں۔

(إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري، كتاب تفسير القرآن ،سورة ص، جلد7، صفحه315، المطبعة الكبرى الأميرية، مصر)

تفسیر مظہری میں علامہ ثناء اللہ مظہری (رحمة الله عليه) لکھتے ہیں"لا تخيروا بين الأنبياء في نفس النبوة "ترجمہ: انبیاء (عليهم السلام) کے مابین نفس نبوت میں فضیلت نہ دو۔ (التفسير المظهري، جلد8، صفحه 146، مكتبة الرشدية، كوئٹه)

آخر میں وہابی مولوی عظیم آبادی کا قول ملاحظہ ہو"(لا تخيروا بين الأنبياء)يعني لا تفضلوا بعضهم على بعض من عند أنفسكم أو معناه لا تفضلوا يؤدي إلى تنقيص المفضول منهم والإزراء به وهو كفر أو معناه لا تفضلوا في نفس النبوة فإنهم متساوون فيها وإنما التفاضل بالخصائص وفضائل أخرى كما قال تعالى تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض الآية "یعنی انبیاء (عليهم السلام) کے مابین فضیلت نہ دو یعنی اپنے طور پر فضیلت نہ دو یا اس طرح فضیلت نہ دو کہ دوسرے کی تنقیص ہوتی ہو اور ان کی فضیلت چھپتی ہو کہ یہ کفر ہے۔یا اس فرمان کا معنی یہ ہے کہ نفسِ نبوت میں انبیاء (عليهم السلام) کے مابین فضیلت نہ دو کہ وہ نفسِ نبوت میں برابر ہیں۔انبیاء (عليهم السلام) میں فضیلت خصائص وفضائل کے اعتبار سے ہے جیسا کہ اللہ (عزوجل) نے فرمایا: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔

(عون المعبود شرح سنن أبي داود، جلد12، صفحه277، دار الكتب العلمية، بيروت)

دوسرا گھمن صاحب کی علمی حالت ملاحظہ ہو کہ انہیں اتنا بھی پتہ نہیں کہ پہلے اپنے موقف پر دلائل دیئے جاتے ہیں، گھمن صاحب کو جب اس باطل عقیدہ پر قرآن وحدیث وعلماے اسلاف سے کچھ نہ ملا تو کھینچ تان کر علمائے اہل سنت کے اقوال سے باطل استدلال کرنا شروع کر دیا۔گھمن صاحب نے جو شرح مطالع کا حوالہ دیا وہ بھی انہی کے مؤقف کی تردید میں ہے۔ نبوت عارضی نہیں ہوتی، جس نبی کو اللہ (عزوجل) نے نبوت عطا فرمائی وہ ہمیشہ کے لئے نبوت کا زوال نہیں ہے لہٰذا نبوت کو عرضی کہنا بالکل غلط ہے۔دیگر انبیاء (عليهم السلام) اور ہمارے پیارے آقا (عليه السلام) کی نبوت میں فرق یہ ہے کہ ہمارے پیارے آقا (عليه السلام) کو پہلے ملی اور بقیہ کو بعد میں، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے پیارے آقا (صلى الله عليه وآله وسلم) کی نبوت ذاتی ہے بقیہ کی عارضی۔

علامہ کاظمی شاہ صاحب (رحمة الله عليه) واسطہ اور بالذات متصف میں فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:"الفرقان وغیرہ (دیوبندیوں کی کتب) میں کم فہمی یا مغالطہ کی بنا پر کہا گیا کہ ہمارا تمہارا دونوں کا متفق مسلک ہے کہ کسی کو کوئی کمال رسول کریم (صلى الله عليه وآله وسلم) کے واسطے کے بغیر نہیں ملا اور نبوت بھی کمال ہے، وہ حضور (عليه السلام) کے واسطے کے بغیر کسی کو کیونکر مل سکتی ہے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ہر نبی کو وصف نبوت بواسطہ نبی کریم (صلى الله عليه الصلوٰة والتسليم) دیا گیا اور بالذات اور بالعرض سے

یہی مراد ہے۔

اس کے جواب میں گزارش کروں گا کہ یہ ایک عجیب قسم کا مغالطہ ہے جس سے جہلاء تو متاثر ہو سکتے ہیں مگر ذی علم انسان کی نظر میں اس کی کچھ حقیقت نہیں۔نانوتوی صاحب نے حضور (عليه السلام) کو وصف نبوت کے ساتھ بالذات موصوف مانا ہے جس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے تحذیر الناس میں لکھا ہے: تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے۔موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے معلوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔تحذیر الناس، صفحہ 3۔

آگے چل کر لکھتے ہیں: الغرض یہ بات بدیہی ہے کہ موصوف بالذات سے آگے سلسلہ ختم ہو جاتا ہے چنانچہ خدا کے لئے کسی اور خدا کے نہ ہونے کی وجہ اگر ہے تو یہی ہے۔تحذیر الناس، صفحہ 3۔

ان دونوں عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ نانوتوی صاحب کے نزدیک وصف ذاتی سے وہ وصف مراد ہے جس پر وصف عرضی کا قصہ ختم ہو جائے جیسا کہ انہوں نے خدا کے لئے کسی اور خدا کے نہ ہونے کی یہی وجہ بیان کی ہے۔لیکن امت مسلمہ کے نزدیک حصول کمال میں حضور (عليه السلام) کے واسطہ ہونے سے یہ مراد نہیں کیونکہ حضور (عليه السلام) ہر کمال کے حصول میں واسطہ ہیں خواہ وہ نبوت ہو یا غیر نبوت۔حتی کہ حصولِ ایمان میں بھی حضور (عليه السلام) واسطہ ہیں۔نانوتوی صاحب بھی اسی کے قائل ہیں چنانچہ انہوں نے تحذیر الناس میں ارقام فرمایا: اور یہ بات اس بات کو مستلزم ہے کہ وصفِ ایمانی آپ میں بالذات ہو اور مومنین میں بالعرض۔تحذیر الناس، صفحہ 12۔

مگر آج تک کسی نے نہیں کہا کہ معاذ اللہ ایمان، علم، عمل، ایقان، ہدایت وتقویٰ کا سلسلہ حضور (عليه السلام) پر ختم ہو گیا اور حضور (عليه السلام) کے بعد کوئی مومن نہیں ہوا نہ صالح نہ متقی نہ مہتد، العیاذ باللہ۔بلکہ یہ سب اوصاف وکمالات اب بھی جاری ہیں اور آئندہ بھی جاری رہیں گے اور نبوت کے جاری نہ ہونے کی یہ وجہ آج تک کسی نے بیان نہیں کی کہ حضور (عليه السلام) کے علاوہ دیگر انبیاء (عليهم السلام) میں اس وصف کے عرضی ہونے کی وجہ سے موصوف بالعرض کا سلسلہ موصوف بالذات پر ختم ہو گیا۔ بلکہ محض اس لئے کہ آیت کریمہ ﴿وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ اور اسی طرح احادیث متواترۃ المعنی حضور (عليه السلام) کے آخری النبیین ہونے پر دلالت قطعیہ کے ساتھ دال ہیں۔ورنہ اگر وصف ذاتی کی بنا پر امت مسلمہ حضور (عليه السلام) کی

ذاتِ مقدسہ پر سلسلہ نبوت ختم ہونے کی قائل ہوتی تو اسے بقیہ تمام اوصاف کو بھی اسی اتصاف ذاتی کی وجہ سے حضور (علیہ السلام) پر ختم کرنا پڑتا یعنی اس امر کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا کہ نبوت کے ساتھ ایمان وایقان، عمل وہدایت وتقویٰ وغیرہ تمام اوصافِ حسنہ بلکہ سب کمالات حضور (علیہ السلام) پر ختم ہو گئے۔ اب حضور (علیہ السلام) کے معاذ اللہ نہ کوئی مومن ہے نہ متقی، نہ صالح، نہ عالم۔ کیونکہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو گیا۔ مگر ایسی بات کا تسلیم کرنا تو درکنار اس کا تصور بھی اسلامی ذہن کے لئے ناقابل برداشت ہے۔

معلوم ہوا کہ امت مسلمہ کے مسلک کے مطابق حضور (علیہ السلام) کا واسطہ کمال نبوت ہونا اور صاحب تحذیر الناس کے قول کے مطلب حضور کا کمال نبوت سے متصف بالذات ہونا ایک بات نہیں، دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ نانوتوی صاحب کے قول پر نفس کمال نبوت میں تفضّل کا قول کرنا پڑتا ہے جس کا بطلان ہم ابھی کتاب وسنت اور اقوال مفسرین ومحدثین سے بیان کر چکے۔"

(مقالاتِ کاظمی، جلد2، صفحہ 370۔۔۔، کاظمی بلی کیشنز، ملتان)

گھمن صاحب نے جو کرم شاہ صاحب کا حوالہ دیا وہ ہمارے پر حجت نہیں کہ کرم شاہ صاحب اس مسئلہ میں خود مختلف فیہ ہیں۔

خاتم النبیین میں آخری نبی کے علاوہ کوئی اور معنیٰ لینا

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

حجۃ الاسلام پر اعتراض کرتے ہوئے سید تبسم شاہ بخاری صاحب لکھتے ہیں: قرآن حکیم نے جب خاتم النبیین فرمادیا تو آیت آپ کے آخری نبی ہونے میں نص قطعی ہوگئی، آخری نبی کا معنی خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا صحابہ کرام تابعین اور تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا عقیدہ ایمان اسی پر رہا اور اسی پر رہے گا، جملہ ائمہ کرام مفسرین ومحدثین نے قرآن وحدیث کی روشنی میں یہی بتایا کہ خاتم بمعنی آخری نبی ہے اسی پر اجماع ہے اور اسی پر تواتر ثابت ہے، اس معنی میں نہ کوئی تاویل مانی جائے گی نہ کوئی تخصیص بلکہ تاویل وتخصیص کرنے والا بھی خارج از اسلام ہوگا اور سمجھ بوجھ کر بھی ایسے کافر کے کفر میں شک کرنے والا اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ ختم نبوت اور تحذیر الناس، صفحہ 23۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں: انقطاع نبوت کا انکار اور تکمیل نبوت کا اقرار یہ عقیدہ قادیانیت کے لئے بہت مفید ہے۔ ختم نبوت اور تحذیر الناس، صفحہ 112۔

اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:۔

(1) اس لفظ ختم النبیین کا معنیٰ آخری نبی کے علاوہ کوئی اور لینا کفر ہے۔

(2) ایسے کفر کو جو کفر نہ کہے وہ بھی کافر۔

(3) اس کا معنیٰ تکمیل نبوت کرنا، انقطاع کا نہ کرنا قادیانیت کو مفید ہے۔

اور اس معنی میں کوئی تاویل وتخصیص نہیں ہوسکتی۔ القصہ دیکھئے: بریلویت بانی فاضل بریلوی نے اپنے والد کی کتاب الکلام الاوضح کی تعریف وتوصیف کی اور اسے علوم کثیرہ پر مشتمل کہا ہے۔ اسی میں لکھا ہے: جو اس لفظ کو بموجب قراءت عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے خاتم النبیین بفتح تا پڑھیں تو ایک اور خاصہ آپ کا ثابت ہوتا ہے کہ سوا آپ کے یہ لقب بھی کسی کو حاصل نہ ہو مہر سے اعتبار سے بڑھتا ہے اور آپ کے سبب سے پیغمبروں کا اعتبار زیادہ ہوا اور مہر سے زینت ہوتی ہے اور آپ انبیاء کی زینت ہیں۔ الکلام الاوضح، صفحہ 202۔

اس لفظ کا معنی صرف آخری نبی نقی علی خان بھی نہیں مانتا، بلکہ اس کا معنی انبیاء کی نبوت پر مہر لگانے والا کیا ہے۔ تو یہ بھی نص قطعی کا منکر، اجماع امت کا منکر، اس معنی میں تاویل کرنے والا ہے۔ لہٰذا کافر ہوا اور پیچھے گزر چکا کہ جو کسی کفر کی تحسین کرے وہ بھی کافر ہے۔ لہٰذا فاضل بریلوی بھی گیا۔ اس لئے تبسم صاحب ذرا قدم پھونک پھونک کے رکھئے۔ آگے دیکھئے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 130، 131، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب آپ میں عبارات سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے فقط اِدھر اُدھر کی لکھ کر آپ نے دیوبندیوں میں نام پیدا کرلیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے دیوبندیوں میں بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ خاتم النبیین کو اگر بفتح تا بھی پڑھا جائے تو بھی اس کا مطلب آخری نبی ہے، گھمن صاحب کو اگر عربی کتب سے شغف ہوتا تو اس طرح جگ ہنسائی کا موقع نہ دیتے۔ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کے والد محترم یہ فرما رہے ہیں کہ اگر لفظ خاتم النبیین میں تا پر زبر پڑھی جائے تو ایک اور اچھا معنی بنتا ہے کہ حضور (علیہ السلام) آخری نبی ہیں اور آپ سابقہ انبیاء کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

تبسم بخاری صاحب نے یہ کہاں لکھا ہے جو لفظ خاتم النبیین کا آخری نبی کے ساتھ ساتھ کوئی اور توجیہ کرے وہ کافر ہے؟ بلکہ انہوں نے کہا ہے جو اس معنی ہی کی تاویل کرے اور خاتم النبیین سے آخری نبی کے علاوہ کوئی اور معنیٰ مراد لے جیسے قادیانی لیتے ہیں اور جیسے نانوتوی نے اس میں تاویل کی ہے وہ کافر ہے۔

اعلیٰ حضرت کے والد صاحب(رحمۃ اللہ علیہ) نے خاتم النبیین کا آخری نبی ہی معنی لیا اسی وجہ سے تو آپ نے فرمایا ہے ''**ایک اور خاصہ آپ کا ثابت ہوتا ہے**'' معاذ اللہ یہ نہیں فرمایا کہ اس کا معنیٰ آخری نبی نہیں بلکہ مہر ہے۔ مولانا نقی علی خان (رحمۃ اللہ علیہ) کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ آپ خود خاتم النبیین ہیں آخری نبی ہیں اور سابقہ انبیاء(علیہم السلام) کو مہر لگانے والے یعنی ان کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

چند حوالہ جات اعلیٰ حضرت(رحمۃ اللہ علیہ) کے والد محترم قبلہ مفتی نقی علی خان(رحمۃ اللہ علیہ) کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں کہ علمائے اسلاف نے بھی یہی فرمایا ہے کہ حضور(علیہ السلام) انبیاء(علیہم السلام) کو مہر لگانے والے ہیں:۔

علامہ اسماعیل حقی(رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں''قرأ عاصم بفتح التاء وهو آلة الختم بمعنى ما يختم به كالطابع بمعنى ما يطبع به. والمعنى وكان آخرهم الذى ختموا به :وبالفارسية (مهر پيغمبران يعنى بدو مهر كرده شد در نبوت و پيغمبران را بدو ختم كرده اند)'' یعنی حضرت عاصم نے تاء کی فتح کے ساتھ پڑھا ہے اور وہ (یعنی خاتَم) مہر لگانے کا آلہ ہے یعنی وہ چیز جس کے ساتھ مہر لگائی جائے جیسا کہ لفظ طابَع مہر لگانے کے آلہ کے معنی میں آتا ہے یا جیسا کہ لفظ طابَع کا معنی ہے کہ جس کے ذریعے مہر لگائی جائے۔ اب معنی یہ ہے کہ آپ انبیاء میں سے آخری ہیں اور آپ کی ذات وہ ہے جن پر سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا گیا یا جن کے ذریعہ نبیوں پر مہر لگا دی گئی۔ فارسی میں اس کا معنی ہے پیغمبروں کی مہر یعنی جن کے ذریعے نبوت میں مہر لگادی گئی اور آپ کے ذریعے پیغمبروں کو ختم کر دیا گیا۔

(روح البیان، جلد7، صفحہ187، دار الفکر، بیروت)

الوسيط فى تفسير القرآن المجيد میں ابو الحسن علی بن احمد النیسابوری الشافعی (المتوفی 468ھ) فرماتے ہیں''ووجه الفتح أن معناه آخر النبيين خاتم الشىء آخره، ومنه قوله :خاتمه مسك، وقال الحسن :الخاتم هو الذى ختم به''(الوسيط فى تفسير القرآن المجيد''

(الوسيط فى تفسير القرآن المجيد، جلد 3، صفحه 474، دار الكتب العلمية، بيروت)

البحر المديد فى تفسير القرآن المجيد میں ابو العباس احمد بن محمد الفاسی الصوفی (المتوفی 1224ھ) فرماتے ہیں''أو :ختموا به على قراءة عاصم .بفتح التاء، بمعنى :الطابع، كأنه طبع وختم على مقامات النبوة، كما يختم على الكتاب لئلا يلحقه شىء''

(البحر المديد فى تفسير القرآن المجيد، جلد4، صفحه 439، الدكتور حسن عباس زكى، القاهرة)

مفاتيح الأغانى فى القراءات والمعانى میں محمد بن ابی المحاسن محمود حنفی (المتوفی 563ھ) فرماتے ہیں''وقرأ عاصم بفتح التاء .قال أبو عبيدة :الوجه الكسر؛ لأن التأويل أنه ختمهم فهو خاتمهم؛ ولأنه قال" :أنا خاتم النبيين" لم نسمع أحدا يروى إلا بكسر التاء .ووجه الفتح أن معناه :آخر النبيين، وخاتم كل شىء آخره كقوله: (خاتمه مسك)''

(مفاتيح الأغانى فى القراءات والمعانى، صفحه333، دار ابن حزم، بيروت)

بريقة محمودية فى شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية فى سيرة احمدية میں محمد بن محمد بن مصطفی بن عثمان الحنفی (المتوفی 1156ھ)''(خاتم النبيين) يجوز الكسر فى التاء اسم فاعل وفتحها بمعنى الطابع وهو قراءة عاصم فالمفهوم من البيضاوى على الأول أى آخرهم الذى ختمهم وعلى الثانى ختموا به''

(بريقة محمودية فى شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية فى سيرة أحمدية، جلد1، صفحه20، مطبعة الحلبى)

القراءات وأثرها فى علوم العربية میں محمد سالم محیسن (المتوفی 1422ھ) لکھتے ہیں''قرأ عاصم وخاتم بفتح التاء، على أنه اسم للآلة كالطابع، على معنى أن النبى صلى الله عليه وسلم ختم به النبيون لا نبى بعده، فلا فعل له فى ذلك، فمعناه :آخر النبيين''

(القراءات وأثرها فى علوم العربية، جلد1، صفحه563، مكتبة الكليات الأزهرية، القاهرة)

فتح القدير میں وہابی مولوی محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ الشوکانی الیمنی (المتوفی 1250) لکھتا ہے''الجمهور خاتم بكسر التاء .وقرأ عاصم بفتحها -ومعنى القراءة الأولى :أنه ختمهم، أى :جاء آخرهم .ومعنى القراءة الثانية : أنه صار كالخاتم لهم الذى يتختمون به ويتزينون بكونه منهم .وقيل :كسر التاء وفتحها لغتان .قال أبو عبيد: الوجه الكسر لأن التأويل أنه ختمهم فهو خاتمهم، وأنه قال أنا خاتم النبيين وخاتم الشىء :آخره ومنه قولهم: خاتمه المسك .وقال الحسن :الخاتم هو الذى ختم به وكان الله بكل شىء عليما قد أحاط علمه بكل شىء، ومن جملة معلوماته هذه الأحكام المذكورة هنا''

(فتح القدير، جلد4، صفحه329، دار ابن كثير، دار الكلم الطيب، بيروت)

گھمن صاحب نے دو حوالے مزید اسی طرح کے اور دیئے ہیں جن میں علمائے اہلسنت نے خاتم النبیین کے معنی میں تاویل نہیں کی بلکہ مزید توجیہات بیان کی ہیں اور مزید توجیہات بیان کرنا جائز ہے۔ علامہ کاظمی شاہ صاحب فرماتے ہیں:''ہاں یہ ممکن ہے کہ لفظ خاتم النبیین کی بے شمار ایسی توجیہات نکلتی رہیں جو اس کے مدلول قطعی معنی تواتر کی مؤید اور اس کے موافق ہوں، کیونکہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف مطالب لاتعداد کا حامل ہے۔ لیکن معنی منقول متواتر کو عوام کا خیال قرار دے کر اس لفظ کو ایسے معنی پر حمل کرنا جو کتاب وسنت کی روشنی میں باطل ہیں کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔

اگر نانوتوی صاحب لفظ خاتم النبیین کے معنی منقول متواتر آخر النبیین کو قطعی مان کر لفظ خاتم النبیین کی کوئی ایسی توجیہ کرتے جو فی الواقع معنی آخر النبیین کے منافی نہ ہوتی تو ہمیں نانوتوی صاحب سے قطعاً کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ مگر افسوس کہ انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اس کی بجائے لفظ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین مراد لینے کو عوام کا خیال قرار دے کر دین کے معاملہ میں انتہائی بے باکی اور جرأت سے کام لیا ہے۔'' (مقالاتِ کاظمی، جلد 2، صفحہ 385، کاظمی بلی کیشنز، ملتان)

نبوت کی حقیقی اور مجازی تقسیم کرنا

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

کاظمی صاحب لکھتے ہیں: ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک کسی کی نبوت میں دوسرے نبی کی نبوت کے بالمقابل کوئی فرق نہیں پایا جاتا نہ کسی نبی کا وصف نبوت کسی دوسرے نبی کے وصف سے کم وبیش ہو سکتا ہے۔ ختم نبوت اور تحذیر الناس، صفحہ 191۔

اب دیکھئے قارئین کرام! جتنے بریلوی لوگ اور اکابرین امت ہم پیش کر چکے ہیں کہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصل اور حقیقی نبی سمجھتے ہیں تو فرق کے تمہارے بریلوی قائل ہو گئے، اب آپ اپنے دام میں خود پھنس گئے ہیں۔ پتہ نہیں بریلویت کے کفر پر ایک کتاب یہ تبسم صاحب کب لکھیں گے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 132، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! پتہ نہیں آپ کو عبارات سمجھنے کی توفیق کب ہوگی۔ علماء اہل سنت نے وصف نبوت میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ انبیاء (علیہم السلام) کا نائب ہونا وصف نبوت میں شامل نہیں بلکہ فضائل مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں شامل ہے۔ علمائے اہلسنت نے جو حضور (علیہ السلام) کو اصل اور حقیقی نبی فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں کہ بقیہ انبیاء معاذ اللہ نقلی اور مجازی نبی تھے بلکہ حضور (علیہ السلام) کے اصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کسی نبی کے نائب نہیں ہیں بلکہ انبیاء (علیہم السلام) آپ کے نائب ہیں اور آپ (علیہ السلام) کے مستقل نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو دو مستقل حقیقی نبوتیں عطا فرمائی گئیں ایک عالم ارواح میں اور ایک عالم اجسام میں یعنی ایسا نہیں تھا کہ آپ کو پہلے عالم ارواح میں عارضی نبوت دی گئی اور پھر عالم اجسام میں حقیقی نبوت دی گئی بلکہ آپ کو یہ دونوں نبوتیں مستقل عطا کی گئیں۔ آپ نے ان دونوں نبوتوں میں انبیاء سمیت تمام لوگوں کو رب تعالیٰ کی طرف دعوت دی۔ انبیاء (علیہم السلام) مخلوق کو آپ کے نائب اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے دعوت دیتے تھے چنانچہ علامہ نبہانی جواھر البحار میں فرماتے ہیں "انہ نبی فی عالم الارواح والذر وارسل الیھا بالفعل و دعا و دلھا ثم نبی

وارسل ثانیا فی عالم الاجساد بعد بلوغہ اربعین سنۃ من عمرہ فامتاز عن الانبیاء والرسل بانہ نبی مرتین و ارسل مرتین الاولیٰ فی عالم الارواح لارواح و ثانیۃ فی عالم الاجساد للاجساد فقد دعا ﷺ و دل علی اللہ تعالیٰ فی کل من الحالتین کما تقدم والاشارۃ الی ذلك بقولہ تعالیٰ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ والانبیاء والرسل و جمیع اممھم و جمیع المتقدمین و المتاخرین داخلون فی کافۃ الناس و کان ھو داعیا بالاصالۃ وجمیع الانبیاء والرسل یدعون الخلق الی الحق عن تبعیتہ و کانو ا خلفاء ہ و نوابہ فی الدعوۃ" **یعنی بے شک نبی** مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عالم ارواح اور عالم ذر میں بالفعل نبی تھے اور اس کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔ آپ نے ان کو دعوت دی اور ان کی رہنمائی فرمائی، پھر آپ کو دوبارہ نبی ورسول بنایا گیا عالم اجسام میں چالیس سال کی عمر شریف کو پہنچنے کے بعد۔ تو آپ کو دوسرے انبیاء ورسل (علیہم السلام) سے اس طرح امتیاز اور انفرادیت حاصل ہوگئی کہ آپ کو دو مرتبہ نبی بنایا گیا اور دو مرتبہ رسول بنایا گیا، پہلی دفعہ عالم ارواح میں ارواح کے لئے اور دوسری دفعہ عالم اجسام میں، اجسام کے لئے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) داعی ہیں کیونکہ آپ نے دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور رہنمائی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ (اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔) میں اسی عموم کی طرف اشارہ ہے اور انبیاء (علیہم السلام) اور ان کی تمام امتیں اور تمام متقدمین اور متاخرین "کافۃ الناس" میں داخل ہیں۔ نبی مکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے دونوں ادوار میں اصل اور مستقل نبی ورسول ہونے کے لحاظ سے دعوت دینے والے تھے اور دوسرے انبیاء اور رسل (علیہم السلام) حق کی طرف مخلوق کو دعوت دیتے تھے تو آپ کے نائب اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اور آپ کی اتباع میں۔

(جواہر البحار، جلد 2، صفحہ 373، ماخوذ از نبوت مصطفی ﷺ، صفحہ 422، جامعہ محمدیہ معینیہ، فیصل آباد)

حضور علیہ السلام اعلانِ نبوت سے قبل نبی تھے یا نہیں؟

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

غلام نصیر الدین سیالوی لکھتا ہے: بعض حضرات یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا "انی عند اللہ لمکتوب خاتم النبیین و آدم لمنجدل فی طینتہ" **اس کے بارے میں گزارش ہے کہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں کیونکہ اگر سرکا علیہ السلام کو سب سے پہلے نبوت ملی ہے تو آپ خاتم الانبیاء کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اگر سب سے پہلے سرکار علیہ السلام ختم نبوت سے متصف تھے، تو پھر بعد میں ایک لاکھ 24 ہزار**

انبیاء کیسے مبعوث ہوئے؟اس طرح تو پھر نانوتوی کا کلام ٹھیک ہو جائے گا کہ بعد زمانہ نبوی کوئی اور نبی آ جائے گا تو ختم نبوت میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ نیز دیگر انبیا علیہم السلام صرف علم الٰہی میں نبی تھے بالفعل نہیں ہیں، تو پھر سرکار علیہ السلام ان سے آخری کیسے ہو گئے؟ آخری نبی ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ سارے انبیاء علیہم السلام کے بعد نبوت کا عطا ہوا اور اس ہستی کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ تحقیقات، صفحہ 393، 394۔

اس سے چند باتیں ثابت ہوئیں:۔

(1) اگر نبوت آپ کو سب سے پہلے ملنا مانی جائے تو آپ خاتم النبیین نہیں ہو سکتے۔

(2) اگر آپ کو شروع سے ہی یعنی تخلیق آدم سے پہلے ہی سے ختم المرسلین مانا جائے تو پھر مولانا نانوتوی کا کلام درست ہو جائے گا۔ بالفاظ دیگر اس کا اور مولانا نانوتوی کا نظریہ ایک جیسا ہوگا۔

(3) آخری نبی کا مطلب یہ ہے آپ کو نبوت سب کے بعد ملی۔

(4) مفتی عبدالمجید خان سعیدی نے غلام نصیر الدین سیالوی کے متعلق لکھا ہے کہ بیٹا اور اس کے توسط سے مولانا نادرست اور موید عقیدہ کفریہ نانوتویہ بتا رہا ہے۔ مسئلہ نبوت، صفحہ 30

یعنی یہ کہنا کہ آپ جناب آدم سے پہلے ہی خاتم الانبیاء تھے، یہ غلام نصیر الدین سیالوی کے نزدیک عقیدہ کفریہ کا موید ہے تو پھر اگلے آنے والے سب علماء بھی کفر کے موید ہونے کی وجہ سے کافر ہوئے۔

پہلی اور تیسری بات تقریباً ایک ہی طرح ہے۔ ہم اس پر کلام کر کے آگے چلتے ہیں، جو نبوت آپ کو شروع ہی سے ملنا مانے وہ خاتم الانبیاء نہیں مان سکتا یا اس صورت میں آپ خاتم الانبیاء نہیں بن سکتے۔ تو وہ آدمی آپ کے فتوے سے ختم نبوت کا منکر ہوا۔ تو پھر لیجیے: ان کتابوں کے مصنفین اور موید ین اور مصدقین جو تقریباً نصف صد سے زائد بریلوی اکابر علماء ہیں وہ سب ختم نبوت کے منکر ٹھہرے۔۔۔ یہ سب اس پر مصر ہیں کہ آپ علیہ السلام کو نبوت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ملی، تو کیا یہ سب منکرین ختم نبوت ہیں؟ اگر ہیں تو بتائیں ورنہ جھوٹ بولنے کی وجہ لعنت کا طوق آپ پر ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ آپ علیہ السلام کو شروع ہی سے خاتم الانبیاء مان لینا مولانا نانوتوی کے کلام سے متفق ہونا ہے۔ اب دیکھیے کیا ہوتا ہے۔۔۔

سیالوی صاحب! آپ کا کیا پروگرام ہے۔ یہ مولانا نانوتوی کے موافق تمہارے بزرگ ہوئے یا نہ؟ اب ان کے کفر و ایمان کا مسئلہ نہ رہا بلکہ تمہارے ایمان کا مسئلہ بن گیا، اب بھی ان کو بزرگ مانتے ہو تو تم بھی گئے اور ان کو بھی کافر مانو تو یہ تم سے ہو نہ سکے گا کہ باپ کو بھی کافر کہو۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 133، 134، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! آپ فقط عبارتیں اکٹھی کر کے، ان سے باطل معنی نکالتے ہیں اور اس کوشش میں ہوتے ہیں کہ کسی طرح دیوبندیوں کے کفر چھپ جائیں، یقین مانیں آپ میں عبارات سمجھنے کی بالکل صلاحیت نہیں، اگر میری بات کا یقین نہیں آتا تو کسی اور کو اپنی یہ عبارتیں دکھا کر اور اپنے باطل نکالے گئے مطالب پوچھ لیں وہ بھی یہ کہے گا کہ گھمن صاحب! آپ نے صفحے ہی کالے کئے ہیں۔

جو عبارات آپ نے علمائے اہلسنت کی پیش کی ہیں اس میں واضح ہے کہ نہ تو نصیر الدین سیالوی صاحب نے ان لوگوں کی تکفیر کی ہے جو آقا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عالم ارواح میں نبی مانتے ہیں اور نہ ہی جمہور محققین علمائے اہلسنت نے نصیر الدین سیالوی صاحب کی تکفیر کی ہے۔ البتہ ان دونوں نے نانوتوی صاحب کی ضرور تکفیر کی ہے۔ نصیر الدین سیالوی صاحب کی عبارت کا نانوتوی صاحب کی عبارت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ ایک الگ مسئلہ تھا کہ حضور (علیہ السلام) اعلان نبوت سے پہلے بھی نبی تھے یا نہیں تھے۔ نصیر الدین سیالوی صاحب کا مؤقف ہے کہ حضور (علیہ السلام) چالیس سال سے قبل ولی تھے اور بعد میں آپ کو نبی بنایا گیا۔ دوسری طرف علمائے اہل سنت کا مؤقف یہ ہے کہ آپ چالیس سال سے قبل بھی بالفعل نبی تھے۔ نصیر الدین صاحب "کنت نبیا" والی حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ اس سے مراد روحانی اور باطنی نبوت ہے۔ جبکہ دیگر علماء فرماتے ہیں کہ آپ عالم ارواح میں بھی بالفعل نبی تھے۔

نصیر الدین سیالوی صاحب معاذ اللہ نانوتوی کی طرح یہ نہیں فرما رہے کہ حضور (علیہ السلام) کے بعد کوئی جدید نبی آ سکتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے موقف پر یہ دلیل دے رہے ہیں کہ اگر حضور (علیہ السلام) عالم ارواح میں خاتم النبیین تھے تو خاتم النبیین کے بعد دیگر نبیوں کا آنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ نصیر الدین سیالوی صاحب کی اس دلیل کا جواب علمائے اہلسنت نے یہ دیا کہ حضور (علیہ السلام) کا خاتم النبیین ہونا مرتبہ ظہور میں ہے، عالم ارواح میں آپ کا خاتم النبیین ہونا مرتبہ ثبوت میں ہے۔

علامہ کاظمی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ''ثابت ہوا کہ حدیث مذکور میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خاتم النبیین ہونا مرتبہ ثبوت میں مراد ہے، مرتبہ ظہور میں نہیں اور ظاہر ہے کہ ختم زمانی کا تحقق مرتبہ ظہور ہی میں ہو سکتا ہے۔''

(مقالات کاظمی، جلد2، صفحہ392، کاظمی پبلی کیشنز، ملتان)

اس بحث میں گھمن صاحب نے نانوتوی صاحب کو گھسا دیا اور دیوبندیوں میں نمبر بنانے کی ناکام کوشش کی، اس طرح کی نادانیاں جہلا میں تو کمال سمجھی جاتی ہیں، علمی طور پر اسے انتہائی جہالت کہا جاتا ہے۔

"خاتم النبیین" کو "آخر النبیین" میں لینے والے ناسمجھ عوام کہنا

گھمن صاحب 135 صفحات کے بعد اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے لکھتے ہیں:

حجۃ الاسلام پر ایک اور اشکال اور اس کا جواب: کاظمی صاحب لکھتے ہیں: ہمیں نانوتوی صاحب سے شکوہ نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تاخر زمانی تسلیم نہیں کی یا یہ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مدعیان نبوۃ کی تکذیب و تکفیر نہیں کی، انہوں نے سب کچھ کیا ہے مگر قرآن کے معنی منقول متواتر کو عوام کا خیال قرار دے کر سب کئے پر پانی پھیر دیا۔ مقالات کاظمی، جلد 2

الجواب: الحمد للہ یہ تو بریلوی مان گئے کہ مولانا نانوتوی ختم نبوت زمانی کو مانتے ہیں اور یہ بھی مان گئے انہوں نے آپ علیہ السلام کے بعد مدعی نبوت کی تکفیر کی ہے۔ اعتراض صرف یہ رہا کہ یہ عوام کا خیال بتایا، تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ عوام سے مراد جہلا نہیں کیونکہ فاضل بریلوی لکھتے ہیں: عوام سے مراد وہ ہوتے ہیں جو حقائق تک نہ پہنچے ہوں چاہے عالم کہلاتے ہوں۔ فہارس فتاوی رضویہ، صفحہ 401۔

یعنی جو بات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتے ان کو بھی عوام کہا جاتا ہے چاہے وہ علماء بھی ہوں، یہ بات ہوگئی جہلا مراد نہیں۔ باقی حضرت کے ارشاد کا مطلب صاف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے کا عام طور پر لوگ یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کا زمانہ آخری ہے اور اس کی علت اور اصل وجہ کو نہیں پا سکتے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ تو اس کی وجہ اور علت آپ کا خاتم المراتب ہونا ہے اور اکمل و مکمل ہونا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو آخر میں بھیجا گیا، بولئے اس میں کیا قباحت ہے؟ اس علت کی وجہ سے آپ کے خاتم النبیین ہونے کا کسی مفسر و محدث کو بھی انکار نہیں۔ اور آپ کے گھر سے بھی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں اور گزر بھی چکی ہیں۔ جیسے فاضل بریلوی نے رسوخ فی العلم نہ رکھنے والوں کو طبقہ عوام میں شامل کیا، اسی طرح حضرت نے کہا نہ یہ کہ یہ خیال جاہلوں کا بتایا یعنی مولانا نانوتوی نے ان کو عوام کہا ہے جو رسوخ فی العلم نہیں رکھتے نہ کہ حضرت نے جاہل لوگوں کو عوام کہا ہے، لہٰذا مولانا کا دامن صاف ہے۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 136، 137، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے یہاں پھر اپنے بڑوں کی تقلید میں ہیرا پھیری سے کام لیا ہے اور باطل تاویلات کی ہیں۔ دیوبندی نانوتوی کے کفر کو چھپانے کے لئے بار بار یہی کہتے ہیں کہ قاسم نانوتوی صاحب ختم زمانی کے قائل تھے۔ یہ ہم بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے کئی مواقع پر ختم زمانی کو تسلیم کیا ہے لیکن تحذیر الناس کی وہ عبارت جس میں ختم زمانی کا انکار پایا جا رہا ہے اس سے رجوع نہیں کیا تھا اس وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی وہ عبارت یہ ہے "اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" یہ تو بدیہی بات ہے کہ اگر کوئی شخص ایک جگہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شان میں گستاخی کرے اور بقیہ ساری زندگی حضور (علیہ السلام) کی ثنا بیان کرے تو وہ گستاخی معاف نہ ہوگی جب تک اس سے توبہ نہ کرے۔ دیکھیں مرزائیوں کو جواب دیتے ہوئے سید مرتضی حسن دیوبندی چاند پوری خود لکھتے ہیں: "مرزائی دھوکہ دینے کی غرض سے وہ عبارات مرزا صاحب کی پیش کر دیتے ہیں جن میں ختم نبوت کا اقرار ہے، عیسی (علیہ السلام) کی تعظیم اور عظمت شان کا اقرار ہے۔ اس کا مختصر جواب یہ ہے...... کہ جب تک کوئی ایسی عبارت نہ دکھا دیں کہ میں نے فلاں معنی ختم نبوت کے غلط بیان کئے تھے وہ غلط ہیں.... لہٰذا جو عبارات مرزا صاحب اور مرزائیوں کی لکھی جاتی ہیں جب تک ان (کفریہ) مضامین سے توبہ نہ دکھائیں یا توبہ نہ کریں تو ان (اقراری عبارات) کا کچھ فائدہ نہیں۔"

(اشد العذاب، ص15، ماخوذ از ختم نبوت و تحذیر الناس، صفحہ 326، مطبوعہ لاہو)

دیوبندی عالم انور شاہ کشمیری مرزائیوں کے بارے میں لکھتے ہیں: "ان (مرزائیوں) کی کتابوں سے ایسے اقوال پیش کرنا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بعض عقائد میں اہل سنت و جماعت کے ساتھ شریک ہیں، ان کے اقوال و افعال کفریہ کا کفارہ نہیں بن سکتے جب تک اس کی تصریح نہ ہو کہ جو عقائد کفری انہوں نے اختیار کئے تھے ان سے توبہ کر چکے ہیں۔ اور جب تک توبہ کی تصریح نہ ہو چند عقائد اسلام کے الفاظ کتابوں میں لکھ کر کفر سے نہیں بچ سکتے کیونکہ زندیق اسی کو کہا جاتا ہے جو عقائد اسلام ظاہر کرے اور قرآن و حدیث کے اتباع کا دعوی کرے لیکن ان کی ایسی تاویل و تحریف کر دے جس سے ان کے حقائق بدل جائیں۔ لہٰذا جب تک اس کی تصریح نہ دکھائی جائے... اس وقت تک ان کی کسی ایسی عبارت کا مقابلہ میں پیش کرنا مفید نہیں ہو سکتا جس میں خاتم النبیین کے الفاظ کا اقرار کیا ہو۔"

چند سطر بعد لکھتے ہیں: "یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مرزا صاحب اپنی آخری عمر تک دعوائے نبوت پر قائم رہے اور اپنے کفریہ عقائد سے کوئی توبہ نہیں کی علاوہ ازیں اگر یہ ثابت بھی نہ ہو تو کلمات کفریہ اور عقائد کفریہ کہنے اور لکھنے کے بعد اس وقت (تک) ان کو مسلمان نہیں کہہ سکتے جب تک ان کی طرف سے عقائد سے توبہ کرنے کا اعلان نہ پایا جائے اور یہ اعلان ان کی کسی کتاب یا تحریر سے ثابت نہیں کیا گیا۔"

(ملفوظات محدث کشمیری، ص59 ماخوذ از ختم نبوت و تحذیر الناس، صفحہ 7-326، مطبوعہ لاہو)

دیکھیں کتنے واضح انداز میں دیوبندی علماء خود لکھ رہے ہیں کہ جو کفر کہا ہے اس سے توبہ ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی

چارہ کار نہیں۔ قاسم نانوتوی نے جب اپنے کفر سے رجوع وتوبہ نہیں کی تو اگر چہ لاکھ مرتبہ ختم زمانی کے قائل ہوں بے فائدہ ہے۔

باقی جو گھمن صاحب نے عوام سے مراد جہلا نہیں بلکہ جو حقائق تک نہ پہنچنے والوں کو لیا ہے، یہ بھی غلط ہے۔ تحذیر الناس کی عبارت سے واضح ہے کہ عوام سے مراد جہلا ہیں اسلئے کہ نانوتوی صاحب لفظ عوام کو اہل فہم کے مقابل لائے ہیں اور اہل فہم کے مقابل لفظ عوام سے مراد جاہل لوگ ہوتے ہیں جیسا کہ کسی سے مخفی نہیں۔ پھر اگر تحذیر الناس میں عوام سے مراد جہلا نہیں بلکہ حقائق تک پہنچنے والے مراد ہیں تب بھی یہ بہت بڑا مردود کلام ہے اس لئے کہ خاتم النبیین کو آخر النبیین معنی میں سمجھنے والے اگر سب ناسمجھ عوام ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے ہوا کہ حضور (علیہ السلام) سے لے کر صحابہ کرام، تابعین وعلمائے اسلاف سارے کے سارے معاذ اللہ عوام تھے جو حقائق تک نہ پہنچ سکے اور حقائق تک پہنچنے والے صرف نانوتوی صاحب اور ان کے ماننے والے ہیں باقی ساری امت ناسمجھ عوام ہے۔

علامہ کاظمی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) لفظ ''عوام'' پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس مقام پر نانوتوی صاحب کی کسی دوسری کتاب سے حسب ذیل عبارت پیش کر کے ایک عجیب قسم کا مغالطہ دیا جاتا ہے۔ وہ عبارت یہ ہے "جز انبیاء کرام علیھم السلام یاراسخان فی العلم ھمہ عوام اند" مدیر القرآن نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: ''باب تفسیر میں سوائے انبیاء (علیھم السلام) اور راسخان فی العلم کے سب عوام ہیں۔'' لیکن اس کا مطلب صاف واضح ہے کہ تفسیر کے باب میں انبیاء (علیھم السلام) اور راسخین فی العلم کے سوا کسی کا قول معتبر نہیں۔ اس عبارت میں لفظ عوام انبیاء (علیھم السلام) اور راسخین فی العلم کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں کے اقوال مبارکہ باب تفسیر میں حجت ہیں اسلئے یہاں لفظ عوام سے قطعاً وہی لوگ مراد ہیں جن کا قول باب تفسیر میں لائق التفات نہیں۔ بخلاف عبارت تحذیر کے وہاں لفظ عوام اہل فہم کے مقابلہ میں لایا گیا ہے، اسلئے اس کے معنی کم فہم اور ناسمجھ لوگوں کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے۔ "الاشیاء تتبین باضدادھا" چیزیں اپنی ضد سے ظاہر ہوتی ہیں۔

عام محاورہ میں بھی لفظ عوام اگر حکومت کے مقابلہ میں بولا جائے تو اس سے صاف طور پر رعایا کے افراد مراد ہوں گے۔ عام اس سے کہ وہ افراد علماء وراسخین ہوں اور عارفین صالحین یا ان پڑھ جاہل اور اشرار ومفسدین۔ لیکن یہی لفظ عوام اگر علماء کے مقابلہ میں بولا جائے تو اس سے صرف غیر عالم افراد مراد ہوں گے خواہ وہ لوگ ارباب حکومت ہوں یا ان کے ماسوا۔

بنابریں اس پیش کردہ عبارت کا مفاد یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ لفظ عوام جس کا کلام میں بھی وارد ہو وہاں انبیاء کرام اور

راسخین فی العلم کے ماسوا مراد ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ الفاظ کے معانی ان کے مقابلات سے واضح ہوجایا کرتے ہیں اور مقابلات بدل جانے سے مرادی معنی بدل جاتے ہیں، لہٰذا ایک کا قیاس دوسرے پر قیاس مع الفارق ہے۔ معلوم ہوا کہ صفحہ 3 والی عبارت میں لفظ عوام سے محض ناسمجھ لوگ مراد ہیں اور بس۔ علاوہ ازیں میں عرض کروں گا کہ جب نانوتوی صاحب باب تفسیر میں انبیاء (علیھم السلام) اور راسخین فی العلم کے سوا سب کو عوام کہتے ہیں تو وہ خود بھی عوام میں شامل ہوئے، ایسی صورت میں خاتم النبیین کی تفسیر میں نانوتوی صاحب کا ختم ذاتی کا قول کیونکر قابل التفات ہوسکتا ہے؟

اس بیان سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ نانوتوی صاحب کے نزدیک لفظ "خاتم النبیین" کو "آخر النبیین" میں لینے والے ناسمجھ عوام ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خاتم النبیین کو آخر النبیین کے معنی میں کس کس نے لیا تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ حسب زعم نانوتوی صاحب وہ ناسمجھ عوام کون لوگ ہیں؟ تو ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وخلفائے راشدین، صحابہ کرام، اہل بیت اطہار، ائمہ مجتہدین، علماء راسخین سب نے لفظ خاتم النبیین کو آخر النبیین کے معنی میں لیا ہے۔ لہٰذا بمعیت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام اخیار امت بلکہ کل امت محمد یہ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ معاذ اللہ ناسمجھ عوام میں داخل ہوگئے۔

حیرت ہے کہ صاحب تحذیر الناس نے اس تاویل کے وقت اس بات کا بھی خیال نہ کیا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذات گرامی بھی عوام میں شامل ہوجائے گا۔'' (مقالاتِ کاظمی، جلد2، صفحہ 382--، کاظمی پبلی کیشنز، ملتان)

گھمن صاحب نے جو نانوتوی صاحب کے کلام کی تاویل کرتے ہوئے کہا: ''باقی حضرت کے ارشاد کا مطلب صاف ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خاتم الانبیاء ہونے کا عام طور پر لوگ یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ آپ کا زمانہ آخری ہے اور اس کی علت اور اصل وجہ کو نہیں پاسکتے کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ تو اس کی وجہ اور علت آپ کا خاتم المراتب ہونا ہے اور اکمل ومکمل ہونا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کو آخر میں بھیجا گیا، بولئے اس میں کیا قباحت ہے؟ اس علت کی وجہ سے آپ کے خاتم النبیین ہونے کا کسی مفسر ومحدث کو بھی انکار نہیں۔''

گھمن صاحب کی یہ تاویل بالکل باطل ومردود ہے۔ نانوتوی صاحب کے کلام سے یہ ثابت ہو ہی نہیں رہا جو گھمن صاحب کہہ رہے ہیں۔ نانوتوی صاحب تو اصلاً حضور (علیہ السلام) کے آخری نبی ہونے کو کوئی فضیلت نہیں سمجھتے تھے اور انہوں نے اس بات کا تو رد کیا تھا کہ اس میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ چلو بالفرض ایک لمحہ کے لئے مان لیا جائے کہ نانوتوی صاحب نے

حضور (علیہ السلام) کا خاتم النبیین ہونے سے مراد خاتم المراتب ہو کر آخر میں آنا لیا ہے، تب بھی نانوتوی صاحب کفر کی گرفت سے بچ نہیں سکتے کہ انہوں نے ساتھ یہ بھی کہا ہے ''اگر بالفرض زمانہ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کچھ فرق نہیں آئیگا۔'' اب نانوتوی صاحب کی اس عبارت کا صاف معنیٰ وہی بنتا ہے جو قادیانیوں نے لیا ہے کہ آپ مراتب کے اعتبار سے آخری نبی ہیں، آپ کے بعد آپ سے کم درجہ کا نبی آسکتا ہے۔

علامہ کاظمی شاہ صاحب پر حضرت عائشہ کی بے ادبی کرنے کا الزام اور اس کا جواب

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

حجۃ الاسلام پر ایک اور اشکال اور اس کا مسکت جواب: مولانا نے آیت ختم نبوت میں اجماعی مفہوم آخری نبی کو چھوڑ کر اور مفہوم لیا ہے۔

الجواب: حضرت حجۃ الاسلام نے خاتم النبیین کا اجماعی مفہوم ترک نہیں کیا۔ اجماعی مفہوم تھا آخری نبی ماننا تو حضرت نے اسی آیت سے آپ کا آخری نبی ہونا بھی ثابت کیا۔ حضرت اجماعی مفہوم مان کر بطور فائدے یا نکتے کے اپنے مدعا کو بیان کرتے ہیں اور یہ کوئی جرم نہیں کیونکہ مفسرین نے اپنی تفاسیر میں یہ سب کچھ کیا ہے۔ دور نہ جائیں اسی تفسیر نعیمی کو دیکھ لیں جو آپ کے گھر کی معتبر تفسیر ہے اس میں ہر آیت کی تفسیر کے بعد اس سے چند فوائد نکال کر بیان کئے گئے ہیں۔

بریلویت کی ریڑھ کی ہڈی کاظمی صاحب لکھتے ہیں ﴿اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا﴾ کی تفسیر میں: اے عائشہ! پہلے طے کر لو اس بات کو کہ بیٹے کی خواہش ہے یا نہیں تاکہ آگے جا کر کوئی یہ بکواس نہ کرے اور اگر کرے تو اپنا منہ آپ ہی کالا کرے۔ تم یہ آج فیصلہ کر لو کہ بیٹے کی خواہش ہے تو پھر رسول کے گھر میں نہیں رہ سکتیں۔ التبیان العظیم، صفحہ 81۔

اس آیت کی یہ تفسیر پوری امت میں کس نے کی ہے؟ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اجماعی مفہوم جو آج تک لیا گیا ہے کہ تمہیں دنیاوی زیب و زینت اور دنیا چاہئے تو پھر تمہیں رخصت کر دیا جائے۔ اس کو ترک کر کے کاظمی صاحب نے الگ مفہوم گڑھا ہے۔ اگر آپ یہ جواب دیں گے کہ نہیں وہ مفہوم مان کر بطور نکتے اور فائدے کے یہ بات کہی ہے تو یہی جواب ہماری طرف سے بھی سمجھ لیں۔ مگر یہ آپ کی بات پھر ٹھیک نہیں کیونکہ یہ بہت بڑا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر آپ بہتان لگا رہے ہیں اور قرآن پر بھی جھوٹ بول رہے ہیں کیونکہ اولاد کی

خواہش تو ہر شادی شدہ عورت کو ہوتی ہے اور یہ قلبی شوق اور خواہش ہوتی ہے، جس کو آپ اتنے سخت الفاظ میں رد کر رہے ہیں۔ (اللہ ہی آپ کو سمجھ دے۔)

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 137، 138، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب نے پھر ہیرا پھیری کا مظاہرہ کیا ہے۔ نانوتوی کی کفریہ عبارت کو بے جھجک کہہ دیا کہ اس میں اجماعی مفہوم کا ترک نہیں تھا۔ یعنی دیو بندیوں کے نزدیک یہ کہنا کہ'' بالفرض اگر آپ کے بعد بھی کوئی نبی آجائے تو آپ کی خاتمیت کو کوئی فرق نہیں پڑتا'' یہ خاتم النبیین کے مفہوم کی مخالفت نہیں بلکہ اس کے موافق ہونا ہے اور ایک اور نکتہ بیان کرنا ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ تفسیر نعیمی اور دیگر تفاسیر میں جو نکات بتائے جاتے ہیں وہ ہرگز اجماعی عقائد و نظریات کے مخالف نہیں ہوتے بلکہ موافق ہوتے ہیں جبکہ نانوتوی صاحب کا نظریہ اجماعی نظریہ کے مخالف تھا۔ لہٰذا گھمن صاحب کی یہ توجیہ بالکل مردود ہے۔

باقی گھمن صاحب نے علامہ کاظمی شاہ صاحب کے متعلق لکھا، اس کی اصل حقیقت پڑھ کر یقیناً قارئین حیران ہونگے اور گھمن صاحب کو اپنے اپنے طور پر کچھ نہ کچھ القابات سے نوازیں گے۔ گھمن صاحب نے علامہ کاظمی شاہ صاحب کی عبارت کو آگے پیچھے سے کاٹ کر اس انداز سے پیش کیا ہے کہ پڑھنے والے کو لگتا ہے کہ شاید علامہ صاحب حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے متعلق ایسی بات کہہ رہے ہیں جبکہ علامہ کاظمی شاہ صاحب ایک شدتی وہابی نظریے کے حامل مقرر کا رد کر رہے ہیں۔ پوری عبارت کچھ یوں ہے: ''مجھے ایک بات یاد آئی ڈیرہ غازی خان کے ضلع میں ایک اندھا حافظ ہے اور وہ بہت سخت عقیدہ کا ہے اور نہایت متشدد ہے اور اس قدر تشدد کرتا ہے کہ وہ کسی بزرگ، کسی بھی عظیم ہستی کا اسے بالکل بھی پاس لحاظ نہیں اور ایسی سخت تقریر کرتا ہے کہ جو سنی نہیں جاتی۔ میں نے کہا کیا کہتا ہے تو مولانا نے فرمایا وہ یہ کہتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ رسول ہمیں یہ دے دیں گے، ہمیں وہ دے دیں گے، بھئی لوگ نہیں کہتے ہیں کہ رسول سے ہمیں یہ مل جائے گا وہ مل جائے گا، وہ مل جائے گا۔ کہتا ہے کیا مل جائے گا؟ عائشہ سے بڑھ کر تو حضور (علیہ السلام) کی کوئی محبوبہ بیوی نہیں تھی وہ ساری عمر پیٹ پیٹ کر مر گئی ایک بچہ ان کو رسول نہیں دے سکے اور ان کی ایک اتنی سی خواہش پوری نہیں کر سکے، وہ کہتا ہے کہ اگر رسول کچھ دیتے تو عائشہ کو دیتے، وہ تو ساری عمر پیٹ پیٹتی رہیں کہ مجھ کوئی بچہ ہو جائے۔ تو میں (یعنی علامہ کاظمی شاہ صاحب) نے کہا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے، علمِ غیب تو اللہ کی ذاتی صفت ہے۔ اللہ ازل سے جانتا ہے اور اللہ کو معلوم ہے کہ ایک شخص ڈیرہ غازی خان میں اندھا پیدا ہوگا جو آنکھ

کا بھی اندھا ہوگا دل کا بھی اندھا ہوگا اور وہ ازواجِ مطہرات پر الزام لگائے گا اور حضور (علیہ السلام) کی محبوب طیبہ طاہرہ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے حق میں بکواس کرے گا کہ عائشہ عمر بھر پیٹ پیٹتی پیٹتی مرگئی ایک بیٹا رسول نہیں دے سکے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے عائشہ پہلے طے کرلو اس بات کو کہ بیٹے کی خواہش ہے یا نہیں تا کہ آگے جا کر کوئی یہ بکواس نہیں کرے (کوئی بکواس نہ کرے سے مراد یہی اندھا مقرر تھا۔) اور اگر کرے گا تو اپنا منہ آپ ہی کالا کرے گا تم یہ آج فیصلہ کرلو کہ بیٹے کی خواہش ہے تو پھر رسول کے گھر میں نہیں رہ سکتیں ﴿اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا﴾ (پارہ 21، الاحزاب 28) اور ﴿اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ (پارہ 15، الکھف 46) بولو مال کی خواہش ہے، بیٹوں کی خواہش ہے، اگر خواہش ہے تو ابھی بتاؤ اور اگر نہیں ہے تو اقرار کرو۔ انہوں نے کہا کہ نہ ہمیں مال کی خواہش ہے نہ بیٹوں کی، ہمیں تو اللہ اور اللہ کا رسول چاہئے ہمیں تو اور کچھ بھی نہیں چاہئے۔ تو اب وہ جو کہتا تھا کہ عائشہ پیٹ پیٹ پیٹ کے مرگئیں نعوذ باللہ، اللہ کے رسول ایک بیٹا نہیں دے سکے تو اللہ نے فرمایا کہ اے عائشہ صدیقہ تم پہلے یہ بات طے کرلو کہ تمہیں بیٹے کی خواہش ہے یا نہیں ہے چنانچہ قرآن نے پہلے ہی فیصلہ کردیا کہ جو کہے گا حضور (علیہ السلام) کی کسی بیوی کو حضور (علیہ السلام) ایک بیٹا بھی نہیں دے سکے، تو اے محبوب (علیہ السلام) پہلے ہی بیویوں سے کہلوا لو کہ اولاد کی خواہش تمہیں ہے بھی یا نہیں، اگر ہے اور پھر پوری نہ ہوئی تو پھر تو چلو اس کی بات قابلِ قبول ہے، لیکن جب یہاں اولاد کی خواہش ہی نہیں ہے اور اب وہ یہ کہتا ہے تو بتاؤ خود اپنا منہ کالا کرتا ہے یا نہیں کرتا؟''

(التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، صفحہ 81،82، فانوس پبلی کیشنز، راولپنڈی)

یہاں علامہ کاظمی شاہ صاحب نے واضح الفاظ میں گمراہ مقرر کا رد کیا کہ ایسی کوئی روایت نہیں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) حضور (علیہ السلام) سے بیٹے کی خواہش کرتی رہیں اور آپ پوری نہ کر سکے۔ پھر علامہ کاظمی شاہ صاحب نے اس مقرر کا رد قرآن سے ثابت کیا کہ قرآن نے بیٹوں کو زینت کہا اور ازواجِ مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) کو جو اختیار دیا گیا اس میں بھی دنیا کی زینت کا کہا ہے اور ازواجِ مطہرات نے دنیا کی زینت کو چھوڑ دیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ استدلال اسلاف میں سے کسی سے ثابت ہے تو بالکل ہے، بعض مفسرین نے ازواجِ مطہرات کے متعلق اختیار میں زینتِ دنیا میں بیٹوں کو بھی شمار کیا ہے چنانچہ المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز میں ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عبد الرحمٰن بن تمام بن عطیۃ الاندلسی المحاربی (المتوفی 542ھ) لکھتے ہیں" وزينة الدنيا المال والبنون "ترجمہ: اور دنیا کی زینت مال اور بیٹے ہیں۔

(المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، جلد4، صفحہ 381، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

التفسیر الوسیط للزحیلی میں وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں'' أمر الله تعالى رسوله بتخيير نسائه بين التمتع بزهرة

الحياة الدنيا وزخارفها وزينتها وهي المال والبنون، ومتاعها''یعنی اللہ (عزوجل) نے حضور (علیہ السلام) کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیویوں کو دنیا کی خوبصورتی و زینت کا اختیار دیں اور دنیا کی زینت مال و متاع اور بیٹے ہیں۔

(التفسیر الوسیط للزحیلی، جلد3، صفحہ2066، دار الفکر، بیروت)

علامہ کاظمی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) نے بھی اس کی صراحت فرمائی ہے چنانچہ لکھا ہے: ''اب حیاتِ دنیا کی زینت کیا چیز ہے؟ یہ بھی آپ دیکھ لیں، میں نہیں کہتا قرآن کو آپ پڑھیں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مال اور بیٹے یہ حیاتِ دنیا کی زینت ہیں، اب یہ پڑھیں ﴿اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا﴾ نتیجہ کیا نکلے گا نتیجہ یہ نکلے گا میرے محبوب اپنی ازواجِ مطہرات سے فرما دیجئے کہ اگر تم مال چاہتی ہے بیٹے چاہتی ہو تو جس عورت کے دل میں میری بیویوں میں سے جس بیوی کے دل میں مال کی خواہش ہو بیٹے کی خواہش ہو پھر وہ اس قابل نہیں ہے کہ وہ حرمِ نبوت میں رہ سکے۔'' (التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، صفحہ80، فانوس پبلی کیشنز، راولپنڈی)

لہٰذا گھمن صاحب کا رد ہوگیا کہ اس آیت تخییر میں زینت سے مراد بیٹے لینا اجماعی مفہوم کے خلاف ہے۔ دوسرا گھمن صاحب نے اپنی کم علمی میں علامہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) پر الزام لگایا کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اور قرآن پاک پر بہتان لگایا ہے، کیونکہ بیٹے کی خواہش ہر عورت کو ہوتی ہے۔ گھمن صاحب ذرا یہ تو بتائیں کہ قرآن کی کون سی آیت میں ہے کہ حضرت عائشہ کو بیٹے کی خواہش تھی؟ یا کسی حدیث میں ہے؟ یا کسی مفسر و محدث نے بھی یہ کہا ہے؟ جب یہ کسی نے نہیں کہا تو پھر آپ کیسے اسے بہتان ٹھہرا رہے ہیں؟ لگتا ہے آپ کو بہتان کی تعریف بھی پتہ نہیں ہے۔ علامہ کاظمی شاہ صاحب نے قرآن پاک کی دو آیتوں سے ثابت کیا ہے کہ ازواجِ مطہرات نے دنیا کی زینت کو آخرت پر قربان کردیا اور دنیا کی زینت میں بیٹے بھی آتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی زوجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے متعلق ملتا نہیں کہ انہوں نے مال و اسباب کے ساتھ ساتھ بیٹے کی خواہش کی ہو۔

حضور (علیہ السلام) کے بعد کسی جدید نبی کا آنا اور چار انبیاء کرام کا زندہ ہونا

گھمن صاحب نانوتوی صاحب کو بچانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بہت بڑی تحریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جب اہل السنۃ دیوبند کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے تینوں عبارتوں کو آگے پیچھے کیوں کیا؟ تو بریلوی علامہ تبسم شاہ بخاری کود کر میدان میں آ ٹپکے اور کہنے لگے وہ تین عبارات علیحدہ علیحدہ بھی مستقل طور پر کفریہ ہیں۔ حاشیہ جسٹس کرم شاہ کا تنقیدی جائزہ، صفحہ 135۔

ابوکلیم محمد صدیق فانی بھی چلایا کہ: تحذیر الناس کی تینوں عبارتیں اپنی اپنی جگہ پر مستقل کفریہ عبارتیں ہیں۔ افتخار اہلسنت، صفحہ 25۔

الجواب بعون الملک الوہاب: پہلی عبارت تحذیر الناس کی جو اعلیٰ حضرت نے پہلے لکھی ہے: ویسے تو وہ صفحہ 14 کی ہے: بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ تمہید ایمان مع حسام الحرمین، صفحہ 70۔

اگر یہ کفر ہے تو دیکھئے بڑے بڑے بریلوی کفر کی دلدل میں پھنس جائیں گے:۔

(1) شاہ نقی علی خان صاحب لکھتے ہیں: چار پیغمبر یعنی حضرت ادریس اور حضرت عیسیٰ اور حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہم السلام کہ بعد آپ کی بعثت کے زندہ رہے۔ سرور القلوب، صفحہ 225۔

(2) مولوی احمد رضا خان فرماتے ہیں: چار انبیاء علیہم السلام وہ ہیں جن پر ابھی ایک آن کے لئے بھی موت طاری نہیں ہوئی، دو آسمان پر سیدنا ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دو زمین پر سیدنا الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سیدنا حضرت خضر علیہ السلام۔ ملفوظات، صفحہ 437، مشتاق بک کارنر، لاہور

مولوی محمد اشرف سیالوی بریلوی لکھتا ہے: حضرت عیسیٰ، حضرت ادریس، حضرت خضر، حضرت الیاس علیہم السلام ظاہری حیات کے ساتھ زندہ موجود ہیں۔ کوثر الخیرات، صفحہ 70۔

یہ سب بریلوی کہہ رہے ہیں کہ اب بھی یہ چار نبی موجود ہیں، دو زمین پر اور دو آسمان پر تو یہ کہہ کر یہ سب کافر ہوئے یا نہیں؟ اور آپ پڑھ چکے ہیں جو احمد رضا کا ہم عقیدہ نہ ہو وہ کافر ہے تو پھر دنیا جہان کے بریلوی بشمول فانی صاحب اور تبسم صاحب کافر ٹھہرے کیونکہ یا تو وہ اس عقیدے کا مانتے ہیں یا منکر ہیں۔ اگر مانتے ہیں تو پھر بھی ان دو فتوؤں کی وجہ سے کافر نہیں مانتے تو احمد رضا کے ہم عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے کافر ہیں۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 139، 140، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں گھمن صاحب کمال تحریف کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی آدھی عبارت نقل کر کے بقیہ عبارت ہڑپ کر گئے اور ڈکار بھی نہیں مارا۔ پھر جو آدھی عبارت نقل کی اسے بھی دیوبندیوں کو بے وقوف بناتے ہوئے ظاہر معنیٰ سے پھیر کر دوسرے معنی میں کر دیا۔ قاسم نانوتوی کی پوری عبارت یہ تھی: "غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا

خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔" (تحذیر الناس، صفحہ 14، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، ضلع سہارنپور)

گھمن صاحب نے صرف آخری جملہ نقل کیا "بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔" اسے نقل کر کے گھمن صاحب نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ چار نبیوں کا حضور کے زمانہ میں زندہ ہونا تو بریلوی کتب سے ثابت ہے، لہٰذا معاذ اللہ بریلوی خود کافر ہو گئے۔ گھمن صاحب کی چالاکی دیکھیں کہ انہوں نے اس نانوتوی کی اس عبارت کو چار انبیاء کی طرف پھیر دیا جبکہ نانوتوی صاحب نے یہ عبارت ان چار انبیاء کے متعلق نہیں لکھی تھی بلکہ وہ خاتم النبیین کے معنیٰ میں تبدیلی کرتے ہوئے اور اثر ابن عباس کو صحیح ثابت کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اگر حضور کے زمانہ میں بھی دیگر زمینوں میں کوئی نبی ہو تو بھی حضور کا خاتم ہونا بدستور باقی ہے۔ پھر آگے صاف لکھتے ہیں "بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی میں کوئی نبی پیدا ہو تو بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا" یہاں انہوں نے اور واضح کر دیا کہ اس عبارت کی نسبت ان چار انبیاء کی طرف نہیں بلکہ خاتم النبیین کے معنیٰ میں تبدیلی کی طرف ہے کہ آپ کے بعد بھی کوئی جدید نبی ہو سکتا ہے۔

گھمن صاحب کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ جو چار نبی (علیہم السلام) زندہ ہیں یہ حضور (علیہ السلام) سے پہلے کے نبی ہیں۔ حضور (علیہ السلام) کے کو خاتم النبیین اس معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ اب آپ کے بعد کسی کو نبوت نہیں ملے گی، حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) بھی جو قرب قیامت آئیں گے تو وہ جدید نبوت کے ساتھ نہیں بلکہ وہی پہلے والی نبوت کے ساتھ آئیں گے چنانچہ علامہ آلوسی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں "فيلزم من كونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين كونه خاتم المرسلين والمراد بكونه عليه الصلاة والسلام خاتمهم انقطاع حدوث وصف النبوة في أحد من الثقلين بعد تحليه عليه الصلاة والسلام بها في هذه النشأة. ولا يقدح في ذلك ما أجمعت الأمة عليه واشتهرت فيه الأخبار ولعلها بلغت مبلغ التواتر المعنوي ونطق به الكتاب على قول ووجب الإيمان به وأكفر منكره كالفلاسفة من نزول عيسى عليه السلام آخر الزمان لأنه كان نبيا قبل تحلي نبينا صلى الله عليه وسلم بالنبوة في هذه النشأة ومثل هذا يقال في بقاء الخضر عليه السلام على القول بنبوته وبقائه، ثم إنه عليه السلام حين ينزل باق على نبوته السابق لم يعزل عنها" یعنی لازم ہے کہ حضور (علیہ السلام) کو خاتم النبیین مانا جائے کہ آپ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد ثقلین میں جدید نبوت ملنا ختم ہو گیا ہے۔ اس پر یہ اعتراض نہیں آئے گا جو امت کے اجماع اور متواتر معنوی حدیث سے ثابت ہے کہ اور اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا منکر ہونا کفر ہے جیسا کہ فلاسفہ نے کیا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) آخری زمانہ میں تشریف لائیں

گے۔ اسلئے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ہمارے نبی (علیہ السلام) سے پہلے کے نبی ہیں، اسی طرح حضرت خضر (علیہ السلام) نبی ہونے کے قول کے مطابق اپنی نبوت پر باقی ہے۔ پھر جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نزول فرمائیں گے تو یہ جدید نبی بن کر نہیں آئیں گے بلکہ اپنی سابق نبوت پر باقی ہیں اسی پر نزول فرمائیں گے۔

(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، جلد11، صفحہ213، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

اس کے برعکس نانوتوی صاحب حضور (علیہ السلام) کے بعد میں نبی پیدا ہونے کو ختم نبوت کے منافی قرار نہیں دے رہے جو صریح کفر ہے۔ لہٰذا گھمن صاحب کی یہ ہیرا پھیری بیکار گئی، ہاں تھوڑی دیر کے لئے دیوبندی ضرور خوش ہو گئے ہونگے۔

قاسم نانوتوی کے نزدیک حضور (علیہ السلام) کا آخری نبی ہونا کوئی فضیلت نہیں

نانوتوی صاحب نے کہا تھا: ''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔'' اس میں صاف صاف نانوتوی صاحب نے کہا ہے کہ حضور (علیہ السلام) کا آخری نبی ہونا کوئی فضیلت نہیں رکھتا۔ گھمن صاحب نے اس عبارت کی تاویل کرتے ہوئے اس پر ادھر ادھر کی مثالیں مار کر آخر میں لکھا:

اس بات کو دوبارہ ذہن نشین فرمالیں کہ مولانا نانوتوی نے یہ نہیں فرمایا کہ آخر میں آنے میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ آپ نے یہ فرمایا ہے کہ آخر میں آنے میں بالذات فضیلت نہیں یعنی بالعرض تو فضیلت ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 144، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یعنی گھمن صاحب نے یہ تاویل کی کہ نانوتوی صاحب کہہ رہے ہے کہ بالعرض حضور (علیہ السلام) کا آخری نبی ہونا فضیلت ہے۔ جبکہ یہ گھمن سمیت دیوبندیوں کا خیال فاسد ہے۔ نانوتوی صاحب کی عبارات سے واضح ہے کہ وہ بالعرض بھی فضیلت کے قائل نہیں تھے۔ جب نانوتوی صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کو مقام مدح میں ذکر کرنا صحیح نہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اس وصف میں اصلاً کسی قسم کی فضیلت نہیں۔ اس پر مزید کلام آگے آئے گا۔

کیا حضور (علیہ السلام) کے بعد کوئی حضور (علیہ السلام) سے کم درجہ کا نبی آسکتا ہے؟

نانوتوی صاحب نے کفر لکھا تھا: ''بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔'' گھمن سمیت دیگر دیوبندی اس کی باطل تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہاں نانوتوی صاحب یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ خاتمیت مرتبی میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ چنانچہ گھمن صاحب لکھتے ہیں:

اب دیکھئے اصل عبارات کو: اگر آپ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی بالفرض نبی موجود ہو تو بھی ختم نبوت میں فرق نہیں پڑتا۔ تو اس سے مراد حجۃ الاسلام کی یہ ہے کہ خاتمیت مرتبی میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ تو آپ کو شروع ہی سے حاصل تھی اور دیگر انبیاء تشریف لاتے رہے تو فرق نہ پڑا۔ اب اگر بالفرض والحال کوئی نبی آجائے تو کیسے فرق پڑے؟

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 144، 145، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

الیاس گھمن کی یہ تاویل بھی صریح کفر ہے اس میں واضح ہے کہ آپ (علیہ السلام) کے بعد کوئی آپ سے کم درجہ کا نبی آسکتا ہے اور یہ تو سیدھی سیدھی قادیانیوں کی دلیل ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ حضور (علیہ السلام) کے بعد نبی تو آسکتا ہے لیکن آپ جیسے فضائل وکمالات کا نہیں آسکتا، آپ سے کم درجے کا نبی ہوسکتا ہے چنانچہ قادیانیوں کی کتاب ''آیت خاتم النبیین اور جماعت احمدیہ کا مسلک'' میں لکھا ہے: ''خاتم ان معنی میں کہ آپ بلحاظ رفعت وشان اور بلحاظ علوِ مرتبت آخری ہے نہ کہ محض بلحاظ زمانہ۔''

(آیت خاتم النبیین اور جماعت احمدیہ کا مسلک، صفحہ19، نظارت اشاعت لٹریچر)

صادق سماٹری قادیانی "خاتم النبیین" کے معنی پر کلام کرتے ہوئے کہتا ہے: ''اگر تمام انبیاء کو ختم کرنے والا کا یہ مطلب لیا جائے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خدا تعالیٰ نے جو شریعت کاملہ عطا فرمائی تھی اس کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے تمام انبیاء سابقین کی شرائع کو منسوخ کر دیا ہے۔ اب آئندہ ان شرائع پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا صرف شریعت اسلام ہی کی پیروی ضروری ہوگی اور چونکہ یہ شریعت کامل بھی ہے اور اس کی حفاظت کا وعدہ بھی خدا تعالیٰ نے فرما دیا ہے اس لئے کسی نئی شریعت کے اترنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ تو اس مطلب کی رو سے کوئی ایسا نبی تو نہیں آسکتا جو نئی شریعت لائے اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا امتی نہ ہو لیکن ایسا نبی جو اسی شریعت سے فیضیاب ہو اور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اتباع کی برکت سے ہی اس کو نبوت کے منصب پر فائز کیا گیا ہو اسے اسلام اور امت اسلام کے احیاء کے لئے مبعوث کیا گیا ہو آسکتا ہے اور اس کے آنے میں کوئی شرعی روک نہیں ہے۔''

(www.alislam.org/urdu/library/2113/index.html)

دیکھئے یہاں قادیانی نے وہی بات کی جو دیوبندیوں کی تاویل سے ثابت ہے کہ آپ (علیہ السلام) کے بعد کم درجہ کا نبی آسکتا ہے۔ جبکہ خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ حضور (علیہ السلام) کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا اگرچہ اس کا مقام ومرتبہ حضور (علیہ السلام) سے بہت کم ہو۔

لگے ہاتھوں قادیانی کی بات کا بھی مختصر رد ہو جائے کہ حضور (علیہ السلام) کے بعد دین کی احیا کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ اللہ (عزوجل) نے یہ ذمہ داری مجدد کے لئے رکھی ہے۔ جب مجدد حضرات دین کو تازہ کرنے کے لئے آتے رہے

ہیں تو کئی صدیوں بعد قادیانیوں کے یاد آیا کہ دین کی تازگی صرف نبی کر سکتا ہے۔ بندہ پوچھے کہ مرزا غلام احمد سے پہلے جو صدیاں گزری ہیں ان میں دین کی تجدید کون کرتا رہا ہے؟

کیا لفظ ''بالفرض'' استعمال کر کے کوئی بھی کفر بولا جاسکتا ہے؟

گھمن صاحب مزید لکھتے ہیں:

سوال ہوگا کہ خاتم زمانی میں تو فرق پڑے گا۔ جواب یہ ہے کہ بالکل پڑے گا اسی لئے تو حجۃ الاسلام نے بالفرض و اگر جیسے لفظ استعمال کئے ہیں کہ ایسا ہو نہیں سکتا کہ آپ علیہ السلام کے بعد کوئی نیا نبی آئے یہ عبارت تو صرف خاتمیت مرتبی کو ہی سامنے رکھتے ہوئے حضرت نے فرمائی ہے۔ اگر نبی کے آنے کو جائز مانتے ہوتے تو حضرت فرض کیوں کرتے اور یہ بات تو فاضل بریلوی بھی لکھتا ہے کہ فرض محالات جائز ہے۔ اللہ جھوٹ سے پاک ہے، صفحہ 139۔

تو اعتراض کیوں؟ باقی زمانی ختم نبوت کا خیال کر کے اسے محال سمجھا کہ آپ کے بعد کوئی نبی آئے تبھی تو فرض کیا۔ جیسے پیچھے گزر چکا ہے کہ بریلویوں نے لکھا ہے، اگر مرزا قادیانی نبی ہوتا تو سیدنا ابراہیم کی اولاد سے ہوتا۔ تو جیسے یہ اگر کہنے سے نبی بن نہیں گیا یہاں بھی اگر اور بالفرض کہنے سے نئے نبی کے آنے کو ممکن نہیں مانا جا رہا بلکہ محال ہی مانا جا رہا ہے کیونکہ محال کو ہی فرض کیا جاتا ہے نہ ممکن کو۔ بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ خاتم زمانی کو خاتم مرتبی کے لئے لازم مانتے ہو جب نیا نبی آجائے خاتم زمانی ٹوٹ گیا اور جب وہ نہ رہا تو ملزوم بھی نہ رہا۔

تو جواباً عرض ہے کہ اسی لئے تو حجۃ الاسلام نے اگر اور بالفرض کہا یعنی ایسا ہونا محال ہے تاکہ ممکن اور محال کو فرض کرنا جرم نہیں۔ جیسا کہ قرآن مقدس میں بھی محالات کو فرض کیا گیا ہے جیسے اگر رحمٰن کا بیٹا ہو۔۔۔ الخ اور اگر زمین و آسمان میں دو خدا ہوتے۔۔۔ الخ۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 145، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

قضیہ فرضیہ کے استعمال میں نتیجہ دیکھا جاتا ہے قرآن پاک و احادیث میں جو قضیہ فرضیہ کا استعمال ہوا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا صرف ایک ہے، حضور آخری نبی ہیں وغیرہ۔ جبکہ نانوتوی صاحب کے قضیہ فرضیہ کا نتیجہ یہ ہے کہ آپ کے بعد بھی نبی پیدا ہو جائے تو آپ کی خاتمیت کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دونوں قضیوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ پھر دیوبندیوں نے پتہ نہیں کس یہودی سے یہ اصول لیا ہے کہ قضیہ فرضیہ حقیقی اور واقعی نہیں ہوتا لہٰذا یہ کفر نہیں ہو سکتا۔

گھمن صاحب! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا قضیہ فرضیہ کفریہ نہیں ہو سکتا؟ اگر نہیں ہو سکتا ہے تو اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ

(1) بالفرض اگر کوئی دوسرا خدا ہو تب بھی اللہ کی وحدانیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بالذات خدا ہے اور دوسرا خدا بالعرض۔

(2) بالفرض اگر دوسرا خدا ہوتا تو آسمان و زمین میں کوئی فساد برپا نہ ہوتا۔

(3) بالفرض اگر اللہ (عزوجل) دس نمازوں کا حکم دیتا تو میں نہ پڑھتا۔

(4) بالفرض اگر اللہ (عزوجل) پانچ دراہم سے زیادہ زکوۃ فرض کرتا تو میں ادا نہ کرتا۔

(5) بالفرض اگر اللہ (عزوجل) ایک مہینے سے زیادہ روزے فرض کرتا تو میں روزے نہ رکھتا۔

(6) بالفرض اگر اللہ (عزوجل) فلاں کام کا حکم دیتا تو میں نہ کرتا۔

(7) بالفرض اگر قبلہ فلاں سمت کی طرف ہوتا تو میں ادھر منہ کر کے نماز نہ پڑھتا۔

(8) بالفرض اگر اللہ (عزوجل) مجھے تیری وجہ سے یا فلاں عمل کی وجہ سے جنت دے تو مجھے نہیں چاہئے۔

(9) بالفرض اگر فلاں شخص نبی ہوتا تو میں اس پر راضی نہ ہوتا یا اس پر ایمان نہ لاتا۔

اب بتائیے یہ قضایا فرضیہ کفریہ ہیں یا نہیں اور ان کی بنا پر قائل کافر ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو ان سب فقہاء کرام کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جنہوں نے ان جملوں کو اپنی کتابوں میں لکھ کر ان کا کفر ہونا بتایا۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں: (۱) البحر الرائق، جلد 5، صفحہ 131، (۲) فتاوی ہندیہ، جلد 2، صفحہ 263، (۳) مجمع الانہر، جلد 1، صفحہ 694، (۴) فتاوی قاضیخان، 3، صفحہ 360 وغیرہ۔

اور اگر آپ ان جملوں کو کفر مانتے ہیں تو بتائیں کہ کیا یہ قضیہ فرضیہ نہیں؟ اگر ہیں تو پھر آپ کے بقول تو اسے کفر ہونا ہی نہیں چاہئے مگر یہ کیسے کفر بن گئے؟ نیز کوئی کہتا ہے کہ

(10) بالفرض اگر زید اپنی بیوی کو تین طلاقین دے دے تو پھر بھی اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی۔

(11) بالفرض اگر زید کی گردن تن سے جدا کر دی جائے تو پھر بھی زید نہیں مرے گا۔

(12) بالفرض اگر زید، بکر کے بعد کمرے میں داخل ہو پھر بھی آخری آنے والا شخص زید ہی ہوگا۔

بتائیں یہ جملے صحیح ہیں یا غلط؟ اگر غلط ہیں تو قضیہ فرضیہ ہونے کے باوجود غلط کیوں ہیں؟

اگر پھر بھی نانوتوی صاحب کے قضیہ فرضیہ اور ان مذکورہ قضایا میں فرق ہے تو باحوالہ بیان کریں۔

کفریہ جملہ سے توبہ کئے بغیر کلمہ پڑھنا بے فائدہ ہے

گھمن صاحب جب تاویلات سے بے بس ہو گئے تو پھر موضوع سے ہٹ کر اعتراضات کی طرف آ گئے اور گھمن صاحب کو صرف اعتراضات ہی کرنے آتے ہیں کتاب لکھنا اور دفاع کرنا نہیں آتا چنانچہ لکھتے ہیں:

پیر کرم شاہ صاحب بھیروی نے اپنے مدرسہ دار العلوم محمدیہ غوثیہ کے اساتذہ کے ساتھ مل کر تحذیر الناس پڑھ کر تمام اساتذہ کے ساتھ مل کر یہ فیصلہ لکھا۔ یہ کہنا درست نہیں سمجھتا کہ مولانا نانوتوی عقیدہ ختم نبوت کے منکر تھے کیونکہ یہ اقتباسات بطور عبارۃ النص اور اشارۃ النص اس امر پر بلا شبہ دلالت کرتے ہیں کہ مولانا نانوتوی ختم نبوت کو ضروریات دین سے یقین کرتے تھے اور اس کے دلائل کو قطعی اور متواتر سمجھتے تھے، انہوں نے اس بات کو صراحۃً ذکر کیا ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت کا منکر ہے وہ کافر ہے اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ جمال کرم، جلد 1، صفحہ 694۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 148، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

پیچھے ذکر کیا گیا کہ نانوتوی صاحب نے اگرچہ دیگر مقامات پر واضح کیا ہے کہ وہ ختم نبوت کے منکر نہیں تھے لیکن جو کفریہ عبارت لکھی اس میں ختم نبوت کا انکار پایا جا رہا ہے، جس سے رجوع لازم تھا اور انہوں نے اس سے رجوع نہیں کیا۔ جب تک کفریہ جملہ سے توبہ نہ کی جائے کلمہ پڑھنا بے فائدہ ہے۔ درمختار میں ہے " لواتی بھما علی وجه العادة لم ینفعه مالم یتبرأ "یعنی اگر عادت کے طور پر کلمہ پڑھا تو نفع نہ دے گا جب تک اپنی اس کفری بات سے توبہ نہ کرے۔

(درمختار مع ردالمحتار، کتاب الجهاد، باب المرتد، جلد4، صفحه226، دار الفکر، بیروت)

لہٰذا کرم شاہ صاحب کا یہ قول نانوتوی کو کفر سے نہیں بچا سکتا کیونکہ شاہ صاحب کا یہ کہنا اصولی اعتبار سے درست نہیں ہے۔

گھمن صاحب کا یہ کہنا جھوٹ و بہتان ہے کہ کرم شاہ صاحب کے اس موقف میں بھیرہ کے اساتذہ بھی متفق تھے۔

پیر کرم شاہ اور تکفیرِ نانوتوی

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

حافظ احمد بخش لکھتے ہیں: تحذیر الناس کی عبارت کے بارے میں حضرت ضیاء الامت رحمہ اللہ علیہ نے

ایک طرف پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے موقف پر عمل کیا۔ جمال کرم، جلد 1، صفحہ 696۔

آگے لکھتے ہیں: حضرت ضیاء الامت رحمۃ اللہ علیہ نے نانوتوی موصوف کی عبارت کو قضیہ فرضیہ پر محمول کرتے ہوئے اسے کفریہ کہنے میں احتیاط برتی ہے۔ جمال کرم، جلد 1، صفحہ 696۔

معلوم ہوا پیر صاحب ان عبارات کو کفریہ کہنے کے لئے تیار نہیں۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 148، 149، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

دیوبندیوں کا کرم شاہ صاحب کا حوالہ پیش کرنا درست نہیں، اسلئے کہ کرم شاہ صاحب کی اہل سنت کے علمائے کرام نے اسی وجہ سے تکفیر کی ہے کہ انہوں نے نانوتوی کی تکفیر نہیں کی۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جب سنی کی تعریف پر مشاورت ہوئی جس میں تھا کہ سنی وہ ہے جو امام رضا خان بریلوی کے نظریات پر ہو۔ اس مشاورت پر علمائے اہل سنت نے دستخط کئے تھے جس میں پیر کرم شاہ صاحب نے بھی دستخط کئے تھے اور یہ واضح ہے کہ اعلیٰ حضرت ان چار دیوبندیوں کو کافر کہتے تھے۔ جب پیر کرم نے اس پر دستخط کر دیئے تو ثابت ہوا ان کے نزدیک بھی یہ چار مولوی کافر ہیں۔ بہرحال دونوں صورتوں میں دیوبندیوں کا کرم شاہ صاحب کا حوالہ دینا بے سود ہے۔

گھمن صاحب! آپ کو کتاب لکھنے کے اصول کا بھی پتہ نہیں۔ اپنے مدعا پر دلائل قائم کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں، برہانی اور جدلی۔ برہان میں واقعی اور یقینی مقدمات سے مؤلف اور مرکب دلیل پیش کی جاتی ہے، جو قطعی طور پر مثبت مدعا ہوتی ہے اور مفید یقین۔ اور جدلی انداز میں اپنے نظریہ کے تحفظ کے لئے مدمقابل کو اس کے مسلمات پیش کر کے خاموش کر دیا جاتا ہے۔ آپ اپنے مؤقف پر دلائل دیتے نہیں اور ہمارے مسلمہ شخصیات کو چھوڑ کر بار بار کرم شاہ صاحب کا حوالہ دیتے ہیں۔ آپ کا قول اس وقت معتبر ہوگا کہ اہل سنت کی کوئی مسلمہ شخصیت (نہ کہ کوئی صلح کلی والا) ان اکابر دیوبند کے کفریات پر مطلع ہونے کے باوجود ان کو کافر نہ کہے اور اس کے باوجود ہم اس شخصیت کی تکفیر نہ کریں۔

احمد بخش صاحب کا یہ کلام صریح جھوٹ ہے کہ "حضرت ضیاء الامت (رحمة الله علیه) ایک طرف پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری کے موقف پر عمل کیا" یہ بالکل غلط ہے۔ مہر علی شاہ صاحب کے متعلق پہلے عرض کیا کہ ان تک یہ عبارات پہنچی نہیں تھیں، اسلئے آپ نے نہ ان دیوبندیوں کی تکفیر کی اور نہ ان عبارات کی تائید کی ہے۔ پھر دربار عالی گولڑہ شریف کے مفتی محبّ النبی صاحب نے ایک فتویٰ کی تصدیق کی ہے جو فتویٰ دیوبندیوں کے کفریات اور دیوبندی امام کے پیچھے نماز

پڑھنے کے متعلق لکھا گیا تھا۔اس کے جواب میں قبلہ ابوالبرکات سید احمد (رحمة الله عليه) ،علامہ کاظمی شاہ صاحب (رحمة الله عليه) ،قمر الدین سیالوی (رحمة الله عليه) سمیت بڑے بڑے جید علماء نے تکفیر کا حکم دیا اور دیوبندی امام کے پیچھے نماز کو ناجائز کہا، اس پر کئی مفتیانِ سمیت آستانہ گولڑہ شریف کی مفتی صاحب ،آستانہ شرقپور شریف کے مفتی صاحب کی بھی تصدیقات موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے مولانا غلام مہر علی صاحب کی مایہ ناز کتاب ''دیوبندی مذہب'' کے آخری صفحات کا مطالعہ کریں۔

پیر جماعت علی شاہ صاحب نے حسام الحرمین کی تائید کی ہے چنانچہ الصوارم الهندیہ میں پیر جماعت علی شاہ صاحب کا فتویٰ ہے:''حسام الحرمین کے فتاوے حق ہیں اور اہل اسلام کو ان کو ماننا اور ان کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ جو شخص ان کو تسلیم نہیں کرتا وہ راہ راست سے دور ہے۔ حضرت رسول اکرم (صلى الله عليه وآله وسلم) کی شان مبارک میں جو شخص عمداً وسہواً بھی گستاخی کرے اور آپ کی ادنی توہین وتنقیص کا تقریراً یا تحریراً مرتکب ہو وہ اسلام سے خارج اور مرتد ہے۔ جو شخص اس کافر اور بے ایمان کو مسلمان سمجھتا ہو وہ بھی اسی کا حکم رکھتا ہے۔''اهانة الانبیاء کفر''عقائد کا صریح مسئلہ ہے اور رضا بالکفر بھی کفر ہے۔ جیسا کہ کتب اسلامیہ میں باتفاق جمہور علمائے متقدمین ومتاخرین مرقوم ہے۔ اسلئے ان اشخاص سے جو کہ حضرت رسول اکرم (صلى الله عليه وآله وسلم) یا دیگر حضرات انبیاء کرام (علیهم السلام) کی اہانت کریں نفرت وبیزاری ضروری ولازمی امر ہے۔

الراقم جماعت علی عفا اللہ عنہ بقلم خود از علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ پنجاب

(الصوارم الهندیه، صفحه 108، مرکزی جماعت اہلسنت، پاکستان)

ڈاکٹر طاہر القادری اور حسام الحرمین

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

ڈاکٹر طاہر القادری فرماتے ہیں: میں تکفیری مہم کا فرد نہیں ہوں۔۔۔۔دوسرے مسلک کی توہین اور تکفیر دینداری نہیں بلکہ عین فرقہ واریت ہے، ہم پر لازم ہے کہ امت مسلمہ کے مختلف طبقات کو ساتھ لے کر چلیں۔ خطرہ کی گھنٹی، صفحہ 233۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 149، مکتبہ اہل السنة والجماعة، سرگودھا)

طاہر القادری صاحب کا یہ قول غیر واضح ہے اور دیوبندیوں کے لئے غیر مفید ہے۔ اس عبارت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ میں دیوبندیوں کے چاروں مولویوں کی تکفیر نہیں کرتا۔ راقم الحروف کی تادمِ تحریر ابھی تک طاہر القادری نے ان چاروں مولویوں کی تکفیر کا انکار نہیں کیا بلکہ حسام الحرمین کی تائید طاہر القادری سے ثابت ہے۔ طاہر القادری صاحب کا قول منہاج القرآن کی ویب سائیٹ پر اس طرح موجود ہے کہ انہوں نے حسام الحرمین کے متعلق کہا ہے:''وہ اِس زمانے میں قابل قبول نہیں بلکہ اُس وقت تھی۔''

(ttp://minhajulquran.wordpress.com/category

اس میں واضح طور پر حسام الحرمین کی تائید موجود ہے کہ اُس دور میں حسام الحرمین قابل قبول تھی۔ باقی جو انہوں نے کہا کہ اِس زمانے میں حسام الحرمین قبول نہیں یہ بات وضاحت طلب ہے۔

نانوتوی صاحب کے متعلق قمر الدین سیالوی صاحب کا مؤقف

دیوبندیوں نے نانوتوی کے دفاع میں اپنی کتاب ڈھول کی آواز میں جھوٹ بولا کہ سنی مستند عالم دین قبلہ قمر الدین سیالوی (رحمة الله عليه) نے نانوتوی صاحب کی تعریف کی ہے جب علمائے اہل سنت نے اس کی تردید کی اور علامہ قمر الدین سیالوی صاحب کا فتویٰ پیش کیا کہ انہوں نے نانوتوی کی تکفیر کی ہے تو دیوبندیوں کی بولتی بند ہوگئی۔ لیکن گھمن صاحب اس جھوٹ کو سچ ثابت کرتے ہوئے پھر زور آزمائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بریلوی کہتے ہیں کہ خواجہ صاحب کے حوالے سے جو لکھا گیا ہے، ڈھول کی آواز میں کہ میں نے تحذیر الناس کو دیکھا میں مولانا محمد قاسم صاحب کو اعلیٰ درجہ کا مسلمان سمجھتا ہوں، مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے۔ خاتم النبیین کا معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا کا دماغ پہنچا ہے وہاں تک معترضین کی سمجھ نہیں گئی، قضیہ کو قضیہ واقعہ حقیقیہ سمجھ لیا گیا ہے۔

فقیر قمر الدین سیال شریف

جعلی ہے۔ ختم نبوت اور تحذیر الناس، صفحہ 431۔

جواباً ہم عرض کرتے ہیں تبسم صاحب یہ جعلی نہیں ہے بلکہ اصل ہے، دلیل یہ ہے حاجی مرید احمد چشتی سیالوی آپ کے معتمد رائٹر ہیں وہ لکھتے ہیں: حضور شیخ الاسلام سیالوی نے ایک مرتبہ کسی دیوبندی مولوی کے سامنے مولوی محمد قاسم نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس کے بارے میں چند الفاظ فرمائے اسے خانوادہ دیوبند نے بڑے پیمانے پر شائع کیا۔ فوز المقال، جلد 4، صفحہ 553۔

کیوں بخاری صاحب اصلی ہے یا جعلی؟ اب ہم کہتے ہیں جو تم بریلویوں نے خواجہ صاحب کا اس عبارت سے رجوع کا افسانہ بنایا ہے اور فتویٰ لکھ کر خواجہ صاحب کا نیچے نام لکھ دیا وہ جعلی و من گھڑت ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کی کتاب ختم نبوت اور تحذیر الناس کے صفحہ 435 پر یہ جعلی خط ہے اس کے نیچے بھی خواجہ

صاحب کے دستخط دیکھ لیں اور خواجہ صاحب کے اصلی دستخط بھی دیکھ لیں، اگر آپ کے پاس نہ ہوں تو ہم پیش کردیں گے۔ خدا شاہد ہے وہ دونوں نہیں ملتے۔ بخاری صاحب نقل کے لئے عقل کی ضرورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔

یعنی ڈھول کی آواز میں جو یہ لکھا ہے کہ خواجہ صاحب نے کہا میری سند میں مولانا نانوتوی کا نام آتا ہے۔ مجھے اس پر فخر ہے۔ اس کا جواب تبسم صاحب دے رہے تھے۔ تبسم صاحب آپ ذرا ہوش سنبھالئے۔ ذرا ہماری بھی سنئے: وہ بگہ شریف کا ٹکڑا جہاں سے پیدا ہونے والے لوگ اکثر مرید سیال شریف کے حضرات سے ہوئے تھے۔ ان کا صاحبزادہ ڈاکٹر انوار احمد صاحب بگوی لکھتا ہے: مولانا اجمیری کا تعلق علماء کے معروف سلسلہ خیر آبادی سے تھا۔ جنہوں نے انگریزوں کے خلاف زبردست جدوجہد کی تھی آپ دیوبند سے فارغ التحصیل اور حضور خواجہ ضیاء الدین ثالث سیالوی کے مرید تھے۔ تذکرہ بگویہ، جلد 1، صفحہ 426۔

کیوں بخاری صاحب جب دار العلوم دیوبند کے فاضل ہیں تو سند میں حضرت حجۃ الاسلام کا نام آیا یا نہ؟ جب ان کی سند میں ہے تو خواجہ قمر الدین سیالوی کی سند میں بدرجہ اولیٰ ہوا۔ اب کدھر جائیں گے۔ اگر ضرورت محسوس ہوئی تو ہم اس موضوع پر مزید بھی لکھ دیں گے۔ (ان شاء اللہ)

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 150۔۔۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

تبسم شاہ صاحب خود تحقیق کر کے بتا رہے ہیں کہ میں نے وہ سند بذات خود سفر کر کے جا کر دیکھی ہے اور اس میں نانا توی کا نام نہیں اور گھمن صاحب آپ اپنی ضد پر قائم ہیں اور جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہوئے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے پاس قمر الدین سیالوی صاحب کے اصل دستخط والا خط ہے۔ گھمن صاحب ذرا یہ تو بتائیں کہ آپ نبی (علیہ السلام) کے لئے تو علم غیب کے منکر ہیں، آپ کو کیا غیبی علم ہے جس سے آپ نے جان لیا کہ آپ کے پاس والے دستخط اصلی ہیں اور تبسم صاحب نے جو فتویٰ نقل کیا ہے اس میں نقلی دستخط ہیں؟ کیا آپ کے پاس جو دستخط ہے وہ بول کر کہتے ہے کہ میں اصلی ہوں؟

پھر گھمن صاحب جس انداز سے آپ نے قمر الدین سیالوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے فتویٰ کو جعلی قرار دیا ہے یہ انداز بھی نرالا ہے۔ قبلہ معین الدین اجمیری کی سیرت پر لکھی گئی کتاب میں واضح طور پر لکھا ہے کہ آپ دیوبند سے فارغ التحصیل نہیں بلکہ حضرت سید برکات احمد صاحب بہاری (رحمۃ اللہ علیہ) سے سند فراغت حاصل کی تھی چنانچہ لکھا ہے: ”ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی بعدہ اپنے وقت کے جید عالم دین اور مشہور و معروف مدرس حضرت سید برکات احمد صاحب بہاری سے مروج علوم وفنون کی تکمیل کر کے سند فراغت سے سرفراز کئے گئے۔ استاد کامل کی شفقت آمیز توجہ اور نگاہ پرفیض نے انہیں علم وفضل کا جبل

شامخ بنا دیا۔ منطق وفلسفہ اور ریاضی میں خاص ملکہ حاصل کیا۔ لاینحل مسائل چشم زدن میں حل فرما دینا آپکا طرہ امتیاز تھا۔“

(جانباز حریت مولانا معین الدین اجمیری، صفحہ 2، نفس اسلام ڈاٹ کام)

فوز المقال کا جو حوالہ دیا گیا وہ غیر واضح ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد صاحب بگوی کوئی مستند شخصیت نہیں کہ ان کی بات ہمارے اوپر حجت ہو۔ دوسرا یہ کہ چلو بالفرض مان لیتے ہیں کہ معین الدین اجمیری (رحمۃ اللہ علیہ) دیوبند سے فارغ التحصیل تھے اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ان کی سند میں اب نانوتوی صاحب کا نام ضروری آئے گا، کیا کسی دوسرے سے حدیث کی سند ملنا محال ہے؟

تیسرا اور بنیادی نکتہ یہ ہے کہ تبسم شاہ صاحب نے قمر الدین سیالوی صاحب کے ملفوظات سے ان کا صریح قول نقل کیا تھا جسے آپ ہڑپ کر گئے اور اس کا جواب نہ دے کر آپ نے تسلیم کرلیا کہ آپ جھوٹے ہیں اور فضول میں ضد کر رہے ہیں۔ علامہ تبسم شاہ بخاری صاحب انوارِ قمریہ سے جو آپ کے ملفوظات پر مشتمل کتاب ہے جس کے مؤلف قاری غلام احمد سیالوی ہیں اس کے حوالے سے لکھتے ہیں: ”(خواجہ قمر الدین سیالوی نے) فرمایا: وہابی دیوبندی لوگ مسلمانوں کو بہکانے کے لئے دیوبند سے سند لے کر آجاتے ہیں اور امتِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں بے دینی پھیلانے کے لئے مُبلّغ بن کر اپنا فرسودہ کلام و بیان بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ چند دیوبندی مولویوں نے میرے پاس بھی سندیں لکھ بھیجیں جواب تک میرے ہاں موجود ہیں۔ حالانکہ نہ میں نے کسی دیوبندی کے پاس جا کر پڑھا نہ ہی دیوبند سے کوئی سند خود منگوائی۔ اگرچہ بریلوی سنی صحیح العقیدہ حضرات مجھ پر اعتراض کریں گے لیکن یقین جانیں نہ ہی دیوبندیوں کی سندوں سے مجھے فخر ہے نہ ان کا میں محتاج ہوں۔ وہ تو خود بخود ان لوگوں نے میرے پاس بھیج دی ہیں۔ بعض قابلِ فخر سندات دوسرے حضرات کی بھی موجود ہیں مثلاً ایک سند شیخ الحدیث حرمین شریفین حضرت عمر ہمدانی (رحمۃ اللہ علیہ) نے عنایت فرمائی تھی، دوسری اندلس کے قاضی ابوبکر صاحب نے عطا فرمائی، تیسری اپنے استاد اجمیری (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے دست اقدس سے تحریر فرما کر اجمیر شریف سے بھیج دی۔۔۔ مولانا جب یہاں سے واپس اجمیر تشریف لے گئے تو وہاں سے سند روانہ فرما دی جو میرے پاس موجود ہے۔ میرے واسطے یہ ناز اور قابلِ فخر و مباہات یہ سندیں ہیں۔“

(انوارِ قمریہ، صفحہ 280، 281، ادارہ تعلیمات اسلاف، لاہور، جولائی 1995ء)

گھمن صاحب مزید ضد بازی کرتے ہوئے حضرت قبلہ قمر الدین سیالوی (رحمۃ اللہ علیہ) کا فتویٰ غلط قرار دیتے ہوئے ایک اور دلیل دیتے ہیں:

دلیل دوسری یہ ہے کہ آپ کے گھر سے جو جعلی فتویٰ چھپا ہے خواجہ صاحب کی طرف منسوب ہو کر اس میں یہ لکھا ہے: فقیر (قمر الدین) کے پاس ایک استفتاء پہنچا کہ زید یہ کہتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی صرف آخری

نبی اگر نہ بھی لیا جائے بلکہ یہ معنی بھی کرلیا جائے کہ تمام انبیاء کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار و فیوض سے مقتبس ہیں تو نہایت مناسب ہوگا، کیا زید پر فتویٰ کفر لگایا جاسکتا ہے یا نہ؟

جواب میں لکھا کہ اس قول پر زید کو کافر نہ کہا جائے گا بعد میں سنا گیا کہ بعض علماء اہل سنت نے فقیر کے اس فتویٰ کو اس وجہ سے ناپسند کیا کہ مولوی قاسم نانوتوی کے رسالہ تحذیر الناس کی اس نوعیت کی عبارت پر علماء اہل سنت نے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ ختم نبوت اور تحذیر الناس، صفحہ 434۔

اس سے چند باتیں معلوم ہوئیں: خاتم النبیین کے معنی میں تخصیص وتاویل کرنے والے کے کفر میں شک کرنے والا تبسم صاحب آپ کے اصول سے کافر ہے جیسا کہ آپ اپنی کتاب کے صفحہ 23 پر لکھ آئے ہیں تو خواجہ صاحب آپ کے فتوے کی رو سے کافر ہیں کیونکہ وہ تاویل کرنے کو کافر نہیں کہہ رہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 151، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب ایک مرتبہ پھر آپ نے ثابت کیا کہ آپ کو عبارات سمجھنے کی صلاحیت نہیں۔ قبلہ قمر الدین سیالوی صاحب لفظ خاتم النبیین کے معنی منقول متواتر آخر النبیین کو قطعی مان کر لفظ خاتم النبیین کی ایسی توجیہ کر رہے ہیں جو فی الواقع معنی آخر النبیین کے منافی نہیں۔ گھمن صاحب الفاظ پر دوبارہ غور کریں ''**خاتم النبیین کے معنی صرف آخری نبی اگر نہ بھی لیا جائے بلکہ یہ معنی بھی کرلیا جائے**'' کچھ سمجھ آئی گھمن صاحب یا پہلی بھی گئی؟ اب قارئین کے سامنے قبلہ قمر الدین سیالوی صاحب کا پورا فتویٰ پیش کیا جاتا ہے تاکہ وضاحت ہوجائے:۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ و علی آلہ واصحابہ و علی من تبعھم باحسان الی یوم الدین اما بعد:

کچھ عرصہ ہوا فقیر کے پاس ایک استفتاء پہنچا کہ زید یہ کہتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی صرف آخری نبی اگر نہ بھی لیا جائے بلکہ یہ معنی بھی کرلیا جائے کہ تمام انبیاء کرام حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے انوار و فیوض سے مقتبس ہیں تو نہایت مناسب ہوگا، کیا زید پر فتویٰ کفر لگایا جاسکتا ہے یا نہ؟

جواب میں لکھا کہ اس قول پر زید کو کافر نہ کہا جائے گا بعد میں سنا گیا کہ بعض علماء اہل سنت نے فقیر کے اس فتویٰ کو اس وجہ سے ناپسند کیا کہ مولوی قاسم نانوتوی کے رسالہ تحذیر الناس کی اس نوعیت کی عبارت پر علماء اہل سنت نے کفر کا فتویٰ دیا ہے

چنانچہ رسالہ مذکورہ کا مطالعہ کیا تو تحذیر الناس کی عبارت اور اس استفتاء کی عبارت میں فرق بعید ثابت ہوا۔ رسالہ مذکورہ کی تمہید ہی مندرجہ ذیل تصریحات پر مبنی ہے:۔

(1) خاتم النبیین کا معنی لا نبی بعدہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ لینے پر مصر ہے حالانکہ یہ معنی احادیث صحاح سے ثابت ہے۔ اس پر اجماع صحابہ ہے "و من بعدھم الی یومنا ھذا" متواتر متوارث یہی معنی کیا جارہا ہے۔

(2) رسالہ مذکورہ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ خاتم النبیین کا معنی آخر الانبیاء کرنے سے کلام ماقبل لکن و مابعد لکن یعنی مستدرک منہ و مستدرک کے مابین کوئی تناسب نہیں رہتا۔

(3) رسالہ میں موجود ہے کہ یہ معنی کرنے سے کلام الٰہی میں حشو و زوائد کا قول کرنا پڑے گا یعنی لکن زائد حرف ماننا پڑے گا۔

(4) کہتا ہے کہ یہ مقام مدح ہے اور آخر الانبیاء ماننے سے مدح ثابت نہیں ہوتی بلکہ عام انسانوں کے عام حالات ذکر کرتے ہیں اور یہ معنی لینے میں کوئی فرق نہیں وغیرہ "ذلك من التهافة الفيلة الحدوى" اس فقیر نے ضروری خیال کیا کہ اس صورت واقعہ اور اس فرضی استفتاء میں فرق کی بناء پر رسالہ مذکورہ کی عبارت کے بارے میں اپنی ناقص رائے ظاہر کرے۔

(1) تحذیر الناس میں کہیں بھی خاتم النبیین کا معنی خاتم الانبیاء لانبی بعدہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہیں لیا گیا تاکہ دو معانی مانعۃ الجمع کی تاویل کی جاسکے بلکہ آخر الانبیاء کے معنی کو غیر صحیح ثابت کرنے کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ لہٰذا احادیث صحیحہ سے انکار اور اجماع صحابہ سے فرار اور باقی امت کے متفق عقیدہ واجماع سے تضاد قطعی طور پر ثابت ہے۔

(2) مصنف رسالہ کے ذہن میں یہ کلام ماقبل لکن و بعد لکن میں تناسب کی نفی بیٹھ گئی ہے اگر اپنے کئے ہوئے معنی پر نظر ڈالتا تھا تو اس صورت میں بھی اس کو یونہی نظر آتا تھا۔ یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کو فیض رساں ہیں۔ اب بتایئے کہ اس مستدرک منہ اور مستدرک میں فرق لکن نے کیا کیا اور کیا مناسبت اس استدراک کی وجہ سے پیدا ہوئی؟

(3) اور معنی کے اعتبار سے بھی حرف لکن زائد ثابت نہ ہو تو کیا ہوا۔ واو عاطفہ یہ کلام نہ کرسکتی تھی؟ استدراک کی ترکیب کیوں استعمال فرمائی گئی؟ اس کودک نادان کو سمجھ ہوتی تو معنی لانبی بعدہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کرنے سے مدح بالذات اس موصوف بالذات کیلئے اظہر من الشمس اور ابین من الامس موجود ہے۔ احادیث صحیحہ کے انکار کی بھی ضرورت پیش نہ آتی۔

"شذوذ عن الجماعة" بھی نہ کرنا پڑتا۔ غور فرمایئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ﴾ یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن تم یہ مت خیال کرو کہ باپ کی سی شفقت ورأفت ورحمت سے تم محروم ہو کیونکہ وہ رحمۃ للعالمین کافۃ الناس کیلئے قیامت تک آخری رسول ہیں جن کی شفقت ورحمت باپ سے ہزاروں درجہ زیادہ ہے۔ ہمیشہ کیلئے تمہیں نصیب رہے گی وہ تو ﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ کا رتبہ رکھنے والے رسول ہیں۔

اب بتایئے موصوف بالذات ومقام مدح والا اشکال حل ہوا یا نہیں؟ اور مستدرک منہ اور مستدرک مابین مناسبت سمجھ میں آئی یا نہ؟ اور مصنف کے دماغ سے حشو وزوائد خارج ہوا یا نہ؟ مصنف تحذیر الناس ان چند علمی مصطلحات کا ذکر وہ بھی بالکل بے محل اور بے ربط کرتے ہوئے اپنی عامیانہ نظر وفکر پر پردہ نہ ڈال سکا اور التزاما منکر احادیث صحیحہ ونصوص متواتر قطعیہ ثابت ہونے کے علاوہ شاذ عن الجماعۃ وفارق اجماع ثابت ہوا۔ لہٰذا فقیر کا فتویٰ عدم تکفیر اس فرضی زید کے متعلق ہے نہ کہ مصنف تحذیر الناس کے لئے۔ والحق ماقد قیل فی حقہ من قبل العلماء الاعلام۔

فقیر محمد قمر الدین السیالوی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف

تحذیر الناس کی تین کفریہ عبارات اور دیوبندی حیلے بہانے

دیوبندی اپنے مولویوں کا کفر چھپانے کے لئے دو حیلے کرتے ہیں ایک یہ کہ عبارتوں کی باطل تاویل کر دیتے ہیں جیسا کہ گھمن صاحب کر رہے ہیں اور دوسرا یہ کہ مکہ مدینہ کے علمائے کرام نے جوان مولویوں پر کفر کے فتوے لگائے تھے، انہیں غلط ثابت کرنے کے لئے یہ حیلہ کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے عبارتوں میں تحریف کر کے کفریہ عبارتیں خود سے بنا کر علمائے مکہ و مدینہ کو پیش کر کے کفر کے فتوے لئے تھے۔ تمام دیوبند اسی کو دماغ میں فٹ کر کے جی رہے ہیں۔ اب آئندہ قارئین کے سامنے حسام الحرمین اور دیوبندی کتب میں موجود عبارتیں آئیں گی، قارئین خود فیصلہ کریں کہ یہ عبارتیں ایمان افروز ہیں یا کفریہ؟

اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے تمام عبارتیں بعینہ حسام الحرمین میں لکھیں، البتہ تحذیر الناس کی تین عبارتیں جو تینوں کفریہ تھیں، ان تینوں عبارتوں کا ایک عبارت بطور خلاصہ کر کے پیش کیا تا کہ پڑھنے والے کو آسانی کے ساتھ سمجھ آ جائے۔ دیوبندی صرف اسی بات کو آڑ بنا کر اعلیٰ حضرت پر الزام تراشی کرتے ہیں چنانچہ گھمن صاحب لکھتے ہیں:

خیانات احمد رضا: فاضل بریلوی نے عبارتوں کو نقل کرنے میں خیانت سے کام لیا۔

خیانت نمبر 1: تین عبارتوں کو ایک بنا دیا مثلاً عربی عبارت جو بنائی وہ یہ ہے "و لو فرض فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم بل لو حدث بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم وسلم لم یخل ذالك بخاتمیتہ وانما یتخیل العوام انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین مع انہ لا فضل فیہ اصلا عند اهل الفهم" حسام الحرمین عربی اردو، صفحہ 19۔

ولو فرض فی زمنہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک ٹکڑا) بل لو حدث بعدہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی جدید لم یخل ذلك بخاتمیتہ (دوسرا ٹکڑا) وانما یتخیل العوام سے آخر تک (تیسرا ٹکڑا)

پہلا ٹکڑا تحذیر الناس کے صفحہ 14 کا ہے۔ اس کے شروع اور آخر سے عبارت کو کاٹ دیا۔ دوسرا ٹکڑا صفحہ 28 کا اس کے ساتھ بھی یہی حشر کیا۔ پھر صفحہ 3 کا ٹکڑا لے آئے اور اس کے ساتھ بھی یہی حشر کیا۔

ہمارا سوال ہے بریلوی ملاؤں سے اگر تمہارے بقول تینوں ٹکڑے کفر تھے تو یہ بتاؤ کہ سیاق وسباق کے کاٹنے کی ضرورت کیا تھی اور عبارات میں تقدیم وتاخیر کہ پہلے والی عبارت کو آخر میں لانے اور آخر والی عبارت کو درمیان میں لانے کی اور درمیان والی عبارت کو شروع میں لانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ عبارات کفریہ ہوتی تو فاضل بریلوی کو یہ کبڈی کھیلنے کی ضرورت نہ تھی۔

پھر فاضل بریلوی نے یہ بھی نہیں بتایا کہ عبارات تین ہیں بلکہ ایک ہی بنا کر دکھائی۔ پھر درمیان میں کچھ فاصلہ بھی نہیں رکھا اور تو اور ترتیب بھی بہت ہی خاص انداز میں بنائی: پہلے ص 14 پھر دوسرا ص 28 پھر تیسرا ص 13 یعنی ترتیب کو نہ شروع سے کیا کہ چلو صفحہ 3 پھر صفحہ 14 پھر صفحہ 28 ہو یا الٹ کر کے صفحہ 28، صفحہ 14، صفحہ 3 ہوتے۔ خدا برا کرے اس تعصب کا۔

تکفیر کے مسئلہ میں انتہائی احتیاط ہوتی ہے کہ مبادا یہ تکفیر پلٹ کر مجھ پر نہ آ پڑے چونکہ فاضل بریلوی کے گلے میں یہ طوق فٹ آ چکا تھا اس لیے اس نے عبارات کو نقل کرنے میں احتیاط نہیں برتی۔

بہر حال سیاق وسباق عبارات کو کاٹ کر ان عبارات کو پیش کیا جو کہ کبھی بھی تکفیر کے لئے مفید نہیں۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 154، 155، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! جھوٹ و بہتان کا طوق تو آپ لوگوں کے لئے خاص ہو چکا ہے وہی طوق نسل در نسل آپ میں منتقل

ہورہا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے حسام الحرمین سے تینوں عبارتوں کا اصولی ترتیب کے ساتھ خلاصہ لکھا ہے اور ہم دیوبندیوں سے چیلنج کرتے ہیں کہ ان تینوں عبارتوں کو سامنے رکھیں اور خلاصہ جو اعلیٰ حضرت نے پیش کیا اسے غلط ثابت کر کے دکھائیں۔ دراصل نانوتوی صاحب کی یہ تینوں عبارتیں ٹیڑھی میڑھی تھیں، حضور کے زمانے میں جدید نبی ہونے کو بعد میں لکھا اور آپ کے بعد نبی ہونے کو پہلے لکھا اور خاتم النبیین کا معنی آخری نبی لینے کو عوام کا خیال سب سے پہلے لکھا۔ اسلئے اعلیٰ حضرت نے مختصرا ترتیب کے ساتھ پوری عبارت لکھی کہ نانوتوی کے نزدیک حضور کے دور بلکہ حضور کے بعد بھی نبی آئے تو آپ کی خاتمیت کو فرق نہیں پڑتا اور خاتم النبیین کا معنیٰ آخری نبی ہونا عوام کا خیال ہے۔

تحذیر الناس کی تین عبارتوں کا خلاصہ کرنا کیا تحریف ہے؟

خلاصہ بیان کرنا کوئی عیب و بددیانتی نہیں ہے بلکہ بددیانتی یہ ہوتی ہے کہ صحیح عبارت کو الفاظ کی ہیرا پھیری سے غلط بنادیا جائے۔ خلاصہ بیان کرنے پر اعتراض وہی کرسکتا ہے جو کتب دینیہ سے نرا جاہل ہوگا۔ دیگر کتب کی طرح فقہ کی کتب میں جا بجا ایسی عبارتیں ملتی ہیں جو تلخیص کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں، جیسے الموسوعة الفقهيه الكويتيه، الفقه الاسلامی وادلته اس میں مختصرا احناف، مالکہ، حنابلہ اور شوافع کا مسلک نقل کردیا جاتا ہے عبارتیں پوری بیان نہیں کی جاتیں بلکہ الفاظ بھی تبدیل ہوتے ہیں فقط مؤقف بیان کیا جاتا ہے اور ساتھ کتب فقہ کا حوالہ دے دیا جاتا ہے حالانکہ دونوں کے الفاظوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔

بلکہ احادیث کی کتب میں بعض اوقات طویل حدیث کو چھوڑ کر موقع کی مناسبت سے مختصر بیان کردی جاتی ہے۔ ابوداؤد شریف کے بعض نسخوں میں ہے "عن علقمة قال قال عبد الله بن مسعود: ألا أصلي بكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: فصلى فلم يرفع يديه إلا مرة قال أبو داود: هذا حديث مختصر من حديث طويل" ترجمہ: حضرت علقمہ سے مروی ہے حضرت ابن مسعود (رضی اللہ تعالیٰ عنها) نے فرمایا: کیا میں تمہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نماز پڑھ کر نہ دکھاؤں۔ تو آپ نے نماز پڑھی اور صرف ایک مرتبہ ہاتھ اٹھائے۔ حضرت ابوداؤد نے فرمایا: یہ حدیث طویل حدیث کا خلاصہ ہے۔ (سنن أبي داود، كتاب الصلوة، باب من لم يذكر الرفع عند الركوع، جلد 1، صفحه 199، المكتبة العصرية، بيروت)

دیکھیں یہاں طویل حدیث تھی جسے مختصر کر کے بیان کردیا گیا۔

سنن الدارمی میں ہے "ذكرت أم سلمة أن سبيعة بنت الحارث الأسلمية مات عنها زوجها، فنفست

بعده بليال، وأن رجلا من بني عبد الدار يكنى أبا السنابل خطبها، وأخبرها أنها قد حلت، فأرادت أن تتزوج غيره، فقال لها أبو السنابل: فإنك لم تحلين، فذكرت سبيعة ذلك لرسول الله صلى الله عليه وسلم فأمرها أن تتزوج" یعنی ام سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنها) نے فرمایا کہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کا شوہر فوت ہوا تو چند راتوں بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو ایک شخص عبدالدار جس کی کنیت ابوسنابل تھی اس نے سبیعہ کو نکاح کا پیغام بھیجا اور سبیعہ کو خبر دی گئی کہ وہ نکاح کرسکتی ہے۔ سبیعہ نے کسی اور سے نکاح کا ارادہ کیا تو ابوسنابل نے کہا تمہارا نکاح کرنا حلال نہیں۔ سبیعہ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے نکاح کی اجازت دی۔

(سنن الدارمی، جلد3، صفحه 1466، كتاب الطلاق، باب فی عدة الحامل المتوفى عنها زوجها والمطلقة، المملكة العربية السعودية)

دوسری جگہ یہی حدیث مختصر اس طرح ذکر کی گئی ہے "عن كريب، عن أم سلمة، قالت: توفي زوج سبيعة بنت الحارث فوضعت بعد وفاة زوجها بأيام، فأمرها رسول الله صلى الله عليه وسلم أن تتزوج" ترجمہ: حضرت کریب سے مروی ہے ام سلمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنها) نے فرمایا کہ سبیعہ کا شوہر فوت ہوا اور چند دنوں بعد سبیعہ نے بچہ جنا تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے نکاح کی اجازت دے دی۔

(سنن الدارمی، جلد3، صفحه 1466، كتاب الطلاق، باب فی عدة الحامل المتوفى عنها زوجها والمطلقة، المملكة العربية السعودية)

مسلم شریف کی حدیث پاک ہے "عن حذيفة، قال: صليت مع النبي صلى الله عليه وسلم ذات ليلة، فافتتح البقرة، فقلت: يركع عند المائة، ثم مضى، فقلت: يصلي بها في ركعة، فمضى، فقلت: يركع بها، ثم افتتح النساء، فقرأها، ثم افتتح آل عمران، فقرأها، يقرأ مترسلا، إذا مر بآية فيها تسبيح سبح، وإذا مر بسؤال سأل، وإذا مر بتعوذ تعوذ، ثم ركع، فجعل يقول: سبحان ربي العظيم، فكان ركوعه نحوا من قيامه، ثم قال: سمع الله لمن حمده، ثم قام طويلا قريبا مما ركع، ثم سجد، فقال: سبحان ربي الأعلى، فكان سجوده قريبا من قيامه" یعنی حضرت حذیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا کہ میں نے ایک رات حضور (علیہ السلام) کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ (علیہ السلام) نے سورۃ بقرہ پڑھنا شروع کی تو میں نے کہا آپ سو آیات پڑھ کر رکوع کریں گے، پھر سو آیات گزر گئیں تو میں نے سوچا پوری سورۃ پڑھ کر رکوع کریں گے۔ پوری سورۃ ہوئی تو آپ نے سورۃ النساء پوری پڑھ لی، پھر آپ نے آل عمران پوری پڑھ لی۔ آپ آہستہ آہستہ قراءت کرتے۔ جب ایسی آیت پڑھتے جس میں تسبیح ہوتی تو تسبیح بیان کرتے۔ اگر کسی آیت میں سوال ہوتا تو سوال کرتے اور تعوذ ہوتا تو تعوذ پڑھتے۔ پھر رکوع کیا اور رکوع میں "سبحان ربی العظیم" پڑھا اور آپ کا رکوع قیام جتنا تھا۔

پھر رکوع سے اٹھے تو فرمایا''سمع اللہ لمن حمدہ''پھر رکوع سے اٹھتے تو تقریبا رکوع جتنا قومہ کیا۔ پھر سجدہ کیا تو سجدے میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' پڑھا اور آپ کا سجدہ قیام کے قریب تھا۔

(صحیح مسلم ،کتاب الصلوة،باب استحباب تطویل القراء ة فی صلاة اللیل ،جلد1 ،صفحہ536، دار إحياء التراث العربی ،بیروت)

مستخرج أبی عوانة میں ابوعوانة یعقوب بن إسحاق بن إبراہیم النیسابوری الإسفرائینی (المتوفی 316ھ) مختصر روایت کرتے ہیں ''عن حذیفة، أن النبی صلی الله علیه وسلم رکع فجعل فی رکوعه یقول سبحان ربی العظیم، وفی سجوده سبحان ربی الأعلی'' ترجمہ: حضرت حذیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رکوع کیا تو رکوع میں ''سبحان ربی العظیم'' پڑھا اور سجدے میں ''سبحان ربی الاعلیٰ'' پڑھا۔

(مستخرج أبی عوانة، کتاب الصلوة،بیان قول المصلی فی سجوده، وبیان انتصاب القدمین فی السجود،جلد1 ،صفحہ 505، بیروت)

دیکھیں یہاں حضرت حذیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے ایک جگہ پورا واقعہ نقل کیا اور دوسری جگہ درمیان سے کچھ بیان کیا پھر کچھ چھوڑ کر آگے بیان کیا۔ اس طرح کے اور جزئیات اکٹھے کرنے لگیں تو ہزاروں صفحات بڑھ جائیں۔

یہ صدیوں سے رائج ہے کہ جب کسی کے باطل عقیدے یا کسی کے کفر کا ذکر کیا جاتا ہے تو خلاصہ کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے جیسے اگر کوئی پرویزی کو کافر ثابت کرے گا تو مختصرا وہ یہی لکھے گا کہ وہ احادیث کا منکر تھا اسلئے کافر ہے۔ اب اس پر کوئی پرویزی اعتراض کرے کہ یہ تحریف ہے، اصل عبارت یہ تھی تو وہ تھی وغیرہ۔ کوئی سرسید کے متعلق مختصر لکھے کہ وہ کافر ہے کہ وہ جنت ودوزخ، ملائکہ وجن، معجزات کا منکر تھا۔ تو اس پر کوئی نیچری اعتراض کرے کہ عبارات مکمل نہیں لکھی اسلئے یہ بددیانتی ہے۔ ساری بات چھوڑیں قادیانیوں کی طرف آجائیں، اسے دیوبندی سمیت تمام فرقے والے یہی کہہ کا کافر لکھتے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی قرآن پاک کی آیت خاتم النبیین کا منکر تھا۔ اس پر کوئی قادیانی کہے کہ یہ تحریف ہے اور جھوٹ ہے کیونکہ مرزا حضور علی (علیہ السلام) کو خاتم النبیین مانتا تھا اور یہی قادیانی کہتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہی دیا جائے گا کہ حضور (علیہ السلام) کے بعد کوئی حضور سے کم درجے کا بھی نبی نہیں آسکتا اور مرزا خود کو حضور سے کمتر نبی سمجھتا تھا اور حضور کو کمال کے اعتبار سے آخری نبی سمجھتا تھا اسلئے یہ کفر ہے۔ الغرض خلاصہ پر اعتراض نہیں کیا جاتا بلکہ نتیجہ دیکھا جاتا ہے، اگر نتیجہ عبارت کے برخلاف ہے تو غلط ہے ورنہ صحیح ہے۔ نانوتوی کا کفر ثابت کرنے کے لئے اگر صرف ایک لائن خلاصہ میں لکھ دی جاتی وہ بھی کافی ہوتی کہ نانوتوی کے نزدیک حضور (علیہ السلام) کے بعد بھی جدید نبی آجائے تو آپ کی خاتمیت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

تحذیر الناس کی تین کفریہ عبارات مع رَدّ

نانوتوی کی وہ تین کفریہ عبارتیں بعینہ پیش کی جاتی ہیں تاکہ قارئین پڑھ لیں کہ یہ صریح کفریہ عبارتیں تھی نہ کہ ایمان سے بھری ہوئی تھیں جنہیں اعلیٰ حضرت نے کفریہ بنادیا۔

نانوتوی صاحب کی پہلی مکمل عبارت

نانوتوی صاحب لکھتے ہیں: ''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں'' ولکن رسول الله و خاتم النبیین'' فرمانا اس صورت کیونکر صحیح ہوسکتا ہے؟ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہئے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجیے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہوسکتی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ اہل اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی۔ کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور قد وقامت وشکل ورنگ وحسب ونسب وسکونت وغیرہ اوصاف میں، جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں، کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا؟ دوسرے رسول اللہ ﷺ کی جانب نقصان قدر کا احتمال، کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں۔ اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔ باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا اس لئے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل کو جھوٹے دعوے کرکے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے۔ پر جملہ '' مَا کَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِکُمْ ''اور جملہ '' وَلَـٰکِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ '' میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو مستدرک قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی و بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سد باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لئے اور بیسیوں موقع تھے.... بلکہ بنائے خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہوجاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہوجاتا ہے۔''

(تحذیر الناس، صفحہ4-3، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند،ضلع سہارنپور)

اب اس عبارت میں موجود غلطیاں دیکھیں:

(1) خاتم النبیین کے اجماعی وقطعی معنی ''آخری نبی'' ہے جس کا انکار کفر ہے

نانوتوی صاحب نے سب سے پہلے قرآن میں لفظ خاتم النبیین کے معنی آخر النبیین (آخری نبی ہونا) مراد لینا عوام کا خیال بتایا یعنی کم فہم اور ناسمجھ لوگوں کا خیال قرار دیا۔ حالانکہ اس آیت کے یہی معنی یعنی آخر النبیین ہی سرکار دوعالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، تمام صحابہ، سلف صالحین سے مروی ہیں چنانچہ کثیر کتابوں مثلاً ترمذی، ابوداؤد، مسند احمد، المعجم الکبیر للطبرانی، الفردوس بماثور الخطاب، صحیح ابن حبان اور حلیۃ لابی نعیم وغیرہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ آپ (علیہ الصلوۃ والسلام) نے ارشاد فرمایا "أنا خاتم النبیین لا نبی بعدی" ترجمہ: میں خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(سنن ترمذی، ابواب الفتن، جلد4، صفحہ499، مطبوعہ مصطفی البابی، مصر)

حضرت علامہ مولانا محمد بن یوسف صالحی شامی (متوفی 942ھ) (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی مشہور کتاب سبل الھدی والرشاد میں خاتم النبیین کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "خاتما للنبیین أی آخرھم بعثا" ترجمہ: خاتم النبیین کا مطلب ہے بعثت کے اعتبار سے انبیاء میں سے سب سے آخری۔

(سبل الھدی والرشاد، جلد3، صفحہ165، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

خاتم النبیین کی یہی تفسیر امام زرقانی نے شرح مواہب میں متعدد مقامات پر بھی کی ہے۔

مشہور محدث علامہ علی بن محمد المعروف بملاعلی قاری (رحمۃ اللہ علیہ) شفاء شریف کی شرح میں خاتم کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "(و جعلنی فاتحا و خاتما) أی وجعلنی خاتم النبیین والأظھر أن یقال معناھما أولا وآخرا لما روی أنه علیه الصلاة والسلام قال کنت أول الأنبیاء فی الخلق وآخرھم فی البعث" ترجمہ: سرکار دوعالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: اور مجھے اللہ نے فاتح یعنی ابتداء کرنے والا بنایا اور خاتم بنایا یعنی نبیوں کو ختم کرنے والا۔ اور اظہر یہ ہے کہ ان دونوں کے معنی یوں بیان کئے جائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اول وآخری بنایا کیونکہ سرکار دوعالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: میں پیدا ہونے میں تمام انبیاء میں پہلا ہوں اور بھیجے جانے کے اعتبار سے سب سے آخری ہوں۔

(شرح الشفاء لملاعلی، جلد1، صفحہ398، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

دیکھئے کتنے واضح انداز سے ملاعلی قاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے خاتم کا معنی بیان کیا کہ اس کا معنی آخری نبی ہی ہے اور حدیث میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔

یہی نہیں! خاتم النبیین کا مطلب آخری نبی ہے اس پر پوری امت کا اجماع ہے اور علماء فرماتے ہیں کہ جس نے اس

آیت کا مطلب کچھ اور آخری نبی کے علاوہ تاویل وغیرہ کے ذریعے کچھ اور بیان کیا وہ دائرہ اسلام سے خارج اور کافر کہلائے گا چنانچہ امام حجۃ الاسلام محمد بن محمد غزالی کتاب الاقتصاد میں فرماتے ہیں "ان الامۃ فھمت من ھذا اللفظ انه افھم عدم نبی بعده ابدا وعدم رسول بعده ابدا وانه لیس فیه تاویل ولا تخصیص ومن اوله بتخصیص فکلامه من انواع الھذیان لا یمنع الحکم بتکفیره لانه مکذب لھذا النص الذی اجمعت الامۃ علی انه غیر مؤول ولا مخصوص ملتقطاً" یعنی تمام امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا کہ وہ بتاتا ہے کہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا حضور کے بعد کبھی کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام امت نے یہی مانا کہ اس لفظ میں نہ کوئی تاویل ہے کہ آخر النبیین کے سوا خاتم النبیین کے کچھ اور معنی گڑھیے نہ اس عموم میں کچھ تخصیص ہے کہ حضور کے ختم نبوت کو کسی زمانے یا زمین کے کسی طبقے سے خاص کیجئے اور جو اس میں تاویل وتخصیص کو راہ دے اس کی بات جنون یا نشے یا سرسام میں بہکنے بر انے بکنے کے قبیل سے ہے اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ وہ آیت قرآن کی تکذیب کر رہا ہے جس میں اصلاً تاویل وتخصیص نہ ہونے پر امتِ مرحومہ کا اجماع ہوچکا ہے۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد، جلد1، صفحہ137، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یہی بات عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی (رحمۃ اللہ علیہ) نے لکھی چنانچہ فلاسفہ نے کہا تھا کہ نبوت کسب سے مل سکتی ہے آدمی ریاضتیں مجاہدے کرنے سے پاسکتا ہے اس کے رد میں علامہ عبدالغنی (علیہ الرحمۃ) فرماتے ہیں "فساد مذھبھم غنی عن البیان بشھادۃ العیان، کیف وھو یؤدی الی تجویز مع نبینا صلی اللہ تعالی علیه وسلم اوبعده و ذلك یستلزم تکذیب القران اذ قد نص علی انه خاتم النبیین واخر المرسلین، وفی السنۃ انا العاقب لا نبی بعدی، واجمعت الامۃ علی ابقاء ھذا الکلام علی ظاھره وھذا احدی المسائل المشھورۃ التی کفرنا بھا الفلاسفۃ لعنھم اللہ تعالی" یعنی ان کے مذہب کا بطلان محتاج بیان نہیں آنکھوں دیکھا باطل ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس کے نتیجے میں ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں یا حضور کے بعد کسی نبی کا امکان نکلے گا اور یہ تکذیب قرآن کو مستلزم ہے۔ قرآن عظیم نص فرما چکا کہ حضور خاتم النبیین وآخر المرسلین ہیں اور حدیث میں ہے میں پچھلا نبی ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اسی معنی پر ہے جو اس کے ظاہر سے سمجھ میں آتے ہیں، یہ ان مشہور مسئلوں میں سے ہے جن کے سبب ہم اہل اسلام نے فلاسفہ کو کافر کہا اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔

(المعتقد المنتقد بحوالہ شرح الفرائد للنابلسی مع المستند المعتمد، صفحہ5-114، مکتبہ حامدیہ، لاہور)

علامہ ابوالفضل قاضی عیاض بن موسیٰ (متوفی 544ھ) (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی مشہور کتاب شفاء شریف میں بھی یہی

ارشاد فرماتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں" لانه أخبر صلى الله عليه وسلم أنه خاتم النبيين، لا نبي بعده. وأخبر عن الله تعالى أنه خاتم النبيين، وأنه أرسل كافة للناس، وأجمعت الأمة على حمل هذا الكلام على ظاهره، وأن مفهومه المراد به دون تأويل ولا تخصيص فلا شك في كفر هؤلاء الطوائف كلها قطعا إجماعا وسمعا"

(شفاء، جلد2، صفحہ610، دار الفیحاء، عمان)

اس عبارت کا ترجمہ میں خود نہیں کرتا بلکہ دیوبندیوں کے مولوی مفتی محمد شفیع صاحب کا کیا ہوا ترجمہ ہی لکھ دیتا ہوں کیونکہ انہوں نے بھی اس عبارت کو اپنی کتاب میں لکھا ہے اور ترجمہ بھی کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں "اس لئے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے خبر دی ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ آپ انبیاء کے ختم کرنے والے ہیں اور اسی طرف امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام بالکل اپنے ظاہر معنوں پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری الفاظ سے سمجھ آتا ہے وہی بغیر کسی تاویل یا تخصیص کے مراد ہیں پس ان لوگوں کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہے جو اس کا انکار کریں اور یہ قطعی اور اجماعی عقیدہ ہے۔"

(ختم النبوۃ فی الآثار، صفحہ10-9، ماخوذ از مقالات کاظمی، جلد3، صفحہ645 کاظمی پبلی کیشنز، ملتان)

دیکھئے! دیوبندی مفتی نے خود اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ آیت کا جو ظاہری معنی یعنی آخری نبی ہونا ہے وہی یہاں مراد ہے اور وہی قطعی واجماعی عقیدہ ہے جس کا خلاف کرنا والا کافر ہے ایسا کہ اس کے کفر میں شک بھی نہیں۔

اجماع امت پر علماء کی تصریحات ہونے کے باوجود اس معنی کو عوام کا خیال کہنا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟

(2) نانوتوی صاحب کے نزدیک خاتم النبیین بمعنی آخری نبی اصلا کوئی فضیلت کا معنی نہیں رکھتا

اب چلئے عبارت کے اگلے حصے کی طرف جس میں نانوتوی صاحب لکھتے ہیں "تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں "ولكن رسول الله و خاتم النبيين" فرمانا اس صورت کیونکر صحیح ہوسکتا ہے....."

نانوتوی صاحب کہتے ہیں کہ آخری نبی ہونا کوئی ایسی فضیلت کی بات نہیں کہ اس کو بطور تعریف ذکر کیا جائے لہذا خاتم النبیین جو آیت میں ہے اگر اس کا معنی آخری نبی کیا جائے تو بہت ساری خرابیاں لازم آئیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں زیادہ گوئی کا وہم پیدا ہوگا یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ایک ایسا لفظ ذکر کیا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور دوسرا یہ کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عزت کی کمی کا احتمال پیدا ہوجائے گا کیونکہ باکمال لوگوں کے تو کمالات ذکر کئے جاتے ہیں لیکن آخری نبی ہونا یعنی آخر میں آنا تو کوئی کمال نہیں۔

لیکن ہر ادنی سمجھ رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا آخری نبی ہونا ایک ایسی فضیلت ہے جس کا مقام مدح میں ذکر کیا جانا بلا شبہ صحیح ہے مقام مدح میں ذکر کرنے کے لئے ضروری نہیں ہوتا ہے کہ فضیلت بالذات ہو، بلکہ فضیلت بالعرض اور وصف اضافی کا ذکر کرنا بھی مقام مدح میں درست ہوتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ یقین نہ ہو تو نانوتوی صاحب سے پوچھ لیں کہ وہ حضور (علیہ السلام) کے علاوہ بقیہ انبیاء کی نبوت بالعرض مانتے ہیں، لیکن ہر شخص جانتا ہے کہ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ انبیاء کرام (علیہم السلام) کی مدح میں ان کے وصف نبوت کو ذکر کیا ہے۔ ثابت ہوا کہ وصف عارضی یا فضیلت بالعرض کو مقام مدح میں ذکر کرنا بالکل درست وصحیح ہے۔ نہ تو اس سے زیادہ گوئی کا وہم ہوتا ہے اور نہ نقصان قدر کا۔ علاوہ ازیں سرکار دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنا آخری نبی ہونا خود واضح طور پر مقام مدح میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مسند الشامیین میں سلیمان بن احمد ابو القاسم الطبرانی (المتوفی 360ھ) روایت کرتے ہیں "عن أبي هريرة أن نبي الله صلى الله عليه وسلم قال كنت أول النبيين في الخلق وآخرهم في البعث"، یعنی پیدائش کے اعتبار سے میں انبیاء میں سب سے اول ہوں اور بعثت کے اعتبار سے سب سے آخری ہوں۔

(مسند الشامیین، قتادة، عن الحسن، عن أبي هريرة رضي الله عنه، جلد4، صفحہ34، مؤسسة الرسالة، بیروت)

نیز بے شمار حدیثیں ایسی ہیں کہ جن میں تقدم وتاخر زمانی کو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مقام مدح میں ذکر کیا ہے ان حدیثوں کو اگر جمع کیا جائے تو ایک دفتر درکار ہے چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں چنانچہ فرماتے ہیں "أنا أول من يدخل الجنة وأول من يشفع" یعنی سب سے پہلے میں جنت میں داخل ہوں گا اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کروں گا۔ رواہ ابن خزیمہ عن انس۔ (اسے ابن خزیمہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔)

ایک موقع پر ارشاد فرمایا "انا اول من يقرع باب الجنة" یعنی سب سے پہلے میں جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔ (اسے ابن ابی شیبہ سے روایت کیا ہے۔)

پھر فرماتے ہیں "أنا أول الناس خروجا إذا بعثوا" جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا تو سب سے پہلے میں نکلوں گا۔ رواہ ترمذی۔ (اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔)

بتایئے یہ تمام احادیث بھی مقام مدح میں وارد ہیں یا نہیں؟ اگر مقام مدح ہے تو تقدم وتاخر میں بالذات فضیلت نہ ہونے کے باوجود ان کا مقام مدح میں ذکر کرنا درست کیوں ہوا؟ یا دیوبندیوں کا یہ خیال ہے کہ معاذ اللہ سرکار (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسا کلام فرمادیا ہے کہ جس کا کوئی فائدہ ہی نہیں؟

یقیناً یہی کہنا پڑے گا کہ ان اوصاف کو مقام مدح میں ذکر کرنا بلکہ درست ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں آسکتا کیونکہ تقدم یا تاخر میں اگرچہ بالذات فضیلت نہیں لیکن بالنسبة الی مضاف الیھم تو فضیلت ہے اور مقام مدح میں ذکر کے لئے یہی کافی ہے۔ تو پھر دیوبندیوں کو یہ بھی کہنا پڑے گا کہ اسی طرح خاتم النبیین میں بھی بالنسبة الی مضاف الیھم فضیلت موجود ہے جس کی بناپر خاتم النبیین کا ذکر مقام مدح میں بالکل درست ہے اور اس سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ معلوم ہوا کہ مقام مدح میں ذکر کرنے کے لئے وصف میں بالذات فضیلت ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

(3) خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونے میں معاذ اللہ زیادہ گوئی کا وہم پیدا کرنا

نانوتوی صاحب کی عبارت ملاحظہ کریں لکھتے ہیں ''اس (یعنی خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونے) میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے۔''

نانوتوی صاحب اس عبارت میں کہہ رہے ہیں کہ اگر خاتم النبیین کا ترجمہ آخری نبی کیا جائے تو اللہ (عزوجل) کے بارے میں زیادہ گوئی کا احتمال ہوگا یعنی یہ کہ اللہ (عزوجل) نے ایک ایسا کلام کر دیا کہ جس میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ جبکہ ہم اوپر بیان کرآئے ہیں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے لیکر تیرہ سو سال تک تمام صحابہ، تابعین، محدثین، مفسرین کرتے رہے ہیں۔ اور نانوتوی صاحب کے بقول وہ سب (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے حق میں زیادہ گوئی کے وہم میں مبتلا رہے۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔

(4) آخری نبی ہونے میں اور مکی مدنی ہونے میں فرق نہ کرنا

نانوتوی صاحب لکھتے ہیں ''آخر اس وصف (یعنی آخری نبی ہونے) میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں، جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں، کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا۔''

دیکھئے نانوتوی صاحب نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آخری نبی ہونے والی صفت اور دیگر اوصاف مثلاً حسب نسب و سکونت وغیرہ میں کوئی فرق نہ جانا۔ گویا نانوتوی صاحب کے نزدیک آخری نبی ہونا اور ہاشمی قریشی یا مکی مدنی ہونا معاذ اللہ برابر ہیں حالانکہ ہاشمی قریشی یا مکی مدنی ہونے کی صفت تو بعض مشرکین، کفار و منافقین کیلئے بھی ثابت تھی لیکن آخری نبی ہونا صرف ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خاصہ ہے۔ مگر اس کے باوجود نانوتوی صاحب کو ان اوصاف اور آخری نبی ہونے میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔

(5) کیا خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونے کی صورت میں اللہ (عزوجل) کے کلام میں بے ربطی لازم آئے گی؟

نانوتوی صاحب لکھتے ہیں ''پر جملہ "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ" اور جملہ "وَلٰكِنْ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو مستدرک قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی و بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔''

نانوتوی صاحب کہتے ہیں کہ اگر خاتم النبیین کا ترجمہ آخری نبی کیا جائے تو (معاذ اللہ) اللہ (عزوجل) کے کلام میں بے ربطی پیدا ہو جائے گی۔ اس کا مطلب ہے نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سمیت آج تک جتنے صحابہ، تابعین، مفسرین و آئمہ کرام نے اس خاتم النبیین کا مطلب آخری نبی سمجھا وہ سب اللہ کے کلام کو غیر مربوط وجہ پر محمول کرتے رہے اور صرف نانوتوی صاحب ہی دنیا میں ہیں جن کو قرآن کے الفاظ کا صحیح مطلب پتہ ہے۔

(6) نانوتوی صاحب کا بیان کردہ غلط معنی

''بلکہ بنائے خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور فضیلت نبوی دوبالا ہو جاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔''

ختم ذاتی کو ختم زمانی لازم ہونا محال

نانوتوی صاحب نے جب خاتم النبیین میں ختم نبوت کا مطلب ختم ذاتی بیان کیا تو چونکہ اس پر اعتراض وارد ہوتا تھا کہ ختم ذاتی سے تو آخری نبی ہونا یعنی ختم زمانی ثابت نہیں ہوتا تو اس کا ازالہ یوں کیا کہ ختم ذاتی کو ختم زمانی لازم ہے یعنی جب ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ختم ذاتی مان لیا تو ختم زمانی خود بہ خود ثابت ہو گیا۔ اس کی دلیل یہ دی کہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بالذات نبی ہیں باقی انبیاء بالعرض نبی ہیں۔ اور جب بالذات نبی آجائے اب بعد میں بالعرض کوئی بھی نبی نہیں آسکتا یعنی بالذات نبی ماننے سے ختم زمانی بھی لازم ہو جاتا ہے۔

اس پر سب سے پہلے تو یہ عرض ہے کہ زمانہ نبوی سے لیکر آج تک کسی صحابی، تابعی، مفسر، محدث، عالم و صوفی وغیرہ نے اس آیت میں ختم نبوت کی دو قسمیں بیان نہیں کیں (اگر کسی ایک نے بھی کی ہو تو حوالہ بتا دیں) بلکہ ہر ایک نے آیت کے وہی معنی بیان کئے کہ مراد ختم زمانی ہے یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آخری نبی ہیں نہ کہ ذاتی نبی۔ اسی معنی پر تمام امت کا اجماع بھی ہے جس کو ہم اوپر تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ تو ایسی صورت میں آیت کے قطعی و اجماعی معنی کا انکار کرتے ہوئے ایک نیا معنی

بیان کرنا بدعت سیئہ نہیں تو اور کیا ہے؟ اور اس بات کو نانوتوی صاحب خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ معنی آج تک کسی نے نہیں بیان کئے صرف میں ہی اجماع امت کی مخالفت کرتے ہوئے اس کفریہ معنی تک پہنچ سکا ہوں چنانچہ لکھتے ہیں ''اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو ان کی شان میں کیا نقص آ گیا اور کسی طفل نادان نے ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہو گیا''

بلکہ دیوبندی مولوی مفتی محمد شفیع صاحب کے بقول تو ایسی تفسیر نہ صرف تحریف قرآن بلکہ الحاد و زندقہ شمار ہوگی کیونکہ انہوں اپنی کتاب ختم نبوت فی القرآن میں قابل اعتماد تفسیر کے صرف پانچ طریقے بیان کئے یعنی قرآن کی تفسیر قرآن سے، حدیث سے، صحابہ کی تفسیر، اقوال تابعین اور پانچویں نمبر پر آئمہ تفسیر کی بیان کردہ تشریح و تفسیر۔ اس کو بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں ''یہ پانچ اصول ہیں جو قرآن عزیز کی صحیح تفسیر کا معیار ہیں، جو تفسیر اصول کے مطابق ہے وہ علماً قابل اعتماد ہے اور جو اس معیار پر درست ثابت نہ ہو وہ قرآن مجید کی تحریف اور زندقہ والحاد ہے۔''

(ختم نبوت فی القرآن، صفحہ40، ماخوذ از ختم نبوت و تحذیر الناس، صفحہ6-155، مطبوعہ لاہو)

اور جہاں تک بات ہے اس چیز کی کہ ختم ذاتی کو ختم زمانی لازم ہے کیونکہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بالذات نبی ہیں باقی انبیاء بالعرض نبی ہیں۔ اور ما بالعرض کا قصہ ما بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔ تو یہ بات بالکل بدیہی طور پر غلط ہے کیونکہ حصول کمال کے لئے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واسطہ ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وصف ذاتی پر پہنچ کر وصف عرضی کا قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہر کمال کے حصول میں واسطہ ہیں خواہ وہ نبوت ہو یا غیر نبوت حتی کہ حصول ایمان میں بھی حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) واسطہ ہیں نانوتوی صاحب بھی اس کے قائل ہیں چنانچہ لکھتے ہیں ''اور یہ بات اس بات کو مستلزم ہے کہ وصف ایمانی آپ میں بالذات ہو اور مومنین میں بالعرض''

اب اگر دیوبندی یہ کہتے ہیں کہ ہر ما بالعرض کا قصہ ما بالذات پر ختم ہو جاتا ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلے گا ایمان کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا کیونکہ بقول نانوتوی صاحب حضور بالذات مومن ہیں اور باقی بالعرض لہذا بالذات مومن کے بعد بالعرض کا قصہ تمام ہو چکا اب سرکار کے بعد کوئی بھی مومن نہیں آ سکتا۔

تو پرستاران تحذیر کو سوچنا پڑے گا کہ تاخر ذاتی پر تاخر زمانی کے لزوم کے قول پر نتائج کس قدر خوفناک ہیں۔ یہ ایک سوال ہے کہ دیوبندی حضرات آج تک اس کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکے۔

نانوتوی صاحب کا رد علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی سے

سنئے! علامہ سید انور شاہ کشمیری کہ جن کے بارے میں دیوبندی حضرات خود کہتے ہیں کہ ایسا علم والا آدمی صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں صاحب تحذیر یعنی قاسم نانوتوی کا مکمل رد کیا ہے یوں کہ کہتے ہیں ختم کے یہ معنی کہ ما بالعرض کا قصہ ما بالذات پر ختم ہو جاتا ہے یہ معنی قرآن کے بیان کرنا بالکل جائز نہیں اور نہ ہی یہ قرآن کے ہو سکتے ہیں کیونکہ اہل عرب یعنی عربی لوگ کہ جن کی زبان میں یہ قرآن نازل ہوا ہے وہ اس معنی سے متعارف ہی نہیں ہیں تو قرآن میں یہ معنی کیونکہ متصور ہو سکتا ہے۔ علامہ غلام علی اوکاڑوی تحریر فرماتے ہیں ''علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی نے خود اس کا رد کیا ہے انہوں نے اپنی کتاب عقیدۃ الاسلام، صفحہ 206 پر لکھا ہے'' واما الختم بمعنی انتہاء ما بالعرض الی ما بالذات فلا یجوز ان یکون ظہر ہذہ الایۃ لان ہذا المعنی لا یعرفہ الا اہل المعقول و الفلسفۃ و التنزیل نازل علی متفاہم لغۃ العرب لا علی الذہنیات المخرجۃ'' ترجمہ: لیکن ختم کے یہ معنی کہ ما بالعرض کا قصہ ما بالذات پر ختم ہو جاتا ہے پس نہیں جائز کہ یہ آیت کا ظاہر ہو کیونکہ یہ معنی صرف اہل معقول اور اہل فلسفہ کے ہاں ہی معروف ہیں اور قرآن لغت عرب کے متفاہم پر اترا ہے نہ کہ ذہنیات مخرجہ پر۔

نیز اپنی کتاب خاتم النبیین کے صفحہ 38 پر رقمطراز ہیں'' و ارادہ ما بالذات و ما بالعرض عرف فلسفہ است نہ عرف قرآن مجید و حوار عرب و نظم را ہیچگونہ نہ ایماء و دلالت بر آن'' ترجمہ: اور ما بالذات اور ما بالعرض کا ارادہ عرف فلسفہ ہے نہ عرف قرآن مجید اور محاورہ عرب۔ اور نظم قرآن کی اس من گھڑت معنی پر دلالت ہے نہ ایماء۔

(اشرف الرسائل، صفحہ3-452، ماخوذ از ختم نبوت و تحذیر الناس، صفحہ180، مطبوعہ لاہو)

(رسالہ خاتم النبیین، تالیف انور شاہ کشمیری، صفحہ3، ماخوذ از مقالات کاظمی، جلد3، صفحہ671، مکتبہ ضیائیہ، راولپنڈی)

نانوتوی صاحب خاتم النبیین کا معنی ختم کمالات لیتے ہیں یعنی تمام مرتبے آپ پر ختم ہیں، یہی مفہوم بالذات نبی کا ہے یہی مطلب خاتمیت مرتبی کا ہے مگر سید انور شاہ کشمیری نے نانوتوی صاحب کے سارے کارناموں پر پانی پھیر دیا۔ سنئے کیا لکھتے ہیں'' بالجملہ تعبیر باخاتمیت از کمالات عرف قرآن اصلا نیست عرف قرآن دریں باب یعنی در مفاضلہ مانند آیہ ﴿تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض منہم من کلم اللہ و رفع بعضہم درجات﴾ و مانند ایں طریق مستقیم است'' ترجمہ: یعنی ختم کمالات کو خاتمیت سے تعبیر کرنا عرف قرآن کے قطعاً خلاف ہے۔ قرآن کا عرف اس باب میں یعنی انبیاء کرام (علیہم السلام) کے ایک دوسرے سے افضل ہونے میں آیت کریمہ ﴿تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا

بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ الخ ﴾ کی طرح ہے۔

(خاتم النبیین ، صفحہ68، ماخوذ از ختم نبوت و تحذیر الناس ، صفحہ30-329،مطبوعہ لاہور)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضور(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کا جامع کمالات ہونا قرآن وحدیث کی دیگر بے شمار نصوص سے ثابت ہے لیکن قرآن حکیم میں لفظ خاتم النبیین سے مراد صرف آخر النبیین ہی ہے۔ اس سے ختم کمالات کا معنی لینا عرف قرآن کے قطعاً خلاف ہے۔

نانوتوی صاحب کی دوسری اور تیسری مکمل عبارتیں

ملاحظہ فرمائیں نانوتوی صاحب کی دوسری مکمل عبارت: ''غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔''

(تحذیر الناس، صفحہ14 ،کتب خانہ رحیمیہ دیوبند،ضلع سہارنپور)

تیسری عبارت ہے: ''ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوۃ لیجئے جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوائے رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)اور کسی کو افراد مقصودہ بالخلق میں سے مماثل نبوی(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ کی فضیلت ثابت ہو جائے گی بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔''

(تحذیر الناس، صفحہ25 ،کتب خانہ رحیمیہ دیوبند،ضلع سہارنپور)

ان عبارتوں میں نانوتوی صاحب نے واضح طور پر لکھا ہے کہ خاتم کے قطعی واجماعی معنی کو چھوڑ کر جو معنی میں نے بیان کئے ہیں ان کو اگر مان لیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ حضور(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کے بعد بھی اگر کوئی نبی آجائے تو حضور کی خاتمیت جو قرآن میں بیان ہوئی وہ باقی رہے گی اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا اگرچہ نیا نبی بھی آجائے۔ والعیاذ باللہ

سمجھ نہیں آتی کہ ایک نبی حضور کے بعد بھی آئے لیکن پھر بھی حضور ہی آخری نبی ہوں یہ کیسے ممکن ہے؟ کہ آخری تو وہی ہوگا جو زمانے اور وقت کے حساب سے بعد میں آئے گا۔ ایک نبی بعد میں بھی آئے لیکن پھر بھی آخری نہ کہلائے بلکہ آخری وہ کہلائے جو اس سے پہلے آچکا۔ ایسی بات تو کوئی پرلے درجے کا جاہل ہی کہہ سکتا ہے۔

جب اس بات کا دیوبندیوں سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا تو دو قسم کا مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں جن کا جواب اوپر دے دیا گیا ہے اور آئندہ مزید دیا جائے گا۔

اب ان تینوں عبارتوں کو سامنے رکھ کر اعلیٰ حضرت کا کیا گیا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں: ''اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔''

گھمن صاحب کہتے ہیں کہ ترتیب سے عبارات کا خلاصہ کرتے۔ گھمن صاحب! لو ترتیب کے ساتھ خلاصہ ہم کر دیتے ہیں، اب قارئین فیصلہ کریں کہ یہ پھر بھی کفریہ ہیں یا نہیں؟ ''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں کچھ فضیلت نہیں۔ بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بلکہ بالفرض بعد زمانہ نبوی(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔''

کیا حسام الحرمین میں دیوبندیوں کو قادیانیوں کا فرقہ کہا گیا ہے؟

گھمن صاحب مزید لکھتے ہیں:

خیانت نمبر2: مرزا قادیانی کے اقوال نقل کر کے آگے لکھا ہے منہم الوہابیہ(حسام الحرمین) یعنی یہ وہابیہ مرزائیوں سے ہیں حالانکہ دنیا جانتی ہے یہ مرزائی نہ تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ فتویٰ ہمارے اکابر کو مرزائی بتلا کر لیا گیا ہے، اسلئے اس فتوے کی کوئی حیثیت نہیں۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 156، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب یہ حیلے بہانے یہاں نہیں چلیں گے، یہ جا کر دیوبندیوں میں چلانا۔ آپ کو اعلیٰ حضرت کی عبارات سمجھ نہیں آتیں یا آتیں ہیں لیکن جان بوجھ کر اس طرح ہیرا پھیری کرتے ہیں۔ منہم کی ضمیر قادیانیوں کی طرف نہیں بلکہ مرتدین کی طرف ہے۔ حسام الحرمین کے شروع میں ہے" ان صاحب البدعۃ المکفرۃ اعنی بہ کل مدّع للاسلام منکر لشیء من ضروریات الدین کافر بالیقین ،وفی الصلوٰۃ خلفہ و علیہ والمناکحۃ والذبیحۃ والمجالسۃ والمکالمۃ وسائر المعاملات حکمہ حکم المرتدین کما نص علیہ فی کتب المذہب ک الہدایۃ والغرر و ملتقی الابحر

والدر المختار و مجمع الانهر و شرح النقاية للبرجندى و الفتاوى الظهيرية الطريقة المحمدية و الحديقة الندية والفتاوىٰ الهندية وغيرها متونا و شروحا و فتاوى ما نصه: ولنعدّ بعض من يوجد فى اعصارنا و امصارنا من هؤلاء الاشقياء فان الفتن داهمة و الظلم متراكمة و الزمان كما اخبر الصادق المصدوق صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "يصبح الرجل مؤمنا ويمسى كافرا ويمسى مؤمنا ويصبح كافرا" والعياذ بالله تعالىٰ فيجب التنبه على كفر الكافرين المتسترين باسم الاسلام ولا حول ولا قوة الا بالله " یعنی بے شک بدعتی کفر کرنے والا، میری مراد وہ شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے لیکن ضروریات دین میں سے کس کا منکر ہے تو وہ بالیقین کافر ہے۔ اس کی پیچھے نماز پڑھنا، اس کی نماز جنازہ پڑھنا، اس سے نکاح کرنا، اس کا ذبیحہ، اس کے ساتھ بیٹھنا، بات کرنا اور دیگر تمام معاملات مرتدین والے ہیں جیسا کہ کتب میں اس کی وضاحت ہے جیسے ہدایہ، غرر، ملتقی الابحر، درمختار، مجمع الانہر، شرح نقایہ برجندی، فتاویٰ ظہیریہ، طریقہ محمدیہ، حدیقہ ندیہ، فتاویٰ ہندیہ اور دیگر کتب کے متون وشروح میں ہے۔ ان مرتدوں میں سے ہم شمار کرتے ہوئے بعض وہ جو ہمارے زمانے میں ہمارے شہروں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے فتنے یکدم ظاہر ہونے والے ہیں اور ان کی گمراہیاں ایک کے بعد دوسری ہیں اور زمانہ وہ ہے جس کے متعلق صادق ومصدوق (صلى الله عليه وآله وسلم) نے خبر دی کہ صبح کو بندہ مومن ہوگا شام کو کافر ہوگا اور شام کو مومن ہوگا صبح کافر ہوگا۔ والعیاذ باللہ۔ تو ایسے کفار جو اسلام کے نام سے اپنا کفر چھپاتے ہیں ان کے کفر کے متعلق مسلمانوں کو تنبیہ کرنا واجب ہے۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

(حسام الحرمين ،صفحه 52،53،مؤسسة رضا،لاهور)

اعلیٰ حضرت نے انہیں مرتدین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس عبارت کے متصل ہی لکھا "فمنهم المرزائية ـــ ـــ" ترجمہ: انہی میں سے مرزئی ہیں۔

لو جی گھمن صاحب! اعلیٰ حضرت نے مرزئیوں کے ساتھ بھی منہم لگایا ہے، اب آپ کیا کہیں گے؟ گھمن صاحب اگر آپ شروع سے حسام الحرمین پڑھ لیتے تو کم از کم اتنی کچی بات نہ کرتے۔

یہ کہنا کہ علماء حرمین اردو نہ جانتے تھے اس لئے ان کا فتویٰ دینا درست نہ تھا

گھمن صاحب مزید لکھتے ہیں:

حسام الحرمین میں عبارات عربی بنائیں گی جبکہ ہماری کتاب اردو میں تھیں حالانکہ حرمین شریفین کے علماء اردو نہ جانتے تھے اور بقول بریلویہ کے محض مخالف کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے بلاتحقیق فیصلہ صادر کر دینا نہ تو اللہ

تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول پسندیدہ ہے اور نہ ہی اسے اہل علم ودانش قبول کر سکتے ہیں۔ تو حرمین کے علماء نے فاضل بریلوی پر اعتماد کر کے یہ فتویٰ دیا جو فاضل بریلوی نے ان کی طرف منسوب کیا، حقیقت اللہ بہتر جانتا ہے۔ تو یہ فتویٰ دینا نہ خدا کو پسند ہے نہ ہی اہل علم ودانش کو بلکہ چند بریلوی بھیڑوں کو ہی یہ اچھا لگا ہے۔ القصہ وہ علماء حرمین اردو نہ جانتے تھے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 156، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب یہ تو آپ نے پہلے سے زیادہ کچی بات کی ہے۔ دیوبندیوں کی اردو عبارتوں پر اعلیٰ حضرت سے پہلے اور اعلیٰ حضرت کے بعد درجنوں علماء نے کفر کے فتوے لگائے ہیں، الصوارم الہندیہ میں بھی تصدیقات موجود ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ کہ حسام الحرمین میں بھی بعض ایسے مفتیانِ کرام کی تصدیق ہے جو اردو جانتے تھے۔

پھر گھمن صاحب آپ نے یہ بات کر کے علمائے حرمین کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے یعنی آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ ان علماء کرام نے بغیر تحقیق کئے ایک شخص کے کہنے پر اتنے سنگین فتاویٰ جاری کر دیئے۔

باقی یہ کہاں لکھا ہے کہ مفتی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اصل عبارت جس زبان میں ہے وہ پہلے خود سمجھے تب ہی اس کا فتویٰ معتبر ہے؟ دنیا بھر میں صدیوں سے علمائے کرام عربی، فارسی وغیرہ کتب کو اپنی زبان میں ترجمہ کر کے اس ترجمہ پر اعتماد کرتے رہے ہیں۔ فتاویٰ ہندیہ میں کئی فارسی عبارات کو حاشیہ میں عربی میں لکھا گیا ہے جس پر آج کے دیوبندی بھی استفادہ کرتے ہیں۔ الغرض یہ ایک تاریخی جاہلانہ اعتراض ہے کہ جو کفر جس زبان میں بولا گیا ہو مفتی پہلے اس زبان کو سمجھ کر پھر اس پر حکم لگائے، اس کا ترجمہ معتبر نہیں۔

اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) نے ان کفریہ عبارات کو بعینہ عربی میں کیا اور علمائے حرمین شریفین کی بارگاہ میں پیش کیا اور انہوں نے تکفیر کی۔ دیوبندیوں کو چیلنج ہے کہ ثابت کریں کہ ان عبارات کی عربی غلط کی گئی ہے۔

گھمن صاحب! اردو سے عربی عبارات کی ہیرا پھیری دیکھنی ہو تو احسان الٰہی ظہیر کی کتاب "البریلویہ" دیکھ لیں۔ دیکھنی کیا ہے آپ نے اور خالد مانچسٹر نے تو اسی "البریلویه" سے کئی جھوٹ کاپی کر کے اندھا دھند اپنی کتابوں میں لکھے ہیں۔

چلو بالفرض مان لیتے ہیں کہ اہل حرمین کو اردو نہیں آتی تھی اس لئے ان کے فتاویٰ معتبر نہیں تو المہند کیسے معتبر ہوگی؟ وہ بھی تو خلیل عجمی نے عربی میں لکھی اور اپنے بڑوں کا عقیدہ عربی میں بیان کیا۔

متشدد کی جرح کے متعلق گھمن صاحب کا نیا اصول

گھمن صاحب کم علمی کی آخری حد پار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اک بات ضمناً عرض کرتا جاؤں گا۔اسماء الرجال میں جرح اس آدمی کی لی جاتی ہے جو متشدد نہ ہوگا۔اگر متشدد ہوگا تو اس کی جرح کو کوئی نہیں دیکھتا۔بریلوی حضرات نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہ فاضل بریلوی متشدد تھے۔دیکھئے لکھتے ہیں: فاضل بریلوی کی طبیعت کی شدت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال نے مزید فرمایا: اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو اس دور کے ابوحنیفہ کہلا سکتے تھے۔ملفوظات، ص 8، مشاق بک کارنر، لاہور۔

یعنی متشدد قسم کے آدمی تھے۔اور مولوی حشمت علی کے بارے میں بریلوی مفتی اعظم لکھتے ہیں: مولانا حشمت علی صاحب کا اسم گرامی سننے کے ساتھ ایک عرصہ سے ان کے کچھ اوصاف بھی سنتا رہا ہوں کہ اپنے کو بریلوی کہتے ہیں اور مزاج میں نہایت درجہ تشدد ہے۔فتاویٰ مظہریہ، صفحہ 71۔

ایک نے حسام الحرمین لکھی دوسرے نے الصوارم الہندیہ لکھی تو ان متشدد لوگوں کے فتویٰ تکفیر کا کوئی اثر نہیں۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 158، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب اتنی کم علمی کی بات کر کے تو آپ نے اپنی بچی کچی علمیت بھی ختم کر دی ہے۔آپ کو جب اصول حدیث کا کچھ پتہ نہیں ہے تو پھر اس میں ٹانگ کیوں اڑاتے ہیں؟ یہ قانون آپ نے کس جاہل سے لیا ہے کہ اسماء الرجال والے قوانین ابواب تکفیر میں بھی چلیں گے؟ دوسرا یہ آپ نے کس کتاب میں پڑھ لیا ہے کہ متشدد کی جرح مقبول نہیں۔ گھمن صاحب آپ کی 20 بیس تراویح والی کتاب جب میں نے پڑھی جس میں آپ نے اصول حدیث کے حوالے سے کچھ کلام کیا ہے (اور اس میں بھی بعض جگہ کمزوریاں ہیں) تو میں حیران تھا کہ آپ جیسا شخص ایسی کتاب کیسے لکھ سکتا جسے متشدد کی جرح کے متعلق ہی علم نہیں۔ثابت ہوا کہ وہ کتاب بھی آپ نے کسی کی کاپی کی ہے۔

گھمن صاحب کان کھول کر سنئے! متشدد اگر جرح مفسر کرے یا متشدد کے ساتھ کوئی دوسرا موافقت کرے تو اس کی جرح مقبول ہوتی ہے۔من تکلم فیہ وہو موثوق او صالح الحدیث میں شمس الدین ابوعبداللہ الذہبی (المتوفی 748ھ) لکھتے ہیں "والحق أن المتشدد لا يترك قوله في الرجال دائماً ولا يؤخذ دائماً، وإنما يُترك إذا خالف قوله جمهور الأئمة، أو ردَّ حديث راوٍ ماذَكَرَ السبب "یعنی حق یہ ہے کہ متشدد کی جرح کو رجال میں نہ ہمیشہ چھوڑا جائے گا اور نہ ہمیشہ لیا جائے گا۔متشدد کی جرح کو اس وقت چھوڑا جائے گا جب وہ جمہور کے خلاف جرح کرے یا حدیث کے راوی کا رد بغیر سبب کرے۔

(من تكلم فيه وهو موثوق أو صالح الحديث، صفحه 30)

فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث للعراقی میں شمس الدین ابوالخیر محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی (المتوفی 902ھ) متشدد کے متعلق لکھتے ہیں" إذا وثق شخصا فعض على قوله بنواجذك، وتمسك بتوثيقه، وإذا ضعف رجلا فانظر هل وافقه غيره على تضعيفه، فإن وافقه ولم يوثق ذاك الرجل أحد من الحذاق فهو ضعيف، وإن وثقه أحد، فهذا هو الذي قالوا :لا يقبل منه الجرح إلا مفسرا، يعني لا يكفي فيه قول ابن معين مثلا :هو ضعيف .ولم يبين سبب ضعفه "یعنی اگر متشدد کسی کی توثیق بیان کرے تو اسکی توثیق کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اگر کسی کا ضعف بیان کرے تو دیکھو کیا کسی اور نے بھی ضعف میں اسکی موافقت کی ہے۔اگر کسی نے موافقت کی اور کسی دوسرے نے توثیق بیان نہیں کی تو یہ راوی ضعیف ہے۔اگر کسی نے اس راوی کی توثیق کی ہے تو اب متشدد کی جرح بغیر تفصیل کے قبول نہیں کی جائے گی۔یعنی ابن معین کا یہ قول کافی نہ ہوگا کہ وہ ضعیف ہے جب تک کہ ضعف کا سبب بیان نہ کردے۔

(فتح المغيث بشرح الفية الحديث للعراقي، جلد4، صفحه 360، مكتبة السنة، مصر)

گھمن صاحب! اعلیٰ حضرت نے اکابر دیوبند کی تکفیرِ مبہم نہیں کی بلکہ تکفیرِ مفسر کی ہے اور آپ کی اس مفسر تکفیر پر کثیر علمائے حرمین و اہل ہند نے موافقت کی ہے۔اب گھمن صاحب آپ کے اصول کے مطابق بھی اکابر دیوبند کی تکفیر درست ہوئی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان اور شدت

باقی جو گھمن صاحب نے اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) اور علامہ حشمت علی (رحمة الله عليه) کو متشدد لکھا ہے۔اس کا جواب بھی ملاحظہ ہو۔

اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) مجدد تھے اور مجدد کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے دور کے فتنوں کو شدت کے ساتھ دفع کرے۔شدت سے مراد یہ نہیں کہ شرعی حدوں کو پار کر جائے بلکہ شرعی اصولوں کو مضبوطی سے تھامے ہوئے صلح کلیت کو مردود ٹھہراتے ہوئے نڈر ہو کر فتنوں کو ختم کرے جیسا کہ مجدد الف ثانی نے دین اکبری کا شدت سے بے خوف ہو کر رد کیا اور اسی طرح دیگر مجددین رحمہم اللہ کا حال ہے۔اعلیٰ حضرت (رحمة الله عليه) اگر متشدد تھے تو کفار اور گمراہوں کے ساتھ تھے۔دیگر مسلمانوں کے متعلق آپ ہرگز متشدد نہیں تھے بلکہ کریم تھے اور یہ آپ کے فتاویٰ و سیرت سے ثابت ہے۔کفار و گمراہ کے حق میں متشدد ہونا اور مسلمانوں کے حق میں نرم ہونا یہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کی صفت ہے جس کا ذکر قرآن میں ہے ﴿وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى

الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ ترجمہ کنزالایمان: اوران کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل۔

(سورة الفتح، سورة 48، آیت 29)

پھر امام احمد رضا خان (علیه رحمة الرحمن) ہر بدمذہب کے ساتھ سختی نہیں کرتے تھے بلکہ جو اپنی بدمذہبی پر جم جاتے تھے ان کے ساتھ سختی فرماتے تھے چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''دیکھو نرمی کے جو فوائد ہیں وہ سختی میں ہرگز حاصل نہیں ہوسکتے، اگر اُس شخص سے سختی برتی جاتی تو ہرگز یہ بات نہ ہوتی۔ جن لوگوں کے عقائد مُذَبْذَب (یعنی ڈانواں ڈول) ہوں اُن سے نرمی برتی جائے کہ وہ ٹھیک ہوجائیں، یہ جو وہابیہ میں بڑے بڑے ہیں اِن سے بھی ابتداءً بہت نرمی کی گئی۔ مگر چونکہ اِن کے دلوں میں وہابیت راسخ (یعنی پختہ) ہوگئی تھی اور مصداق ﴿ ثُمَّ لَا يَعُوْدُوْنَ ﴾ (پھر وہ حق کی طرف رجوع کرنے والے نہیں) حق نہ مانا۔ اس وقت سختی کی گئی کہ ربّ عَزَّ وَجَلَّ فرماتا ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ اے نبی (علیه الصلوٰة والسلام) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی کرو۔ اور مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے ﴿وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ﴾ لازم ہے کہ وہ تم میں درشتی (یعنی سختی) پائیں۔''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ 1، صفحہ 90، مکتبة المدینہ، کراچی)

ہر سنی شخص ایسا ہونا چاہئے جو مسلمانوں کے حق میں نرم ہو اور گمراہوں کے حق میں سخت ہوتا کہ گمراہی پروان نہ چڑھ سکے۔ جب سے ریڈی میڈ صوفی اور حب جاہ کے مارے مولویوں نے گمراہوں سے پیار کی پینگیں ڈالنا شروع کی ہیں تب سے فرقہ واریت عام ہوتی جارہی ہے۔

اب چند کتب سے ثابت کیا جاتا ہے کہ مؤمن کو اللہ (عزوجل) کی اطاعت اور اس کے نافرمانی میں متشدد ہونا چاہئے۔ امام قرطبی حضرت قتادہ (رضی الله تعالیٰ عنه) کا قول نقل کرتے ہیں "المؤمن هو المتقوی، والمؤمن هو المتشدد" یعنی مومن وہ ہے جو متقی ہو، مومن وہ ہے جو متشدد ہو۔ (تفسير القرطبي، جلد 1، صفحه 163، دار الكتب المصرية، القاهرة)

التفسیر الواضح میں ہے "رَبّٰنِيِّيْنَ: نسبة إلى الرب، وهو المتشدد في الدين الملتزم طاعة الله" یعنی ربانیین: رب کی طرف نسبت ہے اور یہ وہ ہے جو دین میں متشدد ہو، اللہ (عزوجل) کی اطاعت کا التزام کرنے والا ہو۔

(التفسير الواضح، صفحه 246، دار الجيل الجديد، بيروت)

حضرت عمر فاروق (رضی الله تعالیٰ عنه) کو جلالی کہا جاتا ہے وہ اسی وجہ سے کہ آپ بے دینی کا سختی سے رد کرتے تھے۔ تنویر الغبش فی فضل السودان والحبش میں جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی 597ھ) لکھتے ہیں "عمر الفاروق المتشدد فی الدین" ترجمہ: عمر فاروق دین میں متشدد تھے۔

(تنوير الغبش في فضل السودان والحبش، صفحه 28، دار الشريف، الرياض)

لفظ متشدد اپنے سیاق سباق کے اعتبار سے دیکھا جاتا ہے اگر کسی جاہل و گمراہ کے ساتھ متشدد کا لفظ استعمال کیا جائے گا تو اس کے مطلب ہے کہ وہ شرعی حد سے تجاوز کرتا ہے اور اگر کسی بزرگ کی سیرت بیان کرتے ہوئے اسی متشدد فی التصوف یا الفقہ یا فی الدین کہا جائے تو اسکا مطلب ہوتا ہے کہ تصوف، فقہ و دین کے لوازمات پر مضبوطی سے کاربند تھے۔ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء میں ابونعیم احمد بن عبداللہ الأصبهانی (المتوفی 430ھ) لکھتے ہیں "منهم الفقيه المتشدد والمتعبد المتهجد عمرو بن دينار أبو محمد" ترجمہ: انہی میں سے عمرو بن دینار ابومحمد ہیں جو فقیہ، متشدد، عبادت گزار، تہجد گزار تھے۔

(حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، جلد3، صفحه 347، دار الكتاب العربي، بيروت)

دیوبندیت اور شدت

ان سب کو چھوڑیں خود گھمن صاحب کے پیشوا رشید احمد گنگوہی کو متشدد کہا گیا ہے چنانچہ نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر میں عبدالحی صاحب لکھتے ہیں "الشيخ العلامة رشيد أحمد الكنكوهي: الشيخ الإمام العلامة المحدث رشيد أحمد بن هداية أحمد بن بير بخش ابن غلام حسن بن غلام علي بن علي أكبر بن القاضي محمد أسلم الأنصاري الحنفي الرامبوري ثم الكنكوهي أحد العلماء المحققين والفضلاء المدققين، لم يكن مثله في زمانه في الصدق والعفاف، والتوكل والتفقه، والشهامة، والإقدام في المخاطر، والصلابة في الدين، والشدة في المذهب" یعنی شیخ امام محدث رشید احمد گنگوہی محقق عالم وفاضل ہیں۔ صدق وعفاف توکل اور تصلب فی الدین میں ان کا کوئی مثیل نہ تھا۔ مذہبی امور میں بہت متشدد تھے۔

(نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، جلد8، صفحه1229، دار ابن حزم، بيروت)

گنگوہی صاحب تو متشدد ثابت ہوئے ذرا تھانوی صاحب کے متشدد پن بھی ملاحظہ ہو چنانچہ فاضل دیوبند مولانا سعید احمد اکبرآبادی اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہوئے تھانوی صاحب کو تشدد پسند، درشت مزاج کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''مولانا (تھانوی) کی تشدد پسندی اور درشت مزاجی کی جو روایات برابر سننے میں آتی رہتی ہیں ان کا اثر یہ ہوا کہ قیام دیوبند کے زمانے میں بارہا جی چاہنے کے باوجود مولانا کی خدمت میں حاضری کی جرات کبھی نہیں ہوئی۔ جامع المجددین میں اسی طرح کے واقعات نظر سے گزرے تو یہ اثر اور قوی ہوگیا۔''

(برہان دسمبر 1952، صفحہ 366)

کیوں گھمن صاحب! آنکھیں کھلی ہیں یا نہیں؟ گھمن صاحب اگر متشدد کا جو معنی آپ لیتے ہیں وہ لیا جائے تو آپ کا

سارا مذہب آپ کے اس اصول سے ہی مردود ٹھہرتا ہے کہ دیوبندی اور وہابی سارے متشدد ہیں جو بات بات پر مسلمانوں کو مشرک و بدعتی ٹھہراتے ہیں، لاکھوں روپے لگا کر مسلمان حج کرنے جاتے ہیں کہ ہمارے گناہ معاف ہو جائیں اور وہاں کے چند مٹھی بھر وہابی جن میں کئی پاکستان سے گئے ہوئے دیوبندی بھی ہوتے ہیں وہ بات بات شرک شرک کہہ رہے ہوتے ہیں، یہ شدت نہیں؟ جب ایک جھوٹ پر لعنت برستی ہے تو یہی جھوٹ اگر حرم میں بولا جائے تو ایک لاکھ لعنت برستی ہے اور جب حرم میں جھوٹ پر ایک لاکھ لعنت ہے تو پھر مسلمان کو مشرک کہنے پر ان وہابی، دیوبندیوں پر کتنی لعنتیں برستی ہونگیں۔ یہی لعنتوں کا نتیجہ ہوتا ہے کہ ان کی شکلوں پر کوئی نورانیت نہیں ہوتی۔

پھر گھمن صاحب اس پوری کتاب میں آپ نے بھی خوب متشدد پن کا مظاہرہ کیا ہے بلکہ کثیر جھوٹ و بہتان ارتکاب کیا ہے، پھر آپ کے اسی اصول کے سبب آپ خود مردود ٹھہرے اور آپ کی کتاب پہلے بھی مردود تھی اب آپ کے متشدد ہونے کی وجہ سے مزید مردود ہوگئی۔

ناشرین کا عبارات میں تبدیلیاں کرنا

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

مکتبہ نبویہ والوں نے اردو میں شائع کی تو پہلے ٹکڑے میں فاضل بریلوی نے جتنا حصہ کتاب کا لیا تھا انہوں نے دیکھا کہ عام قاری بھی یہ غلطی اور خیانت پکڑ لے گا تو انہوں نے عبارت کو کچھ بڑھا دیا۔ پہلا ٹکڑا فاضل بریلوی نے یوں لکھا تھا "ولو فرض فی زمنه صلی الله علیه وآله وسلم" اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کوئی نبی فرض کرلیا جائے۔

مگر مکتبہ نبویہ والوں نے اس کے ساتھ ایک جملہ اور بڑھا دیا اور شروع میں بلکہ کا اضافہ بھی کر دیا۔ یوں لکھتے ہیں: بلکہ بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔

یہ اس لیے کیا گیا کہ فاضل بریلوی کی خیانت پکڑی نہ جائے مگر عربی خواں تو جانتے ہیں۔ بہر حال یہ اردو خواں لوگوں کی بھی خیانت معلوم ہوگئی کہ اردو والی حسام الحرمین میں ایک ٹکڑے کا اضافہ کر دیا۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 159، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب جانے دیں یہ کھوکھلے دعوے کسی کام کے نہیں ہیں۔ خیانت کا شور مچانے سے خیانت ثابت نہیں ہو جاتی۔ مکتبہ نبویہ والوں نے جملہ اپنے پاس سے نہیں بڑھایا بلکہ انہوں نے تحذیر الناس کی پوری عبارت نقل کر دی ہے۔ تحذیر

الناس کی پوری عبارت یہ تھی "بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔"

(تحذیر الناس، صفحہ 14، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، ضلع سہارنپور)

گھمن صاحب مزید لکھتے ہیں:

کچھ مکتبے اور آگے نکلے انہوں نے حسام الحرمین کی عبارت کہ عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کو یوں کر دیا عوام کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بے ایمانی ہے۔ تمہید ایمان مع حسام الحرمین ص 29، مطبوعہ اکبر بک سیلرز لاہور، تمہید ایمان مع حسام الحرمین ص 17، مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی، تمہید ایمان مع حسام الحرمین ص 29، مطبوعہ مکتبہ المدینہ کراچی۔

ان تینوں مکتبوں نے خیانت کے ریکارڈ توڑ دیئے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 159، 160، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب مکتبے والوں کی یہ غلطی ہم تسلیم کرتے ہیں، آپ بھی اکابر دیوبند کی کفریہ عبارات کو تسلیم کرلیں۔ مکتبے والے کوئی عالم فاضل نہیں ہوتے۔ اس سے بڑی ریکارڈ توڑ غلطیاں تو آپ کے مکتبوں سمیت آپ کے مولویوں نے بھی کی ہیں۔ چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

دیوبندی مولوی قاسم نانوتوی نے لکھا: "انبیاء اپنی امت میں ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔" (تحذیر الناس، صفحہ 8، مطبوعہ دار الکتاب، دیوبند)

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی اور امتی کے درمیان کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ انبیاء (علیھم السلام) ہر عمل، وصف اور مرتبے میں امتیوں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ دیوبندی جب اپنے امام کی غلط بات کی تاویل کرنے سے عاجز آگئے تو انہوں نے آسان حل یہ نکالا کہ عبارت ہی میں تحریف کر دی۔ اب نئے نسخے میں یہ عبارت یوں ملتی ہے: "انبیاء اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔"

(تحذیر الناس، صفحہ 8، فیصل پبلی کیشنز، دیوبند)

یعنی اصل غلط عبارت یہ تھی کہ "علوم میں ممتاز ہوتے ہیں" اسے نکال دیا گیا۔

اسی طرح دیوبندی مکتبہ فکر کے مشہور مولوی مرتضی حسن چاند پوری در بھنگی نے قادیانیت کے خلاف ایک کتاب "اشد العذاب" لکھی۔ اس میں مرزائیوں کا ایک قول نقل کیا کہ مولانا احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم خیال علمائے دیوبند کو کافر کہتے ہیں

تو کیا علمائے دیوبند کافر ہیں؟ اگر علمائے دیوبند کافر نہیں تو پھر مرزائی کیوں کافر ہیں؟ مولوی چاند پوری دیوبندی اس کے جواب میں فاضل بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ) پر اپنے دل کی بھڑاس نکال کر آخر میں مذہبی خودکشی کرتے ہوئے تسلیم کرتے ہیں کہ اگر خان صاحب کے نزدیک بعض علمائے دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا تو خان صاحب پر ان علمائے دیوبند کی تکفیر فرض تھی، اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو وہ خود کافر ہو جاتے۔ (اشد العذاب، صفحہ 13، ناشر مجتبائی جدید، دہلی)

دیوبندی عالم کے اس اعتراف پر دیوبندیوں کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ اس اعتراف شدہ عبارت کا مناظرے کے دوران ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑتا۔ انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ اس عبارت کو ہی اس کتاب سے غائب کر دیا جائے چنانچہ کراچی کے دیوبندیوں نے کتاب "اشد العذاب" شائع کی تو اس عبارت کو بلکہ اصل کتاب کے صفحہ بارہ سے لے کر صفحہ پندرہ تک سارے صفحات کو غائب کر دیا اور صفحہ بارہ کی آدھی عبارت کے بعد سیدھا صفحہ پندرہ کی عبارت کو جوڑ دیا۔

(اشد العذاب، صفحہ 14,15، ناشر مولانا محمد یوسف بنوری، مجلس تحفظِ ختم نبوت، کراچی)

وہابی مولوی اسماعیل دہلوی نے لکھا: "(اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: یعنی میں ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔" (تقویۃ الایمان، صفحہ 81، ناشر بیت القرآن، لاہور)

چونکہ اس عبارت سے اسماعیل دہلوی کی بدعقیدگی اور حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف جھوٹ منسوب کرنا واضح تھا۔ تقویۃ الایمان کے نئے نسخے میں اس کی تحریف یوں کی گئی: "یعنی ایک نہ ایک دن میں بھی فوت ہو کر آغوشِ لحد میں جا سوؤں گا۔" (تقویۃ الایمان، صفحہ 78، ناشر دار الکتاب، دیوبند)

یہ تو مختصر جھلکیاں تھیں اگر مزید وہابی، دیوبندیوں کی تخریب کاری دیکھنی ہو تو فقیر کی کتاب **"دین کس نے بگاڑا؟"** کا مطالعہ فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت نے بالذات کا ترجمہ کیوں نہیں کیا؟

گھسن صاحب تین عبارتوں کے خلاصہ کو بلاوجہ غلط ثابت کرتے ہوئے اور اپنا رونا روتے ہوئے کہ فلاں عبارت کا عربی ترجمہ نہیں کیا گیا فلاں کا نہیں کیا گیا مزید لکھتے ہیں:

اصل کتاب تحذیر الناس میں یوں تھا کہ اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدیم وتاخیر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ مگر عربی میں ترجمہ کرتے وقت یوں لکھا گیا "انہ لا فضل فیہ اصلا عند اھل الفھم" بالذات کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔

اب بریلوی کہتے ہیں بالذات کا ترجمہ لفظ اصلا میں آگیا۔ تو پھر جواباً عرض یہ ہے کہ اصلا کا مطلب یہ بنتا ہے کہ بالکل فضیلت ہی نہیں نہ ذاتی نہ عرضی جو کہ متکلم کے الفاظ ومعانی ومراد کے بالکل خلاف ہے کیونکہ متکلم بالعرض فضیلت کا قائل ہے۔ بہرکیف یہ فاضل بریلوی کی خیانات اور دجل وفریب کا مجموعہ ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 160، 161، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

اعلیٰ حضرت نے بالذات کا ترجمہ اس وجہ سے نہیں کیا کیونکہ بالذات کا لفظ محض مہمل و بے معنی ہے۔ جب نانوتوی صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کو مقام مدح میں ذکر کرنا صحیح نہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اس وصف میں اصلاً کسی قسم کی فضیلت نہیں۔ اسی لئے امام اہلسنت سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) نے حسام الحرمین میں نانوتوی صاحب کی عبارت کا صحیح خلاصہ بیان فرما دیا کہ نانوتوی صاحب کے نزدیک ختم زمانی میں اصلاً کوئی فضیلت نہیں اگر کچھ بالعرض فضیلت بھی مانتے تو اس کو مقام مدح میں ذکر کرنے پر اعتراض نہ کرتے اور نہ خرابیاں گنواتے۔

اور اس بالذات والے لفظ کا مہمل ہونا نانوتوی صاحب کی اگلی عبارت سے بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ نانوتی صاحب لکھتے ہیں "آخر اس وصف (یعنی آخری نبی ہونے) میں اور قد وقامت وشکل ورنگ وحسب ونسب وسکونت وغیرہ اوصاف میں، جن کو نبوت یا اور **فضائل میں کچھ دخل نہیں**، کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا۔"

دیکھئے کتنے واضح انداز میں کہا کہ قد وقامت وغیرہ کو فضائل میں کچھ دخل نہیں۔ اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ قد وقامت اور آخری نبی ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ تو نتیجہ کیا نکلا؟ یہی نہ کہ جس طرح قد وقامت وغیرہ کو فضائل میں کچھ دخل نہیں اسی طرح آخری نبی ہونے کو بھی فضائل میں کوئی دخل نہیں کیونکہ ان سب اوصاف میں کوئی فرق نہیں ہے سب ایک جیسے ہیں۔

اس سے بڑھ کر بھی شہادت یہ ہے کہ نانوتوی صاحب نے اس کے مہمل ہونے کو خود بھی تسلیم کیا ہے جبھی تو انہوں نے تحذیر الناس کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے اپنے ایک خط میں بالذات کی قید نہیں لگائی چنانچہ نانوتوی صاحب لکھتے ہیں "خاتم النبیین کا معنی سطحی نظر والوں کے نزدیک تو یہی ہیں کہ زمانہ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) گذشتہ انبیاء کے زمانے سے آخر کا رہے اور اب کوئی نبی نہیں آئے گا مگر آپ جانتے ہیں کہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ جس میں خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نہ تو کوئی تعریف ہے اور نہ کوئی برائی۔"

(انوار النجوم ترجمہ قاسم العلوم، ص55، ماخوذ از مقالات کاظمی، جلد3، صفحہ649، مکتبہ ضیائیہ، راولپنڈی)

دیکھئے بالذات کی کوئی قید نہیں لگائی بس یہی کہا کہ اس وصف میں کوئی تعریف نہیں۔ صاحب کلام نے خود واضح کر دیا

کہ بالذات کا لفظ محض مہمل ہے اگر اس کا فائدہ ہوتا تو اپنی دوسری تحریر میں ضرور ذکر کرتے۔

خاتمیتِ ذاتی و مرتبی

علمائے اہل سنت نے کہا تھا کہ دیوبندیوں نے المہند میں اپنے عقائد اہل سنت والے ظاہر کئے تھے، اپنی کفریہ عبارتوں کا ذکر نہیں کیا تھا۔ گھمن صاحب نے اس سے یہ استدلال کرلیا کہ المہند اہل سنت اور دیوبند کے مابین مستند کتاب ہے۔ پھر گھمن صاحب نے نانوتوی کے دفاع کے آخر میں المہند کی ایک عبارت نقل کی اور نانوتوی کے کفر کو چھپانے کی کوشش کی اور پھر اس پر چند تقریظیں پیش کیں چنانچہ گھمن صاحب لکھتے ہیں:

اب آیئے اس میں دیکھتے ہیں کہ کیا لکھا ہے اور آئندہ بھی ہم اس کتاب میں اسی المہند علی المفند سے دلیل لائیں گے چونکہ یہ بریلویوں کے ہاں بھی مستند ہے۔

خاتمیت ایک جنس ہے جس کے تحت دو نوع داخل ہیں ایک خاتمیت باعتبار زمانہ وہ یہ ہے کہ آپ کی نبوت کا زمانہ تمام انبیاء کی نبوت کے زمانہ سے متاخر ہے اور بحیثیت زمانہ کے سب کی نبوت کے خاتم ہیں اور دوسری نوع خاتمیت باعتبار ذات جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ہی کی نبوت ہے جس پر تمام انبیاء کی نبوت ختم و منتہی ہوئی اور جیسا کہ آپ خاتم النبیین ہیں باعتبار زمانہ اسی طرح آپ خاتم النبیین ہیں بالذات کیونکہ ہر وہ شے جو بالعرض ہو ختم ہوتی ہے۔ اس پر جو بالذات ہو اس سے آگے سلسلہ نہیں چلتا اور جبکہ آپ کی نبوت بالذات ہے اور تمام انبیاء کی نبوت بالعرض اس لیے کہ سارے انبیاء کی نبوت آپ کی نبوت کے واسطہ سے ہے اور آپ ہی فرد اکمل و یگانہ اور دائرہ رسالت و نبوت کے واسطہ ہیں پس آپ خاتم النبیین ہوئے ذاتاً بھی اور زماناً بھی اور آپ کی خاتمیت صرف زمانہ کے اعتبار سے نہیں اس لیے کہ یہ کوئی بڑی فضیلت نہیں کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابقین کے زمانہ سے پیچھے ہے بلکہ کامل سرداری اور غایت رفعت اور انتہا درجہ کا شرف اسی وقت ثابت ہوگا جبکہ آپ کی خاتمیت ذات اور زمانہ دونوں اعتبار سے ہو ورنہ محض زمانہ کے اعتبار سے خاتم الانبیاء ہونے سے آپ کی سیادت و رفعت نہ مرتبہ کمال کو پہنچے گی اور نہ آپ کو جامعیت و فضل کلی کا شرف حاصل ہوگا۔ المہند علی المفند، ص 51، 52۔

اس میں مندرجہ ذیل باتیں بیان ہوئیں:۔

(1) قرآن پاک میں وارد شدہ لفظ خاتم النبیین ایک جنس ہے، اس کو دو نوعیں ہیں ایک خاتم زمانی اور دوسرا خاتم مرتبی۔

(2) آپ نبوت سے موصوف بالذات ہیں اور باقی انبیاء موصوف بالعرض ہیں۔

(3) صرف زمانہ کے اعتبار سے ہی خاتم ماننا اور ذات کے اعتبار سے خاتم نہ ماننا کوئی بڑی فضیلت نہیں بنتی۔

تبسم صاحب، کاظمی، غلام نصیر الدین سیالوی، غلام مہر علی صاحب کی کتابیں اور ان کے دلائل جو ان تین باتوں کے رد میں لکھے گئے وہ سب بے کار اور کالعدم ہوئے کیونکہ وہ سب اہلسنت کے عقائد جو المہند میں لکھے ہوئے ہیں اس کا رد کررہے ہیں۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 164، 165، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب المہند کی عبارت میں جو نانوتوی کا کفر چھپایا گیا ہے اور اس عبارت کے بعد آپ نے جو باطل استدلال کئے ہیں دونوں کو قارئین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

نانوتوی نے کہا تھا کہ حضور کے دور میں بلکہ آپ کے بعد بھی کوئی جدید نبی آجائے تو آپ کی خاتمیت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا اور حضور کو خاتم بمعنی آخری نبی ماننا عوام کا خیال بتایا۔ جس کے سبب علمائے حرمین شریفین نے ان کی تکفیر کی، لیکن المہند میں نہ سوال میں اس عبارت کا ذکر ہوا اور نہ جواب میں، بلکہ جواب میں بے تکی بے ربط بحث کی گئی جس کا سوال اور نانوتوی کی عبارتوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ اصل موضوع کو نظر انداز کردیا گیا اور گھمن صاحب نے المہند کی عبارت کے بعد پھر ہیرا پھیری کا مظاہرہ کیا اور خاتم زمانی اور مرتبی کی بحث گھسا دی۔

المہند میں سوال یہ ہوا تھا: ''سولہواں سوال: کیا کسی نبی کا وجود جائز سمجھتے ہو نبی کریم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے بعد حالانکہ آپ خاتم النبیین ہیں اور معناً درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ آپ کا یہ ارشاد کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور اس پر اجماع امت منعقد ہو چکا ہے اور جو شخص باوجود ان نصوص کے کسی نبی کا وقوع جائز سمجھے اس کے متعلق تمہاری رائے کیا ہے اور کیا تم میں سے یا تمہارے اکابر میں سے کسی نے ایسا کہا ہے؟

جواب: ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے سردار آقا اور پیارے شفیع محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے۔ محمد اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور یہی ثابت ہے بکثرت حدیثوں سے جو معناً حد تواتر تک پہنچ گئیں اور نیز اجماع امت سے، سو حاشا کہ ہم میں سے کوئی اس کے خلاف کہے کیونکہ جو اس کا منکر ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے۔''

(المہند، صفحہ 40، 41، المیزان ناشران تاجران کتب، لاہور)

اب قارئین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ یہ دیوبندیوں کا نرا فریب ہے نہ سوال میں وہ کفریہ عبارتوں کا ذکر اور نہ جواب میں ذکر۔ حالانکہ سوال یہ ہونا چاہئے تھا کہ کیا نانوتوی نے کہا ہے کہ حضور کے دور بلکہ ان کے بعد بھی کوئی نبی آجائے تو آپ کی خاتمیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا اور خاتم کا معنی آخری نبی ہونا عوام کا خیال ہے؟ پھر دیوبندیوں نے اس کے جواب میں وہی تاویلات باطلہ کی ہوتیں جو گھمن سمیت دیگر دیوبندیوں نے کی ہیں اور مستند علماء نے تکفیر نہ کی ہوتی تو ہم پر بھی حجت ہوتا۔ جب سوال اور جواب میں نانوتوی کی عبارتوں کا کوئی نام و نشان نہیں تو پھر چاہے ساری دنیا کے مفتی تصدیق کر دیں وہ ہمارے اوپر کوئی حجت نہیں۔

باقی جو عبارت المهند کی گھمن نے پیش کی ہے اس کا نانوتوی کی عبارتوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ المهند کی عبارت میں نبوت بالعرض کو وسیلہ ظاہر کیا گیا ہے جبکہ نانوتوی صاحب نے وصف نبوت کی دو قسمیں کی تھیں اور خاتمیت تاخر زمانی کے بجائے نبوت بالذات کو قرار دیا تھا۔ یعنی ان کی تحریر کا نتیجہ یہ تھا کہ حضور کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ بالذات خاتم النبیین ہیں اور آپ کے کی زندگی میں یا آپ کے بعد بالوصف کوئی اور نبی ہو سکتا ہے جیسا کہ اس نے اثر ابن عباس کو اسی معنی میں صحیح قرار دیا ہے۔ دیوبندی نانوتوی کے کفر کو چھپانے کے لئے سب مکس کر دیتے ہیں حالانکہ ان کو چاہئے کہ اثر ابن عباس کو ساتھ رکھیں اور نانوتوی کی نام نہاد تحقیق کو بھی سامنے رکھیں۔ یعنی اگر نانوتوی صاحب کے نزدیک حضور بالذات اور بالوصف آخری نبی ہیں تو اس نام نہاد تحقیق تحذیر الناس کا کیا بنے گا جس کی وجہ سے نانوتوی صاحب کفر میں کود پڑے؟ اس تحقیق میں تو انہوں نے اثر ابن عباس کو صحیح کہتے ہوئے یہی ثابت کیا تھا کہ حضور (علیہ السلام) کے دور میں اور آپ کے بعد بقیہ زمینوں میں اگر کوئی اور نبی پیدا ہو تو حضور (علیہ السلام) ک کی خاتمیت کو کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ آپ (علیہ السلام) بالذات آخری نبی ہیں۔ قارئین اس نکتہ کو ہمیشہ ذہن نشین رکھیں، یہ بڑا اہم نکتہ ہے جس سے دیوبندی نکل نہیں سکیں گے۔

المهند کی پیش کردہ عبارت میں نانوتوی صاحب کے دفاع میں کہا گیا ہے کہ وہ بالوصف حضور (علیہ السلام) کے آخری نبی ہونے کی فضیلت کے قائل تھے بالذات نہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جب نانوتوی صاحب کے نزدیک خاتم النبیین کو مقام مدح میں ذکر کرنا صحیح نہیں تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک اس وصف میں اصلاً کسی قسم کی فضیلت نہیں۔ جیسا کہ اوپر تفصیلاً گزرا ہے۔

فصل دوم: گنگوہی کے کفریات

گنگوہی کے نزدیک اللہ (عزوجل) جھوٹ بول سکتا ہے

گھمن صاحب جب نانوتوی کے کفر چھپانے سے ناکام ہوئے تو گنگوہی کی طرف سے زور زمائی کے لئے میدان میں آئے چنانچہ لکھتے ہیں:

قطب الارشاد گنگوہی پر فاضل بریلوی نے یہ الزام لگایا کہ: اس نے افتراء باندھا کہ اللہ کا جھوٹا ہونا بھی ممکن ہے۔ حسام الحرمین، صفحہ 14۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 170، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب نے یہاں حسام الحرمین کی پوری عبارت نہیں لکھی بلکہ اس کا خلاصہ بیان کیا ہے اور خلاصہ میں بھی اپنے الفاظ استعمال کئے ہیں، اب ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ گھمن جھوٹا، بددیانت ہے وغیرہ جیسا کہ گھمن نے تحذیر الناس کے خلاصہ پر اعلیٰ حضرت پر زبان درازی کی تھی۔

اعلیٰ حضرت نے حسام الحرمین میں لکھا تھا کہ رشید احمد گنگوہی نے اسماعیل دہلوی کی اتباع میں کہا کہ اللہ (عزوجل) (معاذ اللہ) جھوٹ بول سکتا ہے۔ گھمن صاحب اسے افتراء کہہ رہے ہیں۔ اب قارئین کے سامنے اسماعیل دہلوی اور گنگوہی کی عبارتیں پیش کی جاتی ہیں اور قارئین فیصلہ کریں کہ اعلیٰ حضرت نے سچ کہا ہے یا نہیں؟ یا گھمن صاحب لوگوں کو گھوما رہے ہیں؟

اسماعیل دہلوی نے یکروزی میں لکھا "لانسلم که کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد چه مقدمه قضیه غیر مطابقه للواقع و القائے آں برملئك و انبیاء خارج از قدرت الهیه نیست والالازم آید که قدرت انسانی ازید ازقدرت ربانی باشد" ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے لئے مذکور جھوٹ کو ہم محال نہیں مانتے کیونکہ واقع کے خلاف کوئی قضیہ و خبر بنانا اور اس کو فرشتوں اور انبیاء پر القاء کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ انسانی قدرت اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زائد ہو جائے۔ (رسالہ یکروزی (فارسی)، صفحہ 17، فارقی کتب خانہ ملتان)

گنگوہی نے اسماعیل دہلوی کی اتباع میں جھوٹ کو خلف وعید کی فرع کہہ دیا۔

کتاب "براهین قاطعه" میں کہ مولوی خلیل انبیٹھی کے نام سے شائع کی گئی، جس کی لوح پر لکھا ہے "بامر حضرت چنین و چنان مولوی رشید احمد صاحب گنگوهی" اور خاتمہ پر ان کی تقریظ بایں الفاظ ہے: احقر الناس رشید احمد گنگوہی نے اس کتاب براہین قاطعہ کو اول سے آخر تک بغور دیکھا، الحق کہ یہ جواب کافی اور حجت وافی ہے اور مصنف کی

وسعت نور علم اور فسحت ذکاء وفہم پر دلیل واضح۔ حق تعالیٰ اس تالیف نفیس میں کرامت قبولیت عطا فرمائے اور مقبول مقبولین ومعمول عاملین فرمائے۔ (ملخصاً)

(براہین قاطعہ، خاتمہ کتب، صفحہ 270، مطبع لے بلا ساواقع ڈھور)

جس سے ثابت کہ گویا کتاب ہی تالیف گنگوہی کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دیوبندی علماء بھی جب گنگوہی کی تصانیف گنواتے ہیں ان میں براہین قاطعہ کو بھی شامل کرتے ہیں۔ براہین قاطعہ میں ایک جگہ لکھا ہے: ''امکان کذب کا مسئلہ اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے ''هل يجوز الخلف فی الوعيد فظاهر مافی المواقف والمقاصد ان الاشاعرة قائلون بجوازه'' (کیا خلف وعید جائز ہے، مواقف اور مقاصد سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اشاعرہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔) پس اس پر طعن کرنا پہلے مشائخ پر طعن کرنا ہے اور اس پر تعجب کرنا محض لاعلمی اور امکان کذب خلف وعید کی فرع ہے۔ ملخصا۔

(براہین قاطعہ، مسئلہ خلف وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے، 352، مطبع لے بلاساواقع ڈھور)

فتاوٰی رشیدیہ میں ہے: ''امکانِ کذب (جھوٹ) بایں معنی کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، اس کے خلاف پر قادر ہے، مگر خود اس کو نہ کرے گا یہ عقیدہ بندہ کا ہے۔''

(فتاوٰی رشیدیہ، حصہ 1، صفحہ 10، سطر 9، مطبوعہ رحیمیہ، دہلی)

فتاوٰی رشیدیہ میں ہے: ''الحاصل امکان کذب سے مراد دخولِ کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔''

(فتاوٰی رشیدیہ، حصہ 1، صفحہ 237، عالمی مجلس تحفظ اسلام، کراچی)

یہاں اسماعیل دہلوی کی اتباع میں واضح طور پر گنگوہی صاحب امکان کذب کے قائل ہیں، البتہ اسے اپنی کم علمی میں خلف وعید کے تحت لا رہے ہیں جس کا تفصیلی جواب پچھلے باب میں گزرا اور آگے بھی دیا جائے گا۔

اللہ (عزوجل) کے (معاذ اللہ) بالفعل جھوٹا ہونے پر گنگوہی کا فتویٰ

پہلے گنگوہی صاحب امکانِ کذب کے قائل ہوئے اور بعد میں اپنے فتویٰ میں قائلِ وقوعِ کذب (اللہ (عزوجل) نے جھوٹ بولا ہے) کی بھی تائید کی۔ چنانچہ گنگوہی صاحب سے جب ایسے شخص کے متعلق پوچھا گیا جو وقوع کذب کا عقیدہ رکھتا ہے کیا وہ شخص کافر ہے یا نہیں؟ تو گنگوہی صاحب نے وقوع کذب کے قائل کو کافر نہ کہا۔ وقوع کذب کا قائل دیوبندیوں کے نزدیک بھی کافر ہے۔

گھمن صاحب گنگوہی کے اس کفر پر پردہ ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

آگے (اعلیٰ حضرت) لکھتا ہے: ''ظلم وگمراہی میں یہاں تک بڑھا کہ اپنے فتوے میں جو اس کا مہری

دستخطی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا جو بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رد کے چھپا، صاف لکھ دیا کہ جو اللہ سبحانہ کو بالفعل جھوٹا مانے اور تصریح کرے کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا اور یہ بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا تو اسے کفر بالائے طاق گمراہی درکنار فاسق بھی نہ کہو۔۔۔ الخ۔ حسام الحرمین، صفحہ 15۔

الجواب: ہم بریلویوں سے گزارش کرتے ہیں کہ ہمیں بھی وہ قلمی فتوی دکھاؤ کہ کہاں ہے؟ یہ فاضل بریلوی کا اتنا بڑا جھوٹ ہے جو شاید کسی پنڈت سے تو امید ہو سکتی ہے مسلمان سے نہیں۔

قطب الارشاد کی اپنی تحریر ملاحظہ فرمائیں: ذات پاک حق جل جلالہ کی پاک ومنزہ ہے۔ اس سے کہ متصف بصفت کذب کیا جاوے معاذ اللہ، اس کے کلام میں ہرگز ہرگز شائبہ کذب کا نہیں: قال اللہ تعالیٰ ﴿ومن اصدق من الله قيلا﴾ جو شخص حق تعالیٰ کی نسبت یہ عقیدہ رکھے یا زبان سے کہے وہ کذب بولتا ہے وہ قطعا کافر ہے ملعون ہے اور مخالف قرآن وحدیث اور اجماع امت کا ہے وہ ہرگز مومن نہیں۔ فتاوٰی رشیدیہ، صفحہ 90۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 170، 171، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہمیں بھی گنگوہی کا فتویٰ دکھاؤ۔ تو گھمن صاحب آپ کو وہ پورا فتویٰ دکھا دیتے ہیں اور اگر آپ نے اس فتویٰ کا قلمی نسخہ دیکھنا ہو تو کتاب ''دیوبندی مذہب'' کے صفحہ 591 پر دیکھ بھی سکتے ہیں، اس فتویٰ کی فوٹو دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ کئی علمائے کرام نے یہ فتویٰ اپنی کتب میں درج کیا ہے۔

پورا فتویٰ پیش خدمت ہے:۔ سوال:

بسم الله الرحمن الرحيم

ماقولكم رحمكم الله: دو شخص کذب باری میں گفتگو کرتے تھے، ایک کی طرف داری کے واسطے تیسرے شخص نے کہا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ﴾ الخ لفظ ما عام ہے شامل ہے معصیت قتل مومن کو۔ پس آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ پروردگار مغفرتِ مومن قاتل بالعمد بھی فرماوے گا۔ اور دوسری آیت میں ہے ﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا..﴾ لفظ من عام ہے شامل مومن قاتل بالعمد کو اس سے معلوم ہوا کہ قاتل مومن بالعمد کی مغفرت نہ ہوگی۔ اس قائل کے خصم نے کہا کہ آپ کے استدلال سے وقوع کذب باری ثابت ہوتا ہے کیونکہ آیت میں ''ويغفر'' ہے نہ ''ويمكن ان يغفر'' یہ سن کر اس قائل نے جواب دیا: میں نے کب کہا ہے کہ میں وقوع کذب کا قائل نہیں ہوں اور دوسرا قول اسی قائل کا یہ ہے کہ کذب علی العموم قبیح بمعنی منافر للطبع نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مواضع میں

جائز رکھا ہے اور توریہ وعین کذب بعضے مواضع میں دونوں اولیٰ ہیں۔ نہ فقط توریہ، آیا یہ قائل مسلمان ہے یا کافر؟ اور مسلمان ہے تو بدعتی ضال یا اہل سنت وجماعت باوجود قبول کرنے کے کذب باری تعالیٰ کے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب: (گنگوہی صاحب جوابا لکھتے ہیں) اگرچہ شخص ثالث نے تاویل آیات میں خطا کی مگر تاہم اس کو کافر کہنا یا بدعتی ضال نہیں کہنا چاہئے کیونکہ وقوع خلف وعید کو جماعت کثیرہ علماء وسلف کی قبول کرتی ہے چنانچہ مولوی احمد حسن صاحب اپنے رسالہ تنزیہ الرحمن میں تصریح کرتے ہیں بقول علاوہ اس کے مجوزین خلف وعید وقوع خلف کے بھی قائل ہیں چنانچہ ان کے دلائل سے ظاہر ہے "حیث قالوا لانہ لیس بنقص بل ھو کمال۔۔۔الخ" اس سے ظاہر ہوا کہ بعض علماء خلف وعید کے قائل ہیں۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ خلف وعید خاص ہے اور کذب عام ہے۔ کیونکہ کذب بولتے ہیں قول خلاف واقع کو۔ سو وہ گاہ وعید ہوتا ہے، گاہ وعدہ گاہ خبر۔ اور سب کذب کے انواع ہیں اور وجود نوع وجود جنس کا مستلزم ہے۔ انسان اگر ہوگا تو حیوان بالضرور موجود ہووے گا۔ لہٰذا وقوع کذب کے معنی درست ہوگئے۔ اگرچہ بضمن کسی فرد کے ہو۔ پس بناء علیہ اس ثالث کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہئے کہ اس میں تکفیر علماء سلف کی لازم آتی ہے۔ ہر چند یہ قول ضعیف ہے مگر تاہم مقدمین کے مذاہب پر صاحب دلیل قوی کو تضلیل صاحب دلیل ضعیف کی درست نہیں۔ دیکھو کہ حنفی شافعی پر اور بعکس بوجہ قوۃ دلیل اپنی کے طعن وتضلیل نہیں کرسکتا۔ انا مومن ان شاء اللہ کا مسئلہ کتب عقائد میں خود لکھتے ہیں۔ لہٰذا اس ثالث کو تضلیل وتفسیق سے مامون کرنا چاہئے۔ البتہ بنرمی اگر فہمائش ہو بہتر ہے۔ البتہ قدرہ علی الکذب مع امتناع الوقوع مسئلہ اتفاقیہ ہے۔ اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ اگرچہ اس زمانے میں لوگوں کا اعتقاد بیجا ہوگیا ہے۔ قال اللہ ﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴾ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(دیوبندی مذہب، صفحہ 590، تنظیم اہلسنت، پاکستان)

دیوبندی گنگوہی کے اس فتویٰ کا انکار کرتے ہیں جبکہ یہ فتویٰ خود گنگوہی کی زندگی میں 1308ھ سے لیکر اس کے مرنے تک یعنی 1323ھ تک بار بار مختلف مقامات سے چھپ کر شائع ہوتا رہا مگر گنگوہی صاحب گم سم رہے ساکت وجامد ہوگئے نہ فتویٰ سے انکار کر سکے نہ تاویل وتردید کر سکے۔ آج ان کے کم سن وکیل شیر خوار مناظرین ومصنفین ناحق جھک مار رہے ہیں۔ دیوبندی اس فتویٰ کا انکار دوسرے فتویٰ سے کرتے ہیں جو فتاویٰ رشیدیہ میں موجود ہے جس کا حوالہ گھمن صاحب نے دیا ہے، علمائے اہلسنت اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ میں جو فتویٰ ہے وہ رشید احمد گنگوہی کا

ہے؟ علامہ محمد اجمل شاہ صاحب سنبھلی (رحمۃ اللہ علیہ) ردِ شہاب ثاقب میں دیوبندی حسین مدنی کے اسی اعتراض کا منہ توڑ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''گنگوہی جی نے اللہ جل شانہ کو بالفعل جھوٹا کہنے والے کے لئے یہ فتویٰ دیا کہ اس کی تکفیر بلکہ تضلیل وتفسیق بھی نہ کرو بلکہ اس کو کوئی سخت کلمہ بھی نہ کہو۔ اس لئے کہ یہ شخص ثالث صحیح کہتا ہے کہ وقوع کذب کے معنی درست ہوگئے اور خلفِ وعید کذب کی انواع میں داخل ہے۔ اور بعض علماء وقوع خلف وعید کے قائل ہیں تو یہ علما وقوع کذب کے بھی قائل قرار پائے۔ تو مصنف (حسین احمد مدنی دیوبندی) کے یہ پیش کردہ امور سب اسی فتوے گنگوہی میں موجود ہیں۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے دعوے میں بالکل صادق اور سچے ثابت ہوئے۔۔۔۔۔ پھر یہ مصنف (حسین احمد مدنی دیوبندی) گنگوہی کے اس فتوے کی صفائی میں ان کا کوئی انکاری قول تو لا نہ سکا بلکہ اس فتوے کے بالمقابل ایک فتویٰ فتاویٰ رشیدیہ، حصہ اول کا شہاب ثاقب کے صفحہ 100 پر نقل کرکے اس پر یہ نتیجہ نکالتا ہے: ''الحاصل مولانا گنگوہی نے خود اس شد ومد سے اپنے فتاوے میں اس کو تحریر فرمایا کہ جو شخص نسبت کذب باری عز شانہ کی طرف کرے گا وہ کافر ملعون ہے، ہرگز مومن نہیں ---پھر نہ معلوم کہاں سے اس مجدد التضلیل نے یہ خبیث فتویٰ اختراع کیا۔''

جواب: مصنف اس میں یہ ثابت کرنے کی سعی کر رہا ہے کہ گنگوہی جی کا قائل وقوع کذبِ باری تعالیٰ کے حق میں فتویٰ صرف یہ ہے جو اس نے شہابِ ثاقب کے صفحہ 100 پر نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ حکم اسکی اس عبارت میں ہے کہ وہ قائل کافر و ملعون ہے، ہرگز مومن نہیں پھر انہیں گنگوہی جی کا اس قائل وقوع کذب باری تعالیٰ کے حق میں وہ فتویٰ جس میں اس قائل کو نہ فقط کافر کہنے بلکہ اس کو بدعتی وضال کہنے بلکہ اس کی تضلیل وتفسیق کرنے بلکہ اس کو سخت کلمہ تک کہنے سے منع کیا گیا ہے۔ جس کو فوٹو سے ہم نے ابھی نقل کیا ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کو عرب کے سامنے پیش کیا ہے۔

تو مصنف کے نزدیک یہ عدم تکفیر وتضلیل وتفسیق والا فتویٰ گنگوہی جی کا ہے ہی نہیں۔ اس کو اعلیٰ حضرت نے اپنی طرف سے گڑھ کر گنگوہی جی کی طرف نسبت کردی ہے۔ مصنف اپنے اس دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں کرسکتا، اس طرح تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ مصنف نے جو گنگوہی جی کا فتویٰ پیش کیا ہے یہ ہرگز ہرگز گنگوہی صاحب کا نہیں ہے بلکہ یہ مصنف (حسین احمد مدنی دیوبندی) ہی نے اپنے دل سے گڑھ کر گنگوہی جی کی طرف منسوب کردیا ہے۔ اور یہ مصنف کی وہ پرانی عادت ہے جس کی بہت سے نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں۔ دو نظیریں ہم نے اسی شہاب ثاقب سے اپنی اسی کتاب میں پیش کیں کہ حضرت شاہ حمزہ صاحب مارہروی کے نام سے ایک کتاب خزینۃ الاولیاء گڑھ دی، اس کا مطبع کانپور اپنے دل سے تراش لیا، اسکا صفحہ 15 تجویز کرلیا، اس

پرایک عبارت اپنی طرف سے گڑھ کر مصنف کی طرف منسوب کردی۔ اور حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب بریلوی (رحمة الله علیه) کے نام سے ایک کتاب هداية الاسلام گڑھ دی، اسکا مطبع صبح صادق سیتاپور اپنے دل سے تراش لیا، اس کا صفحہ 30 تجویز کرلیا، اس پر ایک عبارت اپنی طرف سے گڑھ کر مصنف کی طرف منسوب کردی۔ اگر مصنف کی یہ گڑھنت اور جعلسازی دیکھنی ہو تو اسی شہاب ثاقب کا صفحہ 121، 122 ملاحظہ کیجئے۔

تو جو مصنف کسی کے نام سے پوری کتاب گڑھ لینے میں جری ہو، مطبع تجویز کر لینے میں دلیر ہو، صفحہ بنا لینے میں بے جھجک ہو، اپنے دل سے ایک عبارت گڑھ کر پیش کردینے کا عادی ہو۔ اس قدر بے شرم و بے حیا ہو کر اپنے خصم کے مقابل حجت بنا کر لکھدے طبع کرادے، شائع کردے، تو وہ مشتاق مصنف کیا اپنے اکابر کی صفائی میں ایک فتویٰ بھی نہیں گڑھ سکتا ہے۔ اور اس کو اپنے ہی مطبع قاسمی دیوبند میں نہیں چھاپ سکتا اور اس کو فتاویٰ رشیدیہ میں درج نہیں کرسکتا کہ جس فتاویٰ رشیدیہ کے جامع اور طابع اور ناشر یہی دیوبندی لوگ ہیں۔۔۔ ممکن ہے کہ یہ مصنف اپنی صفائی میں کہے کہ گنگوہی جی کا وہ تکفیر والا فتوی جو شہاب ثاقب میں نقل کیا ہے وہ فتاوٰی رشیدیہ، حصہ اول میں مطبوعہ موجود ہے، جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ اور گنگوہی جی کا یہ دوسرا عدم تکفیر والا فتویٰ جو فوٹو سے نقل ہوا وہ فتاویٰ رشیدیہ میں چھپا ہوا موجود نہیں ہے تو یہی اس کے جعلی ثابت کرنے کے لئے کافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فتاوٰی رشیدیہ کے فتاوٰوں کے اے دیوبندیو تم ہی جمع کرنے والے، تم ہی طبع کرانے والے، تم ہی شائع کرنے والے، تم ہی اس کو فروخت کرنے والے، تو تم نے عدم تکفیر والا فتویٰ کو قصداً گنگوہی پر بخوفِ تکفیر ہو جانے کے فتاوٰی رشیدیہ میں درج ہی نہیں کیا اور گنگوہی کی صفائی پیش کرنے کی غرض سے تکفیر والا فتویٰ اپنی طرف سے گڑھ کر فتاوٰی رشیدیہ میں درج کر کے طبع کرادیا۔ تو جعلی فتویٰ تکفیر والا ہے۔ دوسرے کو جعلی کہنا غلط ہے۔

اگر ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ گنگوہی جی کا وہ تکفیر والا فتوی بھی انہیں کا ہے تو فتاوٰی رشیدیہ، حصہ اول کے دیکھنے سے یہ ظاہر ہوا کہ یہ فتویٰ 1307ھ کا ہے اور ہم جو عدم تکفیر والا فتویٰ پیش کر رہے ہیں یہ 1308ھ کا ہے جو ماہ ربیع الآخر میں میرٹھ سے چھپ کر شائع ہوا۔ تو اس پر ہر طرف سے اعتراضات شروع ہوئے اور اس کے رد میں ایک رسالہ صیانة الناس لکھا گیا جو مطبع حديقة العلوم میرٹھ میں طبع ہوا۔ پھر یہی فتویٰ 1318ھ میں معہ رد بلیغ کے مطبع گلزار حسنی بمبئی میں چھپا، پھر 1320ھ میں یہی فتویٰ معہ قاہر رد کے پٹنہ عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیہ میں چھپا تو یہ فتویٰ عدم تکفیر مصنف کے پیش کردہ فتوے سے ایک سال بعد کا ہوا تو ہمارے پیش کردہ فتوے نے مصنف کے پیش کردہ فتوے سے ایک سال بعد کا ہوا تو ہمارے پیش کردہ فتوے نے مصنف کے

پیش کردہ فتوے کو منسوخ کردیا کہ وہ اس سے ایک سال پہلے کا ہے۔۔۔

اگر ان امور سے بھی قطع نظر کیجئے تو مصنف کو یا کسی دیوبندی کو گنگوہی جی کے اس فتوے سے انکار کرنے کا کوئی حق ہی حاصل نہیں کہ جن کو اس فتویٰ سے انکار کرنے کا حق تھا وہ صرف ایک گنگوہی صاحب تھے۔ تو گنگوہی صاحب کی حیات ہی میں پہلے یہ فتویٰ ان کی قلمرو اور ان کے معتقدین کے شہر خاص میرٹھ میں چھپا اور 1308ھ ہی میں اس کا رد میں رسالہ صيانة الناس مطبع حديقة العلوم میرٹھ طبع ہو کر شائع ہوا۔ گنگوہی جی نے نہ اس فتوی ہی کا انکار کیا نہ اس رد کا جواب دیا۔۔۔ لوگ ان کو اس فتویٰ کی بنا پر کافر کہتے اور اعلان کرتے رہے اور گنگوہی پندرہ سال تک اپنے آپ کو کافر کہلواتے رہے، بالکل خاموش اور ساکت رہے، دم سادے پڑے رہے، اپنی طرف اس فتویٰ کی نسبت کراتے رہے، اس کا رد کرنے والے رد کرتے رہے، شائع کرنے والے اس رد کو شائع کرتے رہے، اس پر ہر طرف سے ان کے پاس اعتراضات پہنچتے رہے، علماء دین اس فتوے پر حکم کفر دیتے رہے، دنیا بھر میں ان کو اس گستاخی کے شور مچتے رہے، لیکن گنگوہی جی نہ کہہ سکے کہ یہ میرا فتوی نہیں، میری طرف اس فتویٰ کی نسبت غلط اور جھوٹ ہے۔"

(ردشهاب ثاقب، صفحه 250، رضا اکیڈمی، ممبئی)

مناظر اسلام حضرت مولانا غلام مہر علی شاہ صاحب بھی اسی مسئلہ پر بڑا پیارا کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ فتویٰ گنگوہی کی زندگی میں ہی تردید ہو کر کئی بار چھپا، گنگوہی صاحب انگریزی آدمی تھے، دیکھو اسی کتاب کی بحث دیوبندیوں انگریزوں کا گٹھ جوڑ۔ اگر یہ فتویٰ افتراء ہوتا تو وہ اپنے ان داتا انگریز سے سنی علماء پر سینکڑوں جرم عائد کروادیتے۔ نیز فتویٰ دے دینے کے بعد اس سے منکر ہو جانا یہ دیوبندی مولویوں کی پرانی عادت ہے۔ اس کے ثبوت میں ہم صرف دو نظریں پیش کرتے ہیں:۔

(1) نانوتوی پر دیوبندی مفتیوں نے حال ہی میں بوجہ بے خبری کے کفر کا فتویٰ دیا اور جب شورش ہوئی تو پھر اس فتویٰ کفر میں قسم قسم کے ہیر پھیر کئے گئے۔ خود دیوبندیوں کو ہی اس بددیانتی پر یہ لکھنا پڑا کہ "اگر بعد میں یہ ثابت نہ ہو جاتا کہ یہ عبارتیں اور یہ عقیدہ خود اپنے ہی گھر کا ہے تو ہزار برس بھی اس فتویٰ کو غلط نہیں کہا جاتا۔" دیکھو تفصیل کے لئے تجلی دیوبند، مئی 1956ء۔

(2) دیوبند کے حالیہ مہتمم محمد طیب نے ایک خط میں کسی شخص کو لکھا کہ "حضرات صحابہ کرام معیار حق نہیں ہو سکتے۔" مودودی پارٹی نے اس پر شورش برپا کر کے اخبار "دعوت" دہلی میں مہتمم صاحب کی خوب خبر لی۔ مہتمم صاحب کو پسو پڑ گئے اور

کذب بیانی پر اتر کر یہ شائع کر دیا کہ ''وہ اخبار ''دعوت'' 9 فروری 1956 میں میری طرف منسوب کر کے ایک خط شائع کیا گیا۔ یہ مضمون میرے مسلک کے بالکل خلاف اور منافی ہے۔'' الجمعیت 25 فروری 1956ء۔

مودودی پارٹی نے جب مہتمم صاحب کی یہ دیانت دیکھی تو انہوں نے اس کے خط کا فوٹو شائع کرنے کا اعلان کر دیا۔ اب مہتمم صاحب کو اپنا کذب واپس لینے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا تو مودودیوں کے سامنے سر جھکا کر مان گئے کہ ''یہ خط میرا ہی ہے جو آپ نے شائع فرمایا ہے۔'' دعوت، دہلی 25 مارچ 1956ء۔

ناظرین کرام کے سامنے ہم نے دیوبندیوں کی کذب بیانی اور اپنے غلط فتوؤں سے منکر ہو جانے کی یہ ایسی دو مثالیں پیش کر دی ہیں، جن کی تفصیل مولوی شبیر احمد عثمانی کے خلاف مسلم دیوبندی مولویوں کے رسالہ ''تجلی دیوبند'' ماہ مئی 1956ء، میں موجود ہے، جس سے یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ گنگوہی کے فتوے سے دیوبندیوں کا منکر ہو جانا یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ ایسے پاپڑ بیلنے کے یہ پرانے عادی ہیں۔ نیز خود دیوبندیوں نے بھی گنگوہی کی دستی تحریر کا فوٹو اپنی کتاب مکاتیب رشیدیہ کے صفحہ 102 پر دیا ہے۔ دنیا کے کسی بھی اسپیشلسٹ کے سامنے پیش کر کے انصاف کا دروازہ کھٹکھٹایا جا سکتا ہے۔ معلوم ہو جائے گا کہ یہ دونوں تحریریں ایک ہی ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں کچھ فرق نہیں۔''

(دیوبندی مذہب، صفحہ 592، 593، تنظیم اہلسنت، پاکستان)

فتاوٰی رشیدیہ میں جدید تحریف

یقیناً قارئین دیوبندیوں کی ہیرا پھیری سے واقف ہو گئے ہونگے، اگر کچھ قصر رہتی ہے تو وہ بھی پوری کر دی جاتی ہے کہ دیوبندیوں نے فتاوٰی رشیدیہ میں جدید تحریف کی ہے وہ یہ ہے کہ فتاوٰی رشیدیہ کے پرانے چھاپے مطبوعہ رحیمیہ، دہلی میں یہ عبارت تھی: ''امکانِ کذب (جھوٹ) بایں معنی کہ جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، اس کے خلاف پر قادر ہے، مگر خود اس کو نہ کرے گا یہ عقیدہ بندہ کا ہے۔''

(فتاوی رشیدیہ، حصہ 1، صفحہ 10، سطر 9، مطبوعہ رحیمیہ، دہلی)

یہی فتاوٰی رشیدیہ کو دیوبندیوں کی مجلس ''عالمی مجلس تحفظ اسلام، کراچی'' نے چھاپا تو اس میں سے یہ عبارت ہی غائب کر دی۔ یہ ہے دیوبندیوں کی جدید تحریف۔ جب یہ اس طرح ہیرا پھیری کر سکتے ہیں تو کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے گنگوہی کے نام سے کفر والا فتوٰی رشیدیہ میں ڈال دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

پھر فتاوٰی رشیدیہ کا وہ فتوٰی جس میں وقوع کذب کے قائل کو کافر کہا گیا تھا، اس کے نیچے تاریخ دی گئی تھی اور یہ تاریخ اس فتوٰی سے پہلے کی تھی جس میں گنگوہی صاحب نے قائلِ وقوعِ کذب کو کافر و گمراہ کہنے سے منع کیا تھا۔ جب فتاوٰی رشیدیہ

''عالمی مجلس تحفظ اسلام، کراچی'' نے چھاپا تو انہوں نے فتوٰی کے نیچے سے تاریخ ہی اڑا دی تا کہ اہل سنت جو دلیل بناتے ہیں کہ وقوع کذب کی تائید والا فتوٰی بعد کا ہے اور وقوع کذب کو کافر کہنے والا فتوٰی پہلے کا ہے اس کا ثبوت ہی ختم ہو جائے۔

حق تعالیٰ کی خبر یا ارادہ کا خلاف تحت قدرت ہے یا نہیں؟

گھمن صاحب فرماتے ہیں:

مسئلہ عموم قدرت باری اور اہل السنۃ دیوبند: اس مسئلہ میں اکابرین اہل السنۃ دیوبند کا نظریہ ہماری مستند کتاب المہند علی المفند میں فخر المحدثین و بدر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحم اللہ علیہ نے یوں لکھا: ہمارے اور ہندی منطقیوں و بدعتیوں کے درمیان اس مسئلہ میں نزاع ہے کہ حق تعالی نے جو وعدہ فرمایا یا خبر دی یا ارادہ کیا، اس کے خلاف پر اس کو قدرت ہے یا نہیں سو وہ یوں کہتے ہیں کہ ان باتوں کا خلاف اس کی قدرت قدیمہ سے خارج ہے اور عقلاً محال ہے ان کا مقدور خدا ہونا ممکن ہی نہیں اور حق تعالی پر واجب ہے کہ ہے وعدہ اور خبر کو ارادہ اور علم کے مطابق کرے اور ہم یوں کہتے ہیں ان جیسے افعال یقیناً قدرت میں داخل ہیں البتہ اہل السنۃ و الجماعت اشاعرہ و ماتریدیہ سب کے نزدک ان کا وقوع جائز نہیں ماتریدیہ کے نزدک نہ شرعاً جائز اور نہ عقلاً اور اشاعرہ کے نزدیک صرف شرعاً جائز نہیں۔ المہند علی المفند، ص 76، 77 سوال و جواب نمبر 25۔

ہماری بات کو حرمین شریفین اور مصر و دمشق کے تقریباً 46 علماء نے درست قرار دیا ہے اور یہی ہمارا اور اہل بدعت کا اصل نقطہ اختلاف ہے۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 173، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہ صریح جھوٹ و بہتان ہے۔ اہل سنت کو اہل بدعت کہا گیا ہے جو ان کا پہلا جھوٹ و بہتان اور عادت قبیحہ ہے۔ دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ اہل سنت کے متعلق بہتان باندھا گیا ہے کہ وہ اللہ (عزوجل) پر کسی چیز کے واجب ہونے کے قائل ہیں حالانکہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ (عزوجل) پر کچھ واجب نہیں ہے۔ دراصل یہاں بھی دیوبندیوں نے جھوٹ کا عالمی ریکارڈ قائم کیا ہے اور ہیرا پھیری کی ہے۔ دیوبندیوں کے مولویوں نے کہا تھا کہ اللہ (عزوجل) جھوٹ بول سکتا ہے۔ جب اس پر لعن طعن ہوئی کہ جھوٹ محال و قبیح ہے اور یہ تحت قدرت داخل نہیں ہے۔ تو المہند میں یہ فریب کاری کی کہ اللہ (عزوجل) کے لئے جھوٹ کا ذکر نہیں کیا اور محال شرعی و محال عقلی کی غیر ضروری بحث چھیڑ کر اشاعرہ و ماتریدیہ کی طرف اشارہ کر دیا۔ درحقیقت ماتریدیہ و اشاعرہ میں یہ اختلاف نہیں کہ اللہ (عزوجل) جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں تو سب متفق ہیں کہ اللہ (عزوجل) جھوٹ سے پاک ہے۔ علامہ کمال الدین محمد بن محمد ابن ابی شریف قدس سرہ مسامرہ میں فرماتے ہیں "لا خلاف بین الاشعریۃ وغیرھم فی ان کل

ماکان وصف نقص فالباری تعالی منزہ عنہ وھو محال علیہ تعالی والکذب وصف نقص اہ ملخصا" یعنی اشاعرہ وغیرہ اشاعرہ کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ جو کچھ صفت عیب ہے باری تعالیٰ اس سے پاک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر ممکن نہیں اور کذب صفت عیب ہے۔

(المسامرة شرح المسایرة ،اتفقوا علی ان ذلك غیر واقع ،صفحہ393، المکتبة التجاریة الکبری)

اختلاف یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے جو خبر دی ہے کہ کافر جنت میں نہ جائے گا، اب رب تعالیٰ کا کافروں کو جنت میں بھیجنا اور مسلمانوں کو دوزخ میں بھیجنا محال شرعی ہے یا محالِ عقلی ہے۔یعنی بالاتفاق کافر جنت میں نہیں جائے گا لیکن یہ نہ جانا محالِ عقلی ہے یا محالِ شرعی؟ ماترید یہ نے کہا کہ یہ عقلا محال ہے کیونکہ یہ نقص ہے جو اللہ تعالیٰ پر محالِ عقلی ہے۔ اشاعرہ نے کہا کہ عقلا محال نہیں شرعا محال ہے۔یعنی عقلا رب تعالی مالک ہے وہ جسے چاہے جہاں مرضی داخل کردے لیکن جب اس نے قرآن پاک میں فرمادیا کہ کافر جنت میں نہ جائے گا تو اب اس آیت کی وجہ سے یہ شرعا محال ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت (رحمة اللہ علیہ) فرماتے ہیں:"

اقول وباللہ التوفیق: میں یہاں ازالہ اوہام حضرات مخالفین کو اکثر عبارات ایسی نقل کروں گا کہ امتناع کذب الٰہی پر تمام اشعریہ و ماتریدیہ کا اجماع ثابت کریں جس کے باعث اس وہم عاطل کا علاج قاتل ہو کہ معاذ اللہ یہ مسئلہ قدیم سے مختلف فیہا ہے۔ حاش للہ! بلکہ بطلان امکان پر اجماع اہل حق ہے۔ جس میں اہل سنت کے ساتھ معتزلہ وغیرہ فرق باطلہ بھی متفق۔ ناظر ماہر دیکھے گا کہ میرا یہ مدعا ان عبارتوں سے کن کن طور پر رنگ ثبوت پائے گا:۔

اول: ظاہر وجلی یعنی وہ نصوص جن میں امتناع کذب پر صراحۃ اجماع منصوص۔

دوم: اکثر عبارتیں علمائے اشعریہ کی ہوں گی تاکہ معلوم ہو کہ مسئلہ خلافی نہیں۔

سوم: وہ عبارات جن میں بنائے کلام حسن وقبح عقلی کے انکار پر ہو کہ یہ اصول اشاعرہ سے ہے، تو لاجرم مسئلہ اشاعرہ و ماتریدیہ کا اجماعی ہوا اگرچہ عند التحقیق صرف حسن وقبح بمعنی استحقاق مدح وثواب وذم وعقاب کی شرعیت وعقلیت میں تجاذب آرا ہے، نہ بمعنی صفت کمال وصفت نقصان کہ بایں معنی باجماع عقلا عقلی ہیں "کما نصوا علیہ جمیعا ونبہ علیہ ھھنا المولی سعدالدین التفتازانی فی شرح القاصد والمولی المحقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الھمام وغیرھما من الجھابذة الکرام" جیسا کہ اس پر تمام نے تصریح کی ہے اور اس پر علامہ سعدالدین تفتازانی نے شرح المقاصد میں اور محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن ہمام اور دیگر کبار ماہرین علماء نے تنبیہ کی ہے۔

اب بتوفیق اللہ تعالیٰ نصوص ائمہ وکلمات علماء نقل کرتا ہوں:۔

شرح مقاصد کے مبحث کلام میں ہے "الکذب محال باجماع العلماء لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ تعالی محال اہ ملخصاً" جھوٹ باجماع علماء محال ہے کہ وہ باتفاق عقلاء عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال۔

اسی کی بحث وحسن وقبح میں ہے "قد بینا فی بحث الکلام امتناع الکذب علی الشارع تعالی" ہم بحث کلام میں ثابت کرآئے کہ اللہ (عزوجل) پر کذب محال ہے۔

اسی بحث تکلیف بالمحال میں ہے "محال ھو جھلہ کذبہ تعالی عن ذلك" اللہ تبارک وتعالیٰ کا جہل یا کذب دونوں محال ہیں، برتری ہے اسے ان سے۔

اسی میں ہے "الکذب فی اخبار اللہ تعالی فیہ مفاسد لاتحصی ومطاعن فی الاسلام لاتخفی منھا مقال الفلاسفة فی المعاد ومجال الملاحدة فی العناد وھھنا بطلان ماعلیہ الاجماع من القطع بخلود الکفار فی النار، فمع صریح اخبار اللہ تعالی بہ فجواز الخلف وعدم وقوع مضمون ھذا الخبر محتمل، ولما کان ھذا باطلاقطعا علم ان القول بجواز الکذب فی اخبار اللہ تعالی باطل قطعاً اہ ملتقطاً" یعنی خبر الٰہی میں کذب پر بے شمار خرابیاں اور اسلام میں آشکارا طعن لازم آئیں گے فلاسفہ حشر میں گفتگو لائیں گے، ملحدین اپنے مکابروں کی جگہ پائیں گے کفار کا ہمیشہ آگ میں رہنا کہ بالاجماع یقینی ہے اس پر یقین اٹھ جائیں گے کہ اگرچہ خدا نے صریح خبریں دیں مگر ممکن ہے کہ واقع نہ ہوں۔ اور جب یہ امور یقیناً باطل ہیں تو ثابت ہوا کہ خبر الٰہی میں کذب کو ممکن کہنا باطل ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے "کذب کلام اللہ تعالی محال اہ ملخصا" کلام الٰہی کا کذب محال ہے۔

طوالع الانوار کی فرع متعلق بمبحث کلام میں ہے "الکذب نقص والنقص علی اللہ تعالی محال" جھوٹ عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال۔

مواقف کی بحث کلام میں ہے "انہ تعالی یمتنع علیہ الکذب اتفاقا اما عند المعتزلہ فلان الکذب قبیح وھو سبحانہ لایفعل القبیح واما عندنا فلانہ نقص والنقص علی اللہ محال اجماعا ملخصا" یعنی اہلسنت ومعتزلہ سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے، معتزلہ تو اس لئے محال کہتے ہیں کہ کذب برا ہے اور اللہ تعالیٰ برا فعل نہیں کرتا اور ہم اہلسنت کے نزدیک اس میں دلیل سے ناممکن ہے کہ کذب عیب ہے اور ہر عیب اللہ تعالیٰ پر بالاجماع محال ہے۔

مواقف وشرح مواقف کی بحث حسن وقبح میں ہے "مدرك امتناع الکذب منہ تعالی عندنا لیس ھو قبحہ

العقلي حتى يلزم من انتفاء قبحه ان لايعلم امتناعه منه اذله مدرك اخر وقد تقدم اه ملخصا" یعنی ہم اشاعرہ کے نزدیک کذب الٰہی محال ہونے کی دلیل قبح عقلی نہیں ہے کہ اس کے عدم سے لازم آئے کہ کذب الٰہی محال نہ جانا جائے بلکہ اس کے لئے دوسری دلیل ہے کہ اوپر گزری، یعنی وہ کہ جھوٹ عیب ہے اور اللہ تعالیٰ میں عیب محال۔۔۔۔

علامہ کمال الدین محمد بن محمد ابن ابی شریف قدس سرہ، اس کی شرح مسامرہ میں فرماتے ہیں "لا خلاف بين الاشعرية وغيرهم في ان كل ماكان وصف نقص فالباري تعالى منزه عنه وهو محال عليه تعالى والكذب وصف نقص اه ملخصا" یعنی اشاعرہ وغیرہ اشاعرہ کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ جو کچھ صفت عیب ہے باری تعالیٰ اس سے پاک ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر ممکن نہیں اور کذب صفت عیب ہے۔"

(فتاوی رضویہ، جلد15، صفحہ323۔۔۔رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

لہٰذا محال شرعی و محال عقلی کی بحث کا تعلق دیو بندیوں کے باطل عقیدہ امکانِ کذب کے ساتھ نہیں ہے اور المهند میں یہ دھوکہ دیا گیا ہے۔

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

اہل بدعۃ حضرت کے نزدک ہمارا نظریہ جو عرب وعجم کا مصدقہ ہے کفریہ ہے دیکھئے:

(1) بریلویوں کے مفتی اعظم مفتی احمد یار نعیمی گجراتی لکھتے ہیں: جو یوں کہے کہ رب قادر ہے کہ ولیوں کو دوزخ میں ڈال دے وہ قادر ہے کہ ابو جہل کو جنت میں بھیج دے وہ رب کی حمد نہیں کر رہا بلکہ کفر بک رہا ہے۔ تفسیر نعیمی، جلد 7، سورۃ انعام، آیت نمبر 65۔

(2) مناظر بریلویہ جناب مولوی اجمل شاہ صاحب لکھتے ہیں: حضرت نعمانی کے اس قول کا رد کر کے اہلسنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جو خبر اس نے اپنے کلام ازلی میں دی ہو اس کے خلاف کرنے سے وہ عاجز نہیں سکتا۔ (یہاں تک حضرت نعمانی کا ارشاد تھا) اس کے یہی تو معنی ہوئے کہ وہ کلام جھوٹا ہو سکتا ہے اس کی خبریں غلط ہو سکتی ہیں یہ شائبہ کذب ہوا یا نہیں ہوا ضرور ہوا تو صاحب سیف یمانی اپنے قول سے کافر و ملعون ہوا اور اس کے تمام وہ اکابر جن سے یہ عقیدہ لیا ہے وہ بھی اسی حکم میں داخل ہوئے۔ رد سیف یمانی، صفحہ 201۔

اجمل شاہ صاحب ذرا کان کھول کر سنیئے گا، ہمارا جو نظریہ ہے جس کو آپ کفر قرار دے رہے ہیں یہی نظریہ پیران پیر روشن ضمیر محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے وہ لکھتے ہیں: اگر وہ (فرضا) انبیاء کرام و صالحین میں سے کسی کو دوزخ میں داخل کر دے تب بھی وہ عادل ہے اور یہ اس کی حجت بالغہ

ہوگی ہم پر تو یہی واجب ہے کہ ہم کہیں معاملہ و حکم سچا ہے اور ہم چوں چرا نہ کریں۔ ایسا ہو سکتا ہے اور ممکن ہے اور اگر ہوگا تو حق بجانب ہوگا اور سراپا انصاف ہوگا یہ ایسی بات ہے جو ہوگی نہیں اور نہ اس میں سے کوئی بات کرے گا۔ الفتح الربانی عربی اردو، مجلس نمبر 61، صفحہ 584، فرید بک سٹال، لاہور

کیوں بریلوی صاحب کیا اگر ہمارا نظریہ اور ہمارے اکابر غلط اور اسی بنیاد پر ہماری تکفیر ہے تو ہم نے یہ نظریہ پیران پیر سے لیا ہے۔ اب فتویٰ دیکھتے ہیں کہاں لگتا ہے اور یہی بات آپ کے گھر میں بھی مل جائے گی تو ماننا پڑے گا کہ بریلوی فتویٰ تکفیر کی زد میں بریلوی خود پھنس گئے۔

(1) بریلوی فقیہ ملت لکھتے ہیں: بے شک مغفرت مشرکین تحت قدرت باری تعالیٰ ہے۔ فتاوی فیض الرسول، جلد 1، صفحہ 2۔

(2) کاظمی صاحب لکھتے ہیں: نیکوں کو دوزخ میں ڈالنا یا بالعکس اس میں ہمارا کلام نہیں۔ مقالات کاظمی، جلد 2، صفحہ 240، 241۔

یعنی خدا تعالی کی قدرت میں یہ بات داخل ہے۔

(3) بریلویوں کا بڑا علامہ غلام رسول سعیدی کہتا ہے: اگر وہ تمام کفار پر انعام فرمائے اور ان کو جنت میں داخل کر دے تو وہ اس کا مالک ہے (یعنی کر سکتا ہے) لیکن اللہ تعالی نے یہ خبر دی ہے اور اس کی خبر صادق ہوتی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرے گا۔ شرح مسلم، جلد 2، صفحہ 653۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 173۔۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب ایک مرتبہ میں پھر کہوں گا کہ آپ کو صرف عبارتیں اکٹھی کرنا آتی ہیں مسئلہ کی سمجھ نہیں آتی۔ نعمانی صاحب امکانِ کذب کو تحت قدرت ثابت کرتے ہوئے مطلقا یہ کہہ رہے ہیں کہ جو خبر اللہ (عزوجل) نے دی ہے اس کے خلاف کر سکتا ہے۔ یہ صریح باطل و مردود و کفریہ جملہ نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ تو کسی کا بھی مذہب نہیں کہ اللہ (عزوجل) نے جو بھی خبر دی ہے وہ اس کے خلاف کر سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر شریعت ہی ختم ہو جائے جیسے قیامت کی خبر رب تعالیٰ نے دی ہے، اب دیو بندیوں کا مذہب لیا جائے تو یہ عقیدہ بنا کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ (عزوجل) قیامت قائم نہ کرے، محشر کا میدان نہ لگے، مسلمان جنت میں نہ جائیں، کافر دوزخ میں نہ جائیں وغیرہ۔ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: "دوم یہ کہ جب اس کا کذب ممکن ہو تو اس کا صدق ضروری نہ رہا، جب اس کا صدق ضروری نہ رہا تو اس کی کون سی بات پر اطمینان ہو سکے گا، ہر بات میں احتمال رہے گا

کہ شاید جُھوٹ کہہ دی ہو، جب وُہ جُھوٹ بول سکتا ہے تو اس یقین کا کیا ذریعہ ہے کہ اس نے کبھی نہ بولا، کیا اس کسی کا ڈر ہے یا اس پر کوئی حاکم وافسر ہے جو اسے دبائے گا اور جو بات وہ کر سکتا ہے نہ کرنے دے گا، ہاں ذریعہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ خود اس کا وعدہ ہو کہ ہمیشہ سچ بولوں گا یا اس نے فرما دیا ہے کہ میرا سب باتیں سچی ہیں مگر جب اس کا جھوٹ ممکن ٹھہرا لو تو سرے سے اس وعدہ وفرمان ہی کے صدق پر کیا اطمینان رہا، ہو سکتا ہے کہ پہلا جُھوٹ یہی بولا ہو، غرض معاذ اللہ اس کا کذب ممکن مان کر دین و شریعت واسلام وملّت کسی کا اصلاً پتا نہیں لگا رہتا، جزا وسزا وجنت ونارہ حساب وکتاب وحشر ونشر کسی پر ایمان کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔'' تعالیٰ اللہ عما یقولون الظلمون علوا کبیرا'' اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے اس سے جو ظالم کہتے ہیں۔

علامہ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں ''الکذب فی اخبار اللہ تعالٰی فیہ مفاسد لا تحصی و مطاعن فی الاسلام لا تخفی، منہا مقال الفلاسفۃ فی المعاد ومجال الملاحدۃ فی العناد 'و بطلان ما علیہ الاجماع من القطع بخلود الکفار فی نار فمع صریح اخبار اللہ تعالٰی بہ ، فجواز عدم وقوع مضمون ھذا الخبر محتمل ولما کان ھذا باطلا قطعا علم ان القول بجواز الکذب جی اخبار اللہ تعالٰی باطل قطعا ملتقطا'' اخبار الٰہیہ میں امکان کذب ماننے سے بے شمار خرابیاں اور اسلام میں ایسے طعنے سر اٹھائیں گے جو پوشیدہ نہیں منجملہ ان کے معاد کے بارے میں فلاسفہ کا کلام، عناد پر مبنی بے دینوں کی جسارت اور کفار کے ہمیشہ جہنم میں رہنے جیسے اجماعی نظریات کا بطلان ہے باوجودیکہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی تصریح وارد ہے، چناچہ اس خبر کے مضمون کے عدم وقوع کا جائز ہونا محتمل ہوا، اور جب یہ قطعاً باطل ہے تو معلوم ہُوا کہ اخبار الٰہیہ میں امکان کذب کا قول قطعاً باطل ہے۔''

(فتاوٰی رضویہ، جلد15، صفحہ 453، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

گھمن صاحب نے جو حضور غوث پاک کا فرمان نقل کیا یہ ان کی کم فہمی ہے اور انہوں نے جھوٹ بول دیا کہ دیو بندیوں نے یہ نظریہ غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) سے لیا ہے جبکہ اس مسئلہ پر ابوداؤد شریف کی روایت موجود تھی لیکن گھمن صاحب نے کبھی عربی کتب پڑھی ہوں تو انہیں پتہ ہو نہ۔ ابوداؤد شریف کی روایت ہے حضرت ابی بن کعب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے فرمایا ''لو أن اللہ عذب أھل سماواتہ وأھل أرضہ، عذبھم وھو غیر ظالم لھم، ولو رحمھم، کانت رحمتہ خیرا لھم من أعمالھم'' ترجمہ: اگر اللہ (عزوجل) اہل آسمان وزمین کو عذاب دے تو وہ پھر بھی ظالم نہیں ہے۔ اگر وہ ان سب پر رحم کرے تو ان کے اعمال سے بہتر ان کے لئے رب تعالیٰ کی رحمت ہے۔

(سنن أبی داود، کتاب السنۃ، باب القدر، جلد4، صفحہ225، المکتبۃ العصریۃ، بیروت)

جیسا کہ پہلے کہا کافروں کو جنت میں بھیجنا شرعاً محال ہے عقلاً محال نہیں ہے کہ اللہ (عزوجل) مالک ہے وہ جو مرضی کرے۔ ملا علی قاری (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں ''(لو) أی: فرض (أن اللہ عذب أھل سماواتہ) من الملائکۃ المقربین (وأھل أرضہ): من الأنبیاء والمرسلین (عذبھم): وفیہ إشکال، ودفعہ أن الشرطیۃ غیر لازمۃ الوقوع (وھو غیر ظالم لھم): الواو للحال لأنہ متصرف فی ملکہ، وملکہ فعذابہ عدل، وثوابہ فضل .قیل فیہ إرشاد عظیم، وبیان شاف لإزالۃ ما طلب منہ؛ لأنہ یھدم منہ قاعدۃ الحسن، والقبح العقلیین لأنہ مالک الجمیع، فلہ أن یتصرف کیف شاء، ولا ظلم أصلا (ولو رحمھم کانت رحمتہ خیرا لھم من أعمالھم) أی :الصالحۃ؛ إشارۃ إلی أن رحمتہ لیست بسبب من الأعمال، وإیجابھا إیاھا إذ ھی لا توجبھا علیہ، کیف وھی من جملۃ رحمتہ بھم، فرحمتہ إیاھم محض فضل منہ تعالی علیھم، فلو رحم الأولین والآخرین فلہ ذلک، ولا یخرج عن حکمۃ غایتہ أنہ أخبر أن المطیعین لھم الثواب، وأن العاصین لھم العقاب کما ھو مثبت فی أم الکتاب، فالأمر المقدر لا یتبدل، ولا یتغیر، وھذا ھو الصواب فی الجواب'' یعنی اگر فرض کیا جائے کہ اللہ (عزوجل) آسمانوں میں سے مقرب ملائکہ کو عذاب دے اور زمین میں سے انبیاء ومرسلین کو دے تو وہ ظالم نہیں۔ اس میں اشکال ہے جس کا جواب یہ ہے کہ شرط واقع کے ہو جانے پر لازم نہیں ہے۔ اللہ (عزوجل) پھر بھی ظالم اس وجہ سے نہیں کہ یہ رب تعالیٰ کا اپنی ملک میں تصرف کرنا ہے اور اپنی ملکیت میں کسی کو عذاب دینا انصاف ہے اور ثواب دینا فضل ہے۔ کہا گیا کہ اس میں عظیم ارشاد ہے اور واضح بیان ہے اس ازالہ کے لئے جو اس سے طلب کیا جاتا ہے کہ اس سے حسن وقبح کا عقلی قاعدہ ختم ہو جاتا ہے کہ اللہ (عزوجل) تمام کا مالک ہے وہ جو چاہے کرے اس کے کرنے میں کوئی ظلم نہیں ہے۔ اگر وہ رب رحم کرے تو یہ رحم کرنا تمہارے نیک اعمال سے بہتر ہے۔ اس میں اللہ (عزوجل) کی رحمت کی طرف اشارہ ہے کہ اعمال نجات کا سبب نہیں ہیں اور نیکیاں قبول کرنے پر رب تعالیٰ پر احسان کرنا واجب نہیں ہے اور نیکیاں بغیر اس کی رحمت کے کیسے ہو سکتی ہیں۔ تو رحمت رب تعالیٰ کا محض فضل ہے جو مخلوق پر ہوتا ہے۔ اگر وہ اولین وآخرین پر رحم کرے تو وہ ایسا کر سکتا ہے اور ایسا کرنے سے وہ حکمت سے نہیں نکلے گا۔ مگر اس نے خبر دی ہے کہ وہ نیکوکاروں کو ثواب عطا فرمائے گا اور گناہگاروں کیلئے عذاب ہے جیسا کہ قرآن پاک سے ثابت ہے تو اللہ (عزوجل) کا یہ فرمان یقینی ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور یہی جواب صحیح ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الایمان، باب الإیمان بالقدر، جلد1، صفحہ188، دار الفکر، بیروت)

امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں ''ندعی أن اللہ تعالی إذا کلف العباد فأطاعوہ لم یجب علیہ الثواب،

بل إن شاء أثابهم وإن شاء عاقبهم وإن شاء أعدمهم ولم يحشرهم، ولا يبالي لو غفر لجميع الكافرين وعاقب جميع المؤمنين، ولا يستحيل ذلك في نفسه ولا يناقض صفة من صفات الإلهية، وهذا لأن التكليف تصرف في عبيده ومماليكه،" یعنی ہم دعوی کرتے ہیں کہ بے شک اللہ (عزوجل) نے بندوں کو مکلّف کیا ہے تو بندوں کا اطاعت کرنا ثواب کو واجب نہیں کرتا۔ بلکہ رب تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ چاہے تو ثواب دے یا عذاب دے۔ اگر چاہے تو ان کا حشر نہ کرے۔ اگر وہ تمام کافروں کو بخش دے اور تمام مومنین کو عذاب دے تو اس پر کوئی الزام نہیں۔ یہ اس کے لئے محال نہیں ہے اور نہ ایسا کرنا اس کی صفات الٰہیہ کے خلاف ہے۔ اسلئے کہ یہ اپنی ملکیت اور اپنے غلام میں تصرف کرنا درست ہے۔

(الاقتصاد فی الاعتقاد، صفحہ100، دار الكتب العلمية، بيروت)

خلاصہ کے طور پر یوں سمجھیں کہ دیوبندیوں کے مولوی نعمانی صاحب نے جو کہا اس میں اور جو حضور غوث پاک (رحمة الله عليه) نے کہا اس میں، ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ دیوبندی مولوی کے کلام سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ (عزوجل) اپنی دی ہوئی خبر کے خلاف کر سکتا ہے یعنی اللہ (عزوجل) کا اپنی خبر کے خلاف کرنا نہ شرعا محال ہے اور نہ عقلا محال ہے۔ اور حضور غوث پاک (رحمة الله عليه) نے جو فرمایا ہے کہ اللہ (عزوجل) چاہے تو صالحین کو دوزخ میں ڈال دے، اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا کرنا عقلا محال نہیں ہے کہ اللہ (عزوجل) مالک ہے جو چاہے کرے، لیکن ایسا شرعا محال ہے کہ اللہ (عزوجل) نے مومنوں کے لئے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

پھر یہ یاد رہے کہ علمائے اسلاف نے یہ سب اس وجہ سے کہا ہے کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ گناہگاروں کو دوزخ میں بھیجنا اور نیکوکاروں کو جنت میں بھیجنا رب تعالیٰ پر واجب ہے۔ معتزلہ کے اس عقیدہ کی علمائے کرام تردید کرتے آئے ہیں کہ اللہ (عزوجل) پر کچھ واجب نہیں ہے جنت نیکوکاروں کا حق نہیں رب تعالیٰ کا فضل ہے۔ اگر رب تعالیٰ نیکوکاروں کو جنت میں نہ بھیجے اور کفار کو جنت میں بھیج دے تو وہ ظالم نہیں اس لئے کہ وہ مالک ہے جو چاہے کرے۔ دیوبندی اس بحث میں اپنے اکابر کی کفریہ عبارتیں گھسا کر باطل استدلال کرتے رہتے ہیں۔

باقی گھمن صاحب نے جو مفتی احمد یار خان نعیمی (رحمة الله عليه) کا کلام نقل کیا ہے یہ بھی تحریفی ہے۔ مفتی احمد یار خان نعیمی محال شرعی و محال عقلی پر کلام نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ یہ فرما رہے تھے کہ بے ادبی والے انداز میں اس طرح کے مسائل بیان نہ کئے جائیں چنانچہ آپ فرماتے ہیں: "رب تعالیٰ کی حمد اس طرح نہ کرو جس میں اس کے بندوں کی بے ادبی ہو بلکہ اس طرح کرو کہ اس کے مقبولوں کی عظمت کا اظہار ہو۔ جو یوں کہے کہ رب قادر ہے کہ ولیوں کو دوزخ میں ڈال دے، وہ قادر ہے کہ ابوجہل کو جنت میں بھیج دے، وہ رب کی حمد نہیں کر رہا ہے بلکہ کفر بک رہا ہے۔ جس توحید میں اللہ کے بندوں کی توہین ہو وہ توحید شیطانی ہے دوزخ کا راستہ۔"

(تفسیر نعیمی، جلد7، صفحہ459، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

فصل سوم: خلیل احمد انبیٹھوی کی کفریہ عبارت اور دیوبندی تاویلات

خلیل احمد انبیٹھوی کے کفر کی تاریخ یوں ہے کہ سلفِ صالحین، علمائے دین، مشائخ طریقت اور اساطین امت محفل میلاد النبی (صلى الله عليه وآله وسلم) منعقد کرتے رہے اور اس میں برابر شرکت کرتے رہے، حد یہ ہے کہ امام ابوشامہ استاذ امام نووی، امام ابن جزری، حافظ عماد الدین بن کثیر، حافظ زین الدین عراقی، امام ابن حجر عسقلانی، حافظ جلال الدین سیوطی، علامہ شہاب الدین قسطلانی، علامی عبد الباقی زرقانی مالکی، علامہ ملا علی قاری حنفی، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہ بے شمار اساطینِ امت بلا نکیر محفل میں شریک ہوتے رہے، بلکہ بہت سے علمائے کرام نے محفل میلاد کے لیے مستقل کتابیں لکھیں۔ صاحبِ انوار ساطعہ (مولانا عبد السمیع رحمة الله عليه) نے نورِ سوم کے لمعہ تاسعہ میں ان علماومحدثین اور مشائخ طریقت کی ایک لمبی فہرست پیش کی ہے۔ اسی طرح فاتحہ اور ایصالِ ثواب بھی پوری امت مسلمہ میں رائج تھا۔

یہی حالات تھے کہ مغلیہ حکومت کے زوال کے تقریباً بیس سال بعد سہارن پور اور اس کے اطراف کے چند اسلاف بیزار مولویوں نے اس عملِ خیر اور مجلسِ خیر کے خلاف آواز اٹھائی اور دہلی کے غیر مقلد وہابی علما سے یہ سوال کیا: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولود خوانی ومدحت حضور سرورِ کائنات (صلى الله عليه وآله وسلم) ایسی ہیئت سے کہ جس مجلس میں امردانِ خوش الحان گانے والے ہوں، اور زیب و زینت و شیرینی و روشنی ہائے کثیرہ ہو اور رسولِ مقبول (صلى الله عليه وآله وسلم) مخاطب وحاضر ہوں، جائز ہے یا نہیں؟ اور قیام وقتِ ذکرِ ولادت جائز ہے یا نہیں؟ اور حاضر ہونا مفتیان کا ایسی مجلس میں جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بروز عیدین پنج شنبہ وغیرہ کے آب وطعام سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ وغیرہ ہاتھ اٹھا کر پڑھنا اور اس کا ثواب اموات کو پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ اور نیز بروز سوم میت کے لوگوں کو جمع کر کے قرآن خوانی اور بھونے ہوئے چنوں پر کلمۂ طیبہ مع پنج آیت پڑھنا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرنا بحدیث نبوی جائز ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوا تُوجَروا۔"

اس سوال نامہ کا جواب ان کی طرف سے یہ دیا گیا: "انعقادِ محفل میلاد اور قیام وقت ذکر پیدائش آنحضرت (صلى الله عليه وآله وسلم) کے قرونِ ثلاثہ سے ثابت نہیں ہوا۔ پس یہ بدعت ہے۔ اور علی ہذا القیاس بروز عیدین وغیر عیدین و پنج شنبہ وغیرہ میں فاتحۂ مرسومہ ہاتھ اٹھا کر پایا نہیں گیا البتہ نیابۃً عن المیت بغیر تخصیص ان امور مرقومۂ سوال کے للہ مساکین وفقرا کو دے کر

ثواب پہنچانا اور دعا اور استغفار کرنے میں امید منفعت ہے۔ اور ایسا ہی حال سوئم، دہم، چہلم وغیرہ، اور پنج آیت اور چنوں اور شیرینی وغیرہ کا عدم ثبوت حدیث اور کتب دینیہ سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بدعات مخترعات ناپسند شرعیہ ہیں۔ اس فتویٰ پر دہلی کے تین غیر مقلد علما کے دستخط تھے:۔

(1) مولوی حفیظ اللہ (2) مولوی شریف حسین (3) الٰہی بخش۔

اور اُن کے علاوہ درج ذیل علمائے دیوبند و گنگوہ و سہارن پور کے تائیدی دستخط بھی تھے:۔

(1) مولوی محمد یعقوب، صدر مدرس مدرسہ دیوبند (2) مولوی محمد محمود حسن، مدرس مدرسہ دیوبند (3) مولوی محمد عبدالخالق دیوبندی (4) مولوی رشید احمد گنگوہی۔

گنگوہی صاحب کے الفاظ یہ ہیں: ''ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے اور خطاب جناب فخر عالم (علیہ السلام) کو کرنا اگر حاضر ناظر جان کر کرے کفر ہے۔ ایسی مجلس میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے، اور فاتحہ بھی خلاف سنت ہے اور سوم بھی کہ یہ سنتِ ہنود کی رسوم ہے۔ التزام مجلس میلاد بلا قیام و روشنی و تقاسیم شیرینی و قیوداتِ لایعنی کے، ضلالت سے خالی نہیں ہے۔ علی ہذا القیاس سوم و فاتحہ بر طعام کہ قرونِ ثلاثہ میں نہیں پائی گئی۔

اس زمانے میں یہ محفل میلاد و فاتحہ و عرس کے خلاف پہلا فتویٰ تھا جو چار ورقی تھا اور 1302ھ میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا، اس کی سرخی تھی ''فتویٰ مولود و عرس وغیرہ'' پھر دوسرا فتویٰ مطبع ہاشمی میرٹھ ہی سے چھپا جس کا عنوان تھا ''فتویٰ میلاد شریف یعنی مولود مع دیگر فتاویٰ'' یہ چوبیس صفحے کا تھا اس میں محفلِ میلاد شریف کی بڑی مذمت کی گئی تھی اور پہلا چار ورقی فتویٰ بھی اس میں شامل کر دیا گیا تھا۔ ان فتووں نے مسلمانوں میں اختلاف و انتشار کا بیج بویا اور عوام اہلِ سنت کو طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا کیا۔ اس علاقے کے لوگ زیادہ تر شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے، جو کچھ عرصہ پہلے ہندوستان کے حالات کی ناسازگاری کی وجہ سے 1276ھ/1859ء میں مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے تھے اور حاجی صاحب کے مرید باصفا اور خلیفۂ صادق عالمِ ربانی حضرت مولانا محمد عبدالسمیع رام پوری سہارن پوری (متوفی 1318ھ) اہلِ سنت و جماعت کے مرجع و مقتدا تھے اور صبر و قناعت اور زہد و ورع میں اپنے پیر و مرشد کے آئینہ دار تھے، اس لئے حاجی صاحب کے مریدین اور دیگر اہل سنت نے آپ سے بصد اصرار فرمائش کی کہ آپ ان کا جواب لکھیں اور قرآن و حدیث کی روشنی میں میلاد و فاتحہ و عرس کا صحیح شرعی حکم واضح فرمائیں۔ اس لیے مولانا رام پوری نے قلم اٹھایا اور چند دنوں میں انوار ساطعہ در بیان مولود

و فاتحہ کے نام سے ایک شاندار و قیع اور افراط و تفریط سے پاک کتاب تیار کر دی اور اس میں قرآن و حدیث اور اصول شریعت کی روشنی میں میلاد و فاتحہ کا جواز ثابت کیا اور تائید میں سلفِ صالحین، فقہا و محدثین اور مشائخِ طریقت کے اقوال و معمولات کو بھی پیش کیا۔

جب یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو اہل سنت و جماعت میں مسرت و شادمانی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اسے اس قدر قبول عام حاصل ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے چند دنوں میں اس کے سارے نسخے ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ جب یہ کتاب دیوبند، گنگوہ اور سہارن پور کے وہابی علما تک پہنچی تو انہیں اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی نظر آئی۔ آخر کار ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مطابق مولوی خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری نے رشید گنگوہی کے کہنے پر اور اس کی تائید کے ساتھ انوارِ ساطعہ کے جواب میں ایک کتاب ''البراهين القاطعة على ظلام الأنوار الساطعة، الملقب بالدلائل الواضحه على كراهة المروّج من المولود و الفاتحة'' اور نیچے یہ عبارت لکھوائی ''به امر حضرت بقية السلف، حجة الخلف، راس الفقهاء والمحدثين، تاج العلماء الكاملين جناب مولانا رشيد احمد صاحب گنگوهی''

اس کتاب میں یہ اس قدر آپے سے باہر ہو گئے کہ نہ صرف میلاد و فاتحہ و عرس کو بدعت و ناجائز لکھا اور اسے کنہیا کے جنم، ہندوؤں کے سوانگ سے تشبیہ دی اور میلاد کرنے والے مسلمانوں کو کفار و ہنود سے بھی بدتر قرار دیا۔ بلکہ بدحواسی میں یہ بھی لکھ مارا کہ (1) اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے۔ (دیکھئے براہین قاطعہ، ص10) (2) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) عام انسانوں کی طرح ایک بشر ہیں۔ (ایضاً، ص12) (3) رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا علم شیطان اور ملک الموت سے کہیں کم ہے، شیطان اور ملک الموت کے علم کا وسیع ہونا نصوصِ قطعیہ اور دلائلِ یقینیہ سے ثابت ہے جب کہ فخر عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وسعتِ علم کا ثبوت کسی نص قطعی اور دلیل یقینی سے نہیں۔ اس لیے آپ کے لیے وسیع علم ماننا شرک ہے۔ (ایضاً، ص122) (4) سرکار کو اپنے خاتمہ کا حال معلوم نہیں اور انہیں دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ (ایضاً، ص121) (5) فخر عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اردو علمائے مدرسہ دیوبند سے سیکھی۔ (ایضاً، ص63)

اس کے علاوہ اپنے پیر بھائی مولانا محمد عبدالسمیع رام پوری کے خلاف اپنی افتادِ طبع کے مطابق فحش مغلظات بکنے سے بھی گریز نہیں کیا اور لکھا کہ وہ کم فہم، جاہل، بے شرم، بے غیرت، بے سمجھ، کم عقل، دین سے بے بہرہ، ہوش و حواس سے قاصر، پھکڑ باز، قوتِ شہوانیہ سے محروم، کوڑ مغز اور تیلی کے بیل وغیرہ وغیرہ ہیں۔

ادھر مولانا رام پوری (علیہ الرحمہ) کی کتاب انوار ساطعہ جب ان کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں مکہ مکرمہ پہنچی تو انھوں نے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد مورخہ 22 شوال 1304ھ مطابق 1886ء کو مولانا رام پوری کو ایک خط لکھ کر کچھ اس طرح اظہارِ خیال فرمایا: ”درحقیقت کتاب کا اصل مضمون اس فقیر اور بزرگان فقیر کے مذہب و مشرب کے مطابق ہے، آپ نے خوب لکھا ”جَزَاكَ اللّٰه خیرًا“ (اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔)

اور اسی کے ساتھ تیز قلمی اور غیظ نفسانی والی عبارتوں کو آئندہ ایڈیشن میں کتاب سے خارج کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد مولوی خلیل الرحمٰن کے ذریعہ یہ بھی کہلوایا کہ جب دوبارہ کتاب انوار ساطعہ چھپے تو پانچ چھ نسخے میرے پاس ضرور بھیج دیے جائیں۔

ان کے علاوہ اس زمانہ کے ایک نامور عالمِ دین مصنف انوار ساطعہ کے استاذ پایۂ حرمین شریفین حضرت مولانا رحمت اللہ بن خلیل الرحمٰن کیرانوی مہاجر مکی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ نے مولانا رام پوری کو بذریعہ خط لکھا کہ آپ کی اور مولوی رشید احمد صاحب کی مخالفت حد درجہ کو پہنچ گئی ہے۔ لہٰذا یہ مقدمہ جتنا دب سکے دبائیو اور ہرگز نہ بڑھائیو۔

اس کے بعد مولانا عبدالسمیع رام پوری صاحب نے انوار ساطعہ کے اس نسخہ پر 1306ھ میں نظر ثانی کی اور اپنے پیر و مرشد اور استاد کے حکم کے مطابق جو کچھ سخت الفاظ اور طنزیہ کلمات کتاب میں آ گئے تھے انہیں یک سر کتاب سے خارج کر دیا اور لکھا: ”مجھ کو رضا جوئی حضرت مرشدی و مولائی کی بجان و دل منظور ہے، تعمیلِ ارشادِ مرشد میں قصور (کوتاہی) کرنا سراسر قصور ہے۔“

یہ خیال رہے کہ صاحبِ انوار ساطعہ مولانا عبدالسمیع رام پوری اور صاحبِ براہینِ قاطعہ مولوی رشید احمد گنگوہی دونوں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلیفہ ہیں، حاجی صاحب نے دونوں کو خوب خوب سمجھایا اور ان کے درمیان صلح و مصالحت کی بہت کوشش فرمائی۔ صاحبِ انوار ساطعہ نے تو اپنے پیر و مرشد کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ مگر گنگوہی صاحب اپنی ضد پر اڑے رہے اور اپنے پیر و مرشد کی ایک نہ مانی۔ جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ براہینِ قاطعہ آج تک اسی انداز سے چھپ رہی ہے جیسی ابتدا میں لکھی گئی تھی۔

یہاں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے تعلق سے چند حقائق حاضر خدمت ہیں، امداد المشتاق میں حاجی امداد اللہ صاحب نے اپنے خلفا کے بارے میں فرمایا: ”میرے خلفا دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جنہیں میں نے از خود خلافت دی ہے۔

دوسرے وہ جن کو تبلیغ دین کے لیے ان کی درخواست پر اجازت دی ہے۔ جن خلفا کو از خود خلافت دی ہے انھوں نے پوری طرح حاجی صاحب کی اتباع کی۔ مثلاً مولانا لطف اللہ علی گڑھی (متوفی 1334ھ)، مولانا احمد حسن کان پوری (متوفی 1322ھ)، مولانا محمد حسین الہ آبادی (متوفی 1322ھ) اور مولانا محمد عبدالسمیع رام پوری (متوفی 1318ھ) اور جن خلفا نے حاجی صاحب سے اختلاف کیا ان میں مولوی محمد قاسم نانوتوی (متوفی 1297ھ)، مولوی رشید احمد گنگوہی (متوفی 1322ھ) اور مولوی اشرف علی تھانوی (متوفی 1362ھ) کے نام سرِ فہرست ہیں۔

(صابری سلسلہ از وحید احمد مسعود، ص46، بدایوں 1971ء۔ بحوالہ انگریز نوازی کی حقیقت ص 38، از مولانا یسین اختر مصباحی، دارالقلم دہلی۔ طبع اول 1428ھ / 2007ء)

اپنے خلفا کے درمیان مسلکی اختلاف کی اطلاع پا کر ان کے تصفیہ کے لیے حاجی صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ کے نام سے ایک مختصر سی کتاب لکھی جو (1) مولود شریف (2) فاتحہ (3) عرس و سماع (4) ندائے غیر اللہ (5) جماعتِ ثانیہ (6) امکانِ نظیر (7) امکانِ کذب کے مسائل میں اثباتِ مسلک اہل سنت پر مشتمل ہے۔ اس فیصلۂ ہفت مسئلہ کے ساتھ یہ سلوک ہوا کہ اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ اس وقت تک مولانا اشرف علی تھانوی، حاجی صاحب کے مسلک سے کچھ قریب تھے، مگر بعد میں انھوں نے بھی انحراف کیا اور مولانا رشید احمد گنگوہی شروع ہی سے اپنے پیر و مرشد کے مسلک و معمول کے برعکس خیالات رکھتے تھے۔

اب نذر آتش کرنے کا حادثہ خواجہ حسن ثانی نظامی (درگاہ حضرت نظام الدین اولیا دہلی) کی زبانی سنئے: ”نذر آتش کرنے کی یہ خدمت والدی حضرت خواجہ حسن نظامی کے سپرد ہوئی جو اس وقت گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے یہاں زیرِ تعلیم تھے۔ لیکن خواجہ صاحب نے جلانے سے پہلے اس کو پڑھا اور جب ان کو وہ کتاب اچھی معلوم ہوئی تو انھوں نے استاد کے حکم کی تعمیل میں آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی بچا کر رکھ لیں۔

اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا گنگوہی سے ملنے آئے اور ان سے پوچھا کہ میں نے کچھ کتابیں تقسیم کرنے کے لیے آپ کے پاس بھیجی تھیں، ان کا کیا ہوا؟ مولانا گنگوہی نے اس کا جواب خاموشی سے دیا۔ لیکن کسی حاضر الوقت نے کہا کہ علی حسن (خواجہ حسن نظامی) کو حکم ہوا تھا کہ انھیں جلا دو۔ مولانا تھانوی نے میاں علی حسن سے پوچھا کہ کیا واقعی تم نے کتابیں جلا دیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ استاد کا حکم ماننا ضروری تھا اس لیے میں نے آدھی کتابیں تو جلا دیں اور آدھی میرے پاس موجود ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا تھانوی اس سے اتنے خوش ہوئے کہ آم کھا رہے تھے،

فوراً دو آم اٹھا کر مجھے انعام میں دیے۔

(ماہ نامہ منادی دہلی، جلد39، شمارہ 12، ص22، بحوالہ تقدیس الوکیل (حاشیہ) ص7، نوری بک ڈپو لاہور)

حضرت حاجی صاحب نے اپنے خلیفہ حضرت مولانا صوفی محمد حسین الہ آبادی کے نام 1312ھ/1894ء میں مکہ مکرمہ سے ایک خط لکھ کر معلوم کیا کہ ہماری تحریر سے اختلاف کا کچھ تصفیہ ہوا یا نہیں؟ تو آپ نے تحقیق حال کر کے حاجی صاحب کو لکھا کہ علمائے دیوبند نے آپ کی تحریر کو نگاہِ غلط انداز سے بھی نہ دیکھا، بلکہ فیصلہ ہفت مسئلہ کو نذرِ آتش کر دیا۔

(صابری سلسلہ، صفحہ47)

ساتھ ہی جرات وجسارت اور اپنے شیخ کے مقابلے میں سینہ زوری ایسی تھی کہ بقول مولانا رشید احمد گنگوہی: ''جس فن کے امام حاجی صاحب ہیں اس میں ہم ان کے مقلد ہیں، باقی فرعیات کے امام ہم ہیں۔ حاجی صاحب کو چاہیے کہ ہم سے پوچھ کر عمل کریں۔

اور مولانا قاسم نانوتوی نے کہا: ''ہماری معلومات زائد اور حاجی صاحب کا علم زائد ہے۔''

اور مولوی اشرف علی تھانوی نے تو اس اختلاف کو جائز قرار دینے کے لیے اپنی ساری قابلیت صرف کر دی۔ مگر ساتھ ہی از راہِ انصاف یہ بھی تحریر کیا کہ بقول شخصے: ''تا نباشد چیزکے مردم نگویند چیزہا۔'' (صابری سلسلہ، صفحہ49)

بہر حال اس کتاب کے تاریخی پس منظر اور پیش منظر پر نگاہ ڈالنے کے بعد یہ تاریخی حقیقت ابھر کر سامنے آ گئی کہ اس وقت سنیت اور دیوبندیت کا اختلاف دراصل حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے خلفا کے مابین پیدا ہوا اور ان ہی کے درمیان پلا، بڑھا اور پروان چڑھا، اور اس میں دیگر علما و مشائخ کی شرکت بہت بعد میں ہوئی۔ لہٰذا یہ کہنا کہ سنیت اور دیوبندیت کے درمیان اختلاف کا آغاز مولانا احمد رضا بریلوی نے کیا، تاریخ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے۔

براہینِ قاطعہ کا ایک تاریخی پہلو یہ بھی ہے کہ جب یہ کتاب چھپ کر منظرِ عام پر آئی تو مولانا غلام دستگیر قصوری اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی جن کے درمیان پہلے دوستانہ تعلقات تھے ایک دوسرے کے سخت مخالف ہو گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اس زمانے میں مدرسہ عربیہ، ریاست بھاول پور (پاکستان) میں مدرس اول کے عہدہ پر فائز تھے، اور علمائے اہل سنت کی ان تمام تحریروں پر ان کی تائیدات وتصدیقات ہوتی تھیں جو اعتقادی وفکری مسائل پر سامنے آتیں۔ ابحاث فرید کوٹ میں مولوی خلیل احمد صاحب ان تمام اعتقادی مسائل کو تصدیقی مہروں سے مزین فرما چکے تھے جو علمائے اہل سنت کے اعتقادی نظریات پر مبنی تھے۔ براہینِ قاطعہ چونکہ انبیٹھوی صاحب کے نام سے چھپی تھی اس لیے اس کو دیکھنے کے بعد مولانا غلام دستگیر

قصوری صاحب کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور وہ بہ نفسِ نفیس بھاول پور پہنچے اور اپنے دیرینہ دوست سے براہِ راست گفتگو کر کے صورتِ حال معلوم فرمائی اور انہیں سمجھانے کی بہت کوشش فرمائی، مگر انبیٹھوی صاحب کو اپنی ضد پر قائم پا کر حیرت زدہ رہ گئے۔ جب انھوں نے افہام وتفہیم کی تمام تدبیروں کو ناکام ہوتے ہوئے دیکھا تو انبیٹھوی صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دیا۔ انبیٹھوی صاحب اپنے ساتھ چھ دیوبندی علما لے کر حاضر ہوئے اور مولانا غلام دستگیر قصوری (رحمۃ اللہ علیہ) بھی اپنے ساتھ چھ علمائے اہل سنت کے ہمراہ تشریف لائے۔ شوال 1306ھ میں بمقام بھاول پور، نواب بھاول پور کی نگرانی میں ان مسائل پر مناظرہ ہوا جو انوارِ ساطعہ اور براہین قاطعہ میں زیر بحث آ چکے تھے۔ اس مناظرہ کے حکم اور فیصل والیِ ریاست بھاول پور کے پیر ومرشد شیخ المشائخ خواجہ غلام فرید چاچڑاں شریف تھے۔ مناظرہ میں مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کو شکستِ فاش ہوئی اور حکم مناظرہ نے یہ فیصلہ سنایا کہ انبیٹھوی صاحب مع اپنے معاونین کے وہابی، اہل سنت سے خارج ہیں۔ اس فیصلہ کے بعد مولوی خلیل احمد صاحب کو بھاول پور سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔

اس مناظرہ کی تفصیلی روداد مولانا قصوری (علیہ الرحمہ) نے تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل کے نام سے لکھی، پھر اس کے مباحث کا عربی ترجمہ کر کے علمائے حرمین طیبین سے اپنے موقف کے حق ہونے اور انبیٹھوی صاحب کے موقف کے باطل ہونے پر تصدیقات وتقریظات لکھوائیں اور انہیں بھی کتاب میں شامل کر کے شائع کیا۔

(خلاصہ از۔ انوارِ ساطعہ کا تاریخی پس منظر، صفحہ 14۔۔۔ از نفیس احمد مصباحی بارہ بنکوی، استاذ: الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، ہند)

اوپر پیش کی گئی تاریخ کا خلاصہ یوں سمجھ لیں کہ مولانا عبدالسمیع (رحمۃ اللہ علیہ) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مرید وخلیفہ اور گنگوہی صاحب کے پیر بھائی تھے لیکن اپنے پیر کی طرح صحیح العقیدہ سنی تھے۔ غیر مقلد مولویوں اور دیوبندیوں کے مولویوں نے جن میں ایک مولوی رشید احمد گنگوہی تھا، انہوں نے فاتحہ، عرس کے ساتھ ساتھ میلاد شریف کو ناجائز وشرک کہہ ڈالا۔ مولانا عبدالسمیع (رحمۃ اللہ علیہ) نے ان کا رد کرتے ہوئے اور میلاد شریف کے ثبوت پر ایک کتاب **''انوارِ ساطعہ در بیان مولود وفاتحہ''** لکھی، جس میں فاتحہ وعرس کے ساتھ ساتھ میلاد شریف کو دلائل سے ثابت کیا۔ عبدالسمیع (رحمۃ اللہ علیہ) نے ان کا رد کرتے ہوئے ایک جگہ فرمایا کہ جب رب تعالیٰ نے ملک الموت بلکہ شیطان کو ہر جگہ موجود ہونے کا تصرف عطا فرمایا ہے تو کیا اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عطا نہیں فرما سکتا؟ یقیناً اللہ (عزوجل) نے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ کمال عطا فرمایا ہے کہ اگر آپ کسی جگہ تشریف لیجانا چاہیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔

مولانا عبدالسمیع (رحمة الله علیه) کی کتاب کا رد کرتے ہوئے خلیل انبیٹھوی نے ایک کتاب "براهین قاطعه" لکھی جس کی تائید و تصدیق رشید گنگوہی نے بھی کی اور اس میں صاف کفر لکھ دیا کہ شیطان کا علم حضور (علیه السلام) سے زیادہ ہے چنانچہ لکھتا ہے: ''شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم (صلی الله علیه وسلم) کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاسِ فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے؟ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم (صلی الله علیه وسلم) کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

(براہین قاطعه ،صفحه 51،مطبوعه بلال ڈھور)

اس کفریہ عبارت کی وجہ سے علمائے حرمین نے انبیٹھوی اور گنگوہی کی تکفیر کی۔

مولانا عبدالسمیع پر گھمن صاحب کا الزام

گھمن صاحب خلیل انبیٹھوی کے کفر پر پردہ ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

الزام برفخر المحدثین مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ: فاضل بریلوی لکھتے ہیں: ان کے پیر ابلیس کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے اور یہ اس کا برا قول خود اس کے بدالفاظ میں صفحہ 47 پر یوں ہے: شیطان و ملک الموت کی یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جسے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔ حسام الحرمین، صفحہ 15۔

الجواب: ہم حیران ہیں کہ شیطان پر قیاس خود مولوی عبدالسمیع رامپوری نے کیا اپنی کتاب انوار ساطعہ میں اور اس پر تقریظ فاضل بریلوی کی ہے اور نام ہمارا لگا دیا۔ اس سے بڑھ کر کیا شاطرانہ چال ہو سکتی ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان پر قیاس کرنا کیا یہ تعظیم نبوی ہے؟

بریلوی اس بات کا ہمیں جواب دیں شیطان پر قیاس تو رامپوری اور فاضل بریلوی کریں قصوروار ہم ٹھہریں کیوں؟ کیا بریلویوں کے ہاں شیطان پر قیاس کرنا درست ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو؟ چنانچہ رامپوری صاحب لکھتے ہیں: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت ہر جگہ حاضر ہے بھلا ملک الموت علیہ السلام تو ایک فرشتہ مقرب ہے۔ دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔ در مختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچا لیا بعد اس کے لکھا ہے "واقدره على ذالك كما اقدر ملك الموت على نظير ذالك" یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود

ہونے پر قادر کر دیا۔۔۔ پس اسی طرح سمجھو کہ جب سورج آسمان پر علیین میں موجود ہے۔ اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک کل زمینوں کے چند مواضع و مقامات پر پڑ جائے اور ترشح انوار فیضان احمدی سے کل مجالس مطہرہ کو ہر طرف سے مثل شعاع شمس محیط ہو جائے کیا محال اور کیا بعید ہے۔ انوار ساطعہ، صفحہ 357۔

حضرت سہارنپوی نے اس کے جواب میں لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے: تمام مسلمان بشمول مصنف شیطان سے افضل ہیں تو کیا اپنا علم شیطان کے دائرہ کار کے علم سے زائد مانتے ہیں۔ مولف کے ایسے جہل پر تعجب بھی ہوتا ہے اور رنج بھی ہوتا ہے کہ ایسی نالائق بات منہ سے نکال کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان پر قیاس کیا یہ کس قدر دور از علم و عقل ہے۔ حضرت نے تو اس پر خوب خبر لی کہ تم نے آپ علیہ السلام کو شیطان پر قیاس کر کے کیوں نالائق بات کہی، الٹا بریلویوں نے ہمیں کوسنا شروع کر دیا۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 176۔۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے! مولانا عبدالسمیع (رحمة الله علیه) میلاد شریف کی محفل میں حضور (علیه السلام) کی تشریف آوری ممکن ہونے کو ثابت کرتے ہوئے منکرین کا اعتراض نقل کرتے ہیں: ''یہ کہتے ہیں کہ حضور (صلی الله علیه وسلم) کی نسبت یہ اعتقاد رکھنا کہ جہاں مولود پڑھا جاتا ہے وہاں تشریف لاتے ہیں، شرک ہے۔ ہر جگہ موجود صرف خدائے تعالیٰ ہے۔'' اس کے جواب میں عبدالسمیع (رحمة الله علیه) نے دلائل دیئے کہ اس میں شرک کیسے ہو گیا؟ چنانچہ فرماتے ہیں: ''اہل سنت و جماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت جس طرح اس کے ساتھ خاص ہے بالکل اسی طرح اور اسی حقیقت کے ساتھ دوسرے میں نہیں ہو سکتی۔ اور خصوصیت کے یہ معنی ہیں "یوجد فیه و لا یوجد فی غیره" یعنی جو اس کے اندر تو پائی جائے مگر اس کے علاوہ کسی اور میں نہ پائی جائے۔ اور روئے زمین پر ہر جگہ موجود ہو جانا کچھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی خاص نہیں۔ تفسیر معالم التنزیل، جلال الدین سیوطی کے رسالہ برزخ اور علامہ زرقانی کی شرح مواھب میں ہے کہ ملک الموت، جنات و انسان اور جملہ مخلوقات کی روحوں پر قابض ہیں اور اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ان کے آگے ایک چھوٹے خوان اور ایک روایت کے مطابق طشت کی مانند کر دیا ہے "فیقبض من هنا و هنا" یعنی کبھی ادھر سے لے لیتے ہیں اور کبھی اُدھر سے "جعلت له الأرض مثل طست يتناول منها حيث يشاء" اب خیال کرو کہ ایک ایک آن میں مشرق سے مغرب تک کس قدر چیونٹی، مچھر، کیڑے مکوڑے، چرند پرند درند اور آدمی مرتے ہیں اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ مشکوۃ میں ہے کہ ملک الموت، مومن اور کافر دونوں کی موت کے وقت سرہانے ہوتے ہیں، یہ ایک طویل حدیث ہے جسے قاضی ثناء اللہ نے تذکرۃ الموتی' میں نقل کیا ہے۔۔۔ ان احادیث سے

معلوم ہوا کہ ملک الموت (علیہ السلام) (ہر جگہ موجود ہوتے ہیں) اور ملک الموت تو ایک مقرب فرشتہ ہیں، یہ دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی اس بات کی قدرت دے دی ہے جس طرح اس نے ملک الموت کو ہر جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے۔ اب محسوس عالم اجسام میں اس کی مثال سمجھئے کہ اگر کوئی آدمی دنیا کی مشرق سے مغرب تک کی آبادی کی سیر کرے، تو وہ جہاں جائے گا چاند اور سورج کو موجود پائے گا، پھر اگر وہ کہے کہ ایک ہی چاند و سورج ہر جگہ موجود ہیں تو تمہارے قاعدے سے چاہیے کہ وہ کافر ہو جائے کیوں کہ اس نے چاند کو ہر جگہ موجود کہا حالاں کہ تحقیق یہ ہے کہ نہ وہ مشرک ہے اور نہ کافر، خاصا مسلمان ہے۔ تو اسی طرح سمجھو کہ جب سورج ہر جگہ یعنی ہفت اقلیم میں موجود ہو کہ وہ چوتھے آسمان پر ہے، اور روحِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو ساتویں آسمان پر علیین میں موجود ہے اگر وہاں سے آپ کی نظر مبارک تمام روئے زمین کی چند جگہوں اور مقاموں پر پڑ جائے اور فیضانِ احمدی کے انوار کی کرنیں پوری مجلس کو سورج کی شعاع کی طرح ہر طرف سے گھیر لیں تو کیا بعید و محال ہے۔۔۔ علامہ زرقانی شرح مواہب جلد ثالث میں تذکرۂ قرطبی سے نقل کرتے ہیں "إن موت الأنبياء إنما هو راجع إلى أن غيبوا عنا بحيث لا ندركهم و إن كانوا موجودين أحياء و لا يراهم أحد من نوعنا إلا من خصه الله تعالىٰ بكرامة من أوليائه" یعنی موتِ انبیا کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ ہم سے چھپا دیے گئے کہ ہم کو نظر نہیں آتے اگر چہ وہ زندہ موجود ہیں مگر ہم میں سے کوئی آنکھ انھیں دیکھ نہیں سکتی، ہاں یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی ولی کو دکھلا دے۔

امام شعرانی نے میزان الشریعہ میں لکھا ہے "قد بلغنا عن أبي الحسن الشاذلي و تلميذه أبي العباس المرسي وغيرهما إنهم كانوا يقولون لو احتجبت رؤية رسول الله صلى الله عليهُ وسلم طرفة عين ما اعددنا أنفسنا من جملة المسلمين" یعنی ابوالحسن شاذلی اور ان کے تلمیذ رشید ابوالعباس مرسی وغیرہ کے متعلق ہمیں پتا چلا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: اگر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دیدار ایک لمحہ کے لیے بھی ہم سے اوجھل کر دیا جائے تو ہم اپنے تئیں خود کو مسلمان نہ سمجھیں۔

دیکھئے ابوالحسن شاذلی وغیرہ اولیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر پلک جھپکنے کے برابر بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے چھپ جائیں تو ہم اپنے تئیں مسلمان نہ جانیں۔

ہم نے جو انبیا (علیہم السلام) کی روحوں کا ساتویں آسمان پر علیین میں ہونا بیان کیا تو یہ تفسیر عزیزی کے بیان علیین میں دیکھو۔ لیکن علیین میں ہونے کے باوجود آپ کی روح کو قبر شریف سے بھی گہرا ربط ہے۔ آپ ہر زائر کو جانتے ہیں کہ کون زیارت

کو آیا اور سب کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔ قبر میں جسم مبارک زندہ ہے "إن نبينا بالرفيق الأعلى و بدنه في قبره يرد السلام على من يسلم عليه" یعنی بلاشبہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) تو رفیق اعلیٰ کے ساتھ ہیں لیکن آپ کا بدن مبارک قبر اقدس میں موجود ہے اور آپ ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

اب ذرا غور فرمائیں کہ جب چاند سورج ہر جگہ موجود، شیطان، زمین پر ہر جگہ موجود ہے، اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہیں تو یہ خاص اللہ کی صفت کہاں ہوئی کہ جس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شریک کرنے سے مشرک اور کافر ہو جائیں! معاذ اللہ

تماشہ یہ ہے کہ اہل محفل میلاد تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمین کی تمام پاک و ناپاک جگہ اور مجالس مذہبی وغیر مذہبی میں حاضر ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے، جب کہ ملک الموت اور ابلیس کا اس سے بھی زیادہ تر، پاک و ناپاک اور کفر و غیر کفر کے مقامات میں حاضر ہونا پایا جاتا ہے۔"

(انوار ساطعہ، صفحہ345، ادارہ فروغ اسلام، انڈیا)

انبیٹھوی صاحب نے اس تحقیق کا رد کیا اور یہ کہا کہ شیطان کا علم تو نص سے ثابت ہیں جبکہ حضور (علیہ السلام) کا ثابت نہیں۔ یعنی عبدالسمیع (رحمۃ اللہ علیہ) حضور (علیہ السلام) کی شان کو بلند کر رہے تھے اور انبیٹھوی صاحب نے اس کا رد کیا اور حضور کے علم کو شیطان سے معاذ اللہ کمتر ثابت کیا اور گھمن صاحب نے تحریفات کا سہارا لیتے ہوئے الٹا عبدالسمیع (رحمۃ اللہ علیہ) کو گستاخ ٹھہرا دیا اور انبیٹھوی کو عاشقِ رسول قرار دے دیا پھر عبارت بھی مکمل نہیں لکھی جو کفریہ عبارت تھی اسے گول کر دیا: انبیٹھوی کی پوری عبارت پیش خدمت ہیں اسے پڑھ کر قارئین خود اندازہ کریں کہ اس عبارت میں حضور (علیہ السلام) کے علم کو کمتر کیا ہے یا نہیں؟

انبیٹھوی صاحب نے کہا: "یہ سب قول مؤلف (عبدالسمیع) کا مردود ہوگا۔ خود فخر عالم (علیہ السلام) فرماتے ہیں "و الله لا أدري ما يفعل بي ولا بكم الحديث" (اللہ (عزوجل) کی قسم میں نہیں جانتا میرے اور تمہارے ساتھ آخرت میں کیا معاملہ ہوگا) اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں اور مجلس نکاح کا مسئلہ بھی بحر الرائق وغیرہ کتب سے لکھا گیا۔ تیسرے اگر افضلیت ہی موجب اس کی ہے تو تمام مسلمان اگرچہ فاسق ہوں اور خود مؤلف بھی شیطان سے افضل ہیں تو مؤلف سب عوام میں بسبب افضلیت کے شیطان سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر تو علم غیب بزعم خود ثابت کر دیوے اور مؤلف خود اپنے زعم میں تو بہت بڑا اکمل الایمان ہے تو شیطان سے ضرور افضل ہو کر اعلم من الشیطان ہوگا معاذ اللہ۔ مؤلف کے

ایسے جہل پر تعجب یہی ہوتا ہے اور رنج یہی ہوتا ہے کہ ایسی نالائق بات منہ سے نکالنا کس قدر دور از علم و عقل ہے۔ الحاصل غور کرنا چاہئے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعتِ علم کونسی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔''

(براہین قاطعہ، صفحہ 51، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، سہانپور۔ صفحہ 55، مکتبہ دارالاشاعت، لاہور)

مولانا عبدالسمیع (رحمۃ اللہ علیہ) اور انبیٹھوی صاحب کی عبارتوں میں واضح فرق ہے۔ انبیٹھوی نے مولانا عبدالسمیع کا رد کرتے ہوئے حضور (علیہ السلام) کے علم کو شیطان کے علم سے کمتر کہا۔ لیکن گھمن صاحب نے حسب حال انبیٹھوی صاحب کی کفریہ عبارت کو مولانا عبدالسمیع پر ڈال دیا۔

انبیٹھوی کی کفریہ عبارت کے ساتھ گھمن صاحب کا مردود حاشیہ

گھمن صاحب انبیٹھوی کی کفریہ عبارت کے ساتھ اپنا بریکٹ میں مردود حاشیہ لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

اب عبارت کو دیکھئے جہاں حضرت نے اس شیطانی قیاس کا جواب دیا ہے جس کو اہل بدعت اچھا نہیں سمجھتے، وہ عبارت یہ ہے: الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر (یعنی ان کو جو بعض جزئیات حادثہ دنیاویہ کا علم ہے کہ جن سے ان کا مقصد اغوا اور قبض ارواح ہے۔ وہ ان کو حاصل ہو گیا ہے اور یہ پیدا بھی اسی کے لیے گئے ہیں ان پر قیاس کرکے) علم محیط زمین فخر عالم کو (یعنی علم غیر عطائی ذاتی آپ علیہ السلام کو مانا جائے تاکہ روئے زمین میں جہاں بھی مجلس موجود ہو وہیں آپ تشریف لائیں ہم نے علم محیط زمین کا مطلب ذاتی علم اس لیے کیا ہے کہ آگے حضرت سہارنپوری نے صفحہ 57 پر خود لکھا ہے یہ بحث اس صورت میں ہے کہ علم ذاتی آپ کو کوئی ثابت کرکے یہ عقیدہ کرے جیسا جہلاء کا یہ عقیدہ ہے اگر یہ جانے کہ حق تعالی اطلاع دے کر حاضر کر دیتا ہے تو شرک تو نہیں مگر بدون ثبوت شرعی کے اس پر عقیدہ درست بھی نہیں۔) خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ (یعنی ذاتی علم کو بغیر کسی دلیل کے نبی محترم کیسے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے یعنی ذاتی علم کو بغیر کسی دلیل کے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت کرنا شرک ہی ہے جیسا کہ فاضل بریلوی نے خود ملفوظات صفحہ 317 میں فرمایا ہے کہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ ذاتی علم ماننا کفر ہے) شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت (کہ ملک الموت کا روحوں کو قبض کرنا اور شیطان کا

بھاگ دوڑ کرکے لوگوں کو گمراہ کرنا جس کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں) نص سے ثابت ہوئی (وہ آپ بھی مانتے ہیں اور آپ نے بھی یہ باتیں لکھی ہیں کہ ان کاموں کے لیے ان کو وسعت دی گئی ہیں) فخر عالم کی وسعت علم کی (یعنی ذاتی علم جو محیط ہو علم زمین پر) کون سے نص قطعی سے ثابت ہے۔ براہین قاطعہ، صفحہ 55۔

اس میں کیا گستاخی ہے؟

(1) اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم محیط ذاتی ماننا شرک قرار دیا ہے۔ وہ آپ کو بھی مسلم ہے اور یہ قید ہماری نہیں بلکہ حضرت نے اس بحث کے آخر میں خود لکھی ہے کہ یہ بحث اس صورت میں ہے جب علم ذاتی مانا جائے۔

(2) آپ علیہ السلام کے علوم عالمیہ وکمالیہ کی بات نہیں ہو رہی بلکہ شیطان و ملک الموت کے دائرہ کار کی بات ہو رہی ہے۔

(3) نصوص قطعیہ میں تو ایسے علوم کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق نہیں کہا گیا ہے جیسے شعر گوئی وغیرہ اس لیے شیطانی سوچ وفکر پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو محیط ماننا نصوص قطعیہ کا رد ہے۔

(4) اور مولانا کے یہ الفاظ کہ یہ وسعت یہ اس بات پر مشیر ہے کہ ان ملک الموت اور شیطان کے دائرہ کار کی بات ہو رہی ہے نہ کہ مطلق اور جمیع علوم کی۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 180۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب جس طرح آپ نے انبیٹھوی کی کفریہ عبارت کے ساتھ بے تکہ و بے ڈھنگہ مردود قسم کا حاشیہ لگایا ہے اور اسے غیر کفر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اس طرح تو دنیا کا جتنا مرضی بڑا کفر بول دیا جائے اور بعد میں آپ جیسا اس کا کوئی محبّ حاشیہ لگا کر اسے غیر کفر ثابت کر دے۔ جیسے ایک شخص کہے کہ ''میں خدا کو نہیں مانتا'' وہ یہی کہتا رہے اور ساری دنیا کے مسلمان اسے کافر کہتے رہیں اور وہ جب مر جائے تو آپ جیسا کوئی اس کا معتقد کئی سالوں بعد آئے اور تمام مسلمانوں کو انگریزوں کا ایجنٹ قرار دے دے اور اس کافر کو اللہ (عزوجل) کا عاشق ثابت کرتے ہوئے اس کی کفریہ عبارت کو حاشیہ کے ساتھ یوں کر دے ''میں خدا کو (ظالم) نہیں مانتا'' اسی طرح کوئی شخص کہے ''میں انبیاء کو نہیں مانتا'' بعد میں گھمن جیسا کوئی شخص اس کی عبارت کے ساتھ یوں حاشیہ لگا دے ''میں انبیاء (علیہم السلام) کو (اللہ (عزوجل) کا نافرمان) نہیں مانتا۔'' ایک شخص حدیثوں کا منکر ہو اور ساری زندگی یہ کہتا رہے کہ ''میں حدیثوں کو نہیں مانتا'' اس کے مرنے کے بعد گھمن صاحب جیسا اس کا کوئی مرید اس

کی عبارت کے ساتھ حاشیہ لگائے''میں (اُن) حدیثوں کو نہیں مانتا (جو قرآن کے خلاف ہیں)'' الغرض بڑے سے بڑا کفر اس طرح حاشیہ لگا کر غیر کفر ثابت کیا جاسکتا ہے جس طرح گھمن صاحب نے کیا ہے۔

پھر گھمن صاحب کی عقل حاشیہ لگاتے وقت کام کرنا چھوڑ گئی کہ حضور (علیہ السلام) کے ساتھ جگہ جگہ حاشیہ میں علم ذاتی کی قید لگائی جبکہ یہ دیوبندی تو حضور (علیہ السلام) کے حق میں علم عطائی کے بھی منکر ہیں، پھر ذاتی کی قید لگانا تو صریح دھوکہ دہی ہے۔ حضور (علیہ السلام) کیلئے عطائی علم کی نفی کرتے ہوئے گنگوہی لکھتا ہے: ''یہ جو کہتے ہیں کہ علم الغیب بجمیع اشیاء آنخضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے سو محض باطل اور خرافات ہے میں سے ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو محشر میں بھی بعض لوگوں میں قابل سقی ماء کوثر ہونے کا احتمال ہوگا اور باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا "انك لا تدری ما احد ثوا بعدك اخرج البخاری الحدیث۔"

(فتاوٰی رشیدیہ، حصہ 1، صفحہ 228، عالمی مجلس تحفظ اسلام، کراچی)

پھر جب شیطان کے علم کی باری آئی تو وہاں گھمن صاحب نے کمال چالاکی سے ذاتی علم نہیں کیا بلکہ عطائی کی طرف اشارہ کیا اور آگے جب پھر حضور (علیہ السلام) کے علم کی بات آئی تو پھر ذاتی کی قید لگائی۔ جبکہ یہ واضح شیطان کے علم کو حضور علی (علیہ السلام) سے زیادہ اور اللہ (عزوجل) کی صفت خاصہ میں شریک جانتے ہیں چنانچہ لکھا ہے: ''شیطان خدا کی صفت خاصہ میں اُس کا شریک ہے۔''

(البراہین القاطعة، بحث علم غیب، صفحہ 51، 52، مطبع لے بلاساڈھور، انڈیا)

دوسری جگہ لکھا: ''شیطان اس عظیم فضیلت میں رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے زیادہ ہے نہ بایں معنیٰ کہ حضور میں کم ہو اور اس میں زائد، بلکہ بایں معنیٰ کہ یہ فضل جلیل ابلیس ہی کے لیے ہے۔ حضور کے لیے ماننے والا مشرک۔''

(البراہین القاطعة، بحث علم غیب، صفحہ 51، مطبع لے بلاساڈھور، انڈیا)

المختصر یہ کہ انبیٹھوی اور گنگوہی کے نزدیک حضور (علیہ السلام) کا علم شیطان سے کم ہے اور شیطان کو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے زیادہ علم والا کہنا صریح کفر ہے۔ شفائے امام اجل قاضی عیاض اور شرح علامہ شہاب خفاجی مسمّٰی بہ نسیم الریاض میں ہے "جمیع من سبّ النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم بشتمة او عابه هو اعم من السب فان من قال فلان اعلم منه صلی اللہ تعالی علیه وسلم فقد عابه و نقصه وان لم یسبه (فهو ساب والحکم فیه حکم الساب) من غیر فرق بینهما (لانستثنی منه)(فصلاً) ای صورةً (ولا نمتری)فیه تصریحاً کان او تلویحاً وهذا کلّه اجماع من العلماء وائمة الفتوی من لدن الصحابة رضی الله تعالی عنهم الی هلّم جرًّا" ترجمہ: جو شخص نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وآلہ وسلم) کو گالی دے یا حضور کو عیب لگائے اور یہ گالی دینے سے زیادہ عام ہے۔ جس نے کسی کی نسبت کہا کہ فلاں کا علم نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے علم سے زیادہ ہے، اس نے ضرور حضور کو عیب لگایا، حضور کی توہین کی، اگرچہ گالی نہ دی، یہ سب گالی دینے والے کے حکم میں ہے، ان کے اور گالی دینے والے کے حکم میں کوئی فرق نہیں۔ نہ ہم اس سے کسی صورت کا استثناء کریں نہ اس میں شک و تردد کو راہ دیں، صاف صاف کہا ہو یا کنایہ سے، ان سب احکام پر تمام علماء اور آئمہ فتویٰ کا اجماع ہے کہ زمانہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) سے آج تک برابر چلا آیا ہے۔

(نسیم الریاض، القسم الرابع، الباب الاول، جلد 4، صفحہ 335، 336، مرکز اهل سنت برکات رضا، گجرات، هند)

تیسرا یہ کہ عبدالسمیع رامپوری (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضور (علیہ السلام) کے لئے علم ذاتی نہیں کہا تھا جس کا انبیٹھوی صاحب رد کر رہے تھے۔ وہ تو اسے عطائی ہی سمجھتے تھے اور انبیٹھوی صاحب اسی کا رد کر رہے ہیں۔

چوتھا یہ اور بہت اہم نقطہ یہ ہے کہ انبیٹھوی صاحب نے آگے صراحت کے ساتھ عطائی علم میں حضور (علیہ السلام) کو ملک الموت سے کمتر کہا ہے چنانچہ لکھا ہے: ''ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ۔'' یہاں بالکل واضح ہے کہ انبیٹھوی صاحب عطائی و ذاتی کی بات نہیں کر رہے تھے بلکہ فقط عطائی ہی میں حضور (علیہ السلام) کو ملک الموت اور شیطان کے علم سے کمتر ثابت کر رہے تھے۔

پانچواں یہ کہ کفر انبیٹھوی صاحب نے کہا تھا، پھر ساری زندگی انہیں توبہ توفیق نہ ہوئی کہ وہ کہہ دیں کہ میں نے ذاتی علم کی نفی کی ہے بلکہ انبیٹھوی صاحب سمیت گنگوہی اور دیگر دیوبندیوں کی کتب سے ظاہر ہے کہ وہ حضور (علیہ السلام) کے عطائی علم کے بھی منکر تھے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی پر الزام کہ انہوں نے حضرت آدم کو شیطان کا شاگرد کہا

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

مفتی احمد یار نعیمی نے معلم التقریر صفحہ 95 پر سیدنا آدم کو ابلیس کا شاگرد بنایا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ استاد کا علم طالب علم کم مان کر نہیں آتا زیادہ مانتا ہے تو پڑھنے آتا ہے۔

اور یہی مفتی صاحب نور العرفان صفحہ 730 پیر بھائی کمپنی لاہور پر لکھتے ہیں: شیطان نے کہا میں پرانا صوفی عابد عالم فاضل اور آدم علیہ السلام نے نہ ابھی کچھ سیکھا نہ عبادت کی۔ یعنی علم و عمل میں جناب آدم علیہ السلام سے شیطان زیادہ تھا۔

اب آپ بتائیں کہ بریلوی حضرات شیطان کے علم کو انبیاء سے زیادہ مانتے ہیں یا کم۔ مگر بدنامی کے ڈر سے یہ جرم ہم پر دھر دیا۔ **(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 183، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)**

یہ گھمن کا صریح بہتان ہے مفتی احمد یار خان نعیمی (رحمۃ اللہ علیہ) پر۔ ہرگز مفتی صاحب نے نہ شیطان کو حضرت آدم علی (علیہ السلام) کا استاد کہا اور نہ شیطان کا علم و عمل حضرت آدم سے زیادہ کہا بلکہ آپ نے جگہ جگہ واضح کیا ہے کہ اللہ (عزوجل) نے خود حضرت آدم (علیہ السلام) کو علم عطا فرمایا اور حضرت آدم (علیہ السلام) کا علم شیطان سے زیادہ تھا، شیطان کا علم و عمل اسے متکبر بنا گیا۔ قرآن پاک میں ہے ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾ ترجمہ کنزالایمان: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔

(سورۃ البقرہ، سورۃ 2، آیت 31)

مفتی احمد یار خان نعیمی (رحمۃ اللہ علیہ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''معلوم ہوا کہ تمام نام آدم (علیہ السلام) کو بھی آ گئے کیونکہ تعلیم سکھانے کو کہتے ہیں نہ کہ محض بتانے کو جیسے واعظ وعظ میں لوگوں کو مسائل بتا دے تو لوگوں کو وہ مسائل آنا ضروری نہیں مگر سکھانے میں کوشش ہوتی ہے کہ شاگرد سیکھ بھی جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رب نے تمام چیزیں دکھا کر نام بتائے تھے ورنہ پیش کرنے کے کیا معنی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کی نگاہ معدوم کی کو بھی دیکھ سکتی ہے کیونکہ چیزیں معدوم تھیں مگر آدم علیہ السلام کو دکھا دی گئیں۔

حکم شرعی تکلیفی نہیں بلکہ عجزی ہے یعنی فرشتوں کا عجز ظاہر فرمانے کے لئے حکم دیا گیا کفار عرب سے فرمایا گیا ﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ اگر تم اپنے کو خلافت کا حقدار خیال کرنے میں سچے ہو تو نام بتاؤ۔

یہ عجز کا کلام سارے فرشتوں کا ہے شیطان کا نہیں، وہ تو حاسد بن چکا تھا خاموش رہا۔ خیال رہے کہ شیطان بھی چیزوں کے نام نہ بتا سکا۔ اس لئے وہ بھی سجدے کے حکم میں داخل تھا۔ معلوم ہوا کہ شیطان کا علم حضرت آدم سے بھی کہیں کم تھا جو کہے کہ حضور کے علم سے اس کا علم زیادہ ہے وہ بے ایمان ہے۔

یعنی اے مولیٰ ہم نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ تجھ پر اعتراض کے ارادے سے عرض نہ کیا تھا بلکہ رائے دیتے ہوئے یا حکمت پوچھنے کے لئے عرض کیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو نام سکھائے نہیں بلکہ صرف بتائے جیسے واعظ ایک مجلس میں پچاس مسئلے لوگوں کو سنا دے اس سے وہ لوگ عالم نہیں بن جاتے لہٰذا فرشتے حضرت آدم (علیہ السلام) کی طرح ناموں کے عالم نہ بن

سکے وہاں علم فرمایا تھا یہاں اَنْبَاءَ۔'' (تفسیر نور العرفان، صفحہ 730، صفحہ 8، قدرت اللہ کمپنی، لاہور)

دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں: ''یعنی بغیر کسی سے پڑھے ہوئے مادر زاد عالم اور اکثر انبیاء کرام کا علم لدنی ہوتا ہے آدم (علیہ السلام) کو بھی یہی علم دیا گیا۔'' (تفسیر نور العرفان، صفحہ 362، قدرت اللہ کمپنی، لاہور)

مفتی احمد یار خان نعیمی (رحمۃ اللہ علیہ) نے ان جزئیات سے واضح ہوا کہ آپ یہی نظریہ رکھتے تھے اور یہی لکھتے تھے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کو اللہ (عزوجل) نے علم سکھایا اور آپ کا علم شیطان سے زیادہ تھا۔ گھمن صاحب نے جو الزام لگایا وہ بالکل غلط ہے۔ دراصل گھمن صاحب جو عبارت اس پر پیش کرتے ہیں اس میں کتابت کی غلطی ہے۔ کتابت میں غلطی سے جہاں استاد لکھنا تھا وہاں شاگرد لکھ دیا گیا ہے۔ اگر اس عبارت کے آگے پیچھے دیکھا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ مفتی صاحب یہی فرما رہے ہیں کہ اللہ (عزوجل) نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو علم سکھایا۔ پوری عبارت یوں ہے: ''دوسری تفسیر کی بنا پر آیت کا منشا یہ ہوگا کہ ہم قدرت والے ہیں، جس نے مادی عالم سے حضرت آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا اور سارے نوریوں کا انہیں خلیفہ بنایا اور پیدا فرماتے ہی اُنہیں تمام ناموں کا علم دیا اور وہ فرشتے اور ابلیس جو لاکھوں برس سے تھے، اُنہیں اس نئی مخلوق کا استاد **(یہاں اصل میں لفظ شاگرد تھا)** بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے آدم (علیہ السلام) پر ایسا فضل کیا کہ انہیں خود اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا اور بذات خود بغیر کسی وسیلہ کے علم سکھایا۔'' (معلم تقریر، صفحہ 115، نعیمی کتب خانہ، گجرات)

پڑھنے والے پر بالکل واضح ہے کہ یہاں شیطان کو معاذ اللہ حضرت آدم (علیہ السلام) کو استاد کہنا بنتا ہی نہیں۔ کیونکہ آگے پیچھے کی واضح عبارت اس پر قرینہ ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) کو رب تعالیٰ نے خود علم عطا کیا ہے پھر وہ معاذ اللہ ابلیس کے شاگرد کیسے ہو سکتے ہیں؟ خود دیوبندی اپنے مولویوں کے صریح کفر پر چیختے ہیں کہ اس میں تاویل کیوں نہیں کی گئی اور اہل سنت کی جب باری آئے تو کتابت کی غلطی کو بھی مصنف کے کھاتے ڈال کر بھنگڑے ڈالنا شروع ہو جاتے ہیں۔

کتابت کی غلطیاں ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے، ایسا کئی مرتبہ ہوتا ہے۔ خود گھمن صاحب نے مفتی صاحب کی یہی عبارت اور اس کا حوالہ اپنی کئی کتب میں ذکر کیا ہے اور کتابت کی کئی غلطیاں کی ہیں۔ گھمن صاحب نے اپنی اسی کتاب میں مفتی صاحب کی کتاب نام "معلم التقریر" لکھا ہے جبکہ نام "معلم تقریر" ہے۔ اپنی دوسری کتاب بنام **''فرقہ سیفیہ کا تحقیقی جائزہ''** میں "معلم تقریر" کی بجائے نام "معلم القدیر" لکھ دیا ہے۔ لہٰذا جب آپ سے کتابت میں غلطی ہو سکتی ہے تو دوسروں سے بھی ہو سکتی ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی (رحمۃ اللہ علیہ) کی اصل عبارت یہ تھی ''شیطان نے کہا میں پرانا صوفی عابد عالم فاضل اور آدم علی (علیہ السلام) نے نہ ابھی کچھ سیکھا نہ عبادت کی'' مفتی صاحب نے شیطان کا مقولہ پیش کیا تھا یہ ان کا اپنا کلام نہ تھا۔لیکن گھمن صاحب نے انتہائی چالاکی سے یہ عبارت ساتھ ملادی ''یعنی علم وعمل میں جناب آدم (علیہ السلام) سے شیطان زیادہ تھا۔'' یہ عبارت اس لئے ملائی تاکہ مفتی صاحب پر جو بہتان باندھا ہے اسے چار چاند لگ جائیں اور پڑھنے والا سمجھے کہ یہ عبارت بھی مفتی صاحب کی ہے۔دیوبندیوں کی دیانت کا یہ حال ہے۔

اَلْمُہَنَّد میں دیوبندیوں کی ہیرا پھیریاں

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

ہم آخر میں اپنا نقطہ نظر المہند علی المفند سے عرض کر دیتے ہیں جو عرب وعجم کی مصدقہ ہے۔سوال: کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ ملعون شیطان کا علم سید الکائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے زیادہ اور مطلقاً وسیع تر ہے اور کیا یہ مضمون تم نے اپنی کسی تصنیف میں لکھا ہے اور جس کا یہ عقیدہ ہو اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: اس مسئلہ کو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام کا علم حکم واسرار وغیرہ کے متعلق مطلقاً تمامی مخلوقات سے زیادہ ہے اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلم ہے وہ کافر ہے اور ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کے فتوی دے چکے ہیں جو یوں کہے شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے۔پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جا سکتا ہے؟ ہاں کسی جزئی حادثہ حقیر کا حضرت کو اس لیے معلوم نہ ہونا کہ آپ نے اس کی جانب توجہ نہیں فرمائی آپ کے اعلم ہونے میں کسی قسم کا نقصان نہیں پیدا کر سکتا جبکہ ثابت ہو چکا کہ آپ ان شریف علوم میں جو آپ کے منصب اعلی کے مناسب ہیں۔ساری مخلوق سے بڑھے ہوئے ہیں جیسا کہ شیطان کو بہتیرے حقیر حادثوں کی شدت التفات کے سبب اطلاع مل جانے سے مردود میں کوئی شرافت اور علمی کمال حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان پر فضل اور کمال کا مدار نہیں ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ یوں کہنا کہ شیطان کا علم سیدنا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے ہرگز صحیح نہیں جیسا کہ کسی اپنے بچے کو جسے کسی جزئی اطلاع ہوگئی ہے یوں کہنا صحیح نہیں کہ فلاں بچہ کا علم اس بحر و محقق مولوی سے زیادہ ہے جس کو جملہ علوم وفنون معلوم ہیں، مگر یہ جزئی معلوم نہیں اور ہم ہدہد کا سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والا قصہ بتا چکے ہیں اور یہ آیت پڑھ چکے ہیں کہ مجھے وہ اطلاع ہے جو آپ کو نہیں اور کتب حدیث وتفسیر اس قسم کی

مثالوں سے لبریز ہیں۔نیز حکماء کا اس پر اتفاق ہے کہ افلاطون وجالینوس وغیرہ بڑے طبیب ہیں جن کو دواؤں کی کیفیت وحالات کا بہت زیادہ علم ہے حالانکہ یہ بھی معلوم ہے کہ نجاست کے کیڑے نجاست کی حالتوں اور مزے اور کیفیتوں سے زیادہ واقف ہیں تو افلاطون وجالینوس کا ان ردی حالت سے ناواقف ہونا ان کے اعلم ہونے کو مضر نہیں اور کوئی عقلمند بلکہ احمق بھی یہ کہنے پر راضی نہ ہوگا کہ کیڑوں کا علم افلاطون سے زیادہ ہے حالانکہ ان کا نجاست کے احوال سے افلاطون کی بہ نسبت زیادہ واقف ہونا یقینی امر ہے اور ہمارے ملک کے مبتدعین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تمام شریف وادنی واعلی وافضل علوم ثابت کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے افضل ہیں تو ضرور سب ہی کے علوم جزئی ہوں کلی آپ کو معلوم ہوں گے اور ہم نے بغیر کسی معتبر نص کے اس فاسد قیاس کی بناء پر اس علم کلی وجزئی کے ثبوت کا انکار کیا ہے۔

ذرا غور تو فرمایئے کہ ہر مسلمان کو شیطان پر فضل وشرف حاصل ہے۔ پس اس قیاس کی بناء پر لازم آئے گا کہ ہر امتی بھی شیطان کے ہتھکنڈوں سے آگاہ ہو اور لازم آئے گا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر ہو اس واقعہ کی جسے ہدہد نے جانا اور افلاطون وجالینوس واقف ہوں کیڑوں کی تمام واقفیتوں سے اور سارے لازم باطل ہیں چنانچہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔یہ ہمارے قول کا خلاصہ ہے جو براہین قاطعہ میں بیان کیا گیا جس نے کند ذہن بددینوں کی رگیں کاٹ دیں اور دجال ومفتری گروہ کی گردنیں توڑ دی ہیں۔سو اس میں ہماری بحث صرف بعض حادثات جزئی میں تھی اسی لیے اشارہ کا لفظ ہم نے لکھا تھا تاکہ دلالت کرے کہ نفی واثبات سے مقصود صرف یہی جزئیات ہیں لیکن مفسدین کلام میں تحریف کیا کرتے ہیں اور شاہنشاہی محاسبہ سے ڈرتے نہیں اور ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے وہ کافر ہے چنانچہ اس کی تصریح ایک نہیں ہمارے بہترے علماء کر چکے ہیں اور جو شخص ہمارے بیان کے خلاف ہم پر بہتان باندھے اس کو لازم ہے کہ شاہنشاہ روز جزاء سے خائف بن کر دلیل بیان کرے اور اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے۔المہند علی المفند، صفحہ 57 تا 60۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 184۔۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب المہند میں آپ جیسا مردود حاشیہ لگا کر جواب کیوں نہیں دیا گیا؟ یہاں پھر وہ کفریہ عبارت ذکر نہیں کی گئی بلکہ خود انبیٹھوی اور گنگوہی کو کافر قرار دے دیا ہے۔لہٰذا یہ بے تکہ اور بے ڈھنگہ فلسفہ دیوبندیوں میں تو چل سکتا ہے اہل علم حضرات کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

یہاں خلیل صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اپنا مسلک بچاتے ہوئے انبیاء کی شان وعظمت کو بلند کر رہے ہیں اور دوسری طرف ان کے مولوی کہتے ہیں کہ امتی عمل میں نبی کے برابر بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں چنانچہ دیوبند مذہب کا بانی قاسم نانوتوی صاحب تحذیر الناس میں لکھتا ہے: ''انبیاء اپنی امت سے ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل، اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہوجاتے ہیں، بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔'' (تحذیر الناس، صفحہ7، دارالاشاعت، کراچی)

دیوان جی نامی ایک صاحب کے متعلق مناظر احسن گیلانی دیوبندی نے اپنی کتاب سوانح قاسمی میں ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے موصوف لکھتے ہیں: ''مولانا محمد طیب نے یہ اطلاع دی ہے کہ یٰسین نام کے دو صاحبوں کا خصوصی تعلق سیدنا الامام الکبیر (مولوی قاسم صاحب نانوتوی) سے تھا جن میں سے ایک تو یہی دیوان جی دیوبند کے رہنے والے تھے اور بقول مولانا طیب صاحب دیوبند میں حضرت والا کی خانگی اور ذاتی دور کا تعلق انہی سے تھا لکھا ہے کہ صاحب نسبت بزرگ تھے اپنے زنانہ مکان کے حجرے میں ذکر کرتے۔ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانے میں کشفی حالت دیوان جی کو اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ باہر سڑک پر آنے جانیوالے نظر آتے رہتے تھے درو دیوار کا حجاب ان کے درمیان ذکر کے وقت باقی نہیں رہتا تھا۔'' (حاشیہ سوانح قاسمی، جلد 2، صفحہ 73، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے ایک خانگی خادم کی یہ کشفی حالت کہ مٹی کی دیواریں شفاف آئینہ کی طرح ان پر روشن رہا کرتی تھیں لیکن فہم واعتقاد کی اس گمراہی پر سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے کہ ان حضرات کے یہاں مٹی کی دیواریں سرکار رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نگاہ پر حجاب بن کر حائل رہتی تھیں جیسا کہ دیوبندی جماعت کے معتمد وکیل مولوی منظور صاحب نعمانی تحریر فرماتے ہیں ''اگر حضور دیوار کے پیچھے کی سب باتیں معلوم ہوجایا کرتے تھیں تو حضرت بلال سے (دروازہ پر کھڑی عورتوں کے نام لیکر) دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔'' (فیصلہ کن مناظرہ، ص 135، دا الاشاعت سنبھل، ضلع مراد آبادی یوپی انڈیا)

مزید ملاحظہ ہو کہ کسی نے اشرف علی تھانوی کو خط میں لکھا کہ اگر آپ (مولانا تھانوی) کی صورت کا تصور کرلوں تو نماز میں جی لگتا ہے۔ (جواباً تھانوی صاحب نے) فرمایا جائز ہے۔ (ملفوظات اشرف العلوم بابۃ ماہ رمضان 1355ھ، صفحہ84)

یہاں مولانا تھانوی کی صورت کا تصور نماز میں کرنا جائز ہے۔ لیکن جب نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ذاتِ مبارک کی بات آئی تو دیوبندی اور وہابیوں کے پیشوا اسماعیل دہلوی نے کہا: ''نماز میں زنا کے وسوسے سے اپنی بی بی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا لینا اپنے بیل اور گدھے کی

صورت میں مستغرق ہونے سے بُرا ہے۔۔۔ غیر کی تعظیم اور بزرگی جو نماز میں ملحوظ ہو وہ شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے۔'' (صراط مستقیم مترجم، صفحہ97، کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند)

کیا اب بھی قارئین کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ دیوبند مذہب میں انبیاء (علیہم السلام) کی کوئی عظمت نہیں ہے۔ المھند میں جو انبیاء (علیھم السلام) کو قدر ومنزلت کا دعوئی کیا گیا وہ فقط دعوئی ہے۔

فصل سوم: اشرف علی تھانوی کی کفریہ عبارت اور مردود تاویلات

اشرف علی تھانوی سے سوال ہوا کہ حضور (علیہ السلام) کو عالم الغیب کہنا کیسا ہے؟ اس کے جواب میں تھانوی صاحب نے پہلے تو حضور (علیہ السلام) کو عالم الغیب کہنے کی نفی کی پھر واضح طور پر بعض علوم غیبیہ میں حضور (علیہ السلام) کے علم مبارک کو جانوروں سے تشبیہ یا برابری دی چنانچہ لکھا: ''پھر یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی (بچہ) مجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔'' (حفظ الایمان، صفحہ8، کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی، دیوبند)

گھسن صاحب یہاں بھی تھانوی صاحب کے صریح کفر پر بے جھجک لکھتے ہیں:

الزام بر حکیم الامت مجدد ملت الشاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ: فاضل بریلوی لکھتے ہیں: اسی گنگوہی کے دم چھلوں میں سے اشرف علی تھانوی کہتے ہیں: اس نے ایک چھوٹی سے رسلیا تصنیف کی کہ چار ورق کی بھی نہیں اور اس میں تصریح کی کہ غیب کی باتوں کا جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا تو ہر بچے اور ہر پاگل بلکہ ہر جانور اور ہر چار پائے کو حاصل ہے۔ اس کی ملعون عبارت یہ ہے کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔ حسام الحرمین، صفحہ 18۔

اس میں گستاخی کیا ہے ہمارا یہ سوال بریلویوں سے ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 188، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہ صراحۃً حضور اقدس سید المرسلین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو فحش گالی دینا ہے اور ان کی شان میں ادنی گستاخی

کفر، جس کی مبارک مقدس منور تفصیل شفا شریف اوراس کی شرح میں ہے۔ یہاں واضح طور پر حضور (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں سے تشبیہ یا برابری دی جارہی ہے لیکن گھمن صاحب کتنے آرام سے کہہ رہے ہیں کہ اس میں کیا گستاخی ہے؟ قارئین انصاف کریں! اگر آپ کا بیٹا یا نوکر یا غلام آپکی کسی شے کو گدھے یا کتے سے صرف تشبیہ ہی دے کہ تمہاری فلاں بات گدھے کی سی ہے فلاں چیز کتے سے ملتی ہے تو کیا اس نے آپکو گالی نہ دی؟ کیا آپ کے ساتھ شدید گستاخی نہ کی؟

تھانوی نے حضور (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دی یا نہیں؟

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

وہ جواب میں لکھتے ہیں: تھانوی صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو ہر کس و ناکس زید وعمرو بکر بلکہ مجنون پاگلوں جانوروں کے علم سے تشبیہ دی یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو ان کے مساوی بتایا اور اس پر فریقین کا اتفاق ہے کہ ان دونوں باتوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی توہین اور تحقیر ہے۔ مسئلہ تکفیر اور امام احمد رضا، صفحہ 34۔

خلاصۃ الکلام یہ ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھٹیا تشبیہ دینا یا آپ کے علم کو گھٹیا چیزوں کے برابر کہنا توہین و گستاخی ہے۔ اب ہم سے سنئے! حضرت حکیم الامت کی عبارت میں نہ تو آپ علیہ السلام کے علم مبارک کو جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور نہ ہی ان کے برابر کیا گیا ہے۔

آیئے! بریلویوں کے جید عالم مفتی خلیل احمد خان قادری برکاتی کی سنئے وہ اسی عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جناب ابھی تک آپ یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ اس عبارت میں آپ کے نزدک تشبیہ ہے یعنی معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو ان مذکورہ اشیاء کے علم کے ساتھ تشبیہ ہے یا برابری (کیونکہ ابھی گزر چکا ہے کہ بریلوی کہتے ہیں یا تشبیہ ہے یا برابری)

فاضل بریلوی نے تو برابری کے معنی متعین کیے ہیں چنانچہ اس کا ترجمہ عربی میں مثل کے ساتھ کیا ہے۔ مگر جناب کو ان کے بیان کئے ہوئے معنی میں تردد ہے جب ہی تو یہ کہہ رہے ہیں کہ تشبیہ دی یا برابر کر دیا۔ نعوذ باللہ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مولوی اشرف علی صاحب کی عبارت میں نہ تشبیہ ہے نہ برابری لفظ ''ایسا'' نہ تشبیہ کے لیے متعین ہے نہ برابری کے لیے یہ فاضل بریلوی کی خوبی فہم ہے کہ اپنی رائے سے مقرر کر کے اس پر احکام کفر لگا دیے۔

سنئے! اہل زبان ہندوستان کے یہاں لفظ ایسا ہر جگہ تشبیہ کے لیے ہی نہیں بولا جاتا ہے ہم آپ سے پوچھتے ہیں کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ زید نے ایسا گھوڑا خریدا ہے جو اس کو پسند آیا یا زید نے ایسا کام کیا جس سے سب لوگ خوش ہو گیے۔ کہئے کہاں دونوں مثالوں میں لفظ ایسے کے معنی تشبیہ یا برابری کے لیے کب ہوئے پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں: اگر مولوی شریف الحق صاحب کے بقول تشبیہ ہے تو تشبیہ میں مشبہ ومشبہ بہ میں برابری کیا لازم ہے اہل فن کا مقررہ قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے اقوی ہوتا ہے۔ خلیفہ معتمد باللہ کی مدح میں میں جو اس مداح حسان مصیصی شاعر انہ اندلس نے کہا تھا

کان ابوبکر ابو بکر الرضی و حسان حسان و انت محمد

یعنی اے ممدوح تیرا وزیر ابوبکر ابن زید ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مانند ہے اور تیرا مداح شاعر حسان مصیصی حسان بن ثابت مداح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند ہے اور تو خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مانند ہے۔

اس پر بعض شارحین شفا نے کہا تھا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر معتمد باللہ کو حسان شاعر نے کہہ دیا ہے اس پر علامہ خفاجی نے شرح شفا میں اور علامہ علی قاری نے اپنی شرح شفا میں اعتراض فرمایا اور تشبیہ کی بناء پر دعوئی برابری کو خلاف قاعدہ مقررہ اہل فن قرار دیا۔

علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں فرمایا کہ ان شارحین کے کلام کو نہ ذکر کرنا ہی بہتر ہے۔ علامہ علی قاری نے فرمایا یعنی اس شعر حسان مصیصی پر شارحین نے مصنف کی تبعیت میں طویل کلام کیا ہے لیکن کلام اشکال سے خالی نہیں اس لیے کہ تشبیہ سے مشبہ بہ کے ساتھ کمال میں برابری لازم نہیں آتی بلکہ قاعدہ مقرر ہے کہ مشبہ بہ اقوی ہوتا ہے۔ سارے حالات میں۔۔۔الخ

اس میں تصریح ہے کہ تشبیہ میں برابری نہیں ہوتی اگر کسی اعلی درجہ کی چیز کو کسی ادنی درجہ کی چیز سے بغرض سمجھانے مخاطب کو تشبیہ دے دی جائے تو اس کو توہین و تنقیص نہیں کہا جا سکتا۔ صحیح بخاری شریف میں حدیث موجود تھی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ آپ پر وحی کس طور سے آتی ہے تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی کبھی مجھ پر وحی مثل گھنٹہ کے آواز کے آتی ہے۔

غور کیجئے کہ اس حدیث شریف میں وحی الہی کے نزول کو گھنٹہ کی آواز کے مثل فرمایا یعنی گھنٹہ کی آواز سے تشبیہ دی ہے حالانکہ گھنٹہ کی آواز کو حدیث شریف میں شیطانی آواز فرمایا گیا ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جس قافلہ میں گھنٹہ ہوتا ہے اس قافلے میں رحمت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے کیا معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توہین وحی فرمائی؟ انکشاف حق، صفحہ 28 تا 130۔

پھر آگے لکھتے ہیں: جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کی پیدائش اور تمام عالم کی بقا کا سبب مان رکھا ہے اور تمام علوم عالیہ شریفہ لوازم نبوت کا جامع مان رہا ہے۔ کیا معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کی برابری زید عمرو مجانین و بہائم وحیوانات کے علم سے کرے گا۔

افسوس عقل وانصاف کو ترک کر دینا اور اپنی انفرادی رائے کو تمام اہل علم کی رائے پر ترجیح دے دینا جبکہ مصنف خود اپنی عبارت کے لیے اس مضمون کا انکار صریح کر رہا ہے اور دوسرے اہل علم بھی اس خبیث مضمون کو اس عبارت کے لئے نہیں مانتے اس پر بھی وہی کہنا دین و دیانت کے خلاف نہیں تو اور کیا ہے۔ انکشاف حق، صفحہ 131۔

قارئین ذی وقار! مفتی خلیل احمد صاحب قادری برکاتی نے صاف کہہ دیا ہے کہ اس عبارت میں حکیم الامت نے نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک علم کو چوپاؤں کے برابر کہا ہے اور نہ ہی تشبیہ دی ہے۔ اور ہم بھی یہی کہتے ہیں اور یہی بات حکیم الامت نے بھی ارشاد فرمائی کہ لفظ ایسا مطلق بیان کے لیے بھی آتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اللہ ایسا قادر ہے اب یہاں نہ تشبیہ ہے اور نہ برابری۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 188۔۔۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھسن صاحب! یہ خلیل برکاتی دیوبندی جسے تم بار بار بریلوی کہہ کر دیوبندیوں کو بے وقوف بنا رہے ہو، ہماری طرف سے وہ بھاڑ میں جائے، اس کی ساری گفتگو صریح غلط اور جہالت ہے۔ تھانوی کے کلام میں تشبیہ و برابری دونوں ہی معنی پائے جاتے ہیں اس لئے تشبیہ کا معنی لینا بھی درست ہے اور برابری کا بھی اور یہ دیوبندیوں کے اپنے دو بڑے مولویوں نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب کی کتاب "حفظ الایمان" میں موجود کفریہ عبارت پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی مرتضی حسن دربھنگی صاحب "توضیح البیان فی حفظ الایمان" میں لکھتے ہیں: "واضح ہو کہ "ایسا" کا لفظ فقط اور مثل کے معنی میں مستعمل نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی اس قدر اور اتنے کے بھی آتے ہیں جو اس جگہ متعین ہیں۔"

جبکہ مولوی تھانوی صاحب کی اسی عبارت پر بحث کرتے ہوئے مولوی حسین احمد ٹانڈوی صاحب "الشہاب الثاقب" میں لکھتے ہیں: "حضرت مولانا تھانوی صاحب عبارت میں ایسا فرمار ہے ہیں لفظ اتنا تو نہیں فرمار ہے، اگر لفظ اتنا ہوتا تو اس

وقت البتہ یہ احتمال ہوتا کہ معاذ اللہ! حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور چیزوں کے برابر کر دیا۔"

مطلب یہ کہ مولوی مرتضی حسن دربھنگی صاحب اپنی عبارت میں فرمارہے ہیں کہ لفظ "ایسا" فقط اور مثل کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ اس کے معنی اتنے اور اس قدر کے بھی آتے ہیں جو کہ عبارت تھانوی میں متعین ہیں جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر لفظ "ایسا" فقط اور مثل کے معنی میں ہوتا تو کفر ہوتا جبکہ حسین احمد ٹانڈوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ اگر یہاں پر لفظ "اتنا" ہوتا تو پھر عبارت میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دوسری چیزوں کے ساتھ برابری ثابت ہوتی۔

اب سوال یہ ہے کہ مولوی مرتضی حسن دربھنگی صاحب کی توجیہ کے مطابق حسین احمد ٹانڈوی صاحب اور ٹانڈوی صاحب کی توجیہ کے مطابق دربھنگی صاحب کافر ہوئے کہ نہیں؟

باقی خلیل بجنوری نے جو مشبہ اور مشبہ بہ پر کلام کیا ہے تو گھسن صاحب خلیل دیوبندی کو بھی آپ کی طرح مشبہ اور مشبہ بہ کا کچھ پتہ نہیں ہے۔

خلیل بجنوری کی عبارت میں دو باتیں ہیں:۔

(1) لفظ ایسا ہمیشہ تشبیہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ بیان کے لئے بھی ہوتا ہے۔

(2) مشبہ بہ اقوی ہوتا ہے۔

(1) جو شعر پیش کیا گیا وہاں مشبہ بہ حضور (علیہ السلام) تھے اس وجہ سے ملا علی قاری نے فرمایا کہ مشبہ بہ اقوی ہوتا ہے اسلئے کفر نہیں۔ اور تھانوی کی عبارت میں مشبہ بہ جانور تھے تو یہ اور زیادہ صریح کفر ہوا کہ جانوروں کا علم حضور (علیہ السلام) سے زیادہ ہوا۔

اگر تھانوی نے یہاں نہ تشبیہ دی ہے نہ توہین کی ہے فقط بیان کے لئے لفظ "ایسا" کا استعمال کیا ہے، تو ہمارا دیوبندیوں سے سوال ہے کہ پھر اس کا مطلب کیا ہوا؟ تھانوی کا حضور (علیہ السلام) اور جانوروں کا ایک جگہ ذکر کرنے کا مطلب کیا ہوا؟ کیا سمجھانا چاہتے تھے؟ اگر کہتے ہیں کہ فقط مثال دینے کے لئے تھا تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ مثال دینے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس وجہ سے مثال دی گئی ہے اس وجہ سے وہ مثال ممثل لہ کے موافق ہو اگر کسی چیز کی عظمت بیان کرنا مقصود ہو تو عظیم چیز سے مثال دی جائے گی اور اگر کسی چیز کی حقارت بیان کرنا مقصود ہے تو حقیر چیز سے مثال دی جائے گی۔ دیکھیں قرآن پاک میں اللہ (عزوجل) نے بت پرستی کی مثال مکھی سے دی کہ ان بتوں سے مکھی کے نقصان کا ازالہ نہیں کیا جا سکتا اور مکڑی کے گھر (جالے) کی مثال دی

تا کہ آشکار ہو جائے کہ ان بتوں کی عبادت اس سے بھی کمزور ہے۔ یہاں تھانوی کا مقصود بعض علم غیب ثابت کرنا تھا اور انہوں نے وہ علم حضور (علیہ السلام) کے ساتھ ساتھ جانوروں کے لئے ثابت کیا۔

لفظ ''ایسا'' جب مطلق وہاں بیان کیلئے آتا ہے جہاں مشبہ بہ مذکور نہ ہو نہ صراحۃً نہ حکماً اور تھانوی صاحب کی عبارت میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں موجود ہیں یہاں لفظ ''ایسا'' یقیناً تشبیہ کے لئے ہے۔ دیکھیں اگر یوں ہو کہ اللہ (عزوجل) ایسا قادر ہے تو اس میں لفظ ایسا مطلق بیان ہی کے لئے ہے کیونکہ اس میں مشبہ بہ موجود نہیں ہے اور اگر مشبہ بہ کے ساتھ کوئی وہابی جاہل یوں کہہ دے کہ اللہ (عزوجل) ایسا قادر ہے جیسے حیوانات تو ضرور یہاں لفظ ایسا تشبیہ کے لئے ہے مطلق بیان کے لئے نہیں ہو سکتا۔ تھانوی صاحب نے علم غیب کی دو قسمیں کی اور ایک علم کل اور دوسری علم بعض۔ علم کل کا تو اس نے حضور (علیہ السلام) کے لئے واضح بطلان کیا اور باقی رہا علم بعض تو اس کے متعلق اس نے واضح کیا کہ اس بعض علم میں حضور (علیہ السلام) کی کیا تخصیص ایسا علم تو زید و عمر بلکہ ہر بچہ ہر پاگل بلکہ تمام جانوروں، چارپاؤں کے لئے بھی حاصل ہے۔ تو یہاں واضح طور پر تھانوی صاحب حضور علی (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں کی مثل کہا۔

مزید وضاحت کے لئے تشبیہ کے مطلب وغرض کو بیان کیا جاتا ہے:۔

شبیہ کا لفظ ''شبہ'' سے نکلا ہے جس کے معنی ''مماثل ہونا'' کے ہیں۔ علم بیان کی اصطلاح میں جب کسی ایک شے کی کسی اچھی یا بری خصوصیت کو کسی دوسری شے کی اچھی یا بری خصوصیت کے معنی قرار دیا جائے تو اسے تشبیہ کہتے ہیں۔ تشبیہ کے پانچ ارکان ہیں:۔

وہ شے جسے کسی دوسری شے سے تشبیہ دی جائے، اسے مشبہ کہتے ہیں۔ وہ شے جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے، مشبہ بہ کہلاتی ہے۔ وہ مشترک صفت جو مشبہ اور مشبہ بہ میں پائی جائے، اسے وجہ شبہ کہتے ہیں۔ غرضِ تشبیہ وہ مقصد جس کی خاطر تشبیہ دی جائے۔ حرفِ تشبیہ وہ حرف جسے تشبیہ دینے کے لیے استعمال کیا جائے مثلاً سا، سی، طرح، وغیرہ وغیرہ۔

مثال: ''آیا ہے تو جہاں میں مثال شرار دیکھ دم دے نہ جائے ہستیء ناپائیدار دیکھ''

اس شعر میں انسان مشبہ، شرار مشبہ بہ، مثال حرف تشبیہ، ناپائیداری وجہ شبہ اور زندگی کی ناپائیداری کو واضح کرنا غرض تشبیہ ہے۔

اس کو سمجھنے کے بعد اب تھانوی صاحب کی عبارت کی طرف آئیں اس میں حضور (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں سے

تشبیہ دی گئی ہے۔ مشبہ حضور (علیہ السلام) کا علم، مشبہ بہ زید، عمر و اور جانوروں کا علم، تشبیہ کی وجہ بعض علوم میں حضور (علیہ السلام) اور جانوروں کے علم کا اشتراک، غرض یہ کہ حضور کے لئے علم غیب کا اطلاق جائز نہیں، اس عبارت میں حرف تشبیہ لفظ ''ایسا'' ہے۔

دیوبندی مفتی خلیل کا کہنا کہ تشبیہ میں ضروری نہیں کہ توہین ہی ہو، یہ دیوبندیوں کی اپنی ایجاد ہے۔ تشبیہ میں دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی اعلیٰ کو ادنی سے تشبیہ دی جائے تو یہ یقیناً توہین ہوتی ہے۔ اس پر انہوں نے وحی اور گھنٹی کی مثال پیش کی۔ جس سے یہ ثابت کرنا چاہا کہ تھانوی نے اگر حضور (علیہ السلام) کے ساتھ جانوروں کا ذکر کیا ہے تو اس میں کیا توہین ہے؟ یہ دیوبندیوں میں تو توہین نہیں ہو سکتی البتہ شرعاً یہ سخت توہین ہے۔ وحی اور گھنٹی کو جو مثال دے کے استدلال کیا ہے وہ انتہائی جاہلانہ ہے۔ حدیث پاک میں وحی کے گھنٹی سے کلی طور پر تشبیہ نہیں دی گئی بلکہ تشبیہ مسلسل آواز آنے میں دی گئی ہے۔ یعنی جس طرح گھنٹی سے آواز آتی رہتی ہے جب تک گھنٹی بجتی رہی اسی طرح فرشتہ جب وحی لے کر آتا ہے تو دوران وحی ایک آواز (جو گھنٹی کی آواز کے علاوہ ہے وہ) سنائی دیتی رہتی ہے۔ فتح الباری میں اس حدیث کے متعلق ہے ''فإن قيل المحمود لا يشبه بالمذموم والمشبه الوحي وهو محمود والمشبه به صوت الجرس وهو مذموم لصحة النهي عنه والجواب أنه لا يلزم في التشبيه تساوي المشبه بالمشبه به في الصفات كلها بل يكفي اشتراكهما في صفة،قيل والصلصلة المذكورة صوت الملك بالوحي ملخصا'' یعنی اگر کہا جائے کہ محمود چیز کو مذموم سے مشابہت نہیں دی جاتی کہ یہاں مشبہ وحی ہے اور مشبہ بہ گھنٹی کی آواز ہے جبکہ گھنٹی کی ممانعت حضور علی (علیہ السلام) سے ثابت ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ میں مشبہ کا مشبہ بہ سے تمام صفات میں برابری ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ کسی ایک صفت میں اشتراک پایا جانا بھی کافی ہے۔ کہا گیا کہ اس حدیث میں گھنٹی سے مراد فرشتے کی وحی کے دوران آواز ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری، جلد1، صفحہ 20، دار المعرفۃ، بیروت)

اگر دیوبندی مولوی مفتی خلیل جسے گھمن صاحب بریلوی ظاہر کرتے ہیں اس کی مردود تحقیق بھی لی جائے کہ ''تشبیہ میں برابری نہیں ہوتی اگر کسی اعلیٰ درجہ کی چیز کو کسی ادنی درجہ کی چیز سے بغرض سمجھانے مخاطب کو تشبیہ دے دی جائے تو اس کو توہین و تنقیص نہیں کہا جا سکتا۔'' تو کسی دیوبندی کو یہ کہنا درست ہوگا کہ آپ ایسے ہیں جیسے کتا ہوتا ہے کہ وہ بھی مالک کا فرمانبردار ہوتا ہے اور آپ دیوبند مذہب کے فرمانبردار ہیں۔ اب اسے مثال، سمجھیں یا تشبیہ دونوں صورتوں میں دیوبندی مذہب میں یہ توہین نہیں ہے۔ اب کیا خیال ہے ہر دیوبندی کو یہ کہنا شروع نہ کر دیا جائے؟

گھمن صاحب کا یہ کہنا کہ تھانوی صاحب نے عالم الغیب ہونے کی نفی کی تھی

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ گفتگو حکیم الامت رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم مبارکہ کے متعلق نہیں کر رہے بلکہ وہ تو لفظ عالم الغیب پر گفتگو کر رہے ہیں کہ اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب بعض علم کی وجہ سے کہا جاتا ہے تو پھر تو ہر ایک کو کہنا چاہیے کیونکہ ہر ایک کے پاس کچھ نہ کچھ معلومات ہوتی ہے جو کہ بعض علم کہلاتی ہے۔ آخری جملہ جو فاضل بریلوی نے اڑا دیا اس سے یہ بات مفہوم ہو رہی تھی وہ ٹکڑا یہ ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہوتی ہے اگر ٹکڑا لکھ دیا جاتا تو ہر آدمی اس ٹکڑے کو دیکھ کر بات سمجھ لیتا ہے کہ لفظ "ایسا علم" سے نبی پاک علیہ السلام کے علم مبارک کی طرف اشارہ نہیں بلکہ اس آخری ٹکڑے والے علم کی طرف اشارہ ہے۔ مگر فاضل بریلوی تو فاضل تھے۔

اور دوسری خیانت فاضل نے یہ کی کہ ایک ٹکڑا عبارت کا آخر سے اڑا دیا جو یہ تھا کہ تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے تا کہ لوگوں کا دماغ اس طرف جائے کہ بات اس پر ہو رہی ہے کہ آپ علیہ السلام کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اب ٹکڑا اڑانے سے لوگوں کو دھوکہ دیا کہ بات آپ علیہ السلام کے علم مبارک کی ہو رہی ہے۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 192، 193، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب آپ پھر وہی رونا رونا شروع ہو گئے کہ یہ شامل نہیں کیا وہ شامل نہیں کیا۔ اب آپ دیوبندیوں کو راضی کرنے کے لئے کہہ رہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے آخری جملہ اڑا دیا، ذرا یہ تو بتائیں اس آخری جملے سے فرق کیا پڑا؟! اگر آخر جملہ بھی شامل کر لیں تو بھی عبارت کفریہ ہی رہے گی۔ قارئین کے سامنے وہ پوری عبارت پیش کرتے ہیں اور قارئین خود فیصلہ کریں

"اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید، عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔"

ہمارا اختلاف یہ نہیں کہ حضور (علیہ السلام) کو تھانوی صاحب نے عالم الغیب کیوں نہیں کہا۔ ہمارا اختلاف تو یہ ہے کہ تھانوی صاحب نے حضور (علیہ السلام) کو عالم الغیب کہنے کی نفی ثابت کرتے ہوئے بعض علوم غیبیہ میں حضور (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں سے تشبیہ دی۔

مناظر اسلام مولانا غلام مہر علی صاحب دیوبندیوں کے اسی فریب کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ فقرہ کیا، اگر ایسے ہزاروں فقرے ہوں، تب بھی تھانوی صاحب کی کفریہ عبارت کو کفر سے نہیں نکال سکتے، کیونکہ حضور (علیہ الصلوۃ والسلام) کو عالم الغیب کہنے یا نہ کہنے سے تو ہمیں یہاں بحث ہی نہیں، بلکہ اس کی اس کفریہ عبارت پر اعتراض ہے کہ بتمامہ نقل کر دی گئی ہے اور اس فقرہ کے ہوتے ہوئے بھی یقیناً یہ عبارت کفر سے لبریز ہے۔ دیکھو اگر کوئی دیوبندی مولوی اشرف علی صاحب کو عالم کہے اور دوسرا شخص یہ کہہ دے کہ بھائی تھانوی صاحب کو عالم نہ کہو کیونکہ تھانوی صاحب کی ذات پر علم کا حکم کیا جانا اگر بقول دیوبندیہ درست ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس علم سے مراد کل علم ہے یا بعض علم؟ (کل ہونا تو عقلاً ونقلاً محال ہے) اور اگر اس سے بعض علم مراد ہے تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص ہے، ایسا علم تو ہر کتے، خنزیر کو بھی حاصل ہے تو چاہئے کہ سب کو عالم کہا جاوے۔

اب بتائیے کہ یہاں "تو چاہئے کہ سب کو عالم کہا جاوے" ملا کر بھی کیا جناب کو یہ عبارت منظور ہے حالانکہ یہ عبارت بعینہ اسی مذکورہ بالا عبارت کا مکمل مثالی فوٹو ہے۔" (دیوبندی مذہب، صفحہ 608، ضیاء القرآن، لاہور)

جی گھمن صاحب سمجھ آئی یا پہلی بھی گئی؟ اب یہ ڈھکوسلے چھوڑ دیں کہ عبارت پوری نہیں لکھی، یہ نہیں کیا، وہ نہیں کیا۔

حفظ الایمان کی کفریہ عبارت کے متعلق غیر جانب داروں کی شہادتیں

دیوبندی کہتے ہیں کہ تھانوی صاحب کی عبارت میں کفر صرف بریلویوں کو ہی نظر آتا ہے ورنہ اس عبارت میں کفر نہیں ہے۔ دیوبندیوں کے اس شیطانی خیال کو مردود ثابت کرتے ہوئے چند ایسے اشخاص کا حوالہ دیا جاتا ہے جو غیر جانب دار ہیں اور انہوں نے واضح طور پر تھانوی کی اس عبارت کو کفر و گستاخی قرار دیا ہے۔

دہلی کے مشہور سلسلہ نقشبندیہ کے شیخ طریقت حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے حضرت مولانا شاہ ابوالخیر دہلوی میرٹھ الٰہی بخش صاحب کی کوٹھی میں تھے وہاں امام المناظرین حضرت مولانا غلام دستگیر صاحب قصوری کے حامی ایک بزرگ پیر سید گلاب شاہ اور تھانوی صاحب اور قاری طیب کے والد حافظ احمد بھی تھے۔ اب آگے قضیہ مولانا زید ابوالحسن صاحب کی زبانی سنئے:

"پیر سید گلاب شاہ نے مولوی اشرف علی صاحب کی کتاب "حفظ الایمان" کے صفحہ 7 کا حوالہ دیتے ہوئے سنایا: دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے۔۔الیٰ آخرہ۔ (یعنی تھانوی کی پوری کفریہ عبارت پڑھ کر سنائی۔)

یہ سن کر آپ (مولانا ابوالخیر صاحب) نے مولوی اشرف علی سے کہا، کیا یہی دین کی خدمت ہے؟ تمہارے بڑے تو ہمارے طریقہ پر تھے، تم نے اس کے خلاف کیوں کیا؟ مولوی صاحب (اشرف علی تھانوی) نے کہا میں نے اس عبارت کی توضیح اپنے دوسرے رسالے (بسط البنان) میں کر دی ہے۔ آپ (مولانا ابوالخیر صاحب) نے جواباً ارشاد فرمایا: تمہارے اس رسالے کو پڑھ کر کتنے لوگ گمراہ ہو گئے۔ ہم دوسرے رسالے کو لے کر کیا کریں گے۔''

(مقالات شارح بخاری ،جلد2،صفحہ 45،دائرۃ البرکات گھوسی،بحوالہ بزم خیر-از زید صفحہ 11،مقالات خیر،صفحہ 249)

خود تھانوی صاحب نے اسے بیان کیا کہ مولانا ابوالخیر صاحب نے تھانوی صاحب کو اپنی جماعت میں شریک ہونے سے روک دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنی فطری موروثی خوش اخلاقی کی وجہ سے خوش اسلوبی کے ساتھ لکھتے ہیں: ''جب جماعت تیار ہو گئی تو مولانا ابوالخیر صاحب نے مصلے پر جاتے ہوئے فرمایا: میری جماعت والوں کے سوا جو لوگ ہوں وہ علیحدہ ہو جائیں۔''

(بزم جمشید)

حالانکہ جب تھانوی صاحب آئے تھے تو شاہ ابوالخیر صاحب باوجود پیرانہ سالی اور ضعف کے کھڑے ہو کر ملے تھے۔ مگر محبوب خدا کی شان میں گستاخی پر مطلع ہونے کے بعد نماز میں شریک نہ ہونے دیا۔

(ماخوذ از مقالات شارح بخاری ،جلد2،صفحہ 46،دائرۃ البرکات گھوسی)

دوسری شہادت: انہیں حضرت مولانا ابوالخیر صاحب کے صاحبزادے جناب مولانا ابوالحسن زید صاحب لکھتے ہیں: ''حفظ الایمان کی عبارت براہین قاطعہ کی (کنہیا) والی عبارت سے قباحت وشناعت میں بڑھی ہوئی ہے، وہ (تھانوی) لکھتے ہیں کہ ذات مقدسہ پر علم غیب (حفظ الایمان کی کفریہ عبارت)۔ الی آخرہ۔ اس رسالے کے چھپتے ہی ہندوستان کے طول وعرض میں عام طور پر مسلمانوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی، اللہ کے نیک بندے متحیر تھے کہ مولوی صاحب نے کیا لکھا ہے؟ کہاں محبوب خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی علم شریف چاہے وہ علم شریف ایک بدیہی امر کا کیوں نہ ہو اور کہاں زید وعمر وبکر اور صبی و مجنون اور حیوانات وبہائم کا علم۔'' (مقالات شارح بخاری ،جلد2،صفحہ 46،دائرۃ البرکات گھوسی، بحوالہ بزم خیر :از زید، صفحہ 22)

تیسری شہادت: مقامات خیر، صفحہ 616 کے حاشیہ پر حضرت مولانا پیر سید محمد جیلانی بغدادی رفاعی قادری نقشبندی خالدی حیدر آبادی ثم المدنی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے پوتے سید نذیر الدین ولد سید معین الدین کہتے ہیں: ''میرے دادا (پیر سید محمد بغدادی) کے پاس حیدر آباد کے لوگ مولوی اشرفعلی کا رسالہ "حفظ الایمان" لائے اور اس کے متعلق آپ سے دریافت کیا آپ نے رسالہ پڑھ کر فرمایا: علم غیب کے متعلق مولوی اشرفعلی نے نہایت قبیح عبارت لکھی ہے۔ اس کے چند روز بعد

مکہ مسجد میں مولوی اشرفعلی بیٹھے تھے، میرے دادا نے کھڑے ہو کر مولوی اشرفعلی کے رسالہ کی قباحت بیان کی اور کہا کہ اس عبارت میں بوئے کفر آتی ہے۔ پھر چند روز بعد مولانا حافظ احمد (فرزند مولانا محمد قاسم) کے مکان پر علماء کا اجتماع ہوا، چونکہ حافظ احمد صاحب کو میرے دادا سے محبت تھی، اس لئے انہوں نے آپ کو بلایا اور آپ تشریف لے گئے، وہاں حفظ الایمان کی عبارت پر علماء نے اظہار خیال فرمایا۔ آپ نے اس رسالہ کی قباحت کا بیان کیا اور رسالہ کے خلاف فتویٰ دیا۔ پھر تھوڑے دن بعد آپ نے خواب میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا کہ آں حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ سے رسالہ حفظ الایمان کی عبارت رد کرنے اور اس کو قبیح کہنے پر اظہار خوشی فرما رہے ہیں اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے آپ سے فرمایا: ہم تم سے خوش ہوئے تم کیا چاہتے ہو؟ آپ نے عرض کیا میری تمنا ہے کہ اپنی باقی ماندہ زندگی مدینہ منورہ میں بسر کروں اور مدینہ پاک کی مٹی میں مدفون ہوں۔ آپ کی درخواست منظور ہوئی اور آپ اس کے بعد مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے، دس سال وہاں مقیم رہے اور 1364ھ میں رحلت فرما گئے۔''

(مقالات شارح بخاری ،جلد2،صفحہ 48،دائرۃ البرکات گھوسی،بحوالہ مقامات خیر،صفحہ 616)

ان حضرات کی مجدد اعظم اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن انہوں نے بھی واضح کر دیا کہ حفظ الایمان کی عبارت کفریہ ہے۔ لیکن دیو بندی آج بھی بضد ہیں کہ یہ عبارت کفریہ نہیں اور جو اسے کفریہ کہے وہ انگریزوں کا ایجنٹ ہے۔

یہ کہنا کہ تھانوی صاحب نے عبارت تبدیل کر دی تھی

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

القصہ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے مشورہ دیا کہ بے دین لوگ آپ کی تحریر کی وجہ سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں عبارت اگرچہ ٹھیک ہے مگر اس کو بدل دیا جائے تو کیا حرج ہے۔ تو آپ نے اس مشورہ کو قبول کر کے عبارت کو بدل دیا، اب عبارت یوں ہے: اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیا تخصیص مطلق بعض علوم تو غیر انبیاء کو بھی حاصل ہیں تو چاہیے سب کو عالم الغیب کہا جاوے۔ تغیر العنوان، صفحہ 13۔

مگر بریلویت وہیں کھڑی ہے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 193، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! یہ تو پہلے سے زیادہ بڑا کفر ہے کہ تھانوی صاحب نے اپنی کفریہ عبارت سے رجوع نہیں کیا بلکہ اسے صحیح کہا اور جن علماء نے اس پر کفر کا فتویٰ دیا ہے جن میں برصغیر کے مفتیانِ کرام کے ساتھ حرمین شریفین کے علمائے کرام بھی تھے ان سب کو بے دین اور عوام کو دھوکہ دینے والا کہا ہے۔ پیچھے گزرا کہ جب تک اس کہے گئے کفر سے اعلانیہ توبہ نہ کی جائے تب تک جو مرضی لکھتا رہے کہتا رہے رجوع معتبر نہیں۔

پھر گھمن صاحب پتہ نہیں کون سے لوگوں کے مشورہ کی بات کر رہے ہیں کہ جنہوں نے اس عبارت کو ٹھیک کہا اور نہ اسی تغیر العنوان کتاب جس کا گھمن نے حوالہ دیا ہے اس میں واضح طور پر موجود ہے کہ تھانوی صاحب کے مرید نے ان کو عبارت سے رجوع کا کہا ہے چنانچہ اس مرید نے خط میں لکھا: ''الفاظ جس میں مماثلت علمیت غیبیہ محمدیہ کو علوم مجانین و بہائم سے تشبیہہ دی گئی ہے جو بادی النظر میں سخت سوء ادبی ہے۔ کیوں ایسی عبارت سے رجوع نہ کر لیا جائے جس میں مخلصین حامئین جناب والا (تھانوی) کو حق بجانب جواب دہی میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ وہ عبارات آسمانی والہامی عبارت نہیں کہ جس کی مصدرہ صورت اور ہیت عبارت کا بحالہ و یا بالفاظہ باقی رکھنا ضروری ہے۔'' (تغیر العنوان حفظ الایمان، صفحہ 29، طبع شاہکوٹ)

پھر اس تحریفی عبارت میں بھی حضور (علیہ السلام) کی بے ادبی واضح ہے کہ حضور (علیہ السلام) کے علم کو خاص فضیلت نہیں دی جا رہی بلکہ غیر انبیاء (جس میں انبیاء کے علاوہ تمام مخلوق آتی ہے) سب کے برابر کہا جا رہا ہے۔

مثال اور تشبیہ میں فرق

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

اب بریلویت کے گھر میں چلتے ہیں۔ انہوں نے لفظ ''ایسا'' سے دو الزام لگائے:۔

(1) تھانوی صاحب نے آپ کے علم مبارک کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دی۔

(2) ان کے برابر علم کہا۔

اب ہم بھی بریلوی لوگوں کے گھر سے ایسے الفاظ لاتے ہیں اور پھر دنیا کے غیر جانبدار اور سمجھ دار لوگوں کو دعوت فکر دیں گے کہ اگر ہمارے لیے یہ اصول ہے تو ان کے لیے کیوں نہیں۔

مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: ''کسی کو الو گدھا کہہ دو تو وہ رنجیدہ ہو جاتا ہے اور حضرت قبلہ و کعبہ کہہ دو تو خوش ہوتا ہے حالانکہ الو گدھا بھی مخلوق ہیں اور قبلہ و کعبہ بھی ایسے ہی خالق کے مختلف ناموں میں مختلف تاثیریں

ہیں۔ اسرار الاحکام، صفحہ 52۔

اب دیکھئے لفظ ایسے ہی کو وہ کہہ رہے ہیں جیسے کسی کو الو گدھا کہہ دیا جائے تو اثر پڑتا ہے ایسے ہی خدا کے ناموں سے دم وغیرہ کرنے میں بھی اثر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ انہوں نے اثر میں خدا کے نام اور الو گدھا کے ناموں کو برابر نہیں کیا اور کیا ایسی گھٹیا چیز سے تشبیہ دے کر ان کا ایمان باقی رہا۔ مگر بریلویت کو سانپ سونگھ جائے جو اس عبارت کا جواب دینے کی کوشش کریں۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 193، 194، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! سانپ تو آپ کو فقیر کی یہ کتاب پڑھ کر سونگھے گا۔ گھمن صاحب! آپ کو تشبیہ کی تعریف و مفہوم کا ہی پتہ نہیں چلا۔ مفتی صاحب کے کلام اور تھانوی کے کلام میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تھانوی صاحب حضور (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں کے برابر ثابت کر رہے تھے اور مفتی صاحب اللہ (عزوجل) کے ناموں کی خوبیوں کو ثابت کرنے کے لئے زجر کر رہے ہیں۔ مفتی صاحب تشبیہ نہیں دے رہے تشبیہ یوں بنتی کہ جیسی تاثیر الو گدھے کہنے پر ہوتی ہے ایسی ہی تاثیر اللہ (عزوجل) کے نام میں ہوتی ہے معاذ اللہ (عزوجل)۔ تشبیہ میں ایک چیز کو کسی صفت میں دوسری چیز سے ملایا جاتا ہے اور یہاں تاثیر ایک صفت نہیں بلکہ یہاں تاثیر دو طرح کی ہی ایک مذموم اور ایک محمود۔

مفتی صاحب نے ایک مثال کے ذریعے دم کے اثر کو ثابت کیا ہے۔ مثال کہتے ہیں کسی شے کو اس کے غیر کے ساتھ جانچنا و پرکھنا۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر مثال میں تشبیہ ہو۔ مثال میں غرض یہی ہوتی ہے کہ مثال عمدہ پیرائے میں بیان کر کے کسی کام کرنے کی ترغیب دلانا اور اس کی خوبیوں کو احسن انداز میں بیان کرنا تاکہ قاری آسانی سے سمجھ کر اس کی طرف راغب ہو۔ یا مثال اس لئے دی جاتی ہے کہ جب کسی فعل سے نفرت دلانا اور اس کی برائیوں کو کھول کر بیان کیا جاتا ہے تاکہ قاری اسے نفرت کرنے لگے۔ تعظیم قدر الصلاۃ میں ابو عبد اللہ محمد بن نصر بن الحجاج المَرْوَزِی (المتوفی 294ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا "فإن مثل من أشرك بالله كمثل رجل اشترى عبدا له من خالص ماله بذهب أو ورق ثم أسكنه داره، وقال: اعمل وارفع إلي، فجعل العبد يعمل ويرفع إلى غير سيده، فأيكم يرضى أن يكون عبده كذلك؟ وإن الله خلقكم ورزقكم فلا تشركوا به شيئا" یعنی جو اللہ (عزوجل) کے ساتھ کسی کو شریک کرے اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کسی غلام کو اپنے مال سونا چاندی سے خریدے، پھر اسے اپنے گھر رکھے، اس غلام سے کہے کام کر اور کمائی مجھے لا کر دے۔ اب غلام کام کرے اور کمائی کسی دوسرے آقا کو دے تو کیا اس غلام کا آقا اس سے راضی ہوگا؟ اسی طرح

اللہ (عزوجل) نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں رزق دیتا ہے تو کسی دوسرے کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔

(تعظیم قدر الصلاۃ، جلد1، صفحہ177، مکتبۃ الدار، المدینۃ المنورۃ)

اب یہاں آقا کو رب تعالیٰ سے تشبیہ نہیں دی جا رہی بلکہ مثال کے ذریعے شرک سے بچایا جا رہا ہے۔

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

یہی مفتی صاحب اور جگہ لکھتے ہیں: انبیاء نے اپنے آپ کو ظالم ضال خطاوار وغیرہ فرمایا ہے اگر ہم یہ لفظ ان کی شان میں بولیں تو کافر ہو جائیں ایسے ہی حضور سے فرمایا گیا اپنے کو بشر کہو۔ نور العرفان، صفحہ 802، کتب خانہ نعیمی لاہور۔

تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں مفتی احمد یار نعیمی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو ظلم اور گمراہی کے برابر کہا ہے یا اس سے تشبیہ دی ہے؟ جو فتویٰ حکیم الامت حضرت تھانوی پر لگاتے ہو وہ مفتی احمد یار نعیمی پر بھی لگاؤ۔

یہی مفتی اور جگہ لکھتے ہیں: جب لاٹھی سانپ کی شکل میں ہوگی تو کھائے گی پیئے گی مگر ہوگی لاٹھی یہ کھانا پینا اس کی اس شکل کا اثر ہوگا ایسے ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نور ہیں جب بشری لباس میں آئے تو نوری بشر تھے۔ یہ کھانا پینا نکاح وفات اسی بشریت کے احکام ہیں۔ نور العرفان، صفحہ 805، کتب خانہ نعیمی لاہور۔

کیوں شریف الحق امجدی صاحب: یہاں بھی لفظ ایسے آیا ہوا ہے تو کیا آپ کے اصول سے یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کو سانپ سے تشبیہ نہیں دی جا رہی کیا یہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت مبارک کو سانپ کے برابر نہیں کہا جا رہا۔ یہاں آپ خاموش کیوں ہیں کیا وہ فتوے اور اصول ہمارے لیے ہی ہیں یا یہاں بھی کچھ توجہ فرمائیں گے۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 194، 195، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

یہاں پھر گھمن صاحب فضول قسم کی قیاس آرائیاں کی ہیں۔ مفتی احمد یار خان نعیمی (رحمۃ اللہ علیہ) کی عبارتوں میں تشبیہ کا نام ونشان نہیں لیکن گھمن صاحب کو تشبیہ نظر آ گئی۔ گھمن صاحب بھی عجیب ہے تھانوی صاحب کی عبارت میں تشبیہ واضح تھی وہ انہیں نظر نہیں آئی اور یہاں تشبیہ وبرابری ثابت کر رہے ہیں۔

کیا عبدالباری فرنگی محلی نے اعلیٰ حضرت کو شکست دی تھی؟

گھمن صاحب پھر جھوٹ بولتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور یہ بات گزر چکی ہے کہ حفظ الایمان کی عبارت پر سب سے پہلے مناظرہ مولوی احمد رضا اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے مابین ہوا۔ جس میں بڑی ذلت سے فاضل بریلوی کو دو چار ہونا پڑا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ انوار مظہریہ، صفحہ 292۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 195، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب آپ کو آپ ہی کی لکھی ہوئی عبارت دکھائی جاتی ہے۔ آپ نے اسی کتاب میں صفحہ 43 پر لکھا: ''اب مولانا عبدالباری فرنگی محلی پر حسام الحرمین کی رو سے فتویٰ کفر آنا چاہیئے تھا کہ انہوں نے حکیم الامت اشرف الملۃ والدین (رحمۃ اللہ علیہ) کی تکفیر نہ کرکے حسام الحرمین کے فتوے سے انکار کیا اور حسام الحرمین کے فتوے سے انکار کرنے کی وجہ سے حسام الحرمین والا فتویٰ ان پر بھی لگنا چاہیئے تھا مگر فاضل بریلوی نے وہ فتویٰ حسام الحرمین میں لکھا کہ جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے تو وہ خود بھی کافر ہے۔ حسام الحرمین، صفحہ 20۔

یہ فتویٰ مولانا عبدالباری پر نہیں لگایا بلکہ ان کے ساتھ دوستی محبت کو برقرار رکھا اور یہ اصول بھی بریلویوں کے گھر سے مدنظر رہے کہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔۔۔۔''

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ43، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

جی گھمن صاحب اس میں کہاں ہے اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کو معاذ اللہ ذلت سے دو چار ہونا پڑا؟ یہ آپ کا صریح جھوٹ ہے یا نہیں؟ یا دیوبند کے نزدیک جھوٹ کی بھی قسمیں ہیں؟

حقیقت تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) نے عبدالباری فرنگی محلی (رحمۃ اللہ علیہ) کا خوب شد ومد سے رد کیا ہے۔ عبدالباری فرنگی محلی گاندھی کے ساتھ تھے تو انہوں نے بعض ایسے فتوے دیئے جو شرعاً درست نہ تھے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کا خوب رد کیا جیسے ہندوؤں کو راضی کرنے کے لئے کہا گیا کہ گائے کی قربانی نہ کی جائے، گاندھی کو مسلمانوں کا خلیفہ بننے کا اہل ثابت کیا گیا۔ عبدالباری فرنگی محلی (رحمۃ اللہ علیہ) اعلیٰ حضرت کے ایک بھی فتوے کا رد نہ کر پائے اور بعد میں آپ نے اعلیٰ حضرت کے شہزادے قبلہ حامد رضا (رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاتھوں توبہ کی چنانچہ فتاویٰ حامدیہ کے مقدمہ میں ہے: ''حضرت حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خان (علیہ رحمۃ الرحمن) جماعت رضائے مصطفیٰ کی طرف سے چند مشہور علماء کے ہمراہ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ وہاں عبدالباری صاحب اور ان کے متعلقین ومریدین نے زبردست استقبال کیا۔ جب مولانا عبدالباری صاحب نے حجۃ الاسلام سے مصافحہ کرنا چاہا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: جب تک میرے والد گرامی کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے آپ توبہ نہیں کر لیں گے، میں آپ سے نہیں مل سکتا۔ حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی (رحمۃ اللہ علیہ) کا لقب ''صوت الایمان'' تھا، لہٰذا انہوں نے

حق کو حق سمجھ کر کھلے دل سے توبہ کر لی اور یہ فرمایا: ''لاج رہے یا نہ رہے، میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے توبہ کر رہا ہوں، مجھ کو اس کے دربار میں جانا ہے۔ مولوی احمد رضا خاں نے جو کچھ لکھا ہے صحیح لکھا ہے۔'' (فتاوی حامدیہ، صفحہ 56، شبیر برادرز، لاہور)

گھمن صاحب کا خود تحریفات کرنا

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

فاضل بریلوی سے ایک سوال ہوا کہ ایک عالم نے اپنے وعظ میں کہا: اے مسلمانوں آپ لوگوں کو سمجھانے کے لیے ایک مثال دیتا ہوں اس کے بعد آپ لوگ خیال کریں کہ قوت ایمانی میں کہاں تک ضعف ہو گیا ہے۔ دیکھو کسی حاکم کا چپراسی سمن لے کر آتا ہے۔ تو اس کا کس کا قدر خوف ہوتا ہے۔ حالانکہ حاکم ایک بندہ مثل وشما سمن آدھے پیسے کا کاغذ جس میں معمولی مضمون ہوتا ہے۔ چپراسی 5، 6 روپے کا ملازم ہوتا ہے۔ مگر حالت یہ ہوئی ہے کہ اس کے خوف کے مارے لوگ روپوش ہو جاتے ہیں لاچاری سے لینا ہی پڑتا ہے۔ بعدہ وکیل کی تلاش اور روپے کا صرف کرنا کذا و کذا اور اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کہ دم بھر میں تہ و بالا کر سکتا ہے۔ اس کا حکم نامہ قرآن پاک و مقدس کہ جس کے ایک ایک حرف پر دس بیس تیس نیکی کا وعدہ ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔ الخ

الجواب: حاش للہ اس میں نہ تشبیہ ہے نہ تمثیل نہ اصلا معاذ اللہ توہین کی بو۔ فتاویٰ رضویہ، جلد 15، صفحہ 150۔

اب دیکھیے مولوی واعظ صاحب کہہ بھی رہے ہیں کہ ایک مثال دیتا ہوں اور اس میں اس نے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال چپراسی سے دی ہے۔ مگر فاضل بریلوی نے چونکہ اپنا آدمی تھا اس لیے یہ کہہ دیا کہ کوئی تشبیہ و تمثیل نہیں حالانکہ وہ کہہ رہا ہے کہ میں مثال دیتا ہوں۔ اس آدمی نے تمثیل مانی بھی ہے مگر نہ اس مثال میں چپراسی سے آپ علیہ السلام کی برابری تسلیم کی جاتی ہے اور نہ تشبیہ۔

تو ہم بھی یہی کہتے ہیں ہماری مثال میں اس قسم کی گفتگو نہیں۔ اگر یہ گستاخی نہیں تو پھر ہماری کیوں ہے؟ کیا اسی وجہ سے ہے کہ ہم نے دین خالص لوگوں کو سنایا جس سے تمہیں تکلیف ہوئی۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 196، 197، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

قارئین حضرات! گھمن صاحب جو پوری کتاب میں ایک ہی راگ الاپ رہے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے عبارتوں میں قطع برید کر کے کفریہ معنی بنائے ہیں، ہمارے مولوی تو بڑے عاشق تھے وغیرہ۔ اب آپ کو واضح کیا جاتا ہے کہ تحریف کسے کہتے

ہیں اور اور مردود معنی کیسے لئے جاتے ہیں۔ یہاں گھمن نے اعلیٰ حضرت کی عبارت پوری نہ لکھ کر مردود معنی لئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا پورا جواب مع سوال پیش خدمت ہے:۔

سوال: ''ایک عالم سنی حنفی المذہب نے اپنے وعظ میں کہا کہ اللہ (عزوجل) نے ایک سو چار کتاب نازل فرمائی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب میں پروردگار نے فرمایا ﴿وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ﴾ الخ (اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔

اے مسلمانو! آپ لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایک مثال دیتا ہوں اس کے بعد آپ لوگ خیال کریں کہ قوت ایمانی میں کہاں تک ضعف ہو گیا ہے، دیکھو کسی حاکم کا چپراسی ثمن لے کر آتا ہے تو اس کا کس قدر خوف ہوتا ہے حالانکہ حاکم ایک بندہ مثل ماوشما، ثمن پیسہ آدھے پیسہ کا کاغذ جس میں معمولی مضمون ہوتا ہے، چپراسی پانچ چھ روپے کا ملازم ہوتا ہے، مگر یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کے خوف کے مارے لوگ روپوش ہو جاتے ہیں، لاچاری سے لینا ہی پڑتا ہے بعدہ وکیل کی تلاش اور روپے کا صرف کرنا وکذا وکذا، اور اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین کہ دم بھر میں تہ و بالا کر سکتا ہے اس کا حکمنامہ یعنی قرآن پاک و مقدس کہ جس کے ایک ایک حرف پر دس بیس تیس نیکی کا وعدہ ہے وہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لائے کہ جن کی خاطر زمین و آسمان پیدا ہوا، اب بتاؤ کہ اس احکم الحاکمین اور اس قرآن مجید اور اس کے رسول کا فرمان ہم سب مسلمان لوگ کہاں تک بجا لاتے ہیں ہمیشہ وعظ سنتے ہیں عمل نہیں کرتے الخ، اس پر دوسرے ایک عالم نے کہا کہ حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو چپراسی کہنا دین کا، یا اس سے مثال دینا، یا اس سے تشبیہ، تینوں صورتوں میں کفر ہے، اور کہنے والا سابی ہے اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ اب عرض ہے کہ یہ تشبیہ ہے یا تمثیل، اور مثال کا فرق پورے طور سے بیان فرمائیے یہ سوال اگرچہ کوتاہ ہے مگر بڑا اہم اور ضروری ہے جس کے سبب سے ایک بڑا فتنہ وفساد برپا ہو رہا ہے، بینوا توجروا۔''

جواباً اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: ''حاش للہ اس میں نہ تشبیہ ہے نہ تمثیل، نہ اصلا معاذ اللہ توہین کی بو، یہ تو لوگوں کی زجر و توبیخ ہے کہ ایک ذلیل حاکم کا ذلیل فرمان ذلیل چپراسی لائے اس پر تو تمہاری یہ حالت ہوتی ہے اور ملک الملوک واحد قہار جل وعلا کا عزیز و عظیم و جلیل و کریم فرمان اعز المسلمین اکرم المحبوبین (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لے کر تشریف لائے اس کی پروا نہیں کرتے، اس سے اپنی قوت ایمانی کے حال کا اندازہ کر سکتے ہو، اس کی نظیر حضور بشیر و نذیر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ صحیح بخاری میں ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہے "والذی نفسی بیدہ لو یعلم احد هم انه یجد

عرقا سمینا او مرماتین حسنتین لشهد العشاء "قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ان میں کسی کو یہ معلوم ہوتا کہ کوئی فربہ ہڈی جس پر گوشت کا خفیف حصہ لپٹا رہ گیا ہو یا بکری کے اچھے دو کھر ملیں گے (جن کے شگاف میں گوشت کا لگاؤ ہوتا ہے) تو ضرور نماز عشاء میں حاضر ہوتا۔

اور طبرانی نے معجم اوسط میں بسند صحیح انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کی کہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "لو ان رجلا دعا الناس الی عرق او مرماتین لاجابوه وهم یدعون الی هذه الصلوة فی جماعة فلا یاتونها" اگر کوئی شخص لوگوں کو پتلا گوشت لپٹی ہوئی ہڈی یا دو کھروں کی دعوت دے تو ضرور جائیں گے اور اس نماز کی جماعت کو بلائے جاتے ہیں تو نہیں آتے۔

کیا معاذ اللہ یہ ثواب و رضائے الٰہی کو دو کوڑی کی ہڈی یا دو کھروں سے تشبیہ ہے، حاشا بلکہ ان کے حال کی تقبیح اور ان پر زجر و توبیخ ہے کہ ایسی حقیر چیز کے لئے تو دوڑتے ہیں اور ایسی عظیم شئے کی پروا نہیں کرتے، امام بدر الدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں "المعنی لو علم انه لو حضر صلوة العشاء لوجد نفعا دنیویا وان کان خسیسا حقیرا لحضرها لقصور همته و لایحضرها لما لها من الاجور والمثوبات ای العقبی ونعیمها" مفہوم یہ ہے کہ اگر انہیں یہ علم ہو کہ نماز پر آنے سے دنیوی نفع ہوا گرچہ وہ حقیر و خسیس ہو وہ تب بھی آئیں کیونکہ ان کی منزل دنیا ہے اور اس کے لئے نہ حاضر ہوں گے جس میں ان کے لئے عقبیٰ اور اس کے انعامات ہیں۔

اور اگر یوں ہوتا کہ خدا نا ترسو! اللہ و رسول سے اتنا ڈرو جتنا دنیوی حاکم اور اس کے سمن اور چپراسی سے ڈرتے ہو جب بھی اسے تمثیل و تشبیہ و توہین سے علاقہ نہیں تو اب اس کی نظیر یہ حدیث ہوتی کہ ابن عدی نے ابو امامہ باہلی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا "استحیی اللّٰہ استحیائك من رجلین من صالحی عشیرتك" "اللہ تعالیٰ سے ایسی شرم کر جیسی اپنے کنبے کے دو نیک مردوں سے کرتا ہے۔

یہاں معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کو کنبے کے دو مردوں سے تشبیہ نہیں، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے اتنی ہی حیا چاہئے جتنی دو مردوں سے بلکہ اس مقدار حیا کی طرف ہدایت ہے کہ اللہ سے کرے تو معاصی سے روکنے کو کافی ہو۔ یونہی نہ یہاں معاذ اللہ دنیوی حاکم اور سمن اور چپراسی سے تشبیہ ہے نہ یہ کہ اللہ و رسول و قرآن سے اتنا ہی ڈرو جتنا ان سے بلکہ اس مقدار خوف کی طرف ہدایت ہے کہ اللہ و رسول و قرآن سے ہو تو اتقا و اجتناب معاصی کے لئے بس ہو، ہمارے ائمہ مذہب (رضی اللہ تعالیٰ عنھم) کے نزدیک ساب

مرتد ہے اور اس کے سب احکام مثل مرتد، مرتد اگر توبہ کرے "تقبل ولا یقتل" (قبول کریں گے اور قتل نہ کریں گے) "کما حققناه بتوفیق اللّٰہ تعالی فی فتاوٰنا" (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے فتاویٰ میں اس کی تحقیق کی ہے۔)

تشبیہ میں اگر وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع ہو تمثیل ہے جیسے کریمہ "کمثل الحمار یحمل اسفارا" (گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے۔) ورنہ نہیں، اور کبھی تشبیہ مرکب کو تمثیل کہتے ہیں جس کے معنی میں مفرد کی مفرد سے تشبیہ ملحوظ نہیں بلکہ ہیأت مجموعی سے کریمہ "وهی تجری بهم فی موج کالجبال" (اور وہی انھیں لئے جا رہی ہے ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ۔) میں تشبیہ ہے۔ اور کریمہ ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا﴾ الایة (ان کی کہاوت اس کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی، الایۃ۔) میں تمثیل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔"

(فتاوی رضویہ، جلد 15، صفحہ 150، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

یہاں دیکھیں گھمن صاحب نے مطلب کی آدھی بات لی اور اعلیٰ حضرت کے دلائل کو یکسر نظر انداز کر کے بات کا رخ ہی بدل دیا، خود گھمن صاحب تحریفات کرتے ہیں اور الزام اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) پر لگاتے ہیں۔

کیا سنی علماء معاذ اللہ جاہل ہیں کہ ان کی کتب پڑھی نہیں جاتیں؟

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

اصل میں توہین اور گستاخی بریلویت میں بہت ہے مگر چور بھی کہے چور، چور کا اصول اپنا کر انہوں نے اپنی گستاخانہ عبارات اور توہین پر عشق و محبت کے مدعی ہونے کی چادر اوڑھ رکھی ہے اور علماء کرام اس فرقہ کی کتابوں کو جاہل و مجہول سمجھ کر پڑھتے نہیں اور جو بریلویت کو پڑھتا نہیں وہ ان کی گستاخیوں پر مطلع کیسے ہوگا؟ اس لئے علماء کرام سے گزارش ہے کہ ان کی کتابوں کو پڑھیں اور پھر فیصلہ فرمائیں کہ یہ لوگ گستاخ ہیں یا عاشق؟

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 198، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! اسی طرح کے کھوکھلے دعوے کر کے آپ عاشق رسول نہیں بن جائیں گے۔ عاشق عاشق ہی ہوتا ہے اور الحمد للہ (عزوجل) اہل سنت ہی عاشق رسول ہیں۔ ہم اہل سنت کے عاشق رسول ہونے کی تائید تمہارے اپنے دیو بندی مولوی نے کی ہے چنانچہ مولوی عبد الرحمن اشرفی مہتمم اشرفیہ لاہور روز نامہ پاکستان کے سنڈے ایڈیشن میں انٹرویو دیتے ہوئے کہتے ہیں: "بریلوی حضرات سے مجھے بڑی محبت ہے۔ اس لئے کہ وہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عاشق ہیں چنانچہ بریلوی عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حوالے سے مجھے پیارے لگتے ہیں۔

(روزنامہ پاکستان، سنڈے ایڈیشن۔ ہفت روزہ زندگی، یکم تا 7 اگست 2004ء۔ ماخوذ از رضائے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم)

رجب المرجب 1425ھ بمطابق ستمبر 2004ء)

گھمن صاحب آپ اپنے مولویوں کے کفر چھپاتے میں مصروف رہیں ہم حضور (علیہ السلام) کی شان وعظمت بیان کرنے میں مصروف رہیں گے۔ باقی جہاں تک اہل سنت کی کتابوں کا حال ہے تو الحمد للہ (عزوجل) ہمارے علماء نے جتنا بھی لکھا ہے دیو بندی، وہابیوں کے منہ بند کرنے کے لئے کافی ہے۔ تمہاری کونسی ایسی مردود کتاب ہے، جس کا جواب ہم نے نہیں دیا؟

تم دیو بندی خود ہماری کتابیں پڑھتے ہو۔ آج بھی کئی دیو بندی ''بہارشریعت'' سے مسائل دیکھ کر بتاتے ہیں۔ بہارشریعت جیسی ایک کتاب دیو بندیوں میں نہ ملے گی۔ اعلیٰ حضرت کی فقاہت کو دیو بندیوں نے تسلیم کیا ہے۔ دیو بند کے شیخ الادب مولوی اعزاز علی لکھتے ہیں: ''جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، کہ ہم دیو بندی ہیں اور بریلوی علم وعقائد سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔ مگر اس کہ باوجود بھی یہ احقر یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اس دور کے اندر اگر کوئی محقق اور عالم دین ہے تو وہ احمد رضا خان بریلوی ہے کیونکہ میں نے مولانا احمد رضا خان کو جسے ہم آج تک کافر بدعتی اور مشرک کہتے رہے ہیں بہت وسیع النظر اور بلند خیال، علو ہمت، عالم دین صاحب فکر ونظر پایا ہے۔ آپ کے دلائل قرآن وسنت سے متصادم نہیں بلکہ ہم آہنگ ہیں۔ لہٰذا میں آپ کو مشورہ دوں گا اگر آپ کو کسی مشکل مسئلہ جات میں کسی قسم کی الجھن درپیش ہو تو آپ بریلی میں جا کر مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی سے تحقیق کریں۔''

(رسالہ النور، تھانہ بھون، صفحہ 40، شوال المکرم 1342ھ، بحوالہ طمانچہ، صفحہ 40، سفید و سیاہ، صفحہ 114)

دیو بندی قطب رشید احمد گنگوہی نے کئی مسائل میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی (علیہ الرحمہ) کے فتاوٰی بعینیہ درج کیے ہیں اور آپ کے کئی فتاوٰی کی تصدیق کی ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوٰی رشیدیہ صفحہ 245 طبع کراچی۔ کتاب القول البدیع و اشتراط المصر للتجیع کے صفحہ 24 پر حضور سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا فتوی تفصیلی درج ہے اس کی بھی رشید احمد گنگوہی اور دیو بندی مولوی محمود الحسن نے تصدیق کی ہے۔ (ماخوذ اتحاد امت، صفحہ 41، طبع راولپنڈی)

دیو بند کے محدث انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: ''جب بندہ ترمذی شریف اور دیگر کتب احادیث کی شروح لکھ رہا تھا۔ تو حسب ضرورت احادیث کی جزئیات دیکھنے کی ضرورت درپیش آئی تو میں نے شیعہ حضرات واہل حدیث حضرات و دیو بندی حضرات کی کتابیں دیکھیں مگر ذہن مطمئن نہ ہوا۔ بالآخر ایک دوست کے مشورے سے مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کی کتابیں دیکھیں تو میرا دل مطمئن ہو گیا کہ اب بخوبی احادیث کی شروح بلا جھجک لکھ سکتا ہوں۔ تو واقعی بریلوی حضرات کے سرکردہ

عالم مولانا احمد رضا خان صاحب کی تحریریں شستہ اور مضبوط ہیں جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مولوی احمد رضا خان صاحب ایک زبردست عالم دین اور فقہیہ ہیں۔''

(رسالہ دیوبند، صفحہ 21، جمادی الاول 1330ھ، بحوالہ طمانچہ، صفحہ 39، سفید ورسیاہ، صفحہ 114)

یہی مفتی محمد شفیع اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے مرید صادق اجمل العلماء حضرت علامہ مفتی محمد اجمل سنبھلی (علیہ الرحمة) کے رسالہ ''اجمل الارشاد فی اصل حرف الضاد'' پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں: ''حامداً و مصلیاً اما بعد! احقر نے رسالہ ھذا علاوہ مقدمات کے بتمامہا مطالعہ کیا اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اپنے موضوع میں بے نظیر رسالہ ہے خصوصاً حرف ضاد کی تحقیق بالکل افراط وتفریط سے پاک ہے اور نہایت بہتر تحقیق ہے مؤلف علامہ نے متقدمین کی رائے کو اختیار فرما کر ان تمام صورتوں میں فساد صلوٰة کا حکم دیا ہے جن میں تغیر فاحش معنیٰ میں ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں احقر کا خیال بتعالًلا کا بر یہ ہے کہ اپنے عمل میں تو متقدمین ہی کے قول کو اختیار کرنا چاہئے۔ کتبہ: احقر محمد شفیع غفرلہ خادم دارالافتاء دارالعلوم دیوبند۔ یو۔ پی۔ ہند۔'' (فتاوٰی دارالعلوم دیوبند، جلد 2، صفحہ 306)

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: ''اس احقر نے مولانا احمد رضا صاحب بریلوی کی چند کتابیں دیکھیں تو میری آنکھیں خیرہ کی خیرہ ہو کر رہ گئیں، حیران تھا کہ واقعی مولانا بریلوی صاحب مرحوم کی ہیں جن کے متعلق کل تک یہ سنا تھا کہ وہ صرف اہل بدعت کے ترجمان ہیں اور صرف چند فروعی مسائل تک محدود ہیں مگر آج پتہ چلا کہ نہیں ہرگز نہیں یہ اہل بدعت کے نقیب نہیں بلکہ یہ تو عالم اسلام کے اسکالر اور شاہکار نظر آتے ہیں۔ جس قدر مولانا مرحوم کی تحریروں میں گہرائی پائی جاتی ہے اس قدر گہرائی تو میرے استاد مکرم جناب مولانا شبلی صاحب اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیو بندی اور حضرت مولانا شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتابوں کے اندر بھی نہیں جس قدر مولانا بریلوی کی تحریروں کے اندر ہے۔'' (ماہنامہ ندوہ، اگست 1931ء، صفحہ 17، بحوالہ طمانچہ، صفحہ 36، 35 سفید و سیاہ، صفحہ 112)

شبلی نعمانی دیو بندی لکھتے ہیں: ''مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا صاحب کا علمی شجر اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالم دین اس مولوی احمد رضا خان صاحب کے سامنے پرکاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے۔ اس احقر نے بھی آپ کی متعدد کتابیں دیکھیں ہیں۔''

(رسالہ ندوہ، اکتوبر 1914ء، صفحہ 17، بحوالہ طمانچہ، صفحہ 34)

مولوی ابوالحسن دیو بندی لکھتے ہیں: ''فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر جوان (فاضل ومحدث بریلوی) کو عبور حاصل تھا۔

اس زمانہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔"

(نزہت الخواطر، جلد8، صفحہ 41، حیدر آباد)

معین الدین ندوی لکھتے ہیں: "مولانا احمد رضا خان مرحوم صاحب علم ونظر مصنفین میں سے تھے۔ دینی علوم خصوصاً فقہ وحدیث پر ان کی نظر وسیع اور گہری تھی مولانا نے جس وقت نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جوابات تحریر فرمائے اس سے ان کی جامعیت علمی بصیرت قرآنی استحضار ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے ان کے عالمانہ محققانہ فتاؤی مخالف وموافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں۔"

(ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، ستمبر 1949ء، بحوالہ سفید و سیاہ، صفحہ 114، 115)

عظیم الحق قاسمی فاضل دیوبند لکھتے ہیں: "ہوسکتا ہے کہ آپ کو اس بات کا علم ہو کہ (مدرسہ) دیوبند میں اعلیٰ حضرت یا ان سے تعلق رکھنے والے رسائل وکتب نہیں پہنچتے، نہ ہی وہاں طلبہ کا اجازت ہوتی ہے۔ بلکہ دیکھنا جرم سے کم نہیں۔ میں بھی وہیں (دارالعلوم دیوبند) کا فارغ التحصیل ہوں، وہاں سے مجھ کو بریلویوں سے نفرت ان کی کتابوں سے عداوت دل میں پرورش پائی، اس لئے میں کبھی ان کی کتب سے استفادہ نہیں کرسکا۔ "قاری" چونکہ نیا رسالہ ہے اور ظاہراً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بریلویوں کا رسالہ ہے۔۔۔۔۔۔اس سبب سے میں نے قاری کا مطالعہ کیا اور (مولانا احمد رضا) فاضل بریلوی نے شمع رسالت کی جو ضیاء پاشی کی ہے۔ اس کا ادنی حصہ پہلی مرتبہ "قاری" کے ذریعے نظر نواز ہوا جس نے میرے دل کی دنیا کو بدل ڈالا۔ ابھی تو صرف ایک فتوی نے اعلی حضرت کے عشق رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مجھ کو معترف کردیا یہ پورا فتوی حب رسول کا ایک گلدستہ ہے۔ میں اپنے دل کے حالات ان لفظوں میں بیان کروں گا کہ اگر ہمارے علماء دیوبند تنگ نظری اور تعصب کو ہٹادیں تو شاید مولانا اسماعیل سے لیکر ہنوز سب فاضل بریلوی کے شاگردوں کی صفت میں نظر آئیں گے۔"

(ماہنامہ قاری، دہلی، اپریل 1988ء، ماخوذ از اعلیٰ حضرت غیروں کی نظر میں)

امید ہے گھمن صاحب یہ جزئیات پڑھ کر آپ کو ہوش آ گیا ہوگا کہ آپ کا اکابر بھی نہ صرف علمائے اہل سنت کی کتابیں پڑھتے رہے ہیں بلکہ انکی علمیت کا اعتراف بھی کرتے رہے ہیں۔ پھر گھمن صاحب آپ دیگر دیوبندیوں کو تو بریلویوں کی کتب پڑھنے کا کہہ رہے ہیں کبھی اپنی حالت پر بھی غور کریں کہ آپ بریلویوں کی کتب پڑھتے ہیں لیکن آپ کو سمجھ نہیں آتی یا سمجھ آتی ہے لیکن جان بوجھ کر نادانوں جیسے حرکات کرتے ہیں اور فضول میں ادھر ادھر کے حوالے اکٹھے کرکے گستاخیاں ثابت کرنے پر لگے رہتے ہیں۔

گھمن صاحب کی ایک اور مردود کوشش

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

بریلوی اس حفظ الایمان کی عبارت پر اعتراض کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کو تشبیہ دی گئی ہے جانوروں کے علم کے ساتھ تو یہ بات برابری کو لازم کرنے والی ہے یعنی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دینے کی وجہ سے یہ لازم آتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم مبارک جانوروں کے علم کے برابر ہے۔ یہ بات احمد رضا خان کی کتب کو دیکھ کر سمجھ آتی ہے۔ تو جواباً عرض یہ ہے کہ ڈاکٹر الطاف حسین سعیدی اور خلیل احمد رانا جیسے بریلوی اسکالر کا عقیدہ ونظریہ تو یہ ہے کہ: مشابہت سے مساوات بھی لازم نہیں آتی۔ چہ جائے کہ مشبہ کی برتری کا قول کیا جائے۔ افضلیت غوث اعظم دلائل وشواہد، صفحہ 86۔

تو معلوم ہو گیا کہ فاضل بریلوی نے بہت بڑی زیادتی کی ہے جو کہ قابل معافی جرم نہیں اور یہی جرم اس کے ایمان کو کھا گیا کہ وہ خود اپنے فتوئ کفر میں بری طرح پھنس گیا جیسا کہ آپ اجمالی نظر میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

(حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 198، 199، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب آپ کا مشبہ اور مشبہ بہ ادھر ہی پھنس گیا ہے کوئی اور بھی کام کی بات کر لیں۔ ایک ہی بات کہتے کہتے تم نے کتنے صفحے کالے کر دیئے ہیں، اتنا ہی وقت تشبیہ کی تعریف ومفہوم سمجھنے میں لگا دیتا تھا۔ یہاں جو الطاف حسین سعیدی کا حوالہ دیا ہے اس کا تھانوی کے کفر سے کیا تعلق ہے؟ بلکہ اگر یہ بات بھی لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تھانوی نے جو حضور (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں کی مثل کہا ہے اس میں برابری نہیں بلکہ معاذ اللہ حضور (علیہ السلام) کا علم جانوروں سے بھی کم ہے۔ اس لئے کہ سعیدی صاحب اس جگہ مشبہ کو مشبہ بہ سے کمتر ثابت کر رہے ہیں اور تھانوی کی عبارت میں مشبہ بہ جانور تھے۔ گھمن صاحب نے مطلب کی عبارت لے لی آگے پیچھے کی عبارت چھوڑ دی۔ پوری عبارت پیش خدمت ہے: "حقیقت یہ ہے کہ محبوبیت عامہ اور محبوبیت خاصہ میں فرق ہوتا ہے۔ بے شمار محبوبوں کا تعلق محبوبیت عامہ سے ہے اور محبوب سبحانی (حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ) اور محبوب الٰہی کی محبوبیت خاصہ ہے۔ اور عام محبوبوں کی مشابہت خاص محبوب سے ہونا عقلاً ونقلاً درست ہے۔ مگر مشابہت سے مساوات بھی لازم نہیں آتی چہ جائے کہ مشبہ کی برتری کا قول کیا جائے۔ البتہ عام طور پر مشبہ بہ مشبہ کی نسبت وجہ شبہ زیادہ قوی ہوتی ہے الا ماشاءاللہ۔ تشبیہ کے اس عمومی قاعدہ کی رو سے یہ عبارت بھی باقی تمام عبارات کے موافق ہے۔ مناقب المحبوبین کی عبارت کا اب صحیح مفہوم یوں بنے گا کہ سلسلہ چشتیہ میں اللہ کے خاص محبوب محبوب سبحانی (حضور غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ) سے

مشابہت رکھنے والے بے شمار عام محبوب ہیں۔" (افضلیت غوثِ اعظم دلائل و شواہد، صفحہ86، دارالفیض گنج بخش، لاہور)

یہاں سعیدی صاحب حضور غوث پاک (رحمة الله علیه) کو مشبہ بہ بنا رہے ہیں اور دیگر اولیاء کرام کو مشبہ اور ثابت کر رہے ہیں کہ دیگر اولیاء کرام حضور غوث پاک کے برابر نہیں چہ جائیکہ ان کو حضور غوث پاک (رحمة الله علیه) سے افضل کہا جائے۔ اس کے بعد قاعدہ ذکر کرتے ہیں کہ مشبہ بہ اقویٰ ہوتا ہے۔ تھانوی کی عبارت میں مشبہ حضور (علیہ السلام) کا علم تھا اور مشبہ بہ زید، عمر و اور جانوروں کا علم تھا۔ گھمن صاحب کا اس عبارت کو پیش کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ حضور (علیہ السلام) کا علم معاذ اللہ جانوروں سے بھی کم تھا۔ اب بتائیں گھمن صاحب! یہ حوالہ پیش کر کے آپ کو فائدہ ہوا یا الٹا نقصان۔ کم از کم جزئیہ پیش کرنے سے پہلے ذرا سوچ تو لیا کریں۔

گھمن صاحب کا اقرارِ جرم

گھمن صاحب لکھتے ہیں:

آخری بات: بریلوی حضرات ایک اشکال لاینحل سمجھ کر کرتے ہیں اور ان کے بڑے بڑے اکابر نے یہ اشکال اپنی کتب میں لکھا ہے کہ: مولوی مرتضی حسن دربھنگی کا کہنا ہے کہ لفظ ایسا تشبیہ کے لیے نہیں ہے بلکہ معنی میں اتنا یا اس قدر کے ہے۔ البتہ اگر تشبیہ کے معنی میں ہوتا تو توہین نبوت ہوتی جو موجب کفر ہے اور مولوی ٹانڈوی کا کہنا ہے کہ لفظ ایسا تشبیہ کے لئے ہے اگر معنی میں اتنا یا اس قدر کے ہوتا تو توہین رسالت ہوتی ہے۔ جس سے یہ کفر لازم آتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مولوی مرتضی کی تاویل کی بناء پر مولوی حسین احمد پر کفر لازم آتا ہے اور مولوی حسین احمد کی تاویل و توجیہہ کے پیش نظر مولوی مرتضی کافر ہوتے ہیں۔ خون کے آنسو، صفحہ 132۔

بریلوی حضرات نے جو تحریر لکھی ہے تو ان عبارات کا مطلب بریلوی سمجھے نہیں۔ وہ اس لیے کہ عبارات عقل سے سمجھ آتی ہیں اور یہ سب بھیڑیں ہیں جیسا کہ وصایا شریف میں فاضل بریلوی نے تصریح کر دی ہے اور دنیا جانتی ہے کہ جانوروں میں بھیڑ کو بے وقوف ترین جانور سمجھا جاتا ہے بلکہ دنیا والے بے وقوف لوگوں کو بھیڑ بھی کہتے ہیں۔

خیر ہم عرض بھی کر دیتے ہیں کہ کبھی تو اس کنوئیں سے نکل کر باہر آ جائیں گے اور سمجھ لیں گے: مولانا مرتضی حسن چاند پوری اور مولانا منظور نعمانی رحمہم اللہ نے جو یہ کہا کہ ایسا کو تشبیہ کے لیے ماننا کفر ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مقدار کو تشبیہ دینا جو آپ علیہ السلام کے علم کی مقدار ہے چوپاؤں وغیرہ کے علم سے تو یہ برا ہے۔ یعنی وہ

مقدار جو آپ کے علم مبارک کی ہے ویسی مقدار تو چوپاؤں کو بھی حاصل ہے کہنا تو یقیناً کفر و الحاد ہے۔ اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ نے لفظ ایسا کو جو اتنے اور اس قدر کے معنی میں لینا کفر بتایا ہے تو ان کی مراد بھی یہی ہے کہ جو یہ کہے کہ جتنا علم سرکار طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اتنا اور اسی قدر اور اسی مقدار میں چوپاؤں کو بھی حاصل ہے۔ تو یہ کفر و توہین ہے۔ اب سب حضرات کی باتوں کا نتیجہ و مقصد یہ ہے کہ لفظ ایسا کو تشبیہ کے لیے مانو یا اتنا اور اس قدر کے معنی میں مانو اگر مقصد یہ ہے کہ جتنی مقدار نبی پاک علیہ السلام کے علم مبارک کی ہے ویسی مقدار جانوروں کے علم کی ہے یا جتنی مقدار نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک کی ہے اتنی مقدار جانوروں وغیرہا کے علم کی ہے تو کفر ہے۔

اب آپ دیکھیے: کہ نہ تو فتویٰ شیخ العرب والعجم حضرت مدنی پر آیا اور نہ حضرت چاند پوری و نعمانی رحمہم اللہ پر لگتا ہے بلکہ دھوکا دینے والے رضا خانی حضرات پر لگتا ہے۔ تفصیل کے لئے جہنم کی بشارت کو ملاحظہ فرمایئے۔

ہم نے ضرورت کے بقدر بحث کر دی ہے اگر اور ضرورت محسوس ہوئی تو پھر مزید بھی لکھ دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔ (حسام الحرمین کا تحقیقی جائزہ، صفحہ 203۔۔، مکتبہ اہل السنۃ والجماعۃ، سرگودھا)

گھمن صاحب! یہ آپ نے جاتے جاتے بہت اچھا کیا خود ہی کہہ دیا کہ لفظ "ایسا" تشبیہ کے لئے مانیں یا مقدار کے لئے ہر صورت کفر ہی بنتا ہے۔ گھمن صاحب آپ نے جو دربھنگی صاحب اور منظور نعمانی صاحب کی دونوں متضاد عبارتوں کو جس طرح مکس کر کے چوں چوں کا مربہ بنایا ہے اور دیوبندیوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہے یہ آپ جیسے چرب زبان شخصیت کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، لیکن عقل رکھنے والے قارئین بخوبی جان گئے ہیں کہ یہ آپ نے اقرارِ جرم کیا ہے۔ تھانوی کی عبارت میں کسی صورت بھی یہ ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ حضور (علیہ السلام) کا علم جانوروں سے زیادہ ہے۔ تھانوی صاحب یہی ثابت کر رہے تھے کہ بعض علم غیب میں حضور (علیہ السلام) کی کیا تخصیص ہے بعض علم غیب تو جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ اب ہر عقل سلیم رکھنے والا شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس میں حضور (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں جانوروں سے تشبیہ دی جا رہی ہے اور حضور (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں کے علم کے برابر کہا گیا ہے۔ اس پر گھمن صاحب نے خود مہر لگا دی کہ جو حضور (علیہ السلام) کے علم کو جانوروں کے علم سے تشبیہ دے یا برابر کہے تو وہ کافر ہے۔

باقی گھمن صاحب جو بھیڑ کے متعلق اپنا فلسفہ جھاڑتے ہوئے کہتے ہیں "دنیا جانتی ہے کہ جانوروں میں بھیڑ کو بے وقوف ترین جانور سمجھا جاتا ہے بلکہ دنیا والے بے وقوف لوگوں کو بھیڑ بھی کہتے ہیں۔" یہ گھمن صاحب کی عرف اور لغت سے جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ہمارے عرف میں "بھیڑ" سیدھے سادھے انسان کو کہا جاتا ہے اور یہی اعلیٰ حضرت کا مطلب تھا

اور یہی اردو زبان میں مجاز الیا جاتا ہے چنانچہ فیروز اللغات میں لکھا ہے: ''بھیڑ: ۔ مینڈھے کی مؤنث ،میش ،بھیڑی ،(مجازا) سیدھا سادہ مسکین آدمی ۔''

(فیروز اللغات ،صفحہ 242،فیروز اللغات ،لاہور)

بے وقوف اہل سنت نہیں بلکہ خود تھانوی صاحب نے اپنے آپ کو اور دیوبندیوں کو بے وقوف کہا ہے چنانچہ افاضات الیومیہ میں تھانوی صاحب کہتے ہیں: ''میں (تھانوی) بھی بے وقوف ہی سا ہوں مثل بدھو کے ۔''

(افاضات الیومیہ ،جلد1 ،صفحہ266)

مزید تھانوی صاحب دیوبندیوں کو احمق کہتے ہوئے کہتے ہیں: ''چھینٹ چھینٹ کر تمام احمق میرے ہی حصے میں آگئے ۔''

(افاضات الیومیہ ،جلد1 ،صفحہ357)

دوسری جگہ تھانوی صاحب کہتے ہیں: ''سارے بدفہم اور بدعقل میرے ہی حصہ میں آگئے ۔''

(افاضات الیومیہ ،جلد4 ،صفحہ59،ماخوذ از دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، صفحہ170,171، دار الغوثیہ، سمندری شریف)

گھسن صاحب! اعلیٰ حضرت نے اگر وصایا میں اہل سنت کو بھولی بھالی بھیڑیں کہا ہے تو دیوبندی وہابیوں کو بھیڑیئے بھی کہا ہے۔اب دیوبندی فیصلہ کرلیں کہ بھولی بھالی بھیڑ بننا ہے یا بھیڑیا؟

یہ بھی یاد رہے کہ حضور (علیہ السلام) نے مومن کی تعریف ہی یہ فرمائی ہے جو بھولا بھالا ہو چنانچہ ابوداؤد شریف کی حدیث پاک حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا''المؤمن غر کریم والفاجر خب لئیم'' ترجمہ: مومن بھولا بھالا اور شریف ہوتا ہے اور فاجر فسادی اور کمینہ ہوتا ہے۔

(سنن أبي داود، کتاب الادب، باب فی حسن العشرة، جلد4، صفحه251، المکتبة العصرية، بيروت)

حرف آخر

قارئین پر یہ پوری کتاب پڑھ کر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگیا ہوگا کہ دیوبندی کئی سالوں سے اپنے مولویوں کے کفریات چھپانے اور اعلیٰ حضرت پر کیچڑ اچھالنے میں ناکام رہے ہیں اور ان شاء اللہ (عزوجل) ہمیشہ ناکام ہی رہیں گے۔اللہ (عزوجل) اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حفاظت کرنیوالا ہے اور جو ہستیاں حضور (علیہ السلام) کی ناموس کی کوشش کرتی ہیں رب تعالیٰ ان کی بھی حفاظت فرماتا ہے جیسا کہ اللہ (عزوجل) نے اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کی حفاظت فرمائی ہے اور دیوبندیوں کو ہمیشہ نامراد کیا ہے۔

آخر میں دیوبندی مولویوں سے یہی کہوں گا کہ آپ کا حسام الحرمین پر بلاوجہ اعتراض کرتے جانا اور وہی پرانے

حوالے ڈال کر کتاب لکھنا بے فائدہ ہے۔اگر اس موضوع پر لکھنا ہے تو علمی طور پر تمیز کے دائرے میں رہتے ہوئے لکھو۔ان شاء اللہ (عزوجل) ہم بھرپور جواب دیں گے۔اگر دیوبندی حسام الحرمین کو چیلنج کرنا چاہتے ہیں تو ان پر لازم ہے کہ اس طریقے سے چیلنج کریں:۔

(1) وہ عبارات کفریہ نہیں تو ان کی تاویل کیوں کی جاتی ہیں؟

(2) اگر وہ عبارات کفریہ نہیں تو اعلیٰ حضرت ہی پر اعتراض کیوں؟ علماء حرمین نے ہی یہ کیوں نہ کہا کہ یہ عبارات کفریہ نہیں ہیں؟

(3) دیوبندی جو یہ الزام لگاتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت نے عبارتیں تحریف کے ساتھ **حسام الحرمین** میں لکھی تھیں، تو المہند میں وہ عبارات بعینہ علماء حرمین کے سامنے کیوں پیش نہیں کی گئیں؟

(4) اگر وہ عبارات کفریہ نہیں تھیں تو کیا وجہ تھی المہند میں وہ عبارات یکسر غائب ہیں؟

(5) جن علماء حرمین نے حسام الحرمین میں اکابر دیوبند پر کفر کے فتوے لگائے تو ان میں کس کس نے المہند میں رجوع کیا؟

(6) جن علماء حرمین نے حسام الحرمین میں تصدیق کی تھی، ان کی تصدیق المہند میں کیوں نہیں؟ کیا وہ سب المہند کی تحریر تک حرمین شریفین میں نہیں تھے؟

(7) المہند میں جو پندرہ سوالات آئے یہ کس عالم کی طرف سے آئے تھے؟ مہربانی کرکے اس عالم کا نام ہی لکھ دیں یا اعتراف کرلیں یہ سوال وجواب مولوی خلیل نے خود لکھے تھے۔

(8) اعلیٰ حضرت سے پہلے بھی علمائے اہل سنت نے اکابر دیوبند کی تکفیر کی ہے جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے، پھر سارا الزام اعلیٰ حضرت پر کیوں ہے؟

(9) اگر لکھنا ہے تو اصل موضوع یعنی کفریہ عبارات پر لکھو۔اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن کی ذات پر جھوٹ و بہتان بازی کرنے کا کیا مقصد ہے؟ کیا اس طرح دیوبندیوں کو راضی کرنے کے لئے صفحے کالے کرکے اکابر دیوبند کی کفریہ عبارتوں پر پردہ پڑ جائے گا؟

(10) جن سنی علماء نے بسط البنان، شہاب ثاقب، عبارات اکابر وغیرہ کتب کا رد کیا ہے، اس کا جواب دینے کی کسی

دیو بندی میں ہمت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ان میں سے کسی کا جواب دو۔ ورنہ کم از کم گھمن صاحب! راقم الحروف کی اسی کتاب کا تفصیلی جواب دے دو۔ اگر آپ میں ہمت ہے تو فقیر نے آپ کی جس جس عبارت کا رد کیا ہے ان سب کا جواب دو۔ اگر آپ کا جواب نہ آیا یا اپنی عزت بچانے کے لئے آپ نے ایک دو الفاظ کی غلطیاں نکال لیں اور ادھر ادھر کے ڈھکوسلے مار دیئے اور صحیح طور پر میری کتاب کا تفصیلی جواب نہ دیا تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ آپ نے اپنی شکست تسلیم کر لی ہے۔ پھر آئندہ اعلیٰ حضرت اور حسام الحرمین کے خلاف زبان درازی کرتے وقت کچھ شرم ضرور کیجئے گا۔

دیو بندیوں کو مخلصانہ مشورہ

دیو بندی عوام کو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ان مولویوں کی تاویلوں کو چھوڑ کر کبھی دل سے پوچھو کہ یہ عبارات کیسی ہیں؟ جب آپ کو پہلی مرتبہ یہ کفریہ عبارات کا پتہ چلا تھا اس وقت آپ چونک گئے تھے یا یہ کہا تھا کہ یہ کفر نہیں بلکہ عین اسلامی عبارات ہیں؟ تجربہ شاہد ہے کہ جو بھی نیا نیا دیو بندی ہو وہ ان عبارتوں کو دیکھ کر ہکا بکا رہ جاتا ہے، پھر جس کے قلب پر مہر لگی ہو وہ اپنے مولویوں کی وہی پرانی تاویلیں سن کر ٹھنڈا ہو جاتا ہے ورنہ دیو بندی مذہب سے منہ موڑ لیتا ہے۔

اگر کل قیامت والے دن یہ پتہ چل جائے کہ یہ عبارات کفریہ تھیں تو فیصلہ کرو کیا یہ بہانہ چل جائے گا یہ فلاں مولوی نے اس کی یہ تاویل کی تھی فلاں نے یہ کی تھی؟ علمائے اسلاف نے گمراہ مولویوں سے دور رہنے کا اسی وجہ سے کہا ہے کہ یہ گمراہی کو بھی اسلام ثابت کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں چنانچہ امام غزالی (رحمة الله علیه) فرماتے ہیں "احترز عن الاغترار بتلبيسات علماء السوء فإن شرهم على الدين أعظم من شر الشياطين إذ الشيطان بواسطتهم يتدرج إلى انتزاع الدين من قلوب الخلق" ترجمہ: علمائے سوء کے دھوکے وفریب سے بچو کیونکہ دین کے معاملے میں ان کا شر شیطان کے شر سے بڑھ کر ہے۔ اسلئے کہ شیطان انہی کے واسطے سے آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں سے ایمان نکالتا ہے۔

(إحياء علوم الدين، كتاب العلم، جلد1، صفحه38، دار المعرفة، بيروت)

خود آپ کے اپنے دیو بندی مولوی نے یہ کہا ہے کہ آج ان کفریہ عبارات کی تاویلات کر کے لوگوں کو تو دھوکہ دیا جا سکتا ہے کیا رب تعالیٰ کو بھی دھوکہ دیا جا سکتا ہے؟ چنانچہ مولوی غلام نبی فاضل دیو بند ساکن فورٹ عباس لکھتا ہے: ''کیا آپ (دیو بندی مولوی) حضرات کی نظر کبھی اپنی کتابوں پر نہیں پڑی؟ اگر آپ کو یہ مسائل معلوم ہیں تو آپ نے کبھی ان کے خلاف آواز اٹھائی؟ آپ کو تو پہلی فرصت میں یہ مسائل (کفریہ) ان کتابوں سے کھرچ دینے تھے تا کہ مسلمان گمراہ نہ ہوں۔ لیکن آپ

نے کبھی ادھر التفات ہی نہیں کیا۔ محترم حضرات! ذرا غور و فکر فرمایئے۔ آپ کس شغل میں منہمک ہیں؟ مسلمانوں کو کس گڑھے میں دھکیل رہے ہیں اور پھر اپنے انجام پر بھی نگاہ رکھئے۔ آخر سب کچھ یہ دنیا کی چار دیواری ہی تو نہیں، ایک ایک لفظ کا جواب دینے کا وقت آ رہا ہے۔ اس وقت کیا گُر گلو خلاصی کرانے کو سوچ رکھا ہے۔ دنیا والوں کو تاویلوں اور تحریفوں سے دھوکہ دیا جا سکتا ہے کیا خبیر و دانا کو بھی فریب دیا جا سکتا ہے؟''

(دیوبندی مذہب، صفحه147 بحواله روزنامه تسنیم لاہور 18 اگست 1958ء)

اگر بالفرض کل قیامت والے دن یہ پتہ چل جائے کہ یہ عبارات کفریہ نہیں تھی تو کیا اہل سنت کی پکڑ ہوگی؟ ہرگز نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ علمائے اہل سنت ان عبارات کو کفر کسی دنیاوی مفاد کے لئے نہیں کہتے بلکہ حرمتِ رسول کا لحاظ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ خود اشرف علی تھانوی نے کہہ دیا ہے کہ اعلیٰ حضرت اگر ایسا نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے چنانچہ لکھا ہے کہ حضرت مولانا احمد رضا خان مرحوم و مغفور کے وصال کی اطلاع حضرت تھانوی کو ملی، تو حضرت نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر فرمایا: ''فاضل بریلوی نے ہمارے بعض بزرگوں یا ناچیز کے بارے میں جو فتوے دیئے ہیں وہ حب رسول (صلى الله عليه وآله وسلم) کے جذبے سے مغلوب و مجبور ہو کر دیئے ہیں۔ اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ عند اللہ معذور اور مرحوم و مغفور ہوں گے، میں اختلاف کی وجہ سے خدانخواستہ ان کے متعلق تعذیب کی بدگمانی نہیں کرتا۔''

(مسلك اعتدال، صفحه 87، طبع کراچی)

دیو بندی عالم کوثر نیازی لکھتے ہیں: ''مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیو بندی سے میں نے سنا، فرمایا: جب حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب (علیہ الرحمہ) کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کو کسی نے آ کر اطلاع کی مولانا تھانوی نے بے اختیار دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے جب وہ دعا کر چکے۔ تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کر رہے ہیں۔ فرمایا اور یہی بات سمجھنے کی ہے مولانا احمد رضا خان نے ہم پر کفر کے فتوے اس لئے لگائے کہ انہیں یقین تھا کہ ہم نے توہین رسول کی ہے اگر وہ یہ یقین رکھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہو جاتے۔''

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت، صفحه 7، طبع نارووال، روزنامه جنگ لاہور 3، اکتوبر 1990ء، روزنامه جنگ راولپنڈی، 10 نومبر 1981ء)

ہفت روزہ چٹان میں ہے: ''مولانا اشرف علی تھانوی کا قول ہے کہ کسی بریلوی کو کافر نہ کہو اور نہ آپ نے کسی بریلوی کو کافر کہا۔۔۔۔ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت تھانوی ایک بڑے جلسے میں خطاب فرما رہے تھے۔ کہ اطلاع ملی، مولوی احمد رضا بریلوی انتقال کر گئے ہیں۔ آپ نے تقریر کو ختم کر دیا اور اسی وقت خود اور اہل جلسہ نے آپ کے ساتھ مولوی احمد رضا کے لئے

دعائے مغفرت فرمائی۔'' (ہفت روزہ چٹان لاہور، 15دسمبر 1962ء)

ایک جگہ لکھا ہے: ''مولانا احمد رضا خان بریلوی زندگی بھر انہیں (اشرف علی تھانوی کو) کافر کہتے رہے۔ لیکن مولانا تھانوی فرمایا کرتے تھے کہ میرے دل میں احمد رضا کے لئے بے حد احترام ہے۔ وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشق رسول کی بناء پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں کہا۔''

(ہفت روزہ چٹان لاہور، 23، اپریل 1962ء)

دیوبند کے شیخ التفسیر مولوی محمد ادریس کاندھلوی کے متعلق دیوبندی عالم کوثر نیازی لکھتے ہیں: ''میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔۔۔۔۔۔۔۔ سے لیا ہے۔ کبھی کبھی اعلیٰ حضرت (احمد رضا بریلوی) کا ذکر آجاتا تو مولانا (ادریس) کاندھلوی فرمایا کرتے۔ مولوی صاحب (اور یہ مولوی صاحب ان کا تکیہ کلام تھا) مولانا احمد رضا خان کی بخشش تو انہی فتوؤں کے سبب سے ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: احمد رضا خان تمہیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا۔ تم نے سمجھا کہ انہوں نے توہین رسول کی ہے۔ تو ان پر بھی کفر کا فتویٰ لگادیا۔ جاؤ اسی ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کردی۔''

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت، صفحہ7، روزنامہ جنگ لاہور 1990- 10- 03)

تحریک ختم نبوت کے دوران قاسم باغ ملتان کے ایک جلسہ میں دیوبندی امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری نے کہا کہ بھائی بات یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب قادری کا دماغ عشق رسول سے معطر تھا اور اس قدر غیور آدمی تھے کہ ذرہ برابر بھی توہین الوہیت و رسالت کو برداشت نہیں کرسکتے تھے پس جب انہوں نے ہمارے علماء دیوبند کی کتابیں دیکھیں تو ان کی نگاہ علماء دیوبند کی بعض ایسی عبارات پر پڑی کہ جن میں سے انہیں توہین رسول کی بُو آئی، اب انہوں نے محض عشق رسول کی بناء پر ہمارے ان دیوبندی علماء کو کافر کہہ دیا اور وہ یقیناً اس میں حق بجانب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر رحمتیں ہوں آپ بھی سب مل کر کہیں مولانا احمد رضا خان (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سامعین سے کئی مرتبہ (رحمۃ اللہ علیہ) کے دعائیہ الفاظ کہلوائے۔''

(ماہنامہ جناب عرض رحیم یار خان غزالی دوراں، جلد 1، شمارہ 10، صفحہ 46- 245، 1990ء)

یہ دیوبندی مولویوں کا بیان تھا۔ اب اعلیٰ حضرت (رحمۃ اللہ علیہ) کا بیان سنئے: ''وہابی صاحبو! مسلمان بننا چاہتے ہو تو حضور پرنور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عظمت سویدائے دل کے اندر جماؤ، جو ان کی جناب عالم مآب میں گستاخی کرے اگر تمہارا باپ بھی ہو الگ ہوجاؤ، جگر کا ٹکڑا ہو دشمن بناؤ، بہزار زبان و صد ہزار دل اس سے تبری کرو تحاشی کرو، اس کے سایہ سے نفرت کرو، اس کے نام محبت پر لعنت کرو، ورنہ اگر دوسرا تمہیں اللہ و رسول سے زیادہ عزیز ہے تو اسلام کا نام لئے جاؤ

حقیقت اور چیز ہے۔ وائے بے انصافی اگر کوئی تمہارے باپ کو گالی دے تو اس کے خون کے پیاسے رہو، صورت دیکھنے کے روادار نہ ہو، بس پاؤ تو کچا نگل جاؤ، وہاں نہ تاویلیں نکالو نہ سیدھی بات ہیر پھیر میں ڈالو اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت وہ کچھ سنو اور آنکھ میلی نہ کرو۔ بلکہ اس کی امامت و پیشوائی کا دم بھرو، ولی جانو، جو اسے برا کہے الٹی اس سے دشمنی ٹھانو، بدلگام کی بات میں سو سو طرح کے پیچ نکالو، رنگ رنگ کی تاویلیں ڈھالو، جیسے بنے کی بگڑی سنبھالو، اسی کی حمایت میں عظمت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو پس پشت ڈالو، یہ کیا ایمان ہے، کیسا اسلام ہے؟ کیا اسلام اسی کا نام ہے ''اے راہ روپشت بمنزل هشدار'' اے منزل کی طرف پشت کرکے چلنے والے! ہوش کر۔

مزہ یہ ہے کہ وہ خود تمہاری ساری بناوٹوں کا دریا جلا گیا۔ تقویۃ الایمان: ''یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولئے اور اس سے کچھ اور معنی لیجئے معما اور پہیلی بولنے کی اور جگہ ہیں۔ کوئی شخص اپنے باپ یا بادشاہ سے جگت نہیں بولتا، اس کے واسطے دوست آشنا ہیں نہ باپ اور بادشاہ۔''

اور انصاف کیجئے تو اس کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی جگہ نہیں میں جانتا ہوں تم یوں نہیں سمجھو گے ذرا اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو اور آنکھیں بند کرکے بہ نگاہ انصاف غور کرو، اگر کوئی وہابی اپنے باپ کی نسبت کہے کہ تیرے کان گدھے کے سے ہیں، تیری ناک بجو کی سی ہے، تو کیا اس نے اپنے باپ کو گالی نہ دی؟ یا کوئی سعادت مند نجدی اٹھ کر اپنے بدلگام مصنوعی امام کی نسبت کہے کہ ان کی آواز لطیف کتے کے بھونکنے سے مشابہ تھی، ان کا دہن شریف سور کی تھوتھنی سے ملتا تھا، تو تم اسے کیسا سمجھو گے؟ کیا اپنے طائفے میں رکھو گے یا بسبب گستاخی پیشوا ذات سے باہر کردو گے؟ اب تمہیں ظاہر ہوگا کہ اس خبیث بددین نے جو ہمارے عزت والے رسول دوجہان بادشاہ عرش عالم پناہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نسبت یہ لعنتی کلمات لکھے۔ انہوں نے ہمارے اسلامی دلوں پر تیر و خنجر سے زیادہ کام کیا، پھر ہم اسے اپنے سچے پکے اسلامی گروہ میں کیونکر داخل کرسکتے ہیں؟''

(فتاویٰ رضویہ، جلد15، صفحہ202--، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اللہ (عزوجل) کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ میری اس ادنیٰ سے کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور مجھے، میری نسلوں کو، ناشر، محبین و اہل مسلم کو اہل سنت کے عقائد پر قائم رکھے اور اسی پر ہمیں عزت و عافیت کے ساتھ موت عطا فرمائے۔ راقم الحروف خصوصی طور پر دعا گو ہے مسلک اعلیٰ حضرت کے پاسبان حضرت سلیم قادری، مولانا اکرم رضوی، مولانا خرم رضا قادری رحمہم اللہ کے لئے جنہوں نے اس مسلک کی حفاظت میں اپنی جانوں کا نظرانہ پیش کیا۔ اللہ (عزوجل

ان کو جنت میں بلند درجہ عطا فرمائے اور ان کے صدقے سے ہمیں بھی مسلک اعلیٰ حضرت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

اعتذار

حتی الامکان کوشش کی گئی ہے کہ پروف ریڈنگ کی کوئی غلطی نہ ہولیکن بتقاضائے بشریت اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو قاری سے التماس ہے کہ ناشر سے رجوع فرمائے ان شاءاللہ آئندہ اس کو درست کر دیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطع تعلقی

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے ۔۔۔

صلہ رحمی کے فضائل، قطع تعلقی کے عذابات

قطع تعلقی کی جائز و ناجائز صورتیں

بدمذہبوں، فاسق و فاجر سے قطع تعلقی کا حکم

دینی و سیاسی تحریکوں سے تعلق و قطع تعلقی کے احکام

مصنف

ابو احمد محمد انس رضا قادری

تخصُص فی الفقہ الاسلامی، الشہادۃُ العالمیۃ

ایم ۔اے اسلامیات، ایم ۔اے پنجابی، ایم۔اے اردو

ناشر

مکتبہ فیضان شریعت داتا دربار مارکیٹ، لاھور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہارِ طریقت

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے ۔۔۔

تصوف کی تعریف و مفہوم، تصوف پر ہونے والے اعتراضات کے جوابات

اسلامی اور غیر اسلامی تصوف کا تقابلی جائزہ، طریقت کی تعریف و احکام، بیعت کا ثبوت

شانِ اولیاء اللہ، پیری مریدی کے احکام، جعلی پیروں کی پہچان

مصنف

ابو احمد محمد انس رضا قادری

تخصُص فی الفقہ الاسلامی، الشہادۃُ العالمیۃ

ایم ۔اے اسلامیات، ایم ۔اے پنجابی، ایم۔اے اردو

ناشر

مکتبہ فیضان شریعت داتا دربار مارکیٹ، لاھور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرض کے احکام

اس کتاب میں آپ پڑھیں گے۔۔۔

فقہ کے تمام ابواب میں موجود قرض کی صورتیں، قرض کے جدید مسائل

لیزنگ، بنک اور قرض، c,c (کیش کریڈٹ) حج وعمرہ بذریعہ بنک، چیک، انشورنس

سکیورٹی وایڈوانس، ملکی معاملات اور قرض، انعامی بانڈز، اسکیمیں، ٹیکس، گروی، لکی، بولی والی کمیٹی، U,Fone Lone، Mony

Exchangers (ہنڈی) ادائیگی قرض کے وظائف،

اس کے علاوہ اور بہت کچھ

مصنف

ابو اطہر محمد اظہر عطاری المدنی

تخصص فی الفقہ الاسلامی، الشھادۃ العالمیہ

ناشر

مکتبہ فیضان شریعت داتا دربار مارکیٹ، لاہور